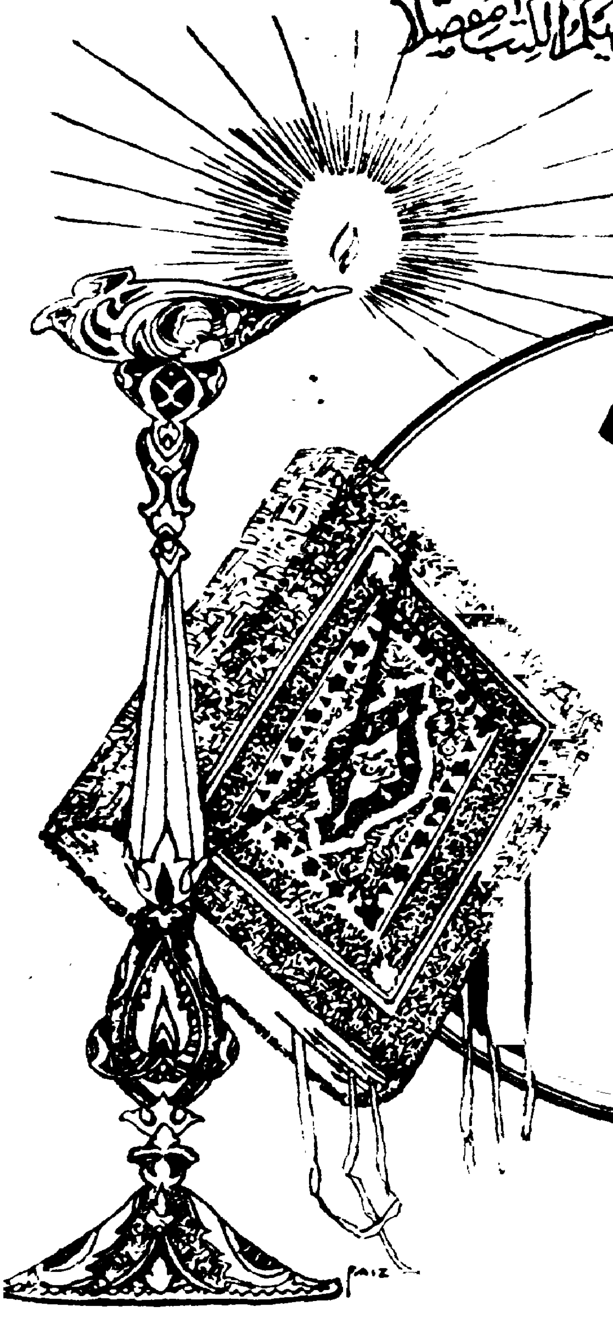
Regd. No. L. 2282.

أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلا



بلاغ

امتِ مسلمہ امرتسر

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲۸۲

بلاغ امرتسر ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

بلاغ

قیمت سالانہ ...

فی پرچہ ...

جلد ۱۵ - امرتسر - ماہ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۸ء نمبر ۱

فہرست مضامین

شذرات

(از صابری)

مسلم لیگ اور کانگرس:-

نومبر ۱۹۳۷ء کے "بلاغ" میں کانگرس اور مسلم لیگ کے عناصر ترکیبی پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالی گئی تھی، اس کے بعد چند اور پہلو سامنے آگئے۔ آج کی صحبت میں ہم ان تمام پہلوؤں پر ایک تسلی بخش نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

آپ تسلیم کرتے ہیں کہ کانگرس اور لیگ کے بنیادی مقاصد میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں جماعتیں آزادی کامل کے نصب العین کے ساتھ ہنگامہ آرا ہیں، دونوں کی تمنا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو غیر ملکی استبداد سے نجات دلائی جائے اور دونوں کے پروگرام میں ملک کی زرعی، تعلیمی اور اقتصادی خدمت شامل ہے۔ پھر ان مشترک مقاصد کے ہوتے ہوئے دو الگ الگ جماعتوں کی کیا ضرورت ہے؟ یا یہی سوال دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی اٹھایا جاسکتا ہے کہ جب کانگرس کا پروگرام پہلے ہی سے ان تمام امور پر حاوی ہے، تو اسی بنیاد پر کسی دوسری جماعت کے قیام کی کیا ضرورت پیش آئی؟

یہ واضح ہے کہ کسی جماعت کو صرف اس لحاظ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی کہ اس کا پروگرام خوش نما ہے، الفاظ خوبصورت ہیں اور وعدے دلفریب۔ دیکھنے کی چیز صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ اُس کے الفاظ و عمل میں تطابق کہاں تک پایا جاتا ہے؟ اس فارمولے کو سامنے رکھ کر چند صحیح مثالوں کی روشنی میں کانگرس کی حیثیت پر غور کیجیے:

۱۔ کانگرس کا وعدہ تھا کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرے گی۔ مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ اُن کے حقوق آئینی طور پر محفوظ کردیے جائیں، جواب ملا، پہلے غیر مشروط طور پر شامل ہو جاؤ، جب حکومت حاصل ہوگی، تو حقوق کا معاملہ بھی طے ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا جواب نہ صرف مسلمان اقلیت کو مطمئن نہیں کرسکتا، بلکہ اس سے کانگرس کے مافی الضمیر سے متعلق بھی کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اگر وہ مستقبل میں حقیقۃً مسلمانوں کو اُن کے حقوق سے محروم نہیں رکھنا چاہتی، تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ صاف الفاظ میں عدل و انصاف کا اعلان نہ کردے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا خود کانگرس کی طرف سے اسی طرح کا ایک مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کیا جاچکا ہے، یعنی گورنمنٹ یقین دلائے کہ

کانگرسی وزارتوں سے متعلق گورنر اپنے اختیارات خصوصی کا ناجائز استعمال نہیں کریں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا، جو چیز کانگرس کے لیے جائز اور معقول ہے، وہ مسلمانوں کے لیے ناجائز اور غیر معقول کیوں ہو گئی؟

۲۔ فرض کر لیجیے، مسلمانوں کی طرف سے قبل از وقت "حفاظت حقوق" کا مطالبہ "غیر معقول" ہے اور کانگرس کی تصریحات کے مطابق اس چیز کا فیصلہ حکومت و اقتدار حاصل ہونے کے بعد طے ہونا چاہیے ہم پوچھتے ہیں، سات صوبوں کی عنان وزارت ہاتھ میں لے چکنے کے بعد مسلمانوں کے حقوق کا کیا تصفیہ کیا گیا ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اُڑیسہ کی وزارت میں کسی مسلمان کو شامل نہیں ہونے دیا گیا؟ غضب و تعصب کے ان روشن واقعات کی موجودگی میں مسلمانوں پر عدم اعتماد و اشتراک کا الزام رکھنا حد درجہ کی جسارت ہے!

۳۔ کانگرس اپنی ساری زندگی میں عوام الناس کے حقوق کا نام لے لے کر اپنی تحریکات کو قوت پہنچاتی رہی۔ مزدوروں سے کہا گیا، تمہاری مشکلات کا واحد حل یہ ہے کہ تم کانگرس میں شامل ہو کر سرمایہ داری کی زنجیریں کاٹنے میں ہماری امداد کرو، کسانوں سے کہا گیا، سود در سود اور بنیے کی گرفت سے آزاد ہونا چاہتے ہو، تو کانگرس میں شریک ہو جاؤ، لیکن جب ان دونوں طبقوں کی جان توڑ کوششوں کے بعد کانگرس کو عروج و اقتدار حاصل ہوا، تو اس نے اپنے تمام عہد و پیمان بالائے طاق رکھ دیے۔ ادھر کسانوں اور مزدوروں کا خیال تھا کہ عن قریب اُن کے تمام مصائب کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے، چنانچہ پچھلے دنوں کان پور، الہ آباد، شولا پور اور احمد آباد وغیرہ کے مزدوروں نے صرف اسی خیال سے اصلاح حال کی جدوجہد کا آغاز کیا کہ اب کانگرس کا عہد حکومت ہے اور وہ ضرور اُن کی پشتیبانی کا فرض ادا کرے گی، مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کس طرح اُن کی آرزوؤں کا خون ہو کر رہ گیا۔ بمبئی کی کانگرس حکومت کا یہ کارنامہ ہندوستان کے مورخ کی نگاہوں سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس نے ہڑتالی مزدوروں کے خلاف دفعہ ۱۴۴ اور کریمنل لاء امنڈمنٹ ایکٹ کے شرمناک حربوں سے کام لے کر انھیں بے دریغ جیل خانوں میں بند کر دیا۔ اگر یہی حالات سابقہ حکومت کے عہد میں رونما ہوتے، تو یقیناً کانگرس کے پلیٹ فارم سے کئی مرتبہ صدائے احتجاج بلند ہو چکی ہوتی۔

سوال پیدا ہوتا ہے، کانگرس نے مزدوروں کی حمایت کا فرض کیوں ادا نہیں کیا؟ جواب واضح ہے۔ کانگرس کی جملہ تحریکات سرمایہ داری کی مرہون منت ہیں۔ سیٹھ جمنالال، مسٹر برلا اور دوسرے بے شمار سرمایہ داروں نے کانگرس کے فروغ کے لیے ہزاروں اور لاکھوں روپے لٹائے۔ کانگرس ہر حال میں ان ہی لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے گی۔ وہ مزدوروں اور کسانوں کی حمایت کر کے

اپنے سرمایہ دارانہ نظام کی شکست کبھی گوارا نہیں کرسکتی اور نہ ہی ان حالات میں ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیئے غریب ونادار طبقے کی فلاح وبہبود کے لیے کانگرس کوئی صحیح قدم اُٹھائے گی۔

۴۔ کانگرس میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، اس لیے قدرتاً اس کی ذہنیت ہندو تہذیب کے ا کو ترجیح دے رہی ہے۔ واقعات گواہ ہیں کہ کانگرس نے ہندو مسلم اختلافات میں ہمیشہ جانب دارانہ کیا۔ "اردو ہندی" اور "بندے ماترم" کے مسائل سے متعلق کانگرس کی روش ہمارے سامنے۔ اُمور کے پیش نظر ہم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کانگرس کا وجود اسلامی روایات کے حفظ بقا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۵۔ جن مسلمانوں کی طرف سے کانگرس کی شمولیت اور مسلم لیگ کی مخالفت پر زور دیا جارہا اُن کے دلائل بھی قابل توجہ ہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ کانگرس ایک فعال جماعت ہے اور مسلم لیگ آ اور بے عمل مسلمانوں کی ایک مجلس ہے۔ بلاشبہ اُن کا یہ خیال صحیح ہے اگر اس موقعہ پر یہ نکتہ نظر انداز کیا جاسکتا کہ ممکن ہے ایک جماعت کا عمل وحرکت خود اس کی اپنی ذات کے لیے تو مفید ہو، لیکن دوسر کے لیے قطعاً سودمند نہ ہو۔ سوال صرف یہ ہے کہ کانگرس کی قربانیاں، اس کا ایثار، اس کا بے جوش عمل مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ اگر محض اسی لحاظ سے کسی جماعت میں شامل ہونا د ہے، تو پھر مسلمانوں کا عیسائیوں میں شامل ہوجانا کیا بُرا ہے؟ حالانکہ وہ لوگ ہندوؤں سے بڑا زیادہ طاقت ور، منظم اور مستعد ہیں۔ پھر ایسے توہین آمیز حالات میں جب کانگرس ہمارے حقوق کا نہ کرے، ہمیں غیر مشروط طور پر شمولیت کی دعوت دے اور ہماری قومی اور ملی روایات کا تحفظ نہ کرے، ہمارا شرکت کے لیے آمادہ ہوجانا قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اسی سلسلے میں بعض لو کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ پہلے مسلمانوں کو آگے بڑھ کر کانگرس پر چھا جانا چاہیے وہ خود بخو اُن کے مطالبات کی طرف متوجہ ہوگی اور اُن کے حقوق سے عہدہ برآ ہوئے بغیر اُس کے لیے کوئی چارہ نہ رہے گا۔ ایک منٹ کے لیے ہم اس دلیل کو بھی تسلیم کرلیتے ہیں، مگر اس بات کا کیا کہ مسلمانوں میں "کانگرس پر چھا جانے کی بھی اہلیت موجود نہیں۔ جس جماعت کا نصب العین ایک نہیں، راہ عمل ایک نہیں، لیڈر ایک نہیں، تنظیم ایک نہیں، وہ آٹھ کروڑ کی اقلیت کے ہو۔ ئیس کروڑ کی منظم اکثریت پر کیوں کر چھا سکتی ہے؟ سکھ کانگرس میں جاکر اپنے حقوق کی حفاظت کرا سکتے ہیں، اچھوت عزت و وقار کے ساتھ اپنی جگہ حاصل کرسکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے لیے

غیر مشروط داخلے کے ذلت آمیز استقبال کے بغیر کوئی بھی راستہ موجود نہیں۔
ہندوستان، تمام قوموں کی متحدہ کاوشوں کے بغیر آزاد نہیں ہو سکتا۔ حکومت برطانیہ صرف اُن ہی مطالبات پر غور کر سکتی ہے، جو ملک کی تمام جماعتوں کی متفقہ کوششوں کا نتیجہ ہوں۔ اگر مسلمانوں نے جلد از جلد کوئی منظم صورت اختیار نہ کی اور مستقبل قریب کے انقلاب میں حصہ لینے کے لیے کماحقہٗ تیار نہ ہوئے، تو اندیشہ ہے کہ اُن کا سکون و جمود نہ صرف ملک کی آزادی کا وقت دور کرتا جائے گا، بلکہ حالات کی رفتار اس کی کمزوری اور بے بسی میں اضافہ کر کے، اغیار کی قوتوں کو زیادہ مضبوط کر دے گی

پانچ ستاروں کا غروب

پچھلے سال آسمان ہندوستان کے پانچ روشن ترین ستارے غروب ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر سر سید راس مسعود نے انتقال فرمایا۔ مرحوم سر سیدؒ کے پوتے اور جسٹس سید محمود کے بیٹے تھے۔ اُن کی عملی زندگی کی ابتدا پٹنہ کے ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری سے شروع ہوئی، پھر پروفیسر ہوئے، پھر حیدر آباد میں ناظم تعلیمات کے عہدے پر سرفراز ہوئے، پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر اور اس کے بعد بھوپال میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ وفات کے وقت عمر کوئی ایسی بڑی نہ تھی، مرحوم تعلیمی معاملات کے زبردست ماہر تھے۔ ابھی زندہ رہنے کی توقع تھی اور اگر کچھ عرصہ اور زندہ رہتے، تو ملک ان کی تعلیمی خدمات سے مزید فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔

۷ اکتوبر کو شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نے سفر آخرت اختیار کیا۔ اُن کی ذات میں بہت سے کمالات جمع تھے۔ وہ حکیم و طبیب تھے، خطاط و خوش نویس تھے اور ادب و شعر، موسیقی اور مصوری کے فنون میں ماہر تھے۔ اُن کے دست شفا نے ہزاروں مایوس الصحت انسانوں کو تر و تازہ کیا۔ مرحوم کی وفات سے نہ صرف علمی اور ادبی محفلیں سونی پڑ گئیں، بلکہ ملک کے متوسط اور غریب طبقے کی اُمیدیں بھی معدوم ہو گئیں۔

۱۸ نومبر کو دہلی کے شاہی خاندان کے نامور طبیب حکیم محمد احمد خاں نے وفات پائی۔ فنی اعتبار سے مرحوم کا پایہ بہت بلند تھا۔ آپ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ مریض کے چہرے اور نبض کو دیکھتے ہی صحیح تشخیص پر پہنچ جاتے تھے۔ وفات سے دو ماہ قبل آپ عراق تشریف لے گئے، لیکن وہاں کی آب و ہوا راس نہ آنے کے سبب بیمار ہو گئے اور اسی اثناء میں واپس ہندوستان پہنچ گئے۔

اخبارات میں پہلی اطلاع شائع ہوئی کہ مرحوم کو سرسام کا عارضہ لاحق ہوگیا ہے، دوسری اطلاع یہ تھی کہ آپ دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ حکیم محمد احمد خاں کی وفات سے ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے جس کی تلافی کا امکان بحالاتِ موجودہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔

۲۴ نومبر کو ملک کے مشہور اور مایہ ناز سائنس دان سر جگدیش چندر بوس کا انتقال ہوا۔ سر جگدیش ایک زبردست عالمِ طبیعات کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ تمام دنیا میں متعارف تھے۔ اُن کی ذات سے بیرونی ممالک کی علمی اور فنی سوسائٹیوں میں اہلِ ہند کا وقار پیدا ہوگیا تھا۔ اُن کا شمار ہندوستان کے ایسے فرزندوں میں ہوتا ہے، جن کی زندگی کا نصب العین ملک و قوم کی زرّیں خدمات پر حاوی ہو۔ اُن کی قومی خدمات کا سلسلہ اُن کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اُن کا قائم کیا ہوا ادارہ (بوس انسٹیٹیوٹ) اپنی طبیعاتی تحقیقات کے ذریعہ مشغولِ خدمت رہے گا۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں اپنا تمام سرمایہ تقریباً چار لاکھ روپیہ قومی اور ملکی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔

بوس دنیائے سائنس کے پہلے ماہرِ طبیعات تھے، جنھوں نے ثابت کیا کہ حیوانات کے علاوہ نباتات بھی زندگی کی قوتوں سے محروم نہیں ہیں۔ خدا کرے بوس انسٹیٹیوٹ اپنے بانی کے جاری کیے ہوئے سلسلہ انکشافات کو جاری رکھے۔

۴ دسمبر کو صوبہ سرحد کے عظیم و جلیل رہنما، صاحب زادہ نواب سر عبدالقیوم خاں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے سے اُن کی عملی زندگی کی ابتدا ہوئی اور اس کے بعد وہ سالہا سال پولٹیکل ایجنٹ کے جلد درجہ ذمہ دارانہ عہدے پر فائز رہے۔ بہت کم ایسے انسان ہوں گے، جن کو صاحب زادہ مرحوم کی طرح حکومت اور پبلک کا یکساں اعتماد حاصل ہوا ہو۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد اُن کی قومی خدمات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسلامیہ کالج پشاور، اُن کی زندگی کا ایک زرّیں کارنامہ ہے۔ یہ سچی اور روشن خدمت اسلامی ہندوستان کے حافظے سے کبھی محو نہیں ہو سکتی اور اپنے پاکیزہ اثرات کے لحاظ سے اسلامیانِ سرحد کو بالخصوص اور مسلمانانِ ہند کو بالعموم، قیامت تک اُن کے نام کو احترام و دعا کے ساتھ یاد کرنے پر آمادہ رکھے گی۔

اُمتِ مسلمہ کی ماتحت شاخیں

یہ خبر مسرت سے سنی جائے گی کہ پچھلے مہینے لاہور میں اُمتِ مسلمہ امرتسر کی ایک ماتحت برانچ قائم ہو چکی ہے۔ احباب لاہور نے جس صدق و خلوص کے ساتھ جماعت کے قیام میں کوشش فرمائی، ہم تہ دل سے اس کے شکر گذار ہیں۔ ان سطور کی تسوید کے وقت، محترم عرشی صاحب مسانیاں (گورداسپور) کی جماعت کے استحکام میں مصروف ہوں گے۔ خدا کرے اُن کا یہ سفر بھی کامیاب ثابت ہو۔

اب جب کہ تبلیغی مراکز کے قیام کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مقامات کی جماعتوں کے سامنے اُن کے ضروری فرائض کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کر دیا جائے۔ اگرچہ مقامی حالات و ضروریات کے مطابق ہر جماعت کسی مناسب پروگرام پر عمل کر سکتی ہے، لیکن صرف اس خیال سے کہ طریق کار اور اس کے نتائج میں یکسانی رہے، مرکزی جماعت کی طرف سے بھی کسی بنیادی لائحہ عمل کا اعلان کر دینا خالی از فوائد نہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک مندرجہ ذیل اُمور تمام جماعتوں کے پیش نظر رہنے ضروری ہیں:

۱۔ **تبلیغ قرآن**: (کتب و اشتہارات اور تقاریر و مجالس کے ذریعے کتاب حکیم کی اشاعت)

۲۔ **مسلمانوں کی تنظیم**: (عامۃ المسلمین کو فرقہ وارانہ کش مکش سے بچانا اور تنظیم و اتحاد کے حقیقی فوائد سے آگاہ کرنا۔)

۳۔ **دفتروں کا قیام** (اُمت مسلمہ کے مطبوعات کے علاوہ دوسرا مفید لٹریچر مہیا کرنا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس کے مطالعہ کی دعوت دینا)

۴۔ **بلاغ کی توسیع اشاعت۔**

۵۔ **جماعتوں کا قیام**۔ (گرد و پیش کی آبادیوں میں جماعتیں قائم کرنا)   (صابری)

اَصل مطالع اور احکم الحاکمین

عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ المناک واقعات مفید نتائج کا موجب ہو جاتے ہیں۔ ہمارے محترم مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پر حملہ جہاں جسمانی لحاظ سے ایک ہولناک واقعہ ہے وہاں روحانی حیثیت سے مفید و مبارک بھی ہے، چنانچہ آپ نے بھی اس کے بہت سے فوائد بیان فرمائے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا فائدہ جو ہم نے سمجھا ہے یہ ہے کہ محترم کی توجہ توحید کی طرف

ہو رہی ہے، الحمد للہ، اب آپ اپنے پرانے دو اصل مطاعوں والے عقیدہ کی نسبت بھی اپنی طرف گویا انہیں کہتے
گزشتہ بلاغ کے صفحہ ۴ پر ہم نے لکھا تھا کہ آپ دو اصل مطاع وغیرہ تسلیم کرتے ہیں، اس پر آپ خفا ہیں
اور اس عقیدہ کو اپنی ذات پر افترا کہتے ہیں[۱]، ہم خوش ہیں کہ آپ خواجہ احمد الدین کی وفات سے ڈیڑھ
سال بعد خالص توحید کی طرف مائل ہو رہے ہیں

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

اور فرماتے ہیں کہ آپ کبھی ایسے مشرکانہ عقائد کے شناسا ہی نہیں۔ ہمیں اس انکار پر بھی تعجب نہیں۔ آخر
ایک پرانا مناظر دنیا والوں کے سامنے ایک ایسی بات کا اعتراف کیوں کرے جو صرف خدا کے حضور
ان لینی پڑے گی؟ بہرحال ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ آپ اپنے مباحثہ اصل مطاع یا اتباع رسول کی
روداد میں اپنے لکھے ہوئے پرچوں کو دوبارہ دیکھ جائیں اور اس کے بعد سے خواجہ مرحوم کی وفات
تک کے ،، اہلحدیث" کی فائل[۲] کو سرسری نگاہ سے دیکھ لیں، آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ اُن دنوں
سچ مچ ایسے ہی عجیب و غریب عقیدہ پر فدا تھے جس کی طرف سے اب آپ کو یکلی نفرت ہو رہی ہے
خیر ؎

اس کو بھولا نہ چاہئے کہنا صبح کا بھولا جو پھر آئے شام

محترم مولانا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر ایک مہلت دی ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اس
سے کوئی حقیقی فائدہ حاصل کریں۔ میں آپ کو مولانا محب الحق کے مضمون (بلاغ نمبر ۱۲) کے
آخری فقروں کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو آپ کے، میرے اور ہر راہی کے لئے زاد راہ کا کام دے
سکتے ہیں۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (عرشی)

---

[۱] آپ مجھے درس ثنائی میں بلا کر کوئی خاص نکتہ سمجھانے کا شوق رکھتے ہیں اخبار اہلحدیث کے صفحات
جس کے متحمل نہیں ہو سکتے، اس کے متعلق غالب کا ایک شعر عرض کرتا ہوں ؎

قاصد کے آتے آتے اک خط اور لکھ رکھوں میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

[۲] (۱) حضور سرور عالم کو خداوند اور لاشریک کہنا جائز ہے (اہلحدیث ۲۱ فروری ۱۹۲۰ء بحوالہ
الفقیہ ۱۴ دسمبر ۳۷ء)

(۲) حضور سرور عالم اصل مطاع ہیں اور احکم الحاکمین ہیں (اہلحدیث ۸ مئی ۱۹۳۱ء بحوالہ الفقیہ ۱۴ دسمبر ۳۷ء)

اُمتِ مُسلمہ اور "حقیقتِ اسلام"

معزز معاصر "حقیقت اسلام" نے اپنی دسمبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں "اُمت مسلمہ کے ارباب علم" سے دس سوالوں کے جواب طلب کر کے باہمی اختلاف کی وجوہ پر تفصیل کے ساتھ مبادلۂ افکار کا خیال ظاہر فرمایا ہے۔ ہم دلی خلوص سے اپنے معاصر کا خیر مقدم کرتے ہیں اور متمنی ہیں کہ ذہنی گفتگو کا انداز ہمیشہ خالص علمی ہی ہونا چاہیے۔ اس صورت میں بہت سے فتنوں کا سدِّباب ہو سکتا ہے اور کسی فریق کو ترکِ باطل اور قبولِ حق سے گریز نہیں ہو سکتا ——

حقیقت اسلام کا پرچہ کل ۱۰ دسمبر کو ملا ہے۔ جوابات "بلاغ" کی پہلی اشاعت میں طلب کیے گئے ہیں، جس کی کاپیاں کاتب کے پاس قریباً پہنچ چکی ہیں، اس لیے سردست ادارہ کی طرف سے اس کا جواب عرض کیا جا رہا ہے۔ حسب ضرورت و مہلت اُمت مسلمہ کے ارباب علم کو بھی تکلیف دی جا سکتی ہے (ادارہ)

س ۱۔ آپ یہ بتایئے کہ جب آپ صرف قرآن کو حجت و مستند قرار دیتے ہیں۔ اس وقت آپ کا خیال کیا ہوتا ہے۔ کیا صرف یہ کہ قرآن فہمی کے لیے محض لغت کا جاننا ضروری ہے؟ اور اُس ماحول یا اُن ظروف و حالات کا جاننا لازمی نہیں جن میں قرآن نازل ہوا؟

ج ۱۔ نہ صرف ماحول و ظروف بلکہ لغت، بیان، معانی، گرامر، تاریخ (حدیث[۵] وغیرہ) جغرافیہ، دیوان العرب، طبقات الارض، ہیئت، صحف قدیم وغیرہ تمام علوم و فنون جن کی طرف قرآن مجید نے اشارات

---

[۵] حدیث کے ہم اسی طرح وارث ہیں اور اس سے فائدہ اُٹھانے کا حق رکھتے ہیں جس طرح اپنے اسلاف کے دیگر علوم و مساعی سے حسب ضرورت وقت، بشرط تنقید، بشکریہ تمام اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک بھی قابل ذکر ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

"البتہ احادیث سے قرآن کی شرح و تفسیر کا کام لیا جاتا ہے، نیز ظہور اسلام کے عہد کی تاریخ معلوم کرنے کا جو انسان اُن عقائد اور اعمال کا پابند ہو جائے، جو قرآن نے بتلائے ہیں، وہ مسلم، مومن، نجات یافتہ انسان ہے، اگرچہ اُس نے حدیث کی کوئی کتاب نہ دیکھی ہو یا ساری عمر میں ایک حدیث بھی نہ سُنی ہو"۔ (مکتوب قلمی، بدست خاص مولانا ابوالکلام آزاد موجودہ دفتر بلاغ و مطبوعہ بلاغ)

کئے ہیں، اُن کے جاننے کی ضرورت ہے۔ مثلاً آیات متعلقہ تخلیق نطفہ و جنین کو سمجھنے کے لیے جدید علم الجنین (Embryology) کا جاننا لازم ہے۔ بروج و نجوم و افلاک کی آیات کا سمجھنا علم ہیئت (Astronomy) کے فہم سے متعلق ہے، لیکن یہ تمام علوم صحیفہ فطرت کے تجربات و مشاہدات سے اخذ کردہ ہیں۔ اُن میں ہمیشہ ترقی و ترمیم کی گنجائش رہے گی اور وحی اس سے منزہ ہے، جو صرف قرآن میں محصور ہے۔

س ۲۔ کیا کسی کتاب کو اگر اُس کے "ماحول" سے بالکل الگ کر لیا جائے تو اس کا سمجھنا صحیح معنوں میں ممکن ہے؟

ج ۲۔ قرآن کا مصنف عز اسمہٗ کسی مخصوص ماحول سے متاثر نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ اس کی ہر آیت ہر ملک اور ہر عہد کے لیے اپنے مناسب حالات میں مشعل ہدایت ہے۔ نیز خود قرآن جس کامل ذمہ داری اور قطعیت سے اپنے ماحول کو ضبط کرتا ہے، قرآن سے باہر اس کا وجود نہیں۔ اگر ہم قرآن سے باہر ماحول و شان نزول کو تلاش کریں گے تو مشکل سے کسی آیت کی شان نزول متعین کر سکیں گے۔ نیز حدیث کا بڑا حصہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کی تصریحات کے مطابق عہد رسالت کے حالات سے مختص تھا، جس کو قرآن مجید کی طرح دوام و قیام نہیں ہو سکتا۔

س ۳۔ کیا مذہب جس میں صرف مستند اقوال ہوں، مستند شخصیت، مستند کردار اور مستند روح نہ ہو اس کے لیے ممکن ہے کہ نصف قرن میں وہ نصف دنیا پر چھا جائے؟

ج ۳۔ مستند شخصیت[1] اور مستند کردار سے اگر آپ کی یہ مراد ہے کہ نصف قرن میں نصف دنیا پر چھا جانے کے لیے کسی ایسے شخص یا جماعت کی ضرورت ہے، جن کی ہر حرکت و سکون الفاظ قرآنی کی طرح قطعاً بے غلط ہو اور قابل استناد ہو، تو ہمیں اس کا انکار کر دینے میں کوئی تامل نہیں — لیکن ہم اس سرفروش و مخلص شخص و جماعت کو وحی کا درجہ نہ دیتے ہوئے ان کے فضائل و معالی

---

[1] اگر کسی بشر کے افعال و اقوال سے بشری اختیار (جس میں صواب و خطا دونوں کا امکان ہے) سلب کر لیا جائے، تو وہ دیگر غیر ذوی العقول مخلوق کی طرح مجبور محض ہونے کی حیثیت میں کسی اجر و جزا اور تحسین و نفرین کا مستحق نہیں رہتا، یعنی اس کا عیب و ہنر اس کا ذاتی عیب و ہنر نہیں سمجھا جائے۔

[2] ——— اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ عام مفسرین کی عقل کو فہم قرآن کا مکلف و اہل سمجھا جائے، لیکن خود مہبط وحی کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے کہ اُن پر قرآن کا فہم بھی آسمان سے نازل ہوتا تھا، وہ خود اس میں کوئی فکر نہ فرماتے تھے؟

کی بنا پر کائنات انسانی کے لیے بہترین اسوہ عمل یقین کرتے ہیں اور ایسے بہت سے نمونے خود قرآن میں بھی موجود ہیں، کما قال یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔

س ۴ ۔ اگر حضورؐ کی شخصیت محض مجتہد اوّل کی تھی، تو اس کے یہ معنی تھے کہ ان کی تشریحات فقہی و دینی دوسروں کے لیے نہ صرف حجت نہ تھیں بلکہ یہ بھی ضروری نہ تھا کہ ان کو ترجیح دی جائے۔

ج ۴ ۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرتؐ شوریٰ کے لیے مکلّف تھے۔ (وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ) اور یہ بھی آپ کو یاد ہوگا کہ بعض دفعہ وحی الٰہی آپ سے الگ رائے رکھنے والوں کی موید ہوتی تھی۔ مثلاً فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ الخ یا قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا وَتَشْتَکِیْ اِلَی اللّٰہِ الخ پہلی آیت میں فریق مخالف کی تائید کی، دوسری آیت میں آنحضورؐ کے مقابل ایک عورت کی حمایت کی گئی ہے۔ کتب حدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

س ۵ ۔ فرض کیجئے کہ آج رسول زندہ ہیں اور ان کے کسی دینی اجتہاد سے ہم کو اختلاف ہے۔ اس صورت میں فیصلہ کیونکر ہوگا؟ یعنی قرآن ایک قانون ہے۔ اس کی تعبیر میں بالطبع اختلاف رائے ہے اور ہوسکتا ہے۔ پھر "سپریم کورٹ" یا "عدالت عالیہ" آپ کسے قرار دیں گے؟

ج ۵ ۔ رسول اللہ صلعم اپنی زندگی میں بحیثیت حاکم اعلیٰ ہمارے لیے مرجع آخر ہیں۔ آپؐ کے بعد یہ خصوصیت آپؐ کے جانشین میں منتقل ہوجائے گی۔ وھلم جرا

س ۶ ۔ حجیت و استناد کے لیے کون کون لفظ عربی میں ہیں جو آپ کو درکار ہیں اور وہ حضور کے لیے استعمال نہیں ہوئے یا وہ کون پیرایہ بیان ہے جس سے کسی شخص کو حجت و مستند قرار دیا جاسکتا ہے اور وہ پیرایہ بیان حضور کے لیے قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔

ج ۶ ۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ﴿۱﴾ حکم صرف اللہ کا ہے
لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ﴿۲﴾ اُس کی باز پرس اُس سے نہیں کی جاسکتی جو کچھ وہ کرتا ہے اور لوگوں سے (اُن کے کیے کی) باز پرس ہوتی ہے۔

اَفَمَنْ یَّھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَھِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی ﴿۳﴾ تو کیا جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اُس (کے حکم) کی پیروی کی جائے یا جو ایسا (عاجز) ہے کہ جب دوسرا اُس کو راہ نہ دکھائے وہ خود بھی راہ نہیں پاسکتا۔

س ۷ ۔ آجکل مسلمانوں میں جو دینی اور ثقافتی (کلچرل)، تعاون و تعامل پایا جاتا ہے اس کی بنیادیں کیا

قرآن کی تعلیمات پر قائم ہیں یا حجیت رسول کے خیال پر؟

ج ۷۔ ہمارا موجودہ دینی و ثقافتی تعامل و تعاون قرآن، حدیث، فقہ، تصوف وغیرہ مؤثرات سیزدہ صد سالہ کا نتیجہ ہے۔

س ۸۔ کیا آپ تاریخی طور پر ایسے دور کو متعین کر سکتے ہیں جس میں ایک دم لوگوں نے احادیث کو اپنے لیے راہنما قرار دے لیا ہو اور خالص قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دیا ہو؟

س ۹۔ کیا آپ ایسے اسباب و دواعی کا پتہ دے سکتے ہیں جن سے مجبور ہو کر ایک دم دنیائے اسلام کا شرق سے لیکر غرب تک حدیثوں کی طرف رُخ پلٹ گیا ہو اور اُنھوں نے اُس وقت سے لیکر اس وقت تک اس چیز پر کبھی غور نہ کیا ہو کہ قرون اولیٰ کے مسلمان صرف قرآنی نظام عقائد و عبادات کے قائل تھے؟

ج ۸-۹۔ عرب[ل] و عجم کے سیاسی حالات کا مطالعہ فرمائیں، بنی امیہ، بنی عباس اور فواطم کے عروج و زوال پر نظر کریں، آپ کے سامنے مطلوبہ اسباب و دواعی کی حقیقت آئینہ ہو جائے گی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ قرآنی نظامِ عقائد و عبادات ہی کا اثر تھا کہ نصف قرن میں نصف دنیا مغلوب ہو گئی۔ اس کے بعد پھر کبھی یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا، آخر کیوں؟

س ۱۰۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حجیت حدیث کا انکار کر کے آپ نے وحدت خیال کے پیدا کرنے میں کس حد تک کامیابی حاصل کی ہے؟

ج ۱۰۔ اگر حجیت حدیث کا اقرار کر کے صدیوں میں کوئی وحدت خیال پیدا نہیں ہو سکی، تو چند سالہ انکار سے اس معجزے کی توقع رکھنا کچھ زیادہ موزوں نہیں۔ اس کے علاوہ ہماری اپنی روش ظاہر

[ل] حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ۱۰۳ یا ۱۲۰ سال کی عمر پائی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قریباً سو سال زندہ رہے۔ اُن کی زندگی کے آخری حصے میں روایات و بدعات کا آغاز ہو چکا تھا۔ چنانچہ فرمایا کرتے "حضورؐ کے وقت جو طور و طریق، صدق و خلوص اور قول و عمل ہم دیکھتے تھے، آج اس میں کچھ باقی نہیں رہا"۔ کسی نے پوچھا نماز کے متعلق کیا کہتے ہو جواب دیا:۔

اَلَیْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِیْھَا

اس میں بھی جو بناوٹ تم نے چاہی کر لی۔

ہے کہ ہماری مجلس کا رکن بننے کے لیے پہلی شرط یہی ہے کہ "مسلم" کے سوا تمام فرقہ پرستانہ القاب ترک کر دیے جائیں ؎

بجز مسلم نہ تھا زیبا کوئی اسم و لقب ہم کو
کیا اسم و لقب کے تفرقے نے ہم کو نامسلم

اور خدا کے برگزیدہ رسول کی پیروی میں ہم "بلاغ" کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں؟ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ ۔ توقع ہے کہ اس امر اہم کی اشاعت میں آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔

(نوٹ) مکرر عرض ہے کہ ہر سوال کے جواب میں بشرط مطالبہ مفصل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ فی الحال طوالت کے خوف سے اس مختصر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

محمدی یا چکڑالوی بقیہ ص ۱۶

اور مجمع منتظر ہو کہ دیکھیں مسلمانوں کا رسولؐ کس شان کا ہے۔ تو آپ یوں بیان کرنا شروع کر دیں کہ ہمارا رسولؐ دنیا سے بڑی تکلیف سے رخصت ہوا، بھوک سے تکلیف پا کر پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ اُسے سخت بخار آیا کرتا تھا۔ اور وہ کسی چیز کا بھی مالک نہ تھا۔ خدا کے آگے اُن کی کوئی عزت نہ تھی۔ وہ اب مر کر مٹی میں مل گیا ہے۔ اُسے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ وہ ایک ہمارے جیسا بشر تھا۔ اُسے اپنی بھی کچھ خبر نہ تھی۔ تو مولوی صاحب! فرمائیے کہ کتنے غیر مسلم مسلمان ہونگے؟ اور لوگ حضورؐ کا کیا نقشہ لیکر جائیں گے؟

مولوی صاحب اس کے آگے رقمطراز ہیں کہ:-

"حنفی دوستو! آؤ قرآن مجید کی نص صریح سنو۔ سورہ نحل میں غلام اور مولیٰ کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ غلام اپنے مالک کے مال میں برابر کا شریک ہو جائے"

افسوس وہابیوں نے محبوب کبریا کو محض ایک غلام ہی سمجھا۔ وہابیو! سرور عالم محض غلام ہی نہیں۔ جو تمہارا یہ کہنا صحیح ہو۔ یوں تو ہم بھی سب اُسی کے غلام ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے محبوب بھی ہیں۔ رسول بھی ہیں، اور مصطفےٰ و مجتبےٰ رسول۔ مگر تم نے نرا ایک غلام سمجھکر یہ کچھ لکھ مارا۔ اگر غلام مالک کے مال میں برابر کا شریک نہیں تو وہ اس کے حکم و مطاعیت میں بھی شریک نہیں۔ پھر جب محمد رسول اللہ باوجود غلام ہونے کے مطاع اور احکم الحاکمین ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ کہ مالک نہ ہو سکیں؟

محمدی یا چکڑالوی؟

"۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء کے "الفقیہ" میں مولوی محمد بشیر صاحب کوٹلوی کے نام سے ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے مضمون نگار نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب حنفیوں کے سامنے چکڑالوی اور چکڑالویوں کے سامنے حنفی کی پوزیشن اختیار کر لیتے ہیں۔ ہم اس مضمون کا ضروری اقتباس پیش کرتے ہیں (بلاغ)

پچھلے دنوں ۲۸۔اگست کے الفقیہ میں میرا ایک مضمون بعنوان "رفعت شان مصطفےٰ" نکلا ہے۔ جس میں بحوالہ کتب حضورؐ کی عظمت شان کا بیان کیا گیا ہے۔ عظمت مصطفےٰ کا بیان ہوتا اور یہ اندرونی چکڑالوی (فرقہ اہل حدیث بلاغ) خاموش رہ جاتے۔ ناممکن تھا۔ ان لوگوں کے سردار مولوی ثناء اللہ رفعت شان مصطفےٰؐ کے خلاف جھٹ قلم لیکر اٹھے اور اہلحدیث ۶ستمبر ۱۹۳۵ء میں ایک مضمون بعنوان "کیا یہ سنی مذہب ہے یا مسیحی" لکھ مارا اور اپنی جلن کا یوں اظہار کیا کہ:-

"مضمون نگار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کا بہت طویل ذکر کیا ہے۔"

گویا حضور کی شان رفیع کا طویل ذکر بھی ان کے لیے باعث تکلیف ہوا۔

میں نے اپنے مضمون میں حضورؐ کی رفعت کا قرآن اور احادیث کا ذکر کرکے احادیث سے یہ ثابت کیا تھا کہ حضور کا نام نامی جنت پر اور جنت کے باغات کے پتہ پتہ پر اور اس کے دروازوں پر۔ حوروں اور رضوانوں کی آنکھوں اور پتلیوں میں لکھا ہوا ہے اور کسی چیز پر کسی شخص کا نام لکھا ہونا اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ یہ اس چیز کا مالک ہے۔ لہذا حضورؐ ہر چیز کے مالک ہیں۔ بس میرے سارے مضمون میں مولوی صاحب کو یہیں تکلیف ہوئی اور دو ورق کے مضمون کی آیات و احادیث کو چھوڑ کر صرف اسی جملہ کو لیکر اپنی اندرونی عداوت کا اظہار کیا۔ مولوی صاحب کی عادت ہے کہ آپ مضمون کا سیاق سباق چھوڑ کر صرف ایک جملہ کی تردید کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مزہ تو جب تھا کہ مولوی صاحب میری پیش کردہ احادیث کا جواب دیتے اور ان کے گرو مولوی اسمٰعیل کی جو گستاخیاں ہم نے پیش کی تھیں اُن کا جواب بھی دیتے۔ یہ کیا کہ ایک جملہ لیکر جواب لکھدیا اور تیس مار خاں بن گئے۔ مولوی صاحب کی نظروں میں بس یہی ایک جملہ کھٹک رہا ہے کہ حضور ہر چیز کے مالک ہیں۔ آپ اس کا رد فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں

"یہ نتیجہ جو راقم مضمون نے نکالا ہے کہ حضورؐ ہر چیز کے مالک ہیں' بالکل غلط اور اسلام کی صریح تنقیص ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ قرآن کی نص صریح

جس ستودہ صفات کے حق میں ان الفاظ میں وارد ہو قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا۔ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا۔ جس کی اپنی شان میں یہ خداوندی ارشاد پہنچا ہو لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ ہاں ہاں جس کی شان میں یہ بھی وارد ہوا ہو لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ جو تکلیف اور بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر باندھے۔ جس کو بخار چڑھے۔ تو دوسروں سے دُگنا چڑھے اور فرمائے کہ مجھے اجر بھی دُگنا ملتا ہے۔ جو انتقال کے وقت بڑی تکلیف کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو، جو اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ کو صاف فرمائے لا املك لك من اللہ شیئاً۔ جو اپنی غلامی کا اظہار یہاں تک کرے کہ انما اکل کما یاکل العبد جو اپنے انتقال کے وقت وصیت فرمائے کہ لاتجعلوا قبری وثنا یعبد اگر اس بزرگ کی اُمت اس کو زمین و آسمان کا مالک سمجھے تو وہ مسیحیوں کو کس مُنہ سے کافر کہہ سکتی ہے" (اہلحدیث، ۱۳ ستمبر ۱۹۳۷ء ص ۴)

ناظرین کرام! مولوی صاحب کی اس تحریر کو ملاحظہ کیجئے اور دیکھیے کہ ایک ایک لفظ سے چکڑالویت ٹپک رہی ہے یا نہیں۔ حضورؐ کا مالک ہونا انہیں کتنا بُرا معلوم ہوا ہے کہ اس کی تردید میں قلم بے لگام ہوا جارہا ہے اور آپ "ہاں ہاں" کہکر سرورِ عالم کی رفعت کا رد فرما رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

چکڑالویوں نے جب یہ کہا کہ محمدؐ رسول اللہ کو مطاع اور حکم ماننا شرک ہے کیونکہ اصل مطاع اور حکم خدا ہے۔ محمدؐ رسول اللہ کو مطاع اور حکم تسلیم کرنا گویا خدا کی صف میں کھڑا کر دینا ہے۔ تو یہی مولوی ثناء اللہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ

"ہمارا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے کہ اللہ اور رسولؐ دونوں اصل مطاع ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اللہ بالذات اصل مطاع ہے۔ رسولؐ بحکم خدا اصل مطاع ہے مگر فریق ثانی اس عقیدہ کو شرک کہتا رہا اور کہتا ہے ہم نے ہر چند کوشش کی کہ فریق ثانی ہمارا مدعا سمجھنے پر توجہ کرے سمجھکر جو چاہے کہے۔ مگر ہمیں اس امر کا افسوس ہے کہ وہ اپنی ضد پر ایسے مصر ہے کہ ان کو اس بات کا بھی خیال نہ آیا کہ ناظرین اہل علم ہماری تحریر کو دیکھکر ہماری نسبت کیا رائے قائم کریں گے؟ ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکم الحاکمین ہیں مگر بالغیر کی قید یاد رہے۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں احکم الحاکمین باذن خدا ہیں"۔ (اہلحدیث ۸ مئی ۱۹۳۱ء ص ۴)

لیجئے صاحب! مولوی صاحب نے خود اپنا رد کر ڈالا۔ اس تحریر میں جہاں کہیں لفظ "مطاع" ہے۔ وہاں لفظ "مالک" رکھ لیجئے۔ اور یہی تحریر ان جنود ربی چکڑالویوں کے رد میں ہمارا جواب سمجھئے۔ مولوی صاحب! آپ کی پیش کردہ آیات کا بھی جواب ہوگیا کہ اگر کسی ملک کی نفی ہے تو ملک بالذات کی۔ ورنہ ہم آپ سے پوچھتے ہیں اور آپ ہی کا

پیش کردہ آیات میں سے ایک آیہ یعنی لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ پیش کرکے پوچھتے ہیں کہ اس نص صریح کے ہوتے ہوئے آپ نے حضور کو احکم الحاکمین کیسے مان لیا۔ آپ اس کا یہی جواب دینگے جو دے چکے کہ ہم احکم الحاکمین حضور کو بالغیر مانتے ہیں اور آیت میں اگر نفی ہے تو بالذات کی۔ پس مولوی صاحب! یہی کچھ ہمارا جواب ہے۔ آیات میں نفی بالذات کی ہے۔ چنانچہ "اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" کا جملہ اس امر پر آیت میں خود شاہد ہے۔ مگر اس جملہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے ہمارے سامنے چکڑالوی پن کا اظہار فرمایا۔

مگر باوجود ان امور کے پھر بھی ہمیں یقین نہیں کہ مولوی صاحب حضور کی ملک بعطاءِ الٰہی کو بھی مان لیں۔ یقیناً وہ حضور کے مالک باذنِ خدا ہونے کو بھی تسلیم نہ کریں گے اور اسے بھی شرک کہیں گے۔ کیونکہ مولوی صاحب کی مذکورہ بالا تحریر کا جواب چکڑالویوں کی طرف سے بھی یہی ہے کہ:۔

"نبی کو اصل مطاع بالغیر کہنا بھی شرک ہے۔ جو چیز شرک ہے وہ باتحتی حکم خدا کی قید سے توحید نہیں بن جائے گی" (اشتہار خالق و مخلوق کی اطاعت میں فرق۔ مجریہ یکم نومبر ۱۹۲۹ء)

پس مولوی صاحب! اگر چکڑالویت کے الزام سے بریت چاہتے ہیں تو ہمارے آقا و مولا کو مالک باذن اللہ تسلیم کرلیں اور اگر حضور کے مالک بالغیر ہونے کا بھی مولوی صاحب کو انکار ہے تو پھر ہمارا یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ لوگ محمدی نہیں بلکہ اندرونی چکڑالوی ہیں۔

مولوی صاحب پھر لکھتے ہیں کہ

"ہمیں خطرہ ہوا کہ کوئی غیر مسلم اخبار پنڈت لیکھرام کی طرح اس کو اسلام کا عقیدہ نہ سمجھ لے۔ یہ لوگ تو اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے مگر یہ ریشمی گرہ اُن لوگوں کے لیے مشکل پیدا کر دیگی جو غیر مسلموں سے مناظرات میں سامنے آتے ہیں۔" (اہلحدیث مذکور ص۳)

تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے مناظروں کی سہولت اور آریوں کی خاطر سرور عالم کی تنقیص کے درپے ہیں۔ سو آپ کو مبارک ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے، جو محض مناظرات اور آریوں کی خاطر اپنے آقا کے کمالات کا انکار کرنا شروع کردیں اس تنقیص اور بدعقیدگی سے گھروں میں بیٹھ رہنا ہی بہتر ہے۔ حدیث میں بھی تو آیا ہے کہ آخر زمانہ میں اہل اللہ کو کنارہ کش ہونا پڑیگا۔ سو وہ یہی زمانہ ہے۔

ہاں صاحب! اگر آپ اپنے مذکورہ بالا سنہرے فقروں کو چکڑالویوں کے مقابلہ میں بیچا کر حضور کا مطاع اور حاکم بلکہ احکم الحاکمین ہونا ثابت کرنا چاہیں تو ایمان سے کہیے۔ کیا کروگے۔ اور پھر کسی آریہ کے مقابلہ میں جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بھرے مجمع میں آپ کو شان اور کمالات بیان کرنے پڑیں۔

بیان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"**افک**" اس لفظ کا اصل مفہوم اُلٹا پھرنا ہے۔

فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿﴾ تم کدھر اُلٹے پھرے جاتے ہو؟

اُلٹی بہنے ہواؤں کو "مؤتفکۃ" کہا گیا ہے، چونکہ "اُلٹا پھرنا" بہکنا اور گمراہ ہونا بھی محاورہ میں بولا جاتا ہے اور انسان باتباع ظن ایسی اُلٹی باتیں تراش لیتا ہے جو حقیقت اور اصلیت سے دُور ہوتی ہیں، اس لیے افک سے مراد من گھڑت بات ہے۔ افک اور کذب میں یہ فرق ہے کہ افک دراصل جھوٹ ہی ہوتا ہے مگر بد ظنی کا نتیجہ ہوتا ہے، یا غلط اور خلاف واقعہ نتیجہ ہوتا ہے جو باتباع ظن اخذ کیا جاتا ہے، اس لیے نادانستہ جھوٹ بناتا ہے، کذب نرا جھوٹ ہے جو صداقت کے خلاف دانستہ باندھا جائے۔

اِنَّ اللّٰہَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿﴾	بلاشبہ اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہی مردہ سے زندہ نکالتا ہے اور وہی زندہ سے مردہ نکالنے والا ہے۔ وہی تمہارا اللہ ہے۔ تم کدھر بہکے جاتے ہو؟

یہ امر روزانہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ دانہ اور گٹھلی پھٹتی ہے تو اس سے اس کے مناسب نباتات پیدا ہوتی ہے، ہماری نظر ان اسباب پر ہوتی ہے جن سے یہ دانہ اور گٹھلی پھٹتی ہے، یہ سطحی مشاہدہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دانہ اور گٹھلی زمین میں دفن ہو کر مٹی اور پانی کے اثر سے پھٹ جاتی ہے، اس لیے اس فعل کا فاعل ہم مٹی اور پانی کو قرار دیتے ہیں، اگر ہم تدبر سے کام لیں تو واضح ہوگا کہ یہ محض اسباب ہیں جو خود پیدا شدہ ہیں اور آلہ کار ہیں،

گرچہ تیر از کماں ہمی گذرد   از کماندار بیند اہل خرد

نہ تیر میں یہ طاقت ہے کہ خود بخود پرواز کرے اور نہ کمان میں یہ قوت ہے کہ خود بخود تیر کو پھینک دے، اور اگر ان میں ایسی طاقت بھی ہو تو ذاتی نہیں ہوگی۔ ہم اشیاء میں ذاتی قابلیت باتباع ظن یقین کرتے ہیں جو "افک" ہے۔ ہر ایک شے میں نباتات پیدا کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی خواہ ان میں پانی

اور مٹی کتنی ہی صرف کی جائے۔ دانہ اور گٹھلی میں یہ قابلیت ہم مشاہدہ کرتے ہیں، یہ قابلیت ان میں کہاں سے آگئی؟ ہم یہی کہتے ہیں کہ ان میں نباتات بننے کی قابلیت بالقوہ موجود ہے، خارجی تاثرات سے یہ قابلیت جو مردہ حالت میں ہوتی ہے فعل میں آتی ہے جسے ہم زندگی سے تعبیر کرتے ہیں، کم از کم ہر ایک شے زندہ ہونے کے لیے دوسری شے بلکہ بہت سی اشیاء کی محتاج ہے۔ پانی اور مٹی بھی بجی ہوئی اشیاء ہیں، ایک گھاس کا تنکا پیدا کرنے کے لیے تمام نظام شمسی کی طاقتوں کو کام کرنا پڑتا ہے، اور پھر اس نظام پر اثر انداز ایک اور نظام ہے اور علیٰ ہذا القیاس اگر فکر سے کام لیا جائے تو کل کائنات کا اجتماع اس پر ہوتا ہے، لیکن سوال پھر بھی ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کا شعور ہے اور ان کا اجتماع اس کام پر کس طرح ہوتا ہے، انھیں ایسی کیا پڑی ہے کہ سب ایک گھاس کا تنکا بنانے پر تلے ہوئے ہیں؟ اس کے بعد ہماری رہنمائی قوانین فطرت کی طرف ہوتی ہے، لیکن قوانین کو وضع کرنے والی کائنات کی اشیاء تو ہو نہیں سکتیں اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کائنات کا خالق ایک ہی ہے جس نے ہر ایک شے کو "قدر" پر پیدا کیا ہے، "ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ" (ملاحظہ ہو لفظ "قدر")

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۚ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۴/۱۹

اور وہ لوگ جو منکر ہیں (قرآن کی نسبت) کہتے ہیں یہ تو بس من گھڑت بات ہے اور (عبارت آرائی وغیرہ میں) دوسروں کی مدد اُسے ملتی ہے۔ یہ لوگ (ایسی بات کہنے سے) ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے۔

وَقَالُوا مَا هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۴۳/۲۲

(آیات بینات سُن کر) کہتے ہیں کہ یہ تو بس اس کی من گھڑت باتیں ہیں اور جو حق کا انکار کرتے ہیں جب اُن کے پاس (قرآن) آتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو صریحاً جادو ہے۔

قرآن اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کو مخاطب کرتا ہے، غیر اہل کتاب تو یہ سمجھتے کہ قرآن رسول کریم کی من گھڑت باتیں ہیں اور اس کی غرض یہ ہے کہ جنہیں ہم اور ہمارے آبا و اجداد پوجتے تھے اُن کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیں، چونکہ اہل زبان تھے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرتؐ محض اُمّی ہیں اس لیے یہ بدگمانی بھی کرتے تھے کہ دوسرے لوگ ان کی مدد کرتے ہیں، اہل کتاب کے لیے بڑی مشکل تھی، وہ پہلے ہی "حق" سے واقف تھے، اور قرآنی آیات

اس پیش گوئی کو پورا کر رہی تھیں جو موسیٰ کی معرفت انھیں معلوم تھی کہ جب موسیٰ کی مانند نبی جس کا وہ بے صبری سے انتظار کر رہے تھے مبعوث ہوگا، تو خدا اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالیگا۔ وہ جو کچھ کہیگا اور خدا کا نام لے کر کہیگا جیسا کہ قرآن ہے وہ پورا ہو کر رہیگا، لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ساحر ہو اور "النبی" نہ ہو اس کا کہا بھی پورا ہو جاتا ہے، اس لیے شناخت اور تمیز کے لیے حضرت موسیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "النبی" تمہیں تمہارے آبائی دین ملت ابراہیمؑ کی طرف دعوت دیگا اور ساحر غیر معبودوں کی طرف، بنی اسرائیل جب قرآن سنتے جو اُن کے پاس حسب پیش گوئی توریت آیا تھا تو کہتے یہ سحر ہے، " اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے کہ دعوت تو اسے اسلام کی طرف (ملت ابراہیم جو اُن کا آبائی دین تھا) دی جاتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ سحر ہے، اللہ تعالےٰ ظالم قوم کو (جیسے کہ بنی اسرائیل اس قول سے بن گئے) ہدایت نہیں فرماتا" غیر اہل کتاب کفار تو صرف بدگمانی سے انکار کرتے اور بنی اسرائیل دیدہ دانستہ حق کا انکار کرتے اور عذر سحر پیش کرتے اگر یہ سحر ہوتا تو اُن کو کفر و شرک کی طرف دعوت دیتا نہ اسلام کی طرف، اس لیے بنی اسرائیل تو ہدایت سے محروم رہے لیکن جب کفار مکہ کی بدگمانی رفع ہوگئی تو مسلمان ہو گئے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔـا ۱۱/۹

ان (مشرکین سے) پوچھو کہ تمہارے (من گھڑت) شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خلق کی ابتدا کرے اور پھر اُسے دُہراتا رہے (باطل سے نہ تو کچھ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ کچھ پیدا کر سکتا ہے۔ وہ تو کیا جواب دیں گے) تم ہی کہو کہ اللہ خلق کی ابتدا کرتا ہے اور اس کو دُہراتا رہتا ہے۔ پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔ ۔ ۔ ۔ ان میں اکثر تو صرف ظن کا اتباع کرتے ہیں، اور ظن کو حقائق سے کچھ بہرہ نہیں۔

لفظ "بدا" "نفی اور" عود" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، (ملاحظہ ہو لفظ "بدا") ان آیات کا یہ

لے قرآن میں عصا و ید بیضا کو دو برہان سے، اور جادوگروں کے کرشموں کو "افک" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور قرآن میں برہان دلائل عقلی و نقلی اور "افک" ظنیات کا مفہوم واضح کرتے ہیں، یہی ظنیات ہیں جن سے بیشمار دیوتا اور دیویاں اور اُن کے فسانے اختراع ہوئے ہیں، جو مصریوں کا مذہب تھا، اور انہی ظنیات کو ان لوگوں نے پیش کیا، ان میں ایک دنیا گمراہ ہے۔ لیکن جب برہان پیش ہوئے تو سمجھ گئے کہ موسیٰ سچ کہتے ہیں۔

مفہوم ہے کہ جب ایک شے کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے مثلاً انسان کا جب ابتدا میں ظہور ہوا تو یہ نسل ختم نہیں ہوئی بلکہ متواتر اور مسلسل اس کا ظہور ہو رہا ہے، ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان محض باتباع ظن باطل پرست بنتا ہے۔ اگر عقل و فکر سے کام لے تو ضرور خدا پرست ہو۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ۔ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ۔ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۳۷	جب (ابراہیم نے) اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہا کہ یہ (بت) کیا ہیں جن کی تم پوجا کرتے ہو کیا خدا کو چھوڑ کر من گھڑت معبودوں کے پیچھے پڑے ہو تم رب العالمین کی نسبت کیا گمان کرتے ہو؟
اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۵۱	تم تو خود ہی بھانت بھانت کی باتیں بناتے ہو جن سے وہی بہکتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔

یہ بات واضح ہے کہ ایک ہی امر کی نسبت ایک سے زیادہ رائے نہیں ہو سکتی، جب رائیں مختلف ہوں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اصلیت کا پتہ ان لوگوں کو نہیں

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

"مؤتفکات" (الٹی ہوئی بستیاں ۱/۱۵، ۲۷/۲، ۲۹/۵) کی نسبت توریت میں مذکور ہے کہ یہ پانچ شہر تھے اور وادی "سدیم" میں بحیرہ مردار کے شمال میں جسے بحیرہ لوط بھی کہتے ہیں واقع تھے، ان کے نام سدوم اور عمورہ اور ادوم اور ضبیان اور صغر تھے، ضغر چھوٹا سا قصبہ تھا اس لیے اس نام سے موسوم ہوا، یہ قطعہ زمین جسے دریائے یردن سیراب کرتا تھا نہایت سرسبز اور شاداب تھا اور مصر کی زرخیزی کا مقابلہ کرتا تھا، لوگ کچھ ایسی الٹی سمجھ والے تھے کہ "خدا نے ان شہروں اور میدان اور وہاں کے سب بسنے والوں کو و سب کچھ جو زمین سے اگتا تھا تہ و بالا کر دیا (پیدائش ۱۳-۱۴/۵، ۱۹-۱/۲۸) اب یہاں کھنڈروں کے ڈھیر ہیں، جنہیں "تل الصغار" کہتے ہیں اور غالباً قصبہ صغار کا بقیہ ہے، توریت میں اس طرح مذکور ہے کہ

"اور ایسا ہوا کہ جب خدا نے میدان کے شہروں کو غارت کیا تو خدا نے ابراہیم (کے ساتھ اپنے وعدہ) کو یاد کیا تو جب ان شہروں کو جن میں لوط رہتا تھا تہ و بالا کیا تو لوط کو مؤتفکات سے باہر کر دیا (پیدائش ۱۹/۲۹)

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ الآیہ ۱/۲۴ جن لوگوں نے (پاکدامن عورتوں کی نسبت)

طوفان اٹھا کھڑا کیا تم ہی میں کا ایک گروہ ہے، اس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو بلکہ تمہارے حق میں بہتر ہوا، طوفان اُٹھانے والوں میں سے جتنا گناہ جس نے سمیٹا اُس کی سزا بھگتیگا اور جس نے ان میں سے بڑا حصہ لیا اس کو بڑا عذاب ملیگا، جب تم نے ایسی بات سُنی تھی تو ایمان والے مرد وزن نے اپنے (مسلمان بھائی بہنوں کے) حق میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے کے ساتھ کیوں نہ بول اُٹھے کہ یہ صریح افک ہے اور الزام لگانے والے اپنے بیان کی تائید میں چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر گواہ نہ لاسکے تو خدا کے نزدیک بھی جھوٹے ثابت ہوئے۔

عموماً لوگ اپنے ہی حالات پر دوسروں کے حالات قیاس کرتے ہیں، یہ عام مرض ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ آید در نوشتن شیر و شِیر

ہست یک شیرے کہ آدم می خورد — ہست یک شِیرے کہ آدم می خورد

ایسے قیاسات اتباع ظن سے پیدا ہوتے ہیں اور بلاشبہ نفسانیت پر دلالت کرتے ہیں، حقیقت کا علم اس طرح حاصل نہیں ہو سکتا، بُت اور بُت پرستی اسی "افک" کا نتیجہ ہے۔ بُت پرست پانی کو "جل دیوتا" اور آگ کو "اگنی دیوتا" تصور کرتا ہے، اُنھیں بھینٹ چڑھاتا ہے، اُن کے بتوں کے آگے بھوگ لگاتا ہے، غرض یہ ہے کہ وہ اس سے خوش رہیں، اہل فکر جانتے ہیں کہ دونوں بے شعور اشیاء ہیں، پیاسا لاکھ پرارتھنا کرے، جل دیوتا اس کی پیاس اس طرح تو بجھانے سے رہے کہ وہ دریا کے کنارہ پر کھڑا ہو اور ہاتھ پسار کر، التماس کرے کہ "اے جل دیوتا چلو بھر آجاؤ اور اپنے اُپاسک کی ترشنا بجھاؤ" وہ جل دیوتا کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر جائے مگر جل دیوتا ٹس سے مس نہ ہوں گے، یہی حال اگنی کا ہے کہ

اگر صد سال گبر آتش فروزد — چو یک دم اندر آں افتد بسوزد

اہل فکر جل اور اگنی کو اپنا خادم سمجھتے ہیں اور ان سے وہ کام لے رہے ہیں جو مشاہدہ ہو رہے ہیں کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر ایک خدا پرست بھی لاکھ دعائیں مانگے وہ پیاسا مر جائیگا اللہ اس کو یوں پانی نہ دیگا، خدا نے تو ہمیں کیا ہر ایک جاندار کو فطرۃً سکھا دیا ہے کہ پانی کس طرح ملا کرتا ہے یوں پرارتھنا کرنا تو مشرکین کا شیوہ ہے، خدا پرست تو پانی اسی طرح طلب کریگا جس طرح اس کو تعلیم دی گئی ہے، پانی تو اللہ نے پہلے ہی اس کے لیے مسخر کر چھوڑا ہے، پیاس بجھانا کچھ ہم نے پانی میں خاصہ نہیں رکھا، ہمیں اور دیگر جانداروں کو کس طرح معلوم ہوا کہ پانی پیاس بجھایا کرتا ہے؟ فطرۃً ہم اور دیگر

جاندار اسے کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ مشاہدہ ہو رہا ہے، جو امور ہماری سعی سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کے لیے دعائیں مانگنا سخت کفران نعمت ہے، البتہ اس کا شکر نہ کرنا بھی کفر ہے کہ آخر تمام اشیاء اللہ نے پیدا کی ہیں جن سے ہماری ضروریات زندگی رفع ہوتی ہیں (ملاحظہ ہو لفظ قدر)

باتباع ہوائے نفس جس کا کرشمہ ظن ہے، انسان دیکھتا سنتا ہوا غلط استدلال کرتا ہے، ایک دفعہ آنحضرتؐ اپنی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے کہ دو مسلمان صحابی پاس سے گذرے، آنحضرتؐ ٹھہر گئے اور اُن کو بھی ٹھہرا لیا۔ اس کے بعد اپنی بیوی کا نام لیا اور کہا کہ یہ میری زوجہ ہے، دونوں نے کہا "سبحان اللہ، یا رسول اللہ اس کی کیا ضرورت تھی" فرمایا کہ "شیطان انسان کے دل میں اس طرح اثر کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں"۔ نیز حدیث صحیح ہے کہ "ظن المومنین خیرا" اور باللفظ روایت ہوئی ہے، مومن مومن کی نسبت نیک ہی گمان کرتا ہے بلکہ مومن کے دل میں بدگمانی پیدا ہی نہیں ہوتی وہ نیک ہی گمان کرتا ہے۔ نیکی نیکوں سے پیدا ہوتی ہے اور بدی بُروں سے،

فرض کرو کہ ایک عورت ایک مرد سے باتیں کرتی ہوئی دیکھی گئی، اتنی سی بات پر کسی بدگمان نے [illegible] کہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا ناجائز تعلق ہے، قیاس ہو سکتا ہے کہ اس سے کیا کچھ فتنہ برپا ہو سکتا ہے، اسی کا سدباب آیات محولہ بالا میں کیا گیا ہے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ [illegible] کے پیر طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی دریائے دجلہ کے کنارہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے [illegible] سیر ہو رہی تھی، کشتیوں میں لوگ سوار ادھر ادھر سیر کر رہے تھے۔ اتنے میں [illegible] میں ایک نوجوان مرد اور نوجوان عورت بیٹھے ہوئے باتیں کر [illegible] کس قدر بے حیائی ہے کہ روز روشن میں یہ لوگ [illegible] ایک [illegible] کشتی تیزی سے گذرتی ہوئی ان نوجوانوں [illegible] نوجوان فوراً پانی میں کودا اور ایک [illegible] نزدیک ہی کنارہ پر دیکھ کر آواز [illegible] نوجوان نے جس طرح [illegible]

وعدہ [illegible]

کردیا [illegible]

اِنَّ الَّ [illegible]

مسلمان غرق ہوجاتے۔ افسوس ہے ان مسلمانوں پر جن کے دل میں ہمدردی نہیں"

مرا پیر دانائے روشن شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش — دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

واقعہ "افک" احادیث موضوعہ کا طغرائے امتیاز ہے، قرآن میں عام "محصنات" کا مذکور ہے کسی خاص ایک پاکدامن کا تذکرہ نہیں، زنادقہ نے یہ فسانہ ایسا گھڑا ہے جیسے اُن کے اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے فسانے ہیں اور اس فن میں وہ یدطولیٰ رکھتے تھے، قرآن کی اکثر آیات کو اُنھوں نے ایک ایک فسانہ کا موضوع بنایا ہوا ہے، یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ جس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تذکرہ ہو یا جو اُن سے منسوب ہو اُس کو اچھی طرح پرکھنا چاہیئے اس میں کم وبیش ضرور زنادقہ کا تصرف ہوگا یا وہ بالکل ان لوگوں کی اختراع ہوگی +

"بلاغ" آٹھ آنے میں

دفتر بلاغ کو بعض احباب کی طرف سے اکتالیس روپے کے عطیات موصول ہوئے ہیں۔ طے کیا کیا گیا ہے کہ ۴۱ حضرات کے نام صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کرکے چھ چھ ماہ کے لیے بلاغ جاری کردیا جائے۔ اس وقت تک سترہ اصحاب اس رعایت سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ بلاغ کے قدیم معاونین کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کرکے دفتر میں بھیجیں اور ان کے نام پرچہ جاری کرادیں۔

منیجر بلاغ امرتسر

ار اسے کس طرح حاصل کرتے ہیں؟ مشاہدہ ہو رہا ہے، جو امور ہماری سعی سے حاصل ہو سکتے ہیں
کے لیے دعائیں مانگنا سخت کفران نعمت ہے، البتہ اس کا شکر نہ کرنا بھی کفر ہے کہ آخر تمام اشیاء اللہ
پیدا کی ہیں جن سے ہماری ضروریات زندگی رفع ہوتی ہیں (ملاحظہ ہو لفظ قدر)

باتباع ہوائے نفس جس کا کرشمہ ظن ہے، انسان دیکھتا سنتا ہوا غلط استدلال کرتا ہے، ایک
آنحضرتؐ اپنی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے کہ دو مسلمان صحابی پاس سے گذرے، آنحضرتؐ ٹھہر
اور اُن کو بھی ٹھہرا لیا۔ اس کے بعد اپنی بیوی کا نام لیا اور کہا کہ یہ میری زوجہ ہے، دونوں نے کہا
سبحان اللہ، یا رسول اللہ اس کی کیا ضرورت تھی" فرمایا کہ "شیطان انسان کے دل میں اس طرح
کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں"۔ نیز حدیث صحیح ہے کہ "ظن المومنین خیرا" اور باللفظ روایت
ئی ہے، مومن مومن کی نسبت نیک ہی گمان کرتا ہے بلکہ مومن کے دل میں بدگمانی پیدا ہی نہیں ہوتی
نیک ہی گمان کرتا ہے۔ نیکی نیکوں سے پیدا ہوتی ہے اور بدی بُروں سے،

فرض کرو کہ ایک عورت ایک مرد سے باتیں کرتی ہوئی دیکھی گئی، اتنی سی بات پر کسی بدگمان
اُڑا دیا کہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا ناجائز تعلق ہے، قیاس ہو سکتا ہے کہ اس سے کیا کچھ
نہ برپا ہو سکتا ہے، اسی کا سد باب آیات محولہ بالا میں کیا گیا ہے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ سعدی
اُن کے پیر طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی دریار دجلہ کے کنارہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے،
دونوں میں دجلہ عجب سیرگاہ تھی، کشتیوں میں لوگ سوار ادھر ادھر سیر کر رہے تھے۔ اتنے میں
کی نگاہ ایک کشتی پر پڑی جس میں ایک نوجوان مرد اور نوجوان عورت بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے
شیخین کے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ کس قدر بے حیائی ہے کہ روز روشن میں یہ لوگ اس
طرح داد سیر دے رہے ہیں، اسی وقت ایک اور کشتی تیزی سے گذرتی ہوئی ان نوجوانوں کی
کشتی سے ٹکرائی اور اُلٹ گئی، اس میں دس سوار تھے، نوجوان فوراً پانی میں کودا اور ایک ایک
پکڑ کر اپنی کشتی میں ڈالتا گیا اور ساتھ ہی دو آدمیوں کو نزدیک ہی کنارہ پر دیکھ کر آواز دی کہ
مدد کرو" مگر ہر دو شیخ غالباً تیرنا نہیں جانتے تھے کچھ نہ سُنی، نوجوان نے جس طرح ہوا ڈوبتوں
بچا لیا، اس کے بعد کشتی سے اُتر کر سیدھا شیخین کے پاس آیا اور کہا کہ تم کیسے ایماندار لوگ ہو
اپنی آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کو غرق ہوتا دیکھتے رہے اور کچھ مدد نہ کی، اتفاق کی بات ہے
آج مجھے اور میری بہن کو آقاؤں نے ملنے کی اجازت دی اور ہم اس طرف آنکلے، ورنہ یہ دس

مسلمان غرق ہو جاتے۔ افسوس ہے ان مسلمانوں پر جن کے دل میں ہمدردی نہیں"

مرا پیر دانائے روشن شہاب   دو اندر زفرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش   دگر آنکہ برغیر بد بیں مباش

واقعہ "افک" احادیث موضوعہ کا طغرائے امتیاز ہے، قرآن میں عام "محصنات" کا مذکور ہے کسی خاص ایک پاکدامن کا تذکرہ نہیں، زنادقہ نے یہ فسانہ ایسا گھڑا ہے جیسے اُن کے اپنے دیوتاؤں اور دیویوں کے فسانے ہیں اور اس فن میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے، قرآن کی اکثر آیات کو انھوں نے ایک ایک فسانہ کا موضوع بنایا ہوا ہے، یہ اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ جس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تذکرہ ہو یا جو اُن سے منسوب ہو اُس کو اچھی طرح پرکھنا چاہیئے اس میں کم وبیش ضرور زنادقہ کا تصرف ہوگا یا وہ بالکل ان لوگوں کی اختراع ہوگی +

"بلاغ" آٹھ آنے میں

دفتر بلاغ کو بعض احباب کی طرف سے اکتالیس (۴۱) روپے کے عطیات موصول ہوئے ہیں۔ طے کیا گیا ہے کہ ۸۲ حضرات کے نام صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کرکے چھے چھے ماہ کے لیے بلاغ جاری کر دیا جائے۔ اس وقت تک سترہ (۱۷) اصحاب اس رعایت سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ بلاغ کے قدیم معاونین کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے صرف آٹھ آٹھ آنے وصول کرکے دفتر میں بھیجیں اور اُن کے نام پرچہ جاری کرا دیں۔   مینیجر بلاغ امرتسر

جواہر انتخاب

قرآن پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا[۱]

دین برحق کی شان یہ ہے کہ اس میں کوئی چیز انسان کو مجبور کرنے والی نہ ہو۔ نہ اعتقادات میں کوئی محال بات تسلیم کرائی جائے، نہ عبادات میں کوئی ایسا بوجھ ڈالا جائے کہ عاجز بندوں سے اس کی برداشت نہ ہو سکے۔ کھانے، پینے، پہننے اور برتنے کی چیزوں میں اُن کے لیے اُسی قدر روک ٹوک ہو، جیسے طبیب کی طرف سے بیمار کے حق میں ہوتی ہے۔ اُس میں عبادت کے طریقے ایسے عمدہ ہوں، جن میں مشقت کم اور فائدہ بہت ہو۔ اس کے اصول ایسے جامع ہوں کہ ایک نیکی میں بہت نیکیاں مندرج ہوں، اس میں کوئی مزاحمت ایسی نہ ہو جس سے انسان پر ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں اور وہ خلافت رحمانی کا منصب حاصل کرنے سے محروم رہ جائے۔

اسلام ہی وہ دین ہے کہ جب اس کی اصل ماہیت پر نظر کی جاتی ہے، تو وہ نہایت پاک اور سچا دین ثابت ہوتا ہے۔ یہ دین انسان کی آزادی کو قائم رکھتا ہے اور اس کو کسی دشوار بات کے کرنے یا ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ اس میں تثلیث اور کفارہ جیسی کوئی انوکھی بات تسلیم کرنی پڑتی ہے نہ رہبانیت جیسی کوئی سخت مشقت اُٹھانے کی ضرورت ہے۔

خدا تعالےٰ نے اس دین کے آسان ہونے کو کلام پاک میں طرح طرح سے جتایا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:۔

(۱) يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ)	خدا تعالےٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔
(۲) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ)	خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا
(۳) مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج)	خدا نے دین میں تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کی۔

ہمارے ہادیؐ اور رہنماؐ نے بھی اس ضروری بات کو طرح طرح سے اُمت کے خاطر نشین کیا

[۱] بہ تبدیل عنوان از مقالات حالیؒ

ہے، چنانچہ فرمایا اور جو کوئی اس دین میں سختی اختیار کرے گا وہ آخر کو عاجز اور درماندہ ہوگا (یعنی اعمال شاقہ سے تھک کر ضروری فرائض بھی ترک کرنے لگے گا) یہ بھی فرمایا بعثت بالحنیفۃ السمحۃ البیضاء یعنی میں وہ شریعت لایا ہوں جو آسان اور روشن ہے۔ یہ بھی کہا خذوا من الاعمال ما تطیقون یعنی وہ اعمال اختیار کرو جن کے تم متحمل ہو سکو۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انما بعثتم میسرین، یعنی اسلام والو! تم سہل گیر بھیجے گئے ہو نہ سخت گیر۔ اس نے نجات کا مدار صرف ایک نیکی یعنی توحید پر رکھا، جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور یہ کہا، من شھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ صادقا بھا دخل الجنۃ۔ اس نے استحقاق رحمت سے صرف ایک بدی یعنی شرک کو مستثنیٰ کیا جو تمام بدیوں کی جڑ ہے اور یہ کہا کہ من مات لا یشرک باللّٰہ شیئا حرم اللّٰہ علی النار۔

...... لونڈی غلاموں کی اس قدر حمایت کی گئی کہ وہ حقیقتاً یا حکماً ہمیشہ کے لیے آزاد کیے گئے رائے انسانی کو یہاں تک آزادی حاصل ہوئی کہ نبی کے حکم کی نسبت جو وہ اپنی رائے سے دے، ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا گیا۔ خود نبی کریم صلعم کو یہ حکم ہوا کہ "مسلمانوں سے مشورہ لیا کرو۔"

سفر، خوف یا مرض وغیرہ کی حالت میں عبادات مفروضہ میں طرح طرح کی آسانیاں کی گئیں۔ یہ بھی اجازت دی گئی کہ اگر کہیں قبلے کی سمت محقق نہ ہو، تو اٹکل سے کوئی سی سمت مقرر کرکے اسی کی طرف نماز پڑھ لو۔ اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس روزے رکھ کر رمضان کو ختم کر دو۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر لو۔ اگر کپڑا نہ ہو تو ننگے بدن نماز پڑھ لو۔

الغرض اس پاک دین میں جب تک وہ اپنی اصلیت پر برقرار رہا کوئی چیز انسان کی واجبی امنگ اور خوشی اور آزادی کو روکنے والی نہ تھی مگر افسوس ہے کہ وقتاً بعد وقت اور حیناً بعد حین اس پر حاشیے چڑھنے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ ان کی کثرت اس درجہ کو پہنچی کہ متن اور حاشیوں میں تمیز کرنی دشوار ہو گئی۔

پہلا حاشیہ جو اس ملت بیضا پر چڑھایا گیا، وہ یہ تھا کہ جو باتیں رسول خدا نے محض اصلاح معاش کے لیے تعلیم فرمائی تھیں اور جن کا مدار صرف مصالح دنیوی پر تھا، وہ بھی شریعت میں داخل کر دی گئیں اور ان کو بھی ضروریات دین سے سمجھا گیا۔ حالانکہ یہ ایک صریح مغالطہ تھا۔

ؔ جو مر گیا اس حالت میں کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا، اللہ اس کو آگ پر حرام کر دیگا۔

جس کو رسول کریم نے اپنی زندگی میں حل کر دیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ آپ نے اہل عرب کے عقائد باطلہ اور اخلاق رذیلہ کے ساتھ ساتھ رقت نوعی اور قومی ہمدردی کے مقتضا سے اُن کے طریق معاش کو بھی درست کیا۔

قرآن مجید میں رسول اللہ صلعم کے فرض منصبی کا ذکر ان الفاظ میں ہوتا ہے:۔

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ	اے رسول! جو کچھ تجھ پر تیرے پروردگار کی جانب

سے نازل ہوا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دے۔

اور اُمت کو حکم ہوتا ہے:

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا	جو کچھ رسول تم کو دے، لے لو اور جس سے منع کرے، پس اس سے باز رہو۔

دوسری تعلیم جو معاش سے علاقہ رکھتی تھی، وہ آپ کے فرائض منصبی سے بالکل علیحدہ تھی، نہ اس کی تعمیل اُمت پر فرض کی گئی اور نہ اُس کے خلاف عمل درآمد کرنے کی ممانعت ہوئی اور اسی تعلیم کے متعلق آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ انما انا بشر اذا امرتکم بشیئ من دینکم فخذوا بہ و اذا امرتکم بشیئ من رائ فانما انا بشر (یعنی میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہوں جب دینی اُمور میں تمہیں کوئی حکم دوں، تو اس کی تابعداری کرو اور دنیوی امور میں اپنی رائے سے میں کچھ کہوں، تو بیشک میں انسان ہوں (یعنی غلطی بھی کر سکتا ہوں)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی (قدس سرہٗ) نے اپنی کتاب حجۃ البالغہ کے ساتویں مبحث میں احادیث نبوی کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے، ایک وہ جو تبلیغ رسالت سے متعلق ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو تبلیغ رسالت سے تعلق نہیں رکھتی۔ آپ نے اس موقعہ پر بیرنخل کے متعلق بھی اشارہ فرمایا ہے کہ "میں نے ایک رائے لگائی تھی، سو تم مجھ سے اس رائے کی بابت مواخذہ نہ کرو، لیکن جب میں کوئی بات خدا کی طرف سے کہوں، تو اُسے مان لو کیوں کہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھتا"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صحابہ کرام بھی جیسا کہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے احادیث نبوی کے متعلق ایسا ہی اعتقاد رکھتے تھے اور جیسا کہ شاہ صاحبؒ نے بیان کیا ہے، آپ کی تمام تعلیمات کو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں جانتے تھے۔

ایک بار کچھ لوگ زید بن ثابتؓ کے پاس حدیث سننے کو آئے۔ انھوں نے فرمایا "میں

آنحضرتؐ کے ہمسایہ میں رہتا تھا، سوجب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی، آپ مجھے بلا بھیجتے تھے۔ میں حاضر ہو کر وحی لکھتا تھا۔ پھر جب ہم دنیا کی باتیں کرتے تھے، تو آپؐ بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی باتیں کرتے تھے اور جب آخرت کی باتیں کرتے تھے، تو آپؐ بھی ہمارے ساتھ ویسی ہی باتیں کرنے لگتے تھے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تھے تو آپ بھی ویسا ہی ذکر کرنے لگتے تھے۔ سو میں ان سب باتوں کو بطور حدیث نبوی کے تمہارے سامنے بیان کروں گا۔" (حجۃ البالغہ)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زید بن ثابت ان لوگوں کو یہ جتانا چاہتے تھے کہ میں بہت سی حدیثیں تمہارے سامنے ایسی بیان کرونگا، جو امر دین سے علاقہ نہیں رکھتیں۔

مسلم اور ترمذی میں ابن عمرؓ اور جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے رمل کا حکم دیا۔ اب تک اسی کے موافق عمل در آمد ہے، مگر حضرت عمرؓ کے بدر خلافت میں جب حج کا موسم آیا، تو انہوں نے رمل کرنے سے منع کیا اور یہ کہا کہ ما لنا وللرّمل کنّا نتراءیا بہ قوماً قد اھلکھم اللہ یعنی جس قوم کے دکھانے کو ہم رمل کرتے تھے، اُس کو خدا نے ہلاک کر دیا (حجۃ اللہ)

ابو داؤد میں ابو الطفیل سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے رمل کیا اور یہ سنت ہے۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ اس میں کچھ صحیح ہے، کچھ غلط۔ میں نے کہا، صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ کہا، رمل کرنا آنحضرتؐ کا تو صحیح ہے، مگر اس کو سنت جاننا غلطی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ رمل کے حکم کو مصالح دنیوی سے جانتے تھے اور عبداللہ ابن عباسؓ آنحضرتؐ کے ہر فعل کو سنت یا دین نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اکثر حدیثیں اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں نقل نہیں کی گئیں۔

غرض اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک بہت بڑا حصہ احادیث نبوی کا ایسا تھا، جو تبلیغ رسالت سے کچھ علاقہ نہ رکھتا تھا مگر غلطی سے وہ بھی اس میں داخل سمجھا گیا اور جو طریقہ تمدن اور معاشرت کا اب سے تیرہ سو برس پہلے خاص عرب کو اُس زمانے اور اُس ملک کی ضرورتوں کے موافق تعلیم کیا گیا تھا، وہ ہر ملک اور ہر قوم کے لیے الیٰ یوم القیامہ واجب العمل اور واجب الاذعان ٹھیرایا گیا، یہاں تک کہ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت تھی، اسی طرح ان باتوں کے دریافت کرنے کی بھی حاجت ہوئی کہ کھانا کس

وضع پر رکھیں؟ لباس کیسا پہنیں؟ جوتا منڈا پہنیں یا نوک دار؟ برتن چینی کے برتیں یا تانبے کے؟ غیر قوموں کے علوم پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ غرض کہ انسان کے تمام قوائے جسمانی اور نفسانی اور اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے اعضا و جوارح پر قیدیں اور بندشیں لگائی گئیں اور اس کے لیے کوئی ایسا موقعہ نہ چھوڑا گیا، جس میں وہ اپنی بدنصیب عقل سے بھی کچھ مشورہ یا کام لے سکے۔

دوسرا حاشیہ یہ چڑھا کہ اعمال بدنی اور احکام ظاہری جو کہ بمنزلہ قالب کے تھے، اُن میں اسقدر تعمق اور تدقیق کی گئی اور اُن پر اس قدر زور دیا گیا کہ اخلاق فاضلہ اور ملکات صالحہ جو بمنزلہ روح کے تھے اور جن کے ترو تازہ رکھنے کے لیے اعمال ظاہری مشروع ہوئے تھے، اُن کی طرف اصلا توجہ نہ رہی اور دنیوی ترقیات جن کے بغیر دین کی شوکت قائم نہیں رہ سکتی، مسدود ہوگئیں۔ خدا اور رسول کی نہیں، بلکہ فقہا کی تکلیفات نے عاجز بندوں کو ایسا شکنجے میں کھینچا کہ اب اُن میں دنیا کے بڑے بڑے کام کرنے کا دم باقی نہیں رہا۔

وضو اور غسل، نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ اور اسی طرح کے ظاہری احکام مقصود بالذات نہ تھے۔ بلکہ محض تصفیہ باطن اور معالجہ نفس اور تہذیب اخلاق کے لیے بمنزلہ آلات کے تھے۔ چنانچہ نماز کے متعلق ارشاد ہوا کہ "فحشاء اور منکر سے باز رکھتی ہے" اور روزہ کی نسبت یہ فرمایا کہ "وہ اس لیے فرض کیے گئے ہیں کہ تم برائیوں سے بچو"۔ اسی طرح قرون اولیٰ اور خاصکر قرن اول میں طہارت، نجاست اور عبادات بدنی اور اعمال ظاہری میں اس مبالغہ اور تشدد کا کہیں نام نہ تھا، جو اس کے بعد عباد و زہاد و فقہا اور صوفیہ میں پیدا ہوا۔

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کبار کسب معاش، طلب علم اور اعلائے کلمۃ اللہ میں ایسے مصروف تھے کہ اُن کو ان باتوں کی اصلا فرصت نہ تھی۔ وہ ننگے پاؤں چلتے تھے، زمین پر نماز پڑھتے تھے، خاک پر بیٹھتے تھے، گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کے پسینے سے پرہیز نہ کرتے تھے، دل کی پاکیزگی میں بہت کوشش کرتے تھے، ظاہری پاکی پر چنداں التفات نہ کرتے تھے، غیر مذاہب والوں کے برتن کا پانی برابر استعمال کرتے تھے، جس برتن میں عام لوگوں کے ہاتھ پڑیں، اُس سے نفرت نہ کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ آنحضرت صلعم بھی ظاہری احکام کی چنداں پروانہ فرماتے تھے کبھی ایک ہی چلو سے مضمضہ اور استنشاق دونوں کر لیتے تھے، کبھی دو چلو سے، کبھی تین چلو سے۔ اگر جماعت میں کسی بچے کے رونے کی آواز آئی، تو نماز جلد ختم کر دیتے۔ اگر نماز میں کوئی بچہ آپ

سے آن پہنچتا، تو اُسے اُٹھا کر کندھے پر بٹھا لیتے۔ بارہا امام حسینؓ سجدے کی حالت میں آپؐ کی پشت مبارک پر چڑھ گئے اور آپؐ نے اُن کے خیال سے سجدے کو طول دیا۔ کبھی آپؐ نماز میں ہوتے تھے، اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرے کی کنڈی کھٹکھٹاتیں، تو آپ نماز ہی میں جا کر باہر کی کنڈی کھول دیتے تھے۔ ایک بار بنی عبدالمطلب کی دو لڑکیاں لڑتی ہوئی جب آپ کے قریب آئیں تو نماز ہی میں آپ نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اُن کو چھڑا دیا۔

حضرت عمرؓ کا قول تھا کہ احسب جزیۃ البحرین وانا فی الصلوٰۃ و اجھز الجیش وانا فی الصلوٰۃ یعنی میں بحرین کے خرچ کا حساب لگاتا ہوں اس حال میں کہ نماز میں ہوتا ہوں اور لشکر کی تیاری کرتا ہوں اس حال میں کہ نماز میں بھی ہوتا ہوں۔

موسم حج میں ایک شخص نے آنحضرتؐ سے آکر عرض کی کہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا لیا ہے۔ فرمایا کچھ حرج نہیں، اب قربانی کر لے۔ اسی طرح جس کسی نے ایسی بے ترتیبی کے متعلق پوچھا، اُس سے آپ نے یہی فرمایا، اِفعَل وَلاَ حَرَجَ (بخاری)

عمروؓ بن عاص ایک آیت سے یہ سمجھ گئے کہ جنب کی ضرورت کی حالت میں تیمم کافی ہے اور عمر بن خطاب ایک دوسری آیت سے یہ سمجھے کہ تیمم لمس نساء کے لیے ہے نہ جنابت کے لیے۔ آنحضرتؐ نے دونوں پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ پھر ایک دوسرے شخص نے جنابت کی حالت میں تیمم کر کے نماز پڑھی۔ جب آپ سے ذکر کیا، تو اُسے بھی آپ نے یہی فرمایا کہ تو ٹھیک سمجھا (عقد الجید) غرض کہ تمام اعمال ظاہری، اور عبادات بدنی میں آپ کے برتاؤ ایسے تھے، جن میں اُمت کے لیے آسانی ہو۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں تو یہ حال تھا کہ صحابہ نے جس طرح آپؐ کو وضو کرتے دیکھا، اُسی طرح آپ بھی کرنے لگے۔ نہ آنحضرتؐ نے کسی چیز کو رکن ٹھیرایا اور نہ ادب ٹھیرایا۔ اسی طرح اُنھوں نے جیسے آنحضرتؐ کو نماز پڑھتے اور حج کرتے دیکھا، ویسا ہی آپ بھی کرنے لگے۔ کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وضو میں چھ فرض ہیں یا چار۔ اور کبھی آپؐ نے (فقہا کی طرح) کوئی صورت فرض کر کے اُس پر کوئی حکم نہیں لگایا (الا ماشاء اللہ) اور صحابہؓ بھی ایسے امور میں آپؐ سے کچھ سوال نہ کرتے تھے۔

عمر بن اسحٰق سے منقول ہے کہ اصحاب نبیؐ میں سے جتنے صحابیوں کو میں نے دیکھا ہے، وہ اُن کی نسبت زیادہ ہیں، جو مجھ سے پہلے گذرے۔ میں نے کوئی گروہ دین میں آسانی

کرنے والا اور سختی نہ کرنے والا ان سے زیادہ نہیں دیکھا (دارمی) عبادہ بن نسیر کندی سے لوگوں نے سوال کیا کہ اس عورت کی بابت کیا حکم ہے، جو کسی ایسے قافلے میں مر جائے، جس میں اس کا کوئی ولی نہ ہو؟ عبادہ نے کہا۔ جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے، نہ وہ تمہاری سی نکتہ چینیاں کرتے تھے اور نہ ایسے مسائل پوچھتے تھے" (دارمی)

ہندوستان کے ایک پرہیزگار اور ذی علم امیر نے شیخ العلما عبداللہ سراج مکی سے حقے کی اباحت اور حرمت کے متعلق سوال کیا۔ شیخ نے مسکرا کر یہ آیت پڑھی کہ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ، یعنی، نہ کہو تم اپنی زبانوں کی بے اصل باتوں کو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ خدا پر جھوٹ باندھنے کے لیے۔

افسوس ہے کہ ہمارے علماء نے احکام ظاہری میں تعمق اور تدقیق کو اس قدر کام فرمایا کہ جس دین کی نسبت اَلدِّیْنُ یُسْرٌ کہا گیا تھا، عُسْرٌ کہنے کا مستحق ہو گیا۔ طہارت اور نجاست کی تحقیق میں اتنا کچھ لکھا گیا کہ انسان کی تمام عمر اس کے دیکھنے اور پڑھنے اور سمجھنے کے لیے کفایت نہیں کر سکتی اگر فقط آمین، اور رفع یدین اور قرات فاتحہ کی تحقیقات میں کوئی شخص اپنا تمام وقت صرف کرے تو اس کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس میں تمام ہو جائیگا۔ اگر کوئی شخص ایک سجدہ سہو کی تمام جزئیات کو ازبر کرنا چاہے اور اس "نالائق" دنیا کی ضروریات بھی سرانجام دیتا رہے، تو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام جزئیات کو احاطہ کر سکے۔ اُن کلمات کا جن کے زبان سے نکلتے ہی ایمان باقی نہیں رہتا، ایک غیر محدود باب ہے، جس کو کوئی حد و حصر نہیں کر سکتا........ علمائے دین کے سوا جن کی نسبت کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی، شاید ہی کسی اُمتی کا وضو، غسل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بیع، شرا، نکاح، طلاق وغیرہ صحیح ہوتا ہوگا۔[1]

امام شعرانیؒ نے میزان میں لکھا ہے کہ "دین میں جتنی آسانیاں ہیں، وہ خدا کی اور رسولؐ کی طرف سے ہیں اور جتنی دشواریاں ہیں، وہ علماء کی طرف سے ہیں"۔ واقعی یہ قول نہایت صحیح ہے کیوں کہ ہم اپنے عہد کے علماء کا حال ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ انہی دنوں میں ایک مولوی صاحب

[1] یہ مولانا کا حسن ظن ہے، ورنہ خود علمائے دین کی عبادات کی صحت پر کس کا اتفاق ہے؟ بفرض محال کسی ایک فرقہ کے عالم دین نے یہ کوشش کر بھی لی، تو باقی ۷۲ فرقوں کے علماء اس کیوں صحیح تسلیم کرنے لگے (بلاغ)

نے جو کہ عامل بالحدیث ہیں، دس مسئلوں کی نسبت یہ اشتہار دیا تھا کہ اگر ان کے ثبوت میں کوئی صاحب آیات قرآنی یا احادیث صحیحہ جن کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو اور جس مدعا کے لیے وہ پیش کی جائیں، اُس کے واسطے نص صریح قطعی الدلالۃ ہوں، پیش کریں گے تو فی حدیث اور فی آیت دس روپے انعام دوں گا۔ اس کے جواب میں ایک دوسرے مولوی صاحب نے نہایت تعجب سے یہ لکھا ہے کہ اگر احتجاج کا مدار صرف آیت اور اُس حدیث پر ہو، جس کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو اور اثبات دعویٰ کے لیے نص صریح قطعی الدلالۃ ہو، تو دین اسلام کے بتیس[32] حصوں میں سے اکتیس[31] حصے باطل ہو جائیں گے اور صرف بتیسواں حصہ باقی رہ جائے گا اور اس بات کو بہت عمدہ طور سے ثابت کیا ہے[1]

... مگر اس تعمق اور تشدد میں علماء کے ساتھ حضرات صوفیہ کو بھی شامل کرنا ضرور ہے، جنہوں نے عبادات شاقہ اور بے انتہا اذکار و اشغال اور دائمی روزے اور سخت سخت ریاضتیں اختیار کرکے اُمت کو اور بھی زیادہ بوجھل اور گرانبار کر دیا اور تحریف دین کی ایک دوسری بنیاد ڈالی ...... صحابہؓ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، نکاح کرتے تھے، بال بچوں کے لیے کمائی کرکے لاتے تھے، مہمات خلافت کو سرانجام کرتے تھے، غرض کہ دنیا کے تمام کام جن کے بغیر دین کی شوکت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی تھی، سرانجام کرتے تھے، اگر وہ بھی حضرات صوفیہ کی طرح خانقاہوں میں ہو بیٹھتے اور نماز روزہ اور ذکر و شغل کے سوا سب کام چھوڑ دیتے تو آج بغداد میں پیران پیر کی درگاہ اور اجمیر میں خواجہ خواجگان کے مزار کا کہیں نام و نشان نہ ہوتا۔ شاید وہاں کوئی عظیم الشان اور یہاں کوئی عالیشان بت خانہ نظر آتا، جہاں مسلمانوں کی ہوا تک نہ پہنچ سکتی تھی۔

الغرض یہ دوسرا حاشیہ جو فقہا کے تعمق اور صوفیہ کے تشدد سے دین پر چڑھا، اس نے بھی اہل اسلام کو سخت نقصان پہنچایا، اور اس کے بُرے نتائج ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

تیسرا حاشیہ واعظوں کی نادانی اور صوفیوں کی سادہ لوحی یا خود غرضوں کی بد دیانتی سے اس پاک دین پر چڑھا۔ انھوں نے اعمال ظاہری کی ترغیب یا کسی مذہب کی تائید یا تعصب کے جوش میں کسی دنیوی غرض کے پورا کرنے کے لیے سینکڑوں اور ہزاروں حدیثیں وضع کیں

[1] سبحان اللہ (بلاغ)

اور رفتہ رفتہ یہ سراسر جعلی اور بناوٹی احادیث بھی دین کا اصلی جزو قرار پا گئیں۔ اگرچہ محققین نے اُن کی تحقیقات اور چھان بین کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اُن کی موضوعات و مفتریات کو احادیث صحیحہ سے جہاں تک ہو سکا، جدا کیا، مگر اُن کی جرح و قدح صرف کتابوں ہی تک محدود رہی اور واعظوں کے رنگین فقرے جو کم سے کم ہزار برس تک وعظ کی بھری مجلسوں میں وقتاً فوقتاً مسلمانوں پر چلتے رہے، وہ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک وبا کی طرح پھیل گئے۔

علماء کی ایک بڑی جماعت (جیسا کہ جامع الاصول اور شرح نخبۃ الفکر وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے) اس بات پر متفق ہو گئی تھی کہ ترغیب اور ترہیب کے لیے حدیثیں وضع کرنی یا ضعیف اور منکر حدیثوں کی روایت کرنی جائز ہے۔ چنانچہ اس بنا پر بے شمار حدیثیں وضع کی گئیں۔ مثلاً موذنوں کے فضائل میں ایسا مبالغہ کیا گیا کہ ان کے مراتب سے بڑھکر انسان کے لیے ولو کان نبیًا او اماماً کوئی درجہ تصور میں نہیں آسکتا۔ مثلاً یہ حدیث کہ "موذن کے لیے ہر شے جس کو اس کی اذان کی آواز پہنچی ہے، پتھر ہو یا درخت یا ڈھیلا یا خشک یا تر، قیامت کے دن سب گواہی دیں گے اور اس مسجد کے تمام نمازیوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا" یا یہ حدیث کہ "قیامت کے دن سونے کی کرسیاں لائی جائیں گی، جن میں یاقوت اور موتی جڑے ہوئے ہوں گے اور سندس و استبرق کے فرش پر بچھائی جائیں گی۔ پھر ان پر نور کے سائبان لگائے جائیں گے اور پکارا جائے گا کہ کہاں ہیں موذن تاکہ اُن پر آکر بیٹھیں؟" یا مثلاً مسجد کی خدمت کرنے والوں کے فضائل ہیں جیسے:

"جس نے مسجد میں چراغ روشن کیا، جب تک وہ چراغ روشن ہے، اُس کے لیے فرشتے اور حاملان عرش برابر استغفار کرتے رہتے ہیں۔"

"جس نے مسجد میں قندیل لٹکائی یا بوریا بچھایا، اُس پر ستر فرشتے برابر درود بھیجتے ہیں، جب تک وہ قندیل نہیں بجھتی یا بوریا نہیں ٹوٹتا۔"

"جس نے خدا کے گھر میں جھاڑو دی، اُس نے گویا چار سو حج کیے اور چار سو بردے آزاد کیے اور چار سو جہاد کیے۔"

یا مثلاً حفظۃ القرآن کے فضائل میں جیسے یہ حدیث کہ "حافظ قرآن کی فضیلت

نیر حافظ پر ایسی ہے جیسے خالق کی فضیلت مخلوق پر" اسی طرح سینکڑوں روزے، ہزاروں نمازیں اور بے انتہا طواف اور بے شمار صدقے وضع کیے گئے اور اُن کے اجر اور ثواب کے بیان کرنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا۔

ترہیب وتخویف کے لیے بھی ایسے ہی مبالغہ کے ساتھ حدیثیں وضع کی گئیں، مثلاً:

"جس نے دو نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کیا، وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا"

"مسجد کے ہمسایہ کی نماز مسجد کے سوا کہیں نہیں ہوتی"

"جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے، خدا اس کے تمام اعمال حسنہ کو ضائع کر دیتا ہے"

"جس نے بے نماز کی مدد ایک لقمہ سے کی، اس نے گویا تمام نبیوں کے قتل میں اعانت کی"

بہت سی حدیثیں اپنے اپنے مذہب کی تائید اور نصرت کے لیے بنائی گئیں:

"جس نے نماز میں رفع یدین کیا اُس کی نماز باطل ہے"

"جس نے رکوع میں رفع کیا، اُس کی نماز باطل ہے"

"جب سورہ کوثر نازل ہوئی، تو آنحضرت ؐ نے جبریل سے پوچھا کہ نحر سے کیا مراد ہے۔ کہا، یہ مراد ہے کہ جب نماز کی نیت باندھو، تو پہلی تکبیر پر اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرو"

بہت سی حدیثیں تعصب یا تنفر کی وجہ سے بنائی گئیں، جیسے امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کی مدح یا ذم میں یا جیسے حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کی مدح یا ذم میں۔ مثلاً یہ حدیثیں:

"خدا کے نزدیک تین امین ہیں۔ میں، جبریلؑ اور معاویہؓ"

"ہر اُمت کے لیے ایک فرعون ہے اور اس اُمت کا فرعون معاویہ ہے"

"ایک بار آنحضرت ؐ نے جبریل سے ہاتھ ملانا چاہا۔ جبریل نے ہاتھ ملانے سے انکار کیا۔ آپؐ نے سبب پوچھا، کہا تم نے ایک یہودی کا ہاتھ پکڑا تھا اور جو ہاتھ کافر کے ہاتھ سے مس کرے، میں اس سے ہاتھ ملانا پسند نہیں کرتا"

"جو شخص یہودی یا نصرانی سے مصافحہ کرے، اُس کو اپنا ہاتھ دھونا اور وضو کر لینا چاہیے"

امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حدیثیں وضع کرنے والوں کا ایک بڑا گروہ ہے۔ جن کے راس رئیس وہب بن وہب اور قاضی بختری وغیرہ تیرہ آدمی ہیں۔ ان ہی تیرہ آدمیوں میں

سے ایک محمد بن عکاسہ کرمانی ہے، جس نے محمد بن تمیم فاریابی کی شرکت میں دس ہزار حدیثوں سے زیادہ وضع کی ہیں۔

ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ جن کی حدیثوں میں وضع اور کذب وغیرہ کے آثار پائے جاتے ہیں، وہ کئی قسم کے لوگ ہیں:

پہلا گروہ: بعض تارک الدنیا ہیں، جنہوں نے حدیث کی نگہداشت سے غفلت کی۔

دوسرا گروہ: بعضوں کی تحریریں ضائع ہوگئیں اور انھوں نے اپنی یاد کے بھروسے پر غلط روایتیں کر دیں۔

تیسرا گروہ: بعض ثقات بھی ہیں، جو بڑھاپے میں آکر خرف (حواس باختہ) ہو گئے۔

چوتھا گروہ: بعضوں نے سہو سے غلط روایت کی اور جب اپنی غلطی سے خبردار ہوئے، تو اُن کو صحیح روایت کرنے سے شرم آئی۔

پانچواں گروہ: بعض زندیق اور ملحد ہیں، جنہوں نے شریعت میں رخنہ ڈالنے کے لیے عمداً اور جان بوجھ کر حدیثیں وضع کیں۔ حماد بن زید نے کہا ہے کہ "زنادقہ نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں" جس وقت ابن ابی العوجاء کو وضع حدیث کے جرم میں قتل کرنے لگے، تو اس نے اقرار کیا کہ میں نے تمہارے دین میں چار ہزار حدیثیں بنائی ہیں۔ جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھیرایا ہے"۔

چھٹا گروہ: بعض ایسے بھی تھے، جو ثواب و اجر کی اُمید پر ترغیب و ترہیب کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے۔ گویا اُن کے نزدیک شریعت ناقص تھی، جس کی تکمیل کی ضرورت تھی۔

ساتواں گروہ: بعضوں نے اپنے مذہب کی تائید میں جعلی احادیث بنائیں۔ چنانچہ اہل بدعت میں سے ایک شخص تائب ہوا، تو اُس نے کہا کہ حدیث کے لینے میں احتیاط کیا کرو کہ کس شخص سے حدیث لیتے ہو۔ ہمارا مدت تک یہ حال رہا کہ جس بات کو چاہا حدیث نبوی کے پیرایہ میں بیان کر دیا۔

آٹھواں گروہ: بعضوں نے یہ ٹھیرا لیا تھا کہ جس کسی کو کوئی عمدہ قول ہاتھ لگے، اُس میں اسناد اپنی طرف سے شامل کر دیجئے اور نبیؐ تک اسناد کو پہنچا دیجئے۔

نواں گروہ: بعضوں نے سلاطین و ملوک کو خوش کرنے اور اُن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے یہ شیوہ اختیار کیا تھا۔

دسواں گروہ ؛ بعض قصہ گو اور واعظ تھے، جو لوگوں کو حسن بیان پر فریفتہ کرنے کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے اور کتب صحاح میں اس قسم کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں، انتہی

اس کے سوا اور بھی اسباب وضع و افترا کے بیان کیے ہیں ؛ مَنْ شَآءَ فلیرجع الی الفوائد المجموعۃ المسمٰی بن الشوکانی

چوتھا حاشیہ یہ چڑھا کہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ہزاروں موضوع اور ضعیف و منکر حدیثیں بھر دیں اور یہ قابل نفرین کام انھوں نے مختلف طریقوں سے کیا۔ مثلاً اپنی اپنی تفسیروں کی تقویت کے لیے (بلا ذکر اسناد) اقوال صحابہ، یہودیوں سے سُنے سُنائے جھوٹے قصے وغیرہ نقل کردیے گئے۔ متکلمین نے مخالف فرقوں کو الزام دینے کے لیے اور اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے صدہا آیتوں کی تفسیریں اپنی مرضی کے موافق کیں اور آیات کو کھینچ کر کہیں سے کہیں لے گئے اور یہ تمام کوڑا کرکٹ اصل دین میں داخل سمجھا گیا اور وحی سماوی کی طرح واجب التسلیم خیال کیا گیا۔ شرح جامع صغیر میں علامہ ابن کمال سے نقل کیا گیا ہے کہ "تفسیر کی کتابیں موضوع حدیثوں سے بھری پڑی ہیں"۔ ابوالامداد ابراہیم نے قضاء الوطر حاشیہ نخبۃ الفکر میں اور ملا علی قاری نے شرح الشرح نخبۃ الفکر میں اور علامہ سیوطی نے اتقان میں اور علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "فتح شام میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اہل کتاب کی بہت سی کتابیں بقدر ایک بار شتر کے ہاتھ لگی تھیں۔ سو جو باتیں، اُن سے بکثرت منقول ہیں، وہ صرف اخبار اور قصۂ بنی اسرائیل کے اور روایات اہل کتاب کی ہیں۔ پھر مفسرین کے دوسرے طبقے میں مجاہد اور تیسرے طبقے میں مقاتل بن سلیمان، اور اُن کے علاوہ اور لوگوں نے صدہا قصے اہل کتاب سے اخذ کیے ہیں"۔

متکلمین کے تفلسف اور حکیمانہ تدقیقات سے اس دین پر پانچواں حاشیہ چڑھا اور وہ بھی دین کا ایک اصلی جزو قرار پا گیا۔ عہد عباسیہ میں مصر، شام، یونان اور قبرص وغیرہ سے فلسفے کی کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں اور اُن کے ترجمے عربی زبان میں ہونے شروع ہوئے فلسفہ کی چکنی چپڑی اور دلفریب دلیلوں کے آگے مذہب کی عظمت آہستہ آہستہ دلوں میں کم ہونے لگی۔

چھٹا حاشیہ تقلید اور بدعات اور رسوم کا طویل الذیل حاشیہ ہے، جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ حاشیہ اصل دین سے بھی زیادہ عزیز ہو گیا ہے۔ اس کا دین سے جدا کرنا اور

گوشت کا ناخن سے جدا کرنا برابر ہے۔ دو پلڑی ٹوپی، پردہ دار انگرکھا، ڈھیلا یا تنگ مہری کا پاجامہ نوک دار جوتی، زمین پر بیٹھ کر کھانا اور اسی قسم کی سینکڑوں باتیں مسلمانوں نے قطعاً غیر قوموں سے سیکھی ہیں۔ بیاہ شادی کی اکثر رسوم ہندوستان میں آکر انھوں نے تعلیم پائی ہیں، مگر وہ اس قدر عزیز اور ضروری ہو گئی ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کے خلاف کرتا یا کہتا ہے تو وہ کرسٹان کا خطاب پاتا ہے۔

یہ تمام حواشی جو ہم نے اوپر بیان کیے اور ان کے سوا اور بھی بہت سے حاشیے اس سیدھے سادے دین پر چڑھے ہوئے ہیں، جو تھوڑا سا غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ پس نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے علمائے دین دوش اسلام کو اس ناگوار بوجھ سے ہلکا کرنے میں کوشش نہیں کرتے، بلکہ اس کی عظمت اور بزرگی اسی میں جانتے ہیں کہ روز بروز اور بھی زیادہ بوجھل اور گراں ہوتا چلا جائے۔ شاید پچھلی صدیوں میں کوئی زمانہ ایسا بھی گذرا ہو، جس میں امت کے لیے شریعت کا دائرہ تنگ کرنا قرین مصلحت سمجھا گیا ہو اور انسان کے حق میں خدا اور رسول کی تکلیفیں ناکافی خیال کی گئی ہوں اور اس کی بہبودی اسی میں تصور کی گئی ہو کہ وہ کسی حالت میں اپنے آپ کو آزاد نہ سمجھے، مگر ہم سچ کہتے ہیں کہ یہ زمانہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔

اسلام پہ حاشیے چڑھتے چڑھتے جو صورت اب اس کی ہو گئی ہے۔ اگر اسی کو اسلام سمجھا جائے تو عنقریب کسی مسلمان کو ضروریات دین سے اس قدر مہلت نہ ملے گی کہ وہ نہایت ذلت و خواری سے دونوں وقت قوت لایموت بہم پہنچا کر بری بھلی طرح اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھر لے، چہ جائیکہ وہ دنیا میں عزت سے رہ سکے یا دین کی کچھ شان و شوکت بڑھا سکے۔ جس عالم میں ہم کو اب اور زندہ رہنا ہے، اس میں ادنیٰ درجہ کی عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے وہ تدبیریں درکار ہیں، جو پہلے شاید ملک اور سلطنت ہی کے لیے درکار تھیں۔ کیوں کہ ترقیٔ انسانی کا زمانہ اس قوم کے حق میں سخت مصیبت کا زمانہ ہوتا ہے، جو اس زمانہ کا ساتھ نہ دے۔ بلکہ اس کے برخلاف اپنے لیے ایک دوسرا راستہ اختیار کرے۔

ہم کو دین کی شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے بھی ضرور ہے کہ صرف خالص اسلام کی حمایت کریں اور اس کو حشو و زوائد سے پاک کر کے تمام عالم کو دکھا دیں کہ صرف اسلام ہی دنیا میں ایسا دین ہے جو انسان کی خوشی اور آزادی کو ترقی دینے والا ہے۔

مَوَاعِظِ قرآن

(۲۶)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (اسرٰی)

(اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہنا اور محتاج اور بے گھر والوں کو بھی۔ اور مال کو بے جا مت اُڑانا۔ بے شک مال کو بے جا اُڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا نافرمان ہے)

یوں تو خیر و خیرات کی تعلیم دنیا کے تمام متمدن مذاہب نے دی ہے اور شاید دوسرے مذہب والے خیر و خیرات کرنے میں ہم سے کم بھی نہیں۔ مگر شاید ہی قرآن کے سوا کسی مذہبی کتاب نے یہ تعلیم بھی ساتھ ساتھ دی ہو کہ اپنے مال کو بیکار مدّوں میں مت صرف کیا کرو اور اگر ایسا کرو گے تو تم شیطان کے بھائی سے کم نہیں اور شیطان وہ ہے جو اپنے رب کا سب سے بڑا نافرمان ہے۔

میرے ایک بہت قریبی عزیز نے اپنے بیٹے اور بیٹی کی شادی کی۔ مجھے بھی مدعو کیا۔ میرے عزیز متوسط درجے کی ملازمت سرکاری کی وجہ سے مستقل آمدنی رکھتے تھے۔ مگر اُنھیں کے ایک چچیرے بھائی تھے، جن کا ذریعہ معاش ایک معمولی تجارت تھی۔ اس تجارت میں اُن کو نقصان ہوا۔ ادھر اُن کی بیوی بیمار ہوئیں۔ اس کے علاج میں اُن کا سارا راس المال ختم ہوگیا اور نوبت بایں جا رسید کہ مہاجن سے جو سودی قرضہ لیا تھا وہ ادا نہ ہوسکا اور اس کا سود بڑھتا گیا۔ بڑی پریشانی کی حالت میں مجھے خط لکھا کہ اگر میں کسی طرح پانچسو روپیہ کا انتظام کردوں تو وہ عمر بھر احسانمند رہیں گے۔ مجھے اس قدر روپیہ فراہم کرنے میں دقت نہ تھی اور میں بھیجنے کے لیے تیار بھی تھا مگر شیطان نے دھوکا دیا اور میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ میں وہ خط اپنے اُن عزیز کے پاس بھیجدوں جو مجھ سے زیادہ امداد کا حق رکھتے ہیں، جو اپنی لڑکی کی شادی میں ہزاروں روپے خرچ کرنے والے ہیں۔ اُن کی نیکی جو نماز، روزے، وظائف اور مریدی کی وجہ سے ہم سب میں بڑھی ہوئی تھی، اس کی وجہ سے مجھے قوی اُمید تھی کہ وہ شادی میں اخراجات کم کرکے اپنے اس بھائی کی ضرور مدد کریں گے۔ جب میں شادی میں شریک ہوا تو میں نے دیکھا کہ شادی بہت بڑے پیمانے پر کی گئی ہے۔ ہزاروں روپے کا سامان جہیز فراہم کیا گیا ہے اور میرے اندازہ میں

تقریباً چار پانچ ہزار روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ چونکہ میں ذرا بے وقوف اور اکھڑ سا ہوں، میں یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ میرے عریضہ کے بارے میں کیا کیا گیا؟ مگر اس کا جواب ایسی طنز آمیز ہنسی سے دیا گیا کہ مجھے اپنی حماقت پر خود شرم آئی۔ اس کے بعد نہ میں نے اُن کی مدد کی (اور مجھے شرمندگی کے ساتھ اس کا اعتراف ہے) اور نہ کسی خدا کے بندے نے۔ حتیٰ کہ اُن کے اوپر ڈگری ہوئی اور اُن کا مسکونہ مکان مہاجن نے سود در سود کے عوض لیکر میرے ان عزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس کے بعد وہ آنکھوں سے معذور ہو گئے۔ اور اس قدر سختی مگر صبر و شکر کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ ناگفتہ بہ ہے۔ ہمارے اُن عزیز نے اس سال حج کیا ہے اور پندرہ سو روپے اور خرچ کر آئے ہیں۔ مجھے ان کی بزرگی میں کسی طرح کا کلام نہیں، اُنھوں نے نیکی کے تمام مراتب جو ایک مومن کو جنت الفردوس کا حقدار بنا دیتے ہیں طے کر لیے ہیں اور اب اس اُمید پر بیٹھے ہیں کہ جنت کا دروازہ کب کُھلے اور یہ داخل ہوں۔

میں نے یہ ایک سچی مثال صرف اس ذہنیت کو دکھلانے کے لیے دی ہے جس میں ہمارے ابتلا اور بدبختی کے سارے مواد اور سامان مہیا ہیں۔ کتنی پارٹیاں اور دعوتیں صاحب لوگوں کو ہم دیتے ہیں مگر کبھی ہمارے دل میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ یہ روپیہ کسی عزیز یا مسکین یا بے گھر و دیار محتاج کے کام آئے۔

ایک دوسری مثال ایک پیر پرست دوست کی ہے۔ گورکھپور کے ضلع میں جنگلات کے ٹھیکیدار ہیں۔ لاکھوں روپے کی آمدنی ہے۔ اُنھوں نے اپنے پیر کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ اُٹھا کر دیدیا۔ گورکھپور میں ایک اسلامی مدرسہ ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو میرے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ میں خود اُن کے پاس گیا اور اس اسلامی مدرسے کے لیے اُن کی امداد کا طالب ہوا۔ بہت مشکل سے وہ پانچ ہزار روپے دینے پر راضی ہوئے۔ میں بہت خوش ہوا اور اپنے ان دوستوں کو، جو مدرسے کے بانی مبانی تھے یہ خوشخبری سنائی بلکہ اس تقریب میں ان سب کو مع اس نئے محسن کے ایک چائے کی دعوت دے ڈالی۔ جب سب موجود ہوئے تو اُن کے انتظار میں شام تک ہم لوگ بیٹھے رہے۔ مگر اُن کو نہ آنا تھا نہ آئے۔ جب میرے احباب نے ان بزرگ کا نام پوچھا اور میں نے بتایا تو ایک قہقہہ بلند ہوا۔ میں ضلع میں نووارد و ناتجربہ کار ان بزرگ سے واقف نہ تھا اور میرے دوستوں نے بتایا کہ کاش اُن کا نام پہلے سے ظاہر کر دیا جاتا کہ میں ان تمام تکلفات سے بچ جاتا۔ غرضیکہ میں اپنی خفیف الحرکتی سے ایسا نادم ہوا کہ میں نے پھر ان بزرگ کو کبھی اپنا مُنہ نہ دکھلایا مگر چہرہ کاری معاف

میں بہت سے اُن کے کام مجھ سے متعلق تھے۔

پس یاد رکھو کہ جب تم الیکشن کے لیے، کسی کلکٹر و کمشنر کی دعوت کے لیے، اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی رسم ختنہ، قرآن خوانی اور نکاح وغیرہ کے لیے خدا کی دی ہوئی نعمت خیر و برکت خرچ کرتے ہو درآنحالیکہ تمہارے بھائیوں میں بہت سے فاقہ مستوں کو مہینوں اس رقم سے روٹیاں مل سکتی تھیں یا تمہارے عزیز بچوں کی تعلیم ہو سکتی ہے اور تم اس کی پروا نہیں کرتے، تو تم اپنا رشتہ شیطان سے جوڑو۔ تمہاری برادری کے لیے وہی موزون ہے۔ خدا کے ہاں تمہاری مطلق پوچھ نہیں ہے۔

(حق گو)

معجزۂ کائنات

(از حامد الانصاری صاحب غازی مدیر الجمعیۃ)

وہ اِک کتاب! گرانبار، وہ کتابِ مبین
وہ جس پہ کوئی مخالف بھی حرف لا نہ سکا

وہ اِک امانتِ ذیشانِ خالقِ کونین
وہ جس کو سینۂ الوند بھی اُٹھا نہ سکا

وہ اِک کتاب جو تقدیر ہے مسلماں کی
زمانہ مل کے بھی جس کی مثال لا نہ سکا

وہ جس نے بڑھ کے ضمیرِ عمرؓ کو فتح کیا
وہ جس کے ہاتھ سے فاروقؓ بچ کے جا نہ سکا

وہ ایک معجزۂ کائناتِ روحانی!
وہ جس کے سامنے قانون کوئی آ نہ سکا

وہ ایک ضابطۂ ربط و ضبط آزادی
جسے زمانہ کا دستِ قوی مٹا نہ سکا

وہ اِک کلام وہ فرمان، وہ رہنمائے ملل
جو راہ اُس نے دکھا دی، کوئی دکھا نہ سکا

وہ اِک کتاب! دلیلِ حیاتِ انسانی
جو بات اُس نے بتا دی، کوئی بتا نہ سکا

یہ اس کی شان! کہ جس کو اُٹھا دیا اُس نے
پھر اس کے تخت سے اس کو کوئی گرا نہ سکا

یہ اس کا فیض کہ جس کو بڑھا دیا اُس نے
پھر اس سے کوئی بھی آنکھیں کبھی ملا نہ سکا

میں اُس پیمبرِ عالی وقار کے قربان
ہے جس کی ختمِ نبوت کا معجزہ قرآن

تحقیق قربانی اور معاصرین

"جناب محمد شفیع صاحب بی اے سندھی کا تعارف بلاغ سے رسالہ "تحقیق قربانی" کے سلسلے میں ہوا" آپ نے اس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے کے لیے ہر دو فریق (حامیان قربانی اور مخالفین قربانی) سے نامہ و پیام وغیرہ ذرائع سے تبادلہ خیال کیا، اس سے پہلے بلاغ نمبر ۱ میں جناب مدیر "ترجمان القرآن" سے آپ کی خط و کتابت شائع ہو چکی ہے، صفحات آئندہ میں جناب مدیر "الاصلاح" سے آپ کی خط و کتابت درج ہے جس سے ناظرین اندازہ لگا سکیں گے کہ "تحقیق قربانی" کی اشاعت کے قریبًا ایک سال بعد تک یہ مسئلہ جہاں تھا وہیں ہے۔ ہمارے محترموں نے بہت کچھ لکھا، لیکن اپنے بلند دعاوی کے ثبوت میں آج تک ایک آیت بھی قرآن مجید سے نہ دکھلا سکے۔ جناب مدیر ترجمان القرآن نے صرف دو باتوں پر زور دیا تھا، حضرت ابراہیمؑ کے خواب کی تعبیر (۲) تحقیق قربانی میں ترجمہ آیات میں تحریف۔ مولف تحقیق قربانی نے جو تعبیر خواب بتائی ہے اس پر جناب مدیر کو اعتراض ہے لیکن علامہ شبلی اور سید سلیمان صاحب ندوی، تفسیر رازی اور کئی متقدمین و متاخرین مولف کے ہم نوا ہیں جن کا بیان رسالہ تحقیق قربانی اور بلاغ ماہ اکتوبر میں آچکا ہے، اس پر جناب مدیر نے توجہ نہیں فرمائی، شاید جو بات بڑے ناموں کے ساتھ بیان کی جائے اس پر قلم اٹھانا ناروا ہو جاتا ہے۔ اب رہی بات تحریف کی، تو جناب مدیر کے اصول تحریف پر شاہ رفیع الدینؒ کے لفظی ترجمہ کے سوا کوئی مترجم جو اپنے با محاورہ ترجمہ میں قوسین کے توضیحی الفاظ کا اضافہ کرتا ہے جرم تحریف سے بچ نہیں سکتا۔ خصوصًا ڈپٹی نذیر احمدؒ کا ترجمہ تو اول سے آخر تک تحریف کہا جائے گا۔ معلوم نہیں جناب مدیر اب تک اس کے متعلق کیوں خاموش ہیں۔ جدید ترجموں میں مولانا ابو الکلام کا ترجمہ آپ کی مزعومہ تحریف سے معمور نظر آتا ہے اور تحقیق قربانی میں جہاں آپ نے مولف کو تحریف کا مجرم ٹھہرایا ہے وہاں حضرت مولانا ابو الکلام بھی پورے شریک "جرم" نظر آتے ہیں۔

اس مختصر نوٹ میں گنجائش نہیں ورنہ ہم دکھاتے کہ جناب مدیر ترجمان القرآن کو بھی ایسی

تحریفات سے اپنا دامن بچانا محال ہو جائے گا

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

ہم جناب محمد شفیع کی کوشش کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک اہم مسئلہ کی طرف اہل علم کو متوجہ کیا، اور غالباً کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لیے وہ اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھیں گے بلاغ کے صفحات اس قسم کی مہذبانہ تحقیق کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔

خطوط کی عبارت میں جا بجا لسانی اسقام ہیں لیکن ہم نے اصولاً علیٰ حالہا رہنے دیا ہے (مدیر)

مورخہ ۲۶ جون ۱۹۳۶ء

۱۳۷

مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسنِ اتفاق سے آپ کا رسالہ "الاصلاح" مارچ پہلی دفعہ دیکھنے میں آیا........

اس جگہ "تحقیق قربانی" کا پمفلٹ فروری گذشتہ میں پہنچا تھا۔ چونکہ عرشی صاحب نے اس قرآن مجید، احادیث شریف اور اقوال متقدمین سے استدلال کیا ہے اور تراجم آیات بھی مولانا ابوالکلا آزاد وغیرہم کے دئے ہیں، اس لیے اس کا اثر اس جگہ یہ ہوا کہ

(۱) قربانی صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہیے۔

(۲) قربانی کا مصرف خود کھانا، زائرین اور محتاجوں کو کھلانا ہے اور بس۔

باقی، جو قربانی ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گھر میں کی جاتی ہے، اس کا پتہ نہ احادیث صحیحہ میں لگتا ہے، نہ قر شریف میں۔ اور جو زائد از ضرورت قربانی کر کے جانوروں کا گوشت مکہ معظمہ میں پھینک دیا جا جس کو جانور تک قبول نہیں کرتے، قطعاً "یہلک النسل" میں داخل ہے اور قرآن شریف میں اس طرح سے جانوروں کے ضائع کرنے کا کوئی جواز نہیں نکلتا۔

آپ نے اپنے رسالہ میں جو تنقید "تحقیق قربانی" پر فرمائی ہے، از حد غیر تسلی بخش ہے۔ ما عرشی صاحب کی آپ کی اس تردید سے اصلاح نہ ہو لیکن دیگر طالب حق جو اس رسالہ کے پڑ سے گمراہ ہو چکے ہیں اُن کی تو اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس لیے آپ سے (چونکہ آپ کے رسالہ کا نام ہی الا ہے) یہ توقع ناواجب نہیں کہ آپ اُن آیات و احادیث و اقوال متقدمین کی ضرور ضرور[1] تردید فر اور از روئے قرآن و احادیث ثابت کریں کہ

---

[1] بہت خوب ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند (بلاغ)

(۱) مکہ معظمہ میں صرف ضرورت کے ماتحت قربانی کرنی ضروری نہیں، بلکہ جیسا کہ مکہ معظمہ میں کیا جاتا ہے قربانی زائد از ضرورت کر کے اس کو پھینک دینا ازروئے قرآن و حدیث جائز بلکہ واجب ہے اور

(۲) ازروئے قرآن و حدیث قربانی صرف مکہ معظمہ ہی میں نہیں، بلکہ ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ: ہر گھر میں، ہر فرد ذی استطاعت کو کرنی ضروری ہے۔

امید ہے ان امور پر آپ بذریعہ رسالہ "الاصلاح" یا بذریعہ خط مکمل روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں گے۔ اگر آپ بذریعہ رسالہ "الاصلاح" جواب دیں، تو وہ رسالہ بذریعہ وی پی ارسال کریں . . . اور جواب عریضہ سے مطلع فرمائیں۔

آپ کا اس رسالہ میں ایک مضمون "جاپانیوں میں قربانی کا جذبہ" پڑھا۔ مضمون پڑھنے سے قبل خیال گزرا کہ شاید جاپان کا ہر فرد بجائے ایک ایک بکرا ذبح کرنے کے کئی کئی بکرے ذبح کرتا ہوگا۔ جس کی بدولت وہ یہ عروج حاصل کر رہا ہے، کیونکہ مسلمان ہر سال لکھوکھا بکرے ذبح کر کے وہ عروج حاصل نہیں کر سکے، تو ضرور ہے کہ وہ ان سے زیادہ جانور تلف کر کے معراج ترقی پر پہنچے ہوں گے، لیکن مضمون پڑھنے سے اور ہی حقیقت واضح ہوئی۔ غالباً بکرے کی قربانی نے مسلمانوں میں اپنی قربانی پیش کرنے کا مادہ سلب کر دیا ہے، حالانکہ اس کی یاد وہ ہر سال تازہ کرتے رہتے ہیں اور ہمارے علمائے کرام اُن کو اور زیادہ سے زیادہ گائیں اور بکرے ذبح کرنے کی ترغیب دیکر قربانی کے ملکہ کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جائے غور اور جائے عبرت ہے کہ جو لوگ ہر سال کروڑوں جانور تلف کر کے پھینک دیتے ہیں، ان میں تو اپنی قربانی کرنے کا مادہ سلب ہو جائے اور جو ایسا نہیں کرتے، ان میں ملکہ قربانی ترقی کرے۔ اب اس مشاہدہ کی موجودگی میں صرف علمار کرام کی محض عبارت آرائی کس کام آسکتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ[1] رَاجِعُوْنَ۔

طالب حق محمد شفیع بی اے۔

مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۷ء

---

[1] مکتوب میں سہواً اِلَیْہِ کی بجائے عَلَیْہِ لکھا گیا تھا اور اس لیے معذرت ضروری سمجھی گئی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن مورخہ ۲۶ جون ۱۹۳۷ء کو اس کی تعمیل کی گئی۔ لیکن مولانا اپنے علم و فضل کے نشے میں میری اس لغزش سے چشم پوشی نہ کر سکے اور بجائے اس کے کہ میرے سوالات کا جواب دیتے اِدھر اُدھر کی بیکار باتوں میں اپنے رسالہ کے سات صفحات کا خون کر دیا اور اخیر میں فرما دیا کہ باقی آئندہ صحبت میں دیکھا جائیگا۔

مخدومی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ رسالہ مرسلہ پہنچا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ میں نے دراصل آپ کی "تعریض وتبصرہ" کے تحت میں جو نصیحت آپ نے قرآنی صاحب کو فرمائی تھی پڑھکر خط لکھا تھا (دیکھیں صفحہ ۱۸۸ رسالہ الاصلاح مارچ ۱۹۳۶ء) جس کا خلاصہ یہ ہے (۱) مخالفوں کو معافی (ب) دشمنوں سے پیار۔ اور آپ کی یہ تحریر عین قرآن حکیم کی تعلیم کے موافق ہے۔ ورنہ یہ تو مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ مولوی صاحبان جن کا ذریعہ معاش مذہب ہے۔ ایسے کسی مسئلہ کی جو اُن کی رائے کے برخلاف ہو سننے کی تاب نہیں لا سکتے۔ میں نے اپنے خط میں جو استفسار کیا تھا اس کا جواب اس قدر طول طویل نہیں ہو سکتا۔ جس کے لیے جناب کو پورے سات صفحے وقف کرنے پڑے اور بات وہیں کی وہیں رہی۔ ان اوراق میں آپ کے ارشادات گرامی حسب ذیل ہیں:۔

جناب کا ارشاد (۱) خط لمبا چوڑا تھا۔ پُرلطف تھا۔ طعن وتشنیع، اشارہ وکنایہ، ظرافت ومزاح وغیرہ وغیرہ سے لبریز تھا۔

نیازمند:۔ کیا آپ کے سات صفحہ میں بھی نہ سما سکتا تھا اور آپ کی خدمت اقدس میں پہنچتے پہنچتے سات صفحہ سے زیادہ طویل ہو گیا تھا؟

جناب کا ارشاد (۲)۔ اس خط میں سوالات قائم کر دیئے تھے۔ جواب کسی آئندہ فرصت میں دیں گے۔

نیازمند۔ بجز اپنی شومی قسمت کے اور کیا خیال کروں۔ ورنہ ان سوالات کے جواب جناب کی اس سات صفحہ کی تحریر سے کم صفحہ جات اور کم وقت میں لکھے جا سکتے تھے۔

جناب کا ارشاد (۳) رسالہ "تحقیق قربانی" پر ہم نے جو لکھا تھا، وہ محض اظہار رائے تھا۔

نیازمند:۔ بندہ نواز یہی تو نیازمند نے عرض کیا تھا کہ قرآن اور حدیث سے مفصل اُن کی تردید فرمائیے، تاکہ ہم کم علم بھی مستفید ہو سکیں اور گمراہی سے بچ رہیں۔

جناب کا ارشاد (۴)۔ سرسید مرحوم نے ایک فضول سی بات لکھ دی تھی اسی کو لیکر مضمون نگار (عرشی) نے اس پر اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھدی۔

نیازمند:۔ افسوس کہ یہی بات درست نہیں۔ مضمون نگار نے اپنی تحقیق کی بنیاد قرآن اور حدیث اور اقوال متقدمین پر رکھی ہے، نہ محض سرسید کی فضول بات پر۔

جناب کا ارشاد (۵)۔ آپ کو مذہبی تحقیقات کا کچھ ذوق ہے تو للہ کچھ زحمت بھی اُٹھائیے۔ یہ کیا کہ جس نے[1]

---

[1] کذا فی الاصل (بلاغ)

جو بکواس کردی، اس سے غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔

نیازمند: بندہ نواز اور محترم مخدوم۔ مذہبی تحقیقات کے ذوق نے ہی جناب کی خدمت با برکات میں عریضہ لکھنے پر مجبور کیا تھا اور اسی غرض سے عرض کیا تھا کہ از روئے قرآن و حدیث جو کچھ بکواس عرشی صاحب اور سرسید کے اعمیٰ مقلدین نے کی ہے، جناب بھی قرآن اور حدیث سے ان کی تردید فرمائیں۔ لیکن اپنی بدقسمتی، یہ مراد پوری نہ ہو سکی۔

جناب کا ارشاد (۶)۔ مذہب کے متعلق آپ کو اعتراف ہے کہ آپ کو کوئی علم اور واقفیت نہیں ...... ان لوگوں کی تحریریں پڑھیں جن کو مذہبی معاملات پر غور کرنے کا حق ہے۔ وغیرہ، وغیرہ۔

نیازمند۔ جناب من! جناب سے زیادہ مذہبی معاملات پر غور کرنے کا کس کو حق ہو سکتا تھا۔ اور اسی لیے جناب کی تحریر حاصل کرنے کی سعی کی گئی۔

جناب کا ارشاد (۷)، آپ چھوٹی سی آیت..... صحیح نہیں لکھ سکتے۔

نیازمند:۔ مجھے عربی نہ جاننے کا اعتراف ہے۔ آیت سہواً لکھی گئی، دوسرے دن معذرت نامہ ارسال خدمت کر دیا تھا۔ لیکن ایک جاہل کی سہواً غلطی، پھر اس کا اعتراف اور مدعیِ جانشینیِ رسول سے معافی ناممکن، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، اور اس امتِ مرحومہ پر رحم کرے۔

جناب کا ارشاد (۸)۔ جب آپ کے والدین نے آپ کو دینی تعلیم نہیں دلائی اور آپ بھی بدقسمتی سے اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے، تو آپ کے لیے ..... ہمارا یہی مشورہ ہے کہ مقلد بن جائیں۔ خود خضرِ راہ بننے کا حوصلہ نہ کریں۔

نیازمند۔ والدین نے مجھے عربی زبان نہیں پڑھائی، لیکن تعلیم دلائی اور اسی تعلیم دلانے کی وجہ سے میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی طرف بدل و جان متوجہ ہوں اور یہ آپ کو اسی سے اندازہ فرما لینا چاہیے تھا کہ اگر مجھے دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق نہ ہوتا، تو میں جناب کو اس مسئلہ کے متعلق تحریر فرمانے کے لیے کیوں لکھتا؟ اگر دینی تعلیم عربی زبان کے حاصل کرنے پر موقوف ہے تو آپ کو اور آپ جیسے دیگر علماءِ عربی دان کو قرآن مجید اور احادیث شریف کے اُردو ترجمہ کرنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی؟ کیا یہ تراجم محض ایک فضول چیز ہیں؟ اور ان تراجم میں سے قرآن شریف کا کوئی پر مطلب نہیں نکلتا؟ میرے پاس مولوی وحید الزمان، مولوی فتح محمد، مولانا اشرف علی، مولوی نذیر احمد، شاہ رفیع الدینؒ کے تراجم اور تفسیر مولانا ابوالکلام آزاد ہر دو جلد، تفسیر سرسید مرحوم، تفسیر قادری، تفسیر

عمدۃ البیان، تفسیر مظہری، تفسیر ترجمان القرآن نواب صدیق حسن صاحب مرحوم موجود ہیں (ان کے علاوہ تفسیر حقانی کا بھی اکثر مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے) ان کو پڑھتا ہوں اور اتنی سمجھ تو اللہ تعالیٰ نے بخشی ہوئی ہے کہ ان تراجم اور تفاسیر میں ایک بات ضرور دیکھ لیتا ہوں کہ جو ترجمہ یا مطلب بیان کیا جاتا ہے، الفاظ قرآن اس کے متحمل ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر الفاظِ قرآن اس ترجمہ یا مطلب کے متحمل نہ ہوں، تو میرے لیے وہ ترجمہ قابل پذیرائی نہیں معلوم ہوتا اور اسی لیے آپ جیسے علمائے دین سے رجوع کرتا ہوں۔ حاصل مطلب یہ کہ بفضل خدا، مجھے قرآن سمجھنے کا شوق ہے، کیونکہ میرے نزدیک تمام دنیا میں یہی ایک کتاب ہے، جو خدا کا سچا کلام ہے، جس میں کسی قسم کی کجی، کوتاہی، شک اور ریب و تنسیخ وغیرہ کی گنجائش نہیں اور جس کا سمجھنا عام انسانی ضروریات زندگی کے لیے آسان اور سہل ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ انسانی تخیلات، توہمات، عجائبات، یہودیات کو شامل نہ کیا جائے۔ افسوس اور صد ہزار بلکہ صد لک افسوس ہے کہ آپ مجھے اس کتاب عزیز کی طرف دعوت دینے کی بجائے زید، عمرو، بکر اور دیگر مجہول قسم بتوں کی پرستش کی دعوت دے رہے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ مقلد بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا کلام تمہاری ہدایت کے لیے کفایت نہیں کر سکتا۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ تمہاری رہبری کر سکیں گے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ جانشینِ رسولِ اکرمؐ کے قلم سے ایک ایسی تحریر کا نکلنا واقعی نادرات سے ہے۔ میں از روئے قرآن و حدیث صحیح ایک مسئلہ کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں، مقلد یعنی مشرک بن جاؤ اور ابد الآباد تک کے لیے جہنم کا ایندھن بنو (عیاذاً باللہ)

میرے محسن بزرگ! میں خضر راہ نہیں بننا چاہتا، البتہ خضر راہ کی تلاش میں رہتا ہوں اور میرے ایمان و اعتقاد کی رو سے میرا خضر راہ وہی ہو سکتا ہے، جو الفاظ قرآن سے قرآن کے معانی سمجھائے، نہ کہ غیر اللہ کے کلام کو اس پر حکم بنائے۔ آپ نے رسالہ "الاصلاح" میں جو مضمون "تدبر قرآن" کے زیر عنوان قلمبند فرمایا ہے، مجھے اس سے اتفاق ہے۔ خصوصاً اس جملہ سے کہ "سب سے مقدم یہ ہے کہ انسان بالکل خالی الذہن ہو کر اس کو طلب ہدایت کے لیے پڑھے، اپنے قلب و دماغ کو بالکلیہ اس کے حوالے کر دے، اپنے دل کی باگ اسی کے ہاتھ میں دیدے، تمام خیالات و معتقدات سے خالی ہو کر اپنے تئیں اس امر کے لیے آمادہ کرے کہ اس کے اندر اپنی خواہشات کے لیے سند جواز، اپنے معتقدات کے لیے حیلے اور اپنے نفس کے لیے جائے پناہ نہیں تلاش کریگا

الخ"۔ آپ کے یہ ارشادات واقعی اور یقینی طور پر عین منشائے الٰہی کے مطابق ہیں اور الحمد للہ! کہ اس نیازمند کا بھی کلیۃً یہی مسلک ہے۔ اور اسی لیے مسئلہ قربانی پر آپ کی خدمت میں قرآن اور احادیث صحیحہ سے روشنی ڈالنے کے لیے عرض کیا تھا، اسی اصول متعارفہ کے ماتحت میرے لیے حجت دینی صرف قرآن حکیم ہے اور بس۔ جیسا کہ بار بار عرض کر چکا ہوں، اگر آپ اپنی سات صفحہ کی تحریر کے بجائے قرآن اور احادیث صحیحہ سے میرے معروضات کا جواب دیدیتے اور مجھے مشرک بننے کی تلقین نہ فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا، لیکن جناب نے دوسرا رنگ اختیار کرنا پسند فرمایا' جو نہ میرے لیے مفید ہوسکتا ہے، نہ کسی اور کے لیے۔ اور یہ حیرت انگیز بات ہے کہ جب موجودہ زمانہ کے علماء سے کسی مسئلہ کی نسبت دریافت کیا جاتا ہے، تو وہ عام طور پر یہی مشورہ دیتے ہیں۔ تم اسلام سے نکل جاؤ، مقلد بن جاؤ، مشرک بن جاؤ، لیکن قرآن سے کوئی مسئلہ سمجھنے کی جستجو نہ کرو۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سائل کو قرآن اور حدیث سے مسئلہ کما حقہٗ سمجھا دیتے اور پھر اُس کی مرضی پر چھوڑ دیتے کہ مسلم بنتا یا مشرک، ملحد بنتا یا دہریہ، نصرانی بنتا یا آریہ۔

جناب کا ارشاد (۹)، قربانی کا مقصد محض یہ قرار دینا کہ وہ مکہ معظمہ میں حجاج کے کھانے کھلانے کے لیے ہے، قرآن وحدیث سے انتہائی بے خبری ہے۔ یہ بات صرف وہ شخص کہہ سکتا ہے، جس نے قرآن مجید کی روشنی میں قربانی کے معاملہ پر ایک دن بھی غور نہیں کیا۔

نیازمند:- اس وقت "تبویب القرآن" میرے سامنے ہے۔ میں نے کئی دفعہ ان تمام آیات حج اور قربانی کے متعلق اس میں جمع کی گئی ہیں، تلاوت کی ہے۔ ترجمہ بار بار دفعہ پڑھا ہے۔ مجھے تو قربانی کا مصرف و مقصد بجز اس کے کوئی اور سمجھ میں نہیں آیا کہ خود بھی ان میں سے کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے فقیر اور مانگنے والے فقیر کو کھلاؤ۔ یا اس قربانی سے تم خود بھی کھاؤ اور مصیبت کے مارے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ جناب نے ان آیات کے جو معانی سمجھے ہیں وہ مجھے تحریر کر دیں۔ انشاء اللہ اگر الفاظ قرآن ان معانی کے متحمل ہوئے تو مجھے ان کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ اور جس قدر تراجم میرے پاس موجود ہیں، ان میں بھی درستی کر لونگا۔ اس وقت تک تو میں نے ان تراجم سے یہی مطلب سمجھا ہے آپ کے ایک ہم عقیدہ بزرگ نے جو امرتسر کے ہیں "تحقیق قربانی" کے مضمون کی تردید کی ہے۔ گالی گلوچ دینے کے بعد جو زمانہ حال کے علماء کا "بدلِ قرآن" کے باب "سب وضرب" کی تعمیل میں طرۂ امتیاز ہے فرماتے ہیں کہ "خدا کی راہ میں اپنے جانور کو قربان کر دینا ہی عبادت ہے، ورنہ اُن کا گوشت پوست

اور خون مقصود نہیں۔ جس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی میں ثابت کر دیا کہ صرف راہِ خدا میں خون بہانا ہی کارِ ثواب ہے، ورنہ آپ کا یہ مطلب نہ تھا کہ بیٹے کا گوشت خود یا مہمانوں کو کھلائیں۔"

اللہ اکبر! یہ ہے قدر زمانہ حال کے علماء کے دلوں میں کتاب اللہ اور فرمان خداوندی کی۔ خدا فرماتا ہے، قربانی کا گوشت خود کھاؤ اور فقرا کو کھلاؤ۔ ہمارے علماء کرام کہتے ہیں، یہ غلط، محض بکواس (معاذ اللہ)، اب کوئی مقلد بن کر علماء کرام کا حکم ماننے یا مسلم بن کر اللہ تعالیٰ کا۔ آپ ہی فیصلہ فرمائیں

جناب کا ارشاد (۱۰) سر سید اور اُن کے بعض اعمیٰ مقلدین کے علاوہ وہ کسی ایک ہی مترجم کا نام بتادیں، جس نے اپنے ترجمہ یا تفسیر میں ان مزخرفات کی تائید کی ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے جو کچھ لکھا ہے، ہمیشہ اُردو میں لکھا ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اُن کی کس تحریر سے وہ نتائج نکلتے ہیں جو رسالہ "تحقیق قربانی" کے لکھنے والے نے نکالے ہیں۔ آپ کو مذہبی تحقیق کا کچھ ذوق ہے، تو لِلّٰہ کچھ زحمت بھی اُٹھائیے۔ یہ کیا کہ جس نے جو بکواس کر دی، اس سے غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔

نیاز مند: معلوم نہیں "تحقیق قربانی" کے مضمون کا جناب نے کیا مطلب سمجھا ہے؟ اس کا تو مقصود یہی ہے کہ محلِ قربانی مکہ معظمہ (بیت العتیق) ہے اور قربانی ضرورت کے ماتحت ہونی چاہیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن ہر دو جلد میرے پاس ہیں۔ قربانی کے متعلق جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے، لفظ لفظ عرشی صاحب نے درج کر دیا ہے۔ میں بطور ترجمان القرآن" سے درج کرتا ہوں۔

"ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ آیت ۲۸ تا ۳۶ میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ، یعنی مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں۔ جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے (اور سمجھتے ہیں۔ محمد شفیع) بلکہ یہ کہ لوگوں کے لیے غذا کا سامان ہو۔ پھر آیت ۳۷ میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصل عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون۔ بت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس عقیدے پر چلی تھی کہ انھوں نے خیال کیا [illegible] [illegible] جانوروں کا خون [illegible] [illegible] گوشت کا چڑھاوا [illegible] [illegible] مقبول ہو سکتی ہے

[illegible] گوشت [illegible]

فقرا کو کھلاؤ مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ـــــ جیسا کہ عام علماء کرام اور جناب خود بھی یہی سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے ایک ہم عقیدہ مولوی صاحب کا استدلال اوپر درج کر چکا ہوں ـــــ اب عرض یہ ہے کہ کیا مولانا ابوالکلام صاحب نے بھی سرسید کے اعمیٰ مقلدین کی طرح بقول جناب وہی بکواس نہیں کی جو سرسید اور عرشی صاحب نے کی ہے (اللھم احفظنا من شرور انفسنا)

جناب کا ارشاد (۱۱) اگر کوئی قوم پست ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے عقاید و تخیلات پست ہیں۔ اگر کوئی قوم بلند ہے تو اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے تصورات و افکار بلند ہیں۔

نیازمند: واقعی یہ حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اس کی بیّن مثال ہیں اور موجودہ زمانہ کے مسلمان اس کی زندہ تصویر۔ زیادہ عرض کرنا لاحاصل ہے۔

جناب کا ارشاد (۱۲) اس راہ کا دوسرا قدم یہ ہے کہ اس نصب العین اور عقیدہ کے لیے قوم میں فدویت اور قربانی کا جذبہ ہو۔

نیازمند: بالکل ٹھیک، لیکن جانوروں کی قربانی کا نہیں، بلکہ یہی قربانی کا۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ قرونِ اولیٰ اور اپنے زمانے کے مسلمانوں کو دیکھ لو۔ حقیقت واضح ہے۔ ہزارہا جانور ہر سال قربانی کیے جاتے ہیں، لیکن نتیجہ آپ پر اور دنیا کے ہر فرد پر عیاں ہے۔

جناب کا ارشاد: (۱۳) (واقعہ خواب حضرت ابراہیمؑ) فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ والاواقعہ...

نیازمند: محسن و مربی من! آپ کا مضمون زیر عنوان "تدبر قرآن" کا ایک ایک لفظ میرے دلی خیالات کا آئینہ ہے۔ مجھے اس کے ایک ایک لفظ سے کلّی اتفاق ہے اور جہاں تک میرے فہم و ادراک کی رسائی ہے، میں اسی پر عمل پیرا ہوں اور اسی وجہ سے تفسیر قرآن اور مطالب قرآن بیان کرنے میں کوئی مفسر یا فاضل کوئی ایسی بات بیان کرتا یا لکھ دیتا ہے، جس کے متحمل الفاظِ قرآن نہیں ہوتے، تو مجھے اس کے قبول کرنے میں عذر ہوتا ہے۔ میں نے مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کا ترجمہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے۔ دیگر مفسرین نے تفسیروں میں اپنے خیالات ... کر ... درج کیا ہے، جس کے الفاظ قرآن ہرگز متحمل نہیں ہوتے۔ ...
... چھوٹی چھوٹی سورتوں کے اردو تراجم ...
... سے ترجمہ کرا دیں۔ اگر ...
... کار اور گنہگار ...

"نجعہ" کا ترجمہ "موت" ہی کر دیا ہے۔ تو عرض ہے کہ اس قسم کے تراجم اور تفاسیر درا صل قرآن شریف کے نہیں ہوتے، بلکہ مترجم یا مفسر کے ذاتی خیالات کا مجموعہ ہوتے ہیں، جن سے قرآن کو دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا اور یہی وہ بات ہے، جس نے قرآن حکیم سے مسلمانوں کا تعلق یکسر دور کر دیا ہے۔ آپ بفضل خدا عالم دین ہیں۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور اس قسم کے کئی تراجم اور تفاسیر جناب کے مطالعہ سے گزری ہوں گی۔ آیہ مبارکہ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اِنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ الخ از روئے الفاظِ قرآن' یہ حضرت ابراہیمؑ کا خواب تھا۔ خواب کو سب نے تسلیم کیا ہے، لیکن فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا "خواب حکم ہوتا ہے۔ توریت میں ضرور حکم لکھا ہے، لیکن وہ از روئے قرآن محرف ہے۔ اگر توریت کا بیان درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں اس کی تصدیق فرماتا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم نے اس کی تصحیح کی اور اصل واقعہ بیان کیا' یعنی حکم غلط ہے۔ خواب درست ہے۔ حل طلب بات یہ رہ گئی کہ آیا انبیاء کے خواب در اصل حکم ہوتے ہیں یا کیا؟ اس کے متعلق قرآن شریف کی کسی آیت سے شہادت درکار ہے جو مجھے نہیں ملتی۔ آپ سے عرض ہے کہ ضرور رقام فرمائیں۔ اگر انبیاء کے خواب کو حکم ثابت کرنے والی کوئی آیت قرآن حکیم میں نہیں ملتی تو خواب کو حکم کہنا قرآن کی تکذیب کرنا ہے اور توریت کی تصدیق۔ دوم خواب کی تعبیر ہوتی ہے قرآن حکیم نے جناب یوسف صدیقؑ، ان کے دو یاران محبس اور والیے مصر کے خوابوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے، حضورؐ کے خواب کی نسبت فرمایا ہے لقد صدق اللہ رسولہ الرویا الخ خواب حضورؐ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے خواب کو سچ کر دکھایا، ورنہ اگر حضورؐ کا خواب اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو اللہ تعالیٰ کا خود سچ کر دکھایا، فرمانا کیا معنی؟

ہمارے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے کہ جو شخص کسی انسان کو قتل کرنے یا ملک میں فساد ڈالنے کے بغیر قتل کر دے، تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا ؎۔ مشرکوں کے شرکاء قتل اولاد کو مشرکوں کے لیے زینت دیتے ہیں ؎۔ اگر یہ خواب خدا کی طرف سے تھا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کریں۔ پس ضرور ہے کہ یا تو (معاذ اللہ) خدا کا حکم غلط ہو، یا ابراہیمؑ نے خواب کے فہم میں غلطی کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ معترض انسانوں کے غلطی میں پڑ جانے کو شش کر جو نک پڑتا ہے اور خدا کے حکموں کو ٹال دینے میں دلیر ہوتا ہے۔ مزید برآں حضرت ابراہیمؑ کی طرف تین دفعہ جھوٹ

ص ذرا حجاب نہیں ہوتا، لیکن خواب کی تعبیر میں غلطی کرنے کو اُن کی طرف منسوب کرنے سے

جیسے کبیرہ گناہ کو منسوب کرنے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ غلط مذہبی عقاید ہمیشہ تباہی اور بربادی اور ذلت و ادبار اور خواری کا باعث ہوتے ہیں جس کی زندہ مثال زمانہ حال کے مسلمان ہیں۔ اخبار "انقلاب" لاہور مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۳۶ء میں شاید آپ نے پڑھا ہوگا کہ "پٹنہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء سیوان کے ایک گاؤں لاکری سے آمدہ ایک اطلاع مظہر ہے کہ کس طرح ایک خواب کے نتیجہ کے طور پر ایک شخص نے قتل کا ارتکاب کیا۔ واقعات اس طرح بیان کیے جاتے ہیں کہ ایک مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ اگر وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کو قربان کردے تو اُسے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا اور جنت میں اُس کے درجے بلند ہوں گے۔ چنانچہ اگلی صبح اُٹھ کر اُس نے اپنی بیوی کا سر تن سے جدا کر دیا اور اپنے دو لڑکوں کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ دوڑ کر شدید زخمی ہو کر بچ رہے۔"

غرض اس قسم کے واقعات محض بر بنائے غلط مذہبی عقائد ظہور میں آتے ہی رہتے ہیں۔ اب کیا جناب کی رائے میں اس مسلمان کا یہ فعل ازروئے قرآن و حدیث درست اور واجب ہے؟ اور محض خواب کی بنا پر کسی کو ذبح کر دینا جائز ہے؟ آیات بینات یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ الخ۔ میں یہ کہیں حکم نہیں کہ اب آئندہ کے لیے ملت ابراہیمؑ اس واقعہ کی یادگار میں جانوروں کی قربانی کرتی رہے۔ کہیں ان آیات میں یہ نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے کوئی سینگ دار مینڈھا بھیجا تھا۔ البتہ سورہ حج میں بہ موقع حج جانوروں کی قربانی کرنے کا حکم موجود ہے۔

آپ نے اپنے مضمون "تدبر قرآن" میں بجا طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر فتنہ قرآن مجید ہی کی آڑ پکڑ کر نمودار ہوا۔ خوارج، باطنی، بابی، بہائی، قادیانی، چکڑالوی سب کے استدلالات کی بنیاد قرآن مجید ہی پر ہے۔ میرے معزز اور محترم بزرگ! جب ایک شخص کو کوئی ایسی بات قرآن مجید کی طرف منسوب کرنے کا حق حاصل ہو گیا، جو قرآن مجید کے الفاظ سے نہیں نکل سکتی، تو پھر یہ حق ہر شخص کو حاصل ہونا چاہیے کہ جو لغو سے لغو اور بے ہودہ سے بے ہودہ بات چاہے قرآن حکیم کی طرف منسوب کر دے اور پھر شیعیت، سنیت، وہابیت، چکڑالویت، قادیانیت، بہائیت وغیرہ وغیرہ کی بنیاد رکھ لے، اور فی الواقعہ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی بنیاد اسی دن سے شروع ہو گئی تھی، جب محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑے اور "بدلِ[1] قرآن" پورے تیس کے تیس سیپاروں میں مدون کیا گیا۔ اگر لفظ "منام" کے معنی حکم ہو سکتا ہے اور "مقام" کے معنی ہر مسلمان

---

[1] صحیح بخاری (بلاغ)

اور خون مقصود نہیں۔ جس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی میں ثابت کر دیا کہ صرف راہِ خدا میں خون بہانا ہی کارِ ثواب ہے، ورنہ آپ کا یہ مطلب نہ تھا کہ بیٹے کا گوشت خود یا مہمانوں کو کھلائیں۔"

اللہ اکبر! یہ ہے قدر زمانہ حال کے علماء کے دلوں میں کتاب اللہ اور فرمان خداوندی کی۔ خدا فرماتا ہے، قربانی کا گوشت خود کھاؤ اور فقرا کو کھلاؤ۔ ہمارے علماء کرام کہتے ہیں، یہ غلط، محض بکواس (معاذ اللہ)، اب کوئی مقلد بن کر علماء کرام کا حکم مانے یا مسلم بن کر اللہ تعالےٰ کا۔ آپ ہی فیصلہ فرمائیں جناب کا ارشاد (۱۰) سرسید اور اُن کے بعض اُمّی مقلدین کے علاوہ وہ کسی ایک ہی مترجم کا نام بتادیں، جس نے اپنے ترجمہ یا تفسیر میں ان مزخرفات کی تائید کی ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے جو کچھ لکھا ہے، ہمیشہ اُردو میں لکھا ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اُن کی کس تحریر سے وہ نتائج نکلتے ہیں جو رسالہ "تحقیق قربانی" کے لکھنے والے نے نکالے ہیں۔ آپ کو مذہبی تحقیق کا کچھ ذوق ہے، تو لِلّٰہ کچھ زحمت بھی اُٹھائیے۔ یہ کیا کہ جس نے جو بکواس کر دی، اس سے غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔

نیاز مند: معلوم نہیں "تحقیق قربانی" کے مضمون کا جناب نے کیا مطلب سمجھا ہے؟ اس کا تو مقصود یہی ہے کہ محل قربانی مکہ معظمہ (بیت العتیق) ہے اور قربانی ضرورت کے ماتحت ہونی چاہیے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن ہر دو جلد میرے پاس ہیں۔ قربانی کے متعلق جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے، لفظ بلفظ عرشی صاحب نے درج کر دیا ہے۔ میں پھر ترجمان القرآن" سے درج کرتا ہوں۔

"ضمناً یہ بات بھی واضح کردی کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ آیت ۲۸ تا ۳۶ میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ، یعنی مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں۔ جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے (اور سمجھتے ہیں۔ محمد شفیع) بلکہ یہ کہ لوگوں کے لیے غذا کا سامان ہو۔ پھر آیت ۳۷ میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصلی عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون۔ بُت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس طرح چلی تھی کہ اُنھوں نے خیال کیا، انسانوں کی طرح دیوتاؤں کو بھی چڑھاووں کی ضرورت ہے اور جانوروں کا خون بہانا، اُن کا غضب و قہر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے، نہ تو خدا تک گوشت کا چڑھاوا پہنچ سکتا ہے، نہ وہ خون بہانے کا شائق ہے۔ اصل شئے جو اُس کے حضور مقبول ہو سکتی ہے، دل کی نیکی اور طہارت ہے۔ (ص ۵۱۰ جلد ۲)

اس اُردو کی عبارت کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ قربانی کے جانور کا گوشت خود کھاؤ اور

فقرا کو کھلاؤ مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ہے — جیسا کہ عام علماء کرام اور جناب خود بھی یہی سمجھ رہے ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے ایک ہم عقیدہ مولوی صاحب کا استدلال اوپر درج کر چکا ہوں — اب عرض یہ ہے کہ کیا مولانا ابو الکلام صاحب نے بھی سرسید کے اعمیٰ مقلدین کی طرح بقول جناب وہی بکواس نہیں کی جو سرسید اور عرشی صاحب نے کی ہے (اللھم احفظ من شرور انفسنا)

جناب کا ارشاد (۱) اگر کوئی قوم پست ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے عقاید و تخیلات پست ہیں۔ اگر کوئی قوم بلند ہے تو اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے تصورات و افکار بلند ہیں۔

نیازمند: واقعی یہ حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اس کی بین مثال ہیں اور موجودہ زمانہ کے مسلمان اس کی زندہ تصویر۔ زیادہ عرض کرنا لاحاصل ہے۔

جناب کا ارشاد (۲) اس راہ کا دوسرا قدم یہ ہے کہ اس نصب العین اور عقیدہ کے لیے قوم میں فدویت اور قربانی کا جذبہ ہو۔

نیازمند: بالکل ٹھیک، لیکن جانوروں کی قربانی کا نہیں، بلکہ اپنی قربانی کا۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ قرونِ اولیٰ اور اپنے زمانے کے مسلمانوں کو دیکھ لو۔ حقیقت واضح ہے۔ ہزارہا جانور ہر سال قربانی کیے جاتے ہیں، لیکن نتیجہ آپ پر اور دنیا کے ہر فرد پر عیاں ہے۔

جناب کا ارشاد: (۳) (واقعہ خواب حضرت ابراہیمؑ) فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ الی الواقعہ...

نیازمند: محسن و مربی من! آپ کا مضمون زیر عنوان "تدبر قرآن" کا ایک ایک لفظ میرے دلی خیالات کا آئینہ ہے۔ مجھے اس کے ایک ایک لفظ سے کلی اتفاق ہے اور جہاں تک میرے فہم و ادراک کی رسائی ہے، میں اسی پر عمل پیرا ہوں اور اسی وجہ سے تفسیر قرآن اور مطالب قرآن بیان کرنے میں کوئی مفسر یا فاضل کوئی ایسی بات بیان کرتا یا لکھ دیتا ہے، جس کے متحمل الفاظِ قرآن نہیں ہوتے، تو مجھے اس کے قبول کرنے میں عذر ہوتا ہے۔ میں نے مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی کا ترجمہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو معاف کرے۔ دیگر مفسرین نے تو تفسیروں میں اپنے خیالات و اعتقادات کو جو خلاف آیات اللہ تھے درج کیا ہے، جس کے الفاظ قرآن ہرگز متحمل نہیں ہوتے۔ میں نے ان کے مقلدین کی خدمت میں کئی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے اُردو تراجم پیش کر کے عرض کی کہ اس اردو ترجمہ کا کسی قابل ترین عربی دان سے ترجمہ کرا دیں۔ اگر اس اُردو کے عربی ترجمہ میں ایک لفظ بھی قرآن شریف کا آجائے تو میں خطاکار اور گناہگار۔ اسی طرح خواجہ حسن نظامی صاحب نے حضرت داؤدؑ کے واقعے میں

"منیحہ" کا ترجمہ "عورت" ہی کر دیا ہے۔ تو عرض ہے کہ اس قسم کے تراجم اور تفاسیر دراصل قرآن شریف کے نہیں ہوتے، بلکہ مترجم یا مفسر کے ذاتی خیالات کا مجموعہ ہوتے ہیں، جن سے قرآن کو دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا اور یہی وہ بات ہے، جس نے قرآن حکیم سے مسلمانوں کا تعلق یکسر دُور کر دیا ہے۔ آپ بفضل خدا عالم دین ہیں۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے، اور اس قسم کے کئی تراجم اور تفاسیر جناب کے مطالعہ سے گزری ہوں گی۔ آیہ مبارکہ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ الخ از روئے الفاظِ قرآن، یہ حضرت ابراہیمؑ کا خواب تھا۔ خواب کو سب نے تسلیم کیا ہے، لیکن فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا "خواب حکم ہوتا ہے۔ توریت میں ضرور حکم لکھا ہے، لیکن وہ از روئے قرآن محرف ہے۔ اگر توریت کا بیان درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن میں اس کی تصدیق فرماتا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم نے اس کی تصحیح کی اور اصل واقعہ بیان کیا، یعنی حکم غلط ہے۔ خواب درست ہے۔ حل طلب بات یہ رہ گئی کہ آیا انبیاء کے خواب دراصل حکم ہوتے ہیں یا کیا؟ اس کے متعلق قرآن شریف کی کسی آیت سے شہادت درکار ہے جو مجھے نہیں ملتی۔ آپ سے عرض ہے کہ ضرور راقم فرمائیں۔ اگر انبیاء کے خواب کو حکم ثابت کرنے والی کوئی آیت قرآن حکیم میں نہیں ملتی تو خواب کو حکم کہنا قرآن کی تکذیب کرنا ہے اور توریت کی تصدیق۔ دوم خواب کی تعبیر ہوتی ہے قرآن حکیم نے جناب یوسف صدیقؑ، ان کے دو یاران محبس اور والیٔ مصر کے خوابوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے، حضورؐ کے خواب کی نسبت فرمایا ہے لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرویا الخ خواب حضورؐ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے خواب کو سچ کر دکھایا، ورنہ اگر حضورؐ کا خواب اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو اللہ تعالیٰ کا خود سچ کر دکھایا، فرمانا کیا معنی؟

ہمارے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے کہ جو شخص کسی انسان کو قتل کرنے یا ملک میں فساد ڈالنے کے بغیر قتل کر دے، تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا ۵/۳۲۔ مشرکوں کے شرکاء قتل اولاد کو مشرکوں کے لیے زینت دیتے ہیں ۶/۱۳۷۔ اگر یہ خواب خدا کی طرف سے تھا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ذبح کریں۔ پس ضرور ہے کہ یا تو (معاذ اللہ) خدا کا حکم غلط ہو، یا ابراہیمؑ نے خواب کے فہم میں غلطی کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ معترض انسانوں کے غلطی میں پڑ جانے کو شش کر جونک پڑتا ہے اور خدا کے حکموں کو ٹال دینے میں دلیر ہوتا ہے۔ مزید برآں حضرت ابراہیمؑ کی طرف تین دفعہ جھوٹ

جیسے کبیرہ گناہ کو منسوب کرنے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ غلط مذہبی عقاید ہمیشہ تباہی اور بربادی اور ذلت و ادبار اور خواری کا باعث ہوتے ہیں جس کی زندہ مثال زمانہ حال کے مسلمان ہیں۔ اخبار "انقلاب" لاہور مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۳۶ء میں شاید آپ نے پڑھا ہوگا کہ "پٹنہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۳۶ء سیوان کے ایک گاؤں لاکری سے آمدہ ایک اطلاع مظہر ہے کہ کس طرح ایک خواب کے نتیجہ کے طور پر ایک شخص نے قتل کا ارتکاب کیا۔ واقعات اس طرح بیان کیے جاتے ہیں کہ ایک مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ اگر وہ اپنی بیوی اور دو بچوں کو قربان کردے تو اُسے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا اور جنت میں اُس کے درجے بلند ہوں گے۔ چنانچہ اگلی صبح اُٹھ کر اُس نے اپنی بیوی کا سر تن سے جدا کر دیا اور اپنے دو لڑکوں کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ دوڑ کر شدید زخمی ہو کر بچ رہے —"

غرض اس قسم کے واقعات محض بر بنائے غلط مذہبی عقائد ظہور میں آتے ہی رہتے ہیں۔ اب کیا جناب کی رائے میں اس مسلمان کا یہ فعل از روئے قرآن و حدیث درست اور واجب ہے؟ اور محض خواب کی بنا پر کسی کو ذبح کر دینا جائز ہے؟ آیات بینات يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ الخ۔ میں یہ کہیں حکم نہیں کہ اب آئندہ کے لیے ملت ابراہیمؑ اس واقعہ کی یادگار میں جانوروں کی قربانی کرتی رہے۔ نہ کہیں ان آیات میں یہ نظر آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جنت سے کوئی سینگ دار مینڈھا بھیجا تھا۔ البتہ سورہ حج میں بہ موقع حج جانوروں کی قربانی کرنے کا حکم موجود ہے۔

آپ نے اپنے مضمون "تدبر قرآن" میں بجا طور پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر فتنہ قرآن مجید ہی کی آڑ پکڑ کر نمودار ہوا۔ خوارج، باطنی، بابی، بہائی، قادیانی، چکڑالوی سب کے استدلالات کی بنیاد قرآن مجید ہی پر ہے۔ میرے معزز اور محترم بزرگ! جب ایک شخص کو کوئی ایسی بات قرآن مجید کی طرف منسوب کرنے کا حق حاصل ہو گیا، جو قرآن مجید کے الفاظ سے نہیں نکل سکتی، تو پھر یہ حق ہر شخص کو حاصل ہونا چاہیے کہ جو لغو سے لغو اور بے ہودہ سے بے ہودہ بات چاہے قرآن حکیم کی طرف منسوب کر دے اور پھر شیعیت، سنیت، وہابیت، چکڑالویت، قادیانیت، بہائیت وغیرہ وغیرہ کی بنیاد رکھ لے، اور فی الواقعہ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی بنیاد اسی دن سے شروع ہو گئی تھی، جب محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑے اور "بدل قرآن"[۵] پورے تیس کے تیس سیپاروں میں مدون کیا گیا۔ اگر لفظ "منام" کے معنی حکم ہو سکتا ہے اور "مقام" کے معنی ہر مسلمان

ھ ورنہ گناہ بعض مرتبہ لیکن خواب کی تعبیر میں غلطی کر کے قرآن کی طرف منسوب کر رہا ہے

[۵] سنی پارہ ہائے بخاری (بلاغ)

پر، ہر شہر، ہر قریہ، ہر گھر میں مویشیوں کی قربانی کرنے کا حکم نکل سکتا ہے اور پھر جانوروں کی قربانی سے ملکہ قربانی کو زندہ رکھا جاسکتا ہے تو پھر شیعہ صاحبان کو عشرہ محرم میں امام حسینؓ کی حقیقی قربانی کو تازہ رکھنے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے اور کیوں اس کو بدعت قرار دیا جاتا ہے، جبکہ وہ بھی انہیں آیاتِ مبارکہ کے الفاظ "ذبح عظیم" سے شہادت مراد لیتے ہیں۔ تو غرض جب آیات قرآنی سے وہ مطالب نکالنے کا جس کے الفاظ قرآنی متحمل نہیں ہوسکتے، رواج ہوگیا ہے تو پھر ہر فرقہ کو حق ہے کہ جو بات چاہے قرآن کی طرف منسوب کرلے۔ خواہ وہ جانوروں کی قربانی ہو یا قتل مرتد، رجم زانی اور زانیہ ہو، یا حائضہ سے مباشرت۔ حضرت ابراہیم کا تین دفعہ جھوٹ بولنے کا واقعہ ہو یا حضرت داؤد کا اپنے ہمسایہ کی عورت پر عاشق ہوجانا۔ متعہ ہو یا حضرت رسول اکرمؐ کا مسحور[1] ہونا وغیرہ وغیرہ، صدہا ایسے مسائل و واقعات ہیں، جن سے جناب بخوبی واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اور مسلمانوں کو جناب کے ارشاداتِ عالیہ پر عمل کرنے کی توفیق دے جو آپ نے زیر عنوان "تدبر قرآن" تحریر فرمائے ہیں۔ آمین ثم آمین! جزاک اللہ احسن الجزا۔

جناب کا ارشاد: (۱۴)۔ (ا) عام مادی فوائد کا لحاظ اس میں (یعنی جانوروں کی قربانی میں) اصلاً نہیں۔

(ب) ہماری اسلامی زندگی کے بقا اور تحفظ کا راز اس میں (جانوروں کی قربانی میں) مضمر ہے، وغیرہ وغیرہ۔

نیاز مند: مجھے یہ دونوں باتیں متضاد نظر آتی ہیں۔ "مادی فوائد اصلاً نہیں"۔ "اسلامی زندگی کے بقا اور تحفظ کا راز اس میں ہے"۔ گویا جناب کے نزدیک اسلامی زندگی کا انحصار اس فعل پر منحصر ہے، جس میں اصلاً کوئی مادی فائدہ نہ ہو اور غالباً اسی قسم کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ بفضل خدا مسلمان مادی فوائد سے محروم ہوچکے ہیں، حالانکہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان ہر طرح کے مادی فوائد سے بہرہ ور تھے، جس سے جناب بخوبی واقف ہیں اور اس لیے اُن کی مُلک گیری، عروج و عظمت و شوکت اور جاہ و حشمت کی تفصیل بیان کرنا ضروری نہیں۔

جناب کا ارشاد: (۱۵) تمہارے کچھ اپنے خیالات ہیں جن کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کے آرزومند ہو تو قرآن ایسوں کو اپنے دروازے پر پھٹکنے نہیں دیتا۔ وہاں بار صرف وہی لوگ پاتے ہیں

[1] معاذ اللہ! معاذ اللہ! معاذ اللہ!!! (بلاغ)

جو سنیں اور پیروی کریں۔

نیازمند :- بلاشبہ جناب کا یہ ارشاد سو فیصدی صحیح اور درست ہے۔ اگر ہمارا اس پر عمل درآمد ہوتا تو جانوروں کی قربانی کا مسئلہ بالکل صاف تھا۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ قربانی مکہ معظمہ میں کی جائے اور اس کا مصرف یہ ہے کہ خود کھاؤ اور فقرا کو کھلاؤ۔ یہ آیات متشابہات نہیں ہیں، محکمات میں داخل ہیں، بشرطیکہ ہم اپنے خیالات کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہ کریں اور غیر متعلقہ آیات سے اپنے موضوعہ خیالات کی تائید نہ کریں۔ آپ نے جو دو آیات اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ الخ اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ الخ جانوروں کی قربانی کے جواز میں تحریر فرمائی ہیں، اُن کا جانوروں کی قربانی سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا اور نہ مولوی وحید الزمان صاحب مرحوم نے ان کو احکامِ حج اور قربانی میں درج کیا ہے۔ ہر دو آیات میں توحید باری تعالیٰ کا ذکر ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان غیر اللہ اور اپنی ذاتی خواہشات سے برطرف ہو کر کمیر اللہ تعالیٰ کا سچا اور پکا مسلم و مومن بن جائے، احکام الٰہی کے آگے اس کی اپنی خواہشات کا کوئی ذرہ تک باقی نہ رہے۔ اس کی نماز، اس کی ہر قسم کی عبادتیں، اس کا مرنا، اس کا جینا ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، یعنی، وہ کلیتہً اپنے آپ کو (نہ کہ اپنے عوض بکروں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دے۔ اس کے احکام کی بغیر کسی پس و پیش اور حیلہ و حجت کے تعمیل کرے اور اپنے ہر کام، ہر فعل، ہر کردار کے کرتے وقت سوچے کہ میں یہ کام اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف تو نہیں کر رہا ہوں۔ مثلاً یہ تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کی قربانی کرنے کے لیے ایک جگہ تجویز کرے اور ہم اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے لیے جہاں چاہیں جانوروں کو ذبح کرنا شروع کر دیں۔ وہ یہ حکم دے کہ تم خود کھاؤ اور فقرا کو کھلاؤ۔ لیکن ہم کہیں کہ نہیں، جو ایسا کہے کہ قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کے لیے ہے" اسے قرآن و حدیث سے انتہائی بے خبری ہے"۔ یا " یہ بات صرف وہ شخص کہہ سکتا ہے، جس نے قرآن مجید کی روشنی میں قربانی کے معاملہ پر ایک دن بھی غور نہیں کیا"۔

میرے مخدوم! جانوروں کی قربانی کا جو مقصد آج آپ اور چند ایک اور آپ کے ہم خیال ارشاد فرما رہے ہیں۔ کیا کتاب اللہ، یا احادیث صحیحہ میں بھی اس کا پتہ ملتا ہے کہ "تمام مادی فوائد کا لحاظ اس میں اصلاً نہیں" اور " اسلامی زندگی کے بقا اور تحفظ کا راز جانوروں کی قربانی میں مضمر ہے"۔ کاش! اپنے مضمون " تدبر قرآن" میں جو کچھ جناب نے ارقام فرمایا ہے، انھیں اصولوں

کے ماتحت آپ مسئلہ قربانی سمجھا دیتے، ورنہ یہ بات تو آپ سے مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے کل فرقے قرآن مجید کی آیات کی ایسی ہی تاویلات کرکے اپنے اپنے عقاید کے ثبوت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اہل حدیث جہاں "حکمت" کا لفظ دیکھتے ہیں، تو اس سے احادیث شریف ہی مراد لیتے ہیں اور قرآن شریف کو یکسر حکمت سے خالی بتلاتے ہیں۔ شیعہ اصحاب جہاں "مومن" کا لفظ پاتے ہیں۔ اس سے پنج تن پاک مراد لیتے ہیں اور "اہل بیت" سے مراد علیؓ و فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ اور "منافقین" سے مراد اصحاب ثلاثہ وغیرہ (پناہ بخدا)! بہاء اللہ کے مریدوں کو سارے قرآن میں حضرت بہاء اللہ کی ہی پیش گوئی نظر آتی ہے اور احمدی صاحبان کو یہی نظر آتا ہے کہ قرآن میں بجز ذکر حضرت مرزا صاحب اور کچھ بھی نہیں۔ چکڑالوی بزرگوں کو ہر جگہ "رسول کے لفظ میں" قرآن ہی دکھائی دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بس "رسول" سے مراد "قرآن" ہی ہے۔ محمد رسول اللہ مراد نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہم مسلمان یہ نہیں چاہتے کہ کتاب اللہ سے اپنے عقاید فاسدہ کی اصلاح کریں، بلکہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے عقاید کسی نہ کسی طرح بن گئے ہیں اُن کے تحت قرآن مجید کا مطلب بنائیں، خواہ الفاظ قرآن متحمل ہوں یا نہ ہوں اور یہ بات قطعاً منافی ہے اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي الخ کے۔

جناب کا ارشاد: (۱۶) قربانی کی کیا خصوصیت ہے، اسلام کے تو تمام احکام بلندیوں ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے، جو مسلمانوں کو موجودہ حضیض ذلت میں لے جانے والا ہو۔ پھر یہ کیوں ہے کہ مسلمان کیوں گرتے جا رہے ہیں؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اسلام یکسر غلط ہے اور اس کی جگہ کوئی نیا دین اختیار کر لیا جائے؟

نیازمند: یقیناً اسلام کے تمام احکام بلندیوں کی ہی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور جو قوم بھی اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہوگی، دنیا اور آخرت میں بلند مقامات پر متمکن ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں، کیوں مسلمان گرتے جاتے ہیں؟ جواب بالکل صاف ہے۔ علامہ اقبال اور اکبر مرحوم کے الفاظ میں سنئے ؎

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا　　آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے　　ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا　　(اکبر)

تمدن، تصوف، شریعت، کلام　　بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی　　یہ اُمت روایات میں کھو گئی　　(اقبال)

عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
نماز و روزہ و قربانی و حج — یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں تے (اقبال)

یعنی احکامِ اسلام کو چھوڑ دیا گیا۔ کس نے چھڑایا؟ "بدل قرآن کی تدوین نے جس کے پورے تیس کے تیس سیپارے ہیں اور جن کی نسبت ایڈیٹر صاحب رسالہ" ترجمان القرآن" فرماتے ہیں کہ ان کے بغیر کتاب اللہ نہ موجب نجات نہ موجب ہدایت۔ فرمائیے کتاب اللہ کا اپنا دعوےٰ کیا یہی ہے؟ یا اس کے برخلاف یہ دعویٰ کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ۔ فرمائیے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ کا دعوےٰ اس "بدل قرآن" نے بھی کہیں کیا ہے؟ سو مخدوم من! خدائی قانون یہ نہیں کہ جو شخص محض مسلمان کہلائے اور احکام الٰہی کی پیروی نہ کرے مقامات بلند پر چڑھ جائیگا، بلکہ ہر وہ شخص جو احکام الٰہی کی پابندی کریگا، خواہ کہلائے کچھ ہی، فلاح پائیگا۔ قوموں کے عروج و ترقی کا راز اتحاد اور قربانی میں مضمر ہے۔ مسلمانوں نے "لَا تَفَرَّقُوْا" کی تعمیل "فَرَّقُوْا" سے کی اور اپنے نفسوں سے راہ خدا میں جہاد کرنے کی بجائے جانوروں کی قربانی کو اپنا دستور العمل بنایا اور جانوروں کی قربانی میں ہی ترقی اور فلاح کا راستہ ڈھونڈا۔ اگر درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے تو نتیجہ تمام دنیا کے سامنے ہے۔ ان اصحاب کا بھی جو قرآن کو موجب ہدایت یقین کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا تھے (یعنی قرونِ اولیٰ کے مسلمان) اور ان کا بھی جن کے نزدیک کتاب اللہ بدوں "بدل قرآن" نہ موجب نجات ہے اور نہ موجب ہدایت۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

چونکہ آپ نے عرشی صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ تفسیر سورۃ الکوثر از مولانا حمید الدین صاحب فراہی منگوا کر پڑھیں اور چونکہ مجھے بھی اس مسئلہ کی تحقیق مقصود تھی اس لیے آپ سے منگوا کر نہایت غور و خوض سے اس کا مطالعہ کیا گیا۔ خلاصہ ذیل میں درج ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:-

(۱) "حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے لیے اللہ تعالےٰ نے ایک جگہ متعین فرمائی تھی اور یہی جگہ ہمارے لیے بھی مخصوص ہوئی" (صـ ۵۳)

(۲) "باتفاق تمام مفسرین اس آیت میں (یعنی اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) نسک سے مراد حج اور عمرہ میں قربانی کرنا ہے" (صـ ۵۵)

(۳) "قربانی خانہ کعبہ کے پاس ہوتی ہے جو مرکز نماز ہے۔" (صـ ۶۴)

(۴) "...... اس لیے اس سنت کے قیام و احیا کے لیے مقام مروہ مخصوص ہوا، جو حضرت

اسماعیل کی قربانی کی جگہ ہے" (ص ۹۲)

(۵) "پھر نیاز کے جو جانور ساتھ لائے ہیں۔ ان کا گوشت خود کھائیں اور دوسروں کو کھلائیں اور شکر گزار ہوں" (ص ۳۴)

(۶) بیت اللہ ایک عظیم الشان اُمت کے لیے توحید، نماز، اور اطعام فقرا کا مرکز بنایا گیا ہے (ص ۲۹)

علامہ[1] ممدوح کے مندرجہ بالا ارشادات عین قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محل قربانی مکہ معظمہ ہے اور قربانی کا مصرف یہ ہے کہ اس کا گوشت خود کھایا جائے اور غریبوں کو کھلایا جائے۔ لیکن علامہؒ نے اسی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "جو شخص اس قربانی کے علاوہ قربانی کرتا ہے وہ حجاج سے صرف ایک گونہ تشبہ حاصل کرتا ہے اور یہ قربانی کر کے گویا وہ ایک دن حقیقی قربانی کی سعادت کے حصول کی راہ تک رہا ہے" میرے نزدیک یہ ان کا ذاتی نظریہ ہے، کیونکہ قرآن حکیم اس کی تائید میں بالکل خاموش ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے ایک جگہ کی تخصیص فرما دی تھی تو وہ کونسی ایسی شخصیت ہے جس نے اس تخصیص کو اُڑا کر مسلمانوں کو ہر جگہ قربانی کرنے کی اجازت دیدی؟ اور کیا کسی کو ایسا حق حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں تغیر و تبدل کر سکے؟ اگر ایک منٹ کے لیے اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں میں مروجہ قربانی کا مدعا حجاج سے صرف ایک گونہ تشبہ حاصل کرنا ہے تو میرے خیال میں پھر تشبہ بالحج میں کونسی قباحت رہ جاتی ہے جیسا کہ لواری[2] شریف (سندھ کا ایک چھوٹا سا گاؤں) میں، ایک بزرگ کی خانقاہ پر ہر سال ۹ ذوالحج کے دن ہزارہا انسان جمع ہو کر باقاعدہ حج ادا کرتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حاجی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور جب ان سے اس کے متعلق پوچھا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ یہ تو اس حج اکبر کی سعادت کے حصول کے لیے ایک وسیلہ ہے۔ کیا جناب کے خیال میں وہ ایسا کرنے اور کہنے میں حق بجانب ہیں؟

جناب کا فرمان عالیشان کہ "اگر آپ کو مذہبی تحقیقات کا کچھ ذوق ہے تو کچھ زحمت بھی اُٹھایئے" کی تعمیل میں نیازمند نے جناب کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کیا ہے۔ اب جناب کا نہ صرف اخلاقی بلکہ مذہبی فرض ہے کہ اس کے جواب سے محروم نہ رکھیں، جیسا کہ زمانہ حال کے عام علمائے کرام کا

[1] مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ (بلاغ)

[2] قادیان شریف میں بھی ہر سال دسمبر کی چھٹیوں میں ظلی حج ہوتا ہے (بلاغ)

وغیرہ ہے۔

چونکہ میرا عریضہ طویل ہوگیا ہے اور جناب کے رسالہ میں اس کے اندراج کی گنجائش نہیں ہوگی، اس لیے اگر بذریعہ خط ہی جواب ارقام فرمائیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ انشاء اللہ میں اپنا عریضہ اور جناب کا جواب خود چھپوا دونگا اور مفت تقسیم بھی کردونگا تاکہ مسلمان اس سے مستفید ہوسکیں۔

والسلام　　　(نیاز مند محمد شفیع بی اے)

انتظار کے بعد مولانا کو یاد دہانی دلائی گئی جس کے جواب میں اُنھوں نے پوسٹ کارڈ تحریر فرمایا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۳۶ء

مکرم! السلام علیکم۔ آپ کا خط مجھے مل چکا تھا۔ اس کو رکھ لیا ہے کسی فرصت میں اطمینان سے پڑھوں گا۔ میں بہت عدیم الفرصت آدمی ہوں اس لیے مجھے لمبے خطوط کے جواب کی فرصت نہیں ہے بڑی مشکل سے تھوڑا سا وقت روزانہ "الاصلاح" کے کاموں کے لیے نکالتا ہوں اور اس میں جو کچھ لکھتا ہوں اسی کے لیے لکھتا ہوں۔ پس اگر آپ کے خط کے جواب میں کچھ عرض کرونگا تو "الاصلاح" کے صفحات ہی میں عرض کرونگا۔

آپ کی توجہ کا نہایت دل سے شکر گزار ہوں۔ اگر میری سابق تحریر سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو اس کے لیے معافی چاہتا ہوں، میں نے آپ کا نام اس لیے حذف کر دیا تھا کہ آپ کی ذات مخاطب نہ ہو

والسلام۔　　　(امین احسن اصلاحی)

پھر مولانا کی خدمت میں ذیل کا خط ارسال کیا گیا۔

مورخہ ۲۴۔ اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا مرسلہ کارڈ ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

میرے محترم بزرگ! شاید آپ کے دل میں خیال پیدا ہو کہ نیاز مند کو آخر کونسی مصیبت پڑگئی ہے کہ اس مسئلہ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہوں۔ بخدا! مجھے فتح وشکست کا کوئی خیال نہیں اور ہو بھی کیسے؟

ماشاء اللہ، آپ دین کے ایک جید عالم اور نیاز مند اس پہلو میں بالکل کورا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

لاکھ لاکھ شکر ہے اس مالکِ بے ہمتا کا، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اس کے فضل اور عنایتِ بے پایاں کے طفیل دل میں ملّت اسلامی کی موجودہ بربادی وخواری کا خیال ضرور دامنگیر رہتا ہے کہ کاش اُمت مرحومہ پھر ایک دفعہ قرآن حکیم کی بے لوث اور پاک تعلیم پر عمل پیرا ہو کر دنیا پر یہ سچائی آشکارا کر دے کہ قرآن اور صرف قرآن ہی دنیا میں ایک ایسی کتاب ہے، جو مدارج اعلیٰ کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے اور لاریب خدا کا کلام ہے۔

میرے مکرم! بعض مسائل ایسے ہیں کہ جن کے ماننے یا نہ ماننے سے سوسائٹی یا امن عامہ میں خلل نہیں پڑتا۔ مثلاً ولادت مسیح یا وفات مسیح، شق القمر یا دیگر ہمچو قسم معجزات، لیکن دوسری قسم کے بعض مسائل ایسے ہیں، جو قوم کے لیے بربادی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ بظاہر اُن کو قرآن حکیم سے کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، مگر وہ کچھ تو ہمارے علماءِ سو کی ریشہ دوانیوں سے اور کچھ مسلمانوں کی اپنی جہالت سے مذہب کا جزوِ لاینفک ہو گئے ہیں اور جن کے خلاف آواز بلند کرنا مسلمانوں کو ایسا ہی ناگوار ہوتا ہے جس طرح رسول اکرمؐ کے عہد میں کفار کو قرآن حکیم۔ ان میں سے ایک مسئلہ قربانی بھی ہے۔ ہر سال مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ ان قربانیوں کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور حاصل کچھ بھی نہیں۔ ان کی اقتصادی، تجارتی، معاشرتی، تعلیمی حالت کی پستی کا یہ عالم ہے کہ لے دے کر تمام ہندوستان بھر میں مسلمانوں کا ایک ہی بنک ہے اور وہ بھی ہمیشہ دیوالیہ ہی رہتا ہے۔ تجارتی حیثیت کو دیکھیئے تو وہ تمام کی تمام اغیار کے ہاتھوں میں اسیر ہو چکی ہے معاشرتی زندگی پر نظر ڈالیے تو مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد اس قدر غربت کا شکار ہو چکی ہے کہ ان کو ایک وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ اُن کے چولہوں پر مکڑیوں نے جالے تن رکھے ہیں اُن کی مائیں، بہنیں اور بیویاں مجبور ہیں کہ گھر کی چار دیواری میں مقید رہیں کہ سر پر اُوڑھنے کے لیے چادر نہیں۔ تعلیمی حالت پر نظر ڈالیں، تو وہ بھی صفر۔ مسلمانوں کے بچوں کی ایک تعداد کثیر پرائمری کے درجہ تک پہنچنے کے قبل مدرسہ کو خیرباد کہہ دیتی ہے۔ مدرسوں کی طرف سے بے اعتنائی کہ باوجود گورنمنٹ کی امداد کے پیسے پیسے کے [illegible] رہتے ہیں۔ مذہبی ادارہ [illegible] کی [illegible] اسلامی [illegible] تمام کو لوگوں کی دہلیز [illegible] امدادوں کو قوم اتنا چندہ

دیتی کہ اُن کا گذارہ ہو سکے۔ الغرض مسلمانوں کی زندگی کا کوئی بھی ایسا پہلو نہیں، جس کو اپنوں اور اغیار کی نظروں میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہو۔

خدارا میری اس تحریر سے آپ کہیں یہ نہ اخذ کرلیں کہ میں صرف قربانی کی رسم کو ہی مسلمانوں کی ان تمام پامالیوں اور خستہ حالیوں کا موجب گردان رہا ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ تمام اسباب جو مسلمانوں کی زبوں حالی کا باعث ہوئے ہیں، ان میں ایک یہ یعنی قربانی کی مروجہ رسم بھی داخل ہے۔ میرے مکرم و رہبر! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر یہی روپیہ جو مسلمان ہر سال جانوروں کی قربانی پر صرف کرتے ہیں، مسلمانوں کی فلاح و بہبودی پر خرچ کیا جائے تو ان کے بہت سے دینی اور دنیوی کام چل سکتے ہیں اور ان کا افلاس امارت میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

میرے محترم بزرگ! میں اس قدر تنگ دل نہیں ہوں کہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے ان عقاید کو جن کے متعلق مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ غلط ہیں، گلے سے لگائے رکھوں اور ان پر جما رہوں، بلکہ خدا گواہ ہے کہ میں بغیر کسی پس و پیش کے فوراً اپنے ان غلط عقاید کو ترک کرنے والا ہوں۔ سو مخدوم من! اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی رو سے مسلمانوں پر مکہ کے علاوہ، ہر شہر، ہر قریہ، ہر گاؤں، ہر گھر اور ہر فرد پر جانوروں کی قربانی واجب ہے اور مکہ معظمہ میں زائد از ضرورت جانوروں کو ذبح کر کے گڑھوں میں پھینک دینا مستحسن ہے تو مجھے اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہیں ہوگا اور اگر میں پھر بھی عذر کروں تو خدا گواہ ہے کہ نہ دنیا میں میرا کوئی ٹھکانا اور نہ آخرت میں۔ ایک بات آپ کی خدمت عالیہ میں عرض کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ نیازمند کے نزدیک صرف وہی احادیث قابل پذیرائی ہو سکتی ہیں جن کے الفاظ قرآن مستعمل ہو سکیں۔ اور جن کا ماخذ قرآن ہو، نہ کہ وہ احادیث جو قرآن پر حکم ہوں۔ کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ رسول اکرمؐ کامل متبع قرآن تھے اور یہ اُن کی شان کے شایاں نہیں کہ حضور کوئی ایسا حکم دیں جو قرآن حکیم کے خلاف ہو۔ اگر کوئی ایسی بات کہے جو قرآن شریف کے خلاف ہو اور وہ منسوب کرے رسول خدا کی طرف، تو میں اس کو پہلے درجے کا رذیل، کمینہ، قابل نفرین اور کذاب خیال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ جناب بھی اس عقیدے میں میرے ہمنوا ہوں گے۔ کیا یہ درست ہے؟

نہایت مودبانہ التماس ہے کہ آپ اپنے ذی شان مضمون "تدبر قرآن" کو اور میرے پہلے معروضات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، مروجہ قربانی کے جواز میں وہ آیات قرآنی اور احادیث شریف

لکھ دیں، جو اس کی تائید میں ہوں۔ اگر فی الواقع اس معاملہ میں آپ میرے خضر راہ بن کر مجھے صراط مستقیم پر ڈال دیں تو مجھے انشاء اللہ اس پر گامزن ہونے میں کوئی عار نہ ہوگی۔

آپ کے عدیم الفرصت ہونے کا مجھے دلی اعتراف ہے۔ اُمید رکھتا ہوں کہ جناب میرے اس تکلیف دینے سے درگزر فرمائیں گے اور جلد ہی کسی آئندہ فرصت میں اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں گے۔ والسلام (خاکسار محمد شفیع، بی اے)

اس کے جواب میں مولانا کی جانب سے حسب ذیل پوسٹ کارڈ موصول ہوا:۔

۳۰ اگست ۱۹۳۶ء

مکرم! وعلیکم السلام۔ والانامہ ملا، میں نے آپ کے خط رکھ لیے ہیں۔ انشاء اللہ اکتوبر میں "تدبر قرآن" والا مضمون ختم ہو جائیگا۔ اس کے بعد قربانی کے مسئلہ پر اپنے معروضات پیش کرونگا اور اس میں آپ کے شبہات سے بھی تعرض کرونگا۔ اس سے پہلے ممکن نہیں۔ میری دلی آرزو ہے کہ اس معاملہ میں اپنا نقطہ نظر آپ کے سامنے جلد سے جلد پیش کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق دے۔ "الاصلاح" آپ کے نام جاری کر دینے کے لیے ہدایت کر دی ہے۔ انشاء اللہ برابر پہنچتا رہیگا۔ والسلام (امین احسن اصلاحی)

بلاغ: نومبر کے "الاصلاح" میں آپ نے قربانی پر ایک مضمون جو پہلے الجمعیۃ میں چھپ چکا ہے شائع فرمایا ہے، اس میں محل قربانی کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں۔

"انہی اسباب سے قربانی کے لیے مقام وہی تجویز ہوا جہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا تھا۔"

قربانی کا مصرف کھانا اور کھلانا بھی آپ نے تسلیم فرمالیا ہے، جزاہ اللہ۔ اس کے علاوہ بھی بعض فوائد کا دعویٰ کیا ہے، مضمون کی ناتمامی کو محسوس کر کے آئندہ اس بحث پر مبسوط تحریر کی بشارت درج کی ہے، ہماری گذارش صرف اسی قدر ہے کہ رسالہ "تحقیق قربانی" کو سامنے رکھکر اپنی تحقیقات سپرد قلم فرمائیے۔ تاکہ منکرین و مذبذبین کے لیے موجب تشفی ہو سکے —— نیز جس طرح قربانی کے کھانے اور کھلانے کا فائدہ آپ نے آیۂ قرآن سے اخذ کیا ہے اسی طرح دیگر فوائد قربانی بھی آیات قرآن سے

ضروری اطلاعات

(۱) ، نومبر ۱۹۳۶ء کو اُمت مسلمہ کی مجلس انتظامیہ کے اجلاس میں طے پایا کہ مدرسۃ العمیان کے نظم و نسق کے تمام اختیارات خواجہ ضیاء اللہ صاحب کے سپرد کیے جائیں، لیکن اگر اس مدرسہ میں کوئی چیز اخلاق، شریعت اور اُمت مسلمہ کے عام مسلک کے خلاف ہوگی، تو مجلس منتظمہ کو اس کے خلاف تحریری یا تقریری طور پر جواب طلبی کا حق ہوگا۔ سکول کا نام اندھوں کا سکول رکھا گیا۔ مدرسہ کی عمارت پر "امت مسلمہ بلائنڈ انسٹیٹیوٹ" کے الفاظ لکھے جائیں گے۔ اندھوں کے سکول کے متعلق حسابات چیک کرنے کا حق ہر ممبر و غیر ممبر کو حاصل ہوگا۔

(۲) ، ۲۷ر دسمبر کو اُمت مسلمہ کی مجلس عامہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا اور باتفاق آراء جناب میاں مولا بخش صاحب سوداگر صابون کو اُمت مسلمہ کا امیر منتخب کیا گیا۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل عہدہ داروں کا انتخاب ہوا۔

(۱) صدر: چوہدری خیر الدین صاحب
(۲) نائب صدر (اوّل) بابو چراغ الدین صاحب سدھو
(۳) نائب صدر (دوم) میاں عبد الرحیم صاحب قریشی
(۴) ناظم: بابو عبد اللہ خاں صاحب
(۵) نائب ناظم، منشی قمر الدین صاحب قمرؔ
(۶) ناظم مالیات: بابو ذو الفقار علی صاحب

ارکان: مستری تاج الدین صاحب، حکیم محمد حسین صاحب عرشیؔ، ڈاکٹر چوہدری علم الدین صاحب خواجہ ضیاء اللہ صاحب، خلیفہ عبد اللہ صاحب، مسٹر بشیر احمد صاحب، مستری غلام محمد صاحب۔

(۳) پچھلے دنوں علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی علالت کی اطلاع موصول ہوئی۔ قارئین "بلاغ" دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ موصوف کو شفائے عاجل عطا فرمائے اور اُن کی دینی خدمات کا سلسلہ تا دیر جاری رہے (آمین)

(۴) نابیناؤں کے سکول کا حساب اس پرچے میں شائع نہیں ہو سکا، ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں دو ماہ کا اکٹھا حساب دیا جائے گا۔

(۵) اُمت مسلمہ کے دستور العمل کے بعض قواعد میں ترمیمیں کی گئی ہیں جو آئندہ پرچہ میں شائع ہوں گی۔ ان شاء اللہ (عبد اللہ خاں ناظم اُمت مسلمہ امرتسر)

حساب آمد و خرچ از ۲۹ اکتوبر تا ۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء

آمد بلاغ

نام	روپے	آنے	پائی
ملک محمد صادق صاحب	۱	۸	۔
میاں مہر بخش صاحب چاندیوالہ	۵	۔	۔
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۲	۔	۔
حاجی محمد اسحٰق محمد اسمٰعیل صاحبان	۵	۔	۔
بابو ذوالفقار علی صاحب	۱	۔	۔
معرفت مستری تاج الدین صاحب	۲	۔	۔
سید علی حسین صاحب مسانیاں	۳	۔	۔
میاں فیملی	۲	۔	۔
ماسٹر محمد شفیع صاحب جالندھری	۲	۔	۔
شیخ عطاء اللہ صاحب گجرات	۱۵	۔	۔
بابا تاج الدین صاحب	۱	۸	۔
پروفیسر اسد ایم اے	۲	۔	۔
شیخ صادق حسن صاحب	۳	۔	۔
محترم علی احمد خاں صاحب	۵۲	۔	۔
اکرم خاں صاحب	۱	۔	۔
چوہدری فتح محمد صاحب			۱۰
منظور ... لاہور		۸	
		۲	۱
چوہدری ... بخش صاحب	۲	۔	۔
میاں جلال الدین صاحب	۱	۔	۔
بابو عبداللہ خاں صاحب	۲	۔	۔
منشی قمر الدین صاحب	۱	۔	۔
انور شاہ خاں صاحب	۱	۔	۔
ایس فتح محمد صاحب	۳	۔	۔
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	۷	۔	۔
صلاح الدین صاحب	۱	۸	۔
شیخ اللہ دتا صاحب	۳	۔	۔
میزان	۱۶۲	۱۰	۔

عمارت فنڈ

نام	روپے	آنے	پائی
چوہدری الٰہی بخش صاحب سانپوری	۱	۔	۔
پیر قمر الدین صاحب	۱۳	۔	۔
میزان	۱۴	۔	۔
فروخت کتب	۱۷	۱۰	۔
چندہ رکنیت	۲	۱۲	۔

لائبریری

نام	روپے	آنے	پائی
میاں ... صاحب			۱۰
صباح الدین صاحب	۔	۱۰	۔
میزان	۱۰	۱۰	۔
	۱۱	۱۱	
	۱۹۲	۶	

کل آمد ... ۲۰۲ ... ۹ ... ۶ ... بقایا ... ۲۲ ... ۵

اخراجات

تذکرۃ العباد:۔ حضور سرور کائنات کے عہد کے برگزیدہ غلاموں اُسامہ، بلال، زید، سالم، سلمان، صہیب اور عمار رضی اللہ عنہم کے سبق آموز سوانح۔ ہر تذکرہ سے دلچسپ نظم بھی درج کی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں تمام دنیا کی غلامی پر ایک نظر ڈال کر اسلامی غلامی سے اس کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍

نعرۂ توحید:۔ توحید کی تائید اور شرک و بدعت کی تردید میں دلچسپ نظم۔ حواشی پر آیات قرآن حکیم سے استناد کیا گیا ہے۔ قیمت ۲؍

اسلام اور علمائے فرنگ:۔ اسلام کے حق میں یورپین اور امریکن علماء کی رائیں قیمت ۴؍

قال اللہ:۔ حقوق العباد۔ روزانہ کاروبار، دنیاوی طرز معاشرت وغیرہ کے متعلق قرآنی احکام قیمت ۱؎؍

قال الرسول:۔ احادیث نبویہ کا کارآمد اور ضروری لب لباب معہ اُردو ترجمہ قیمت ۴؍

منیجر بلاغ امرتسر

رکوع ششم ۔ (۴۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝

(اس سے پہلے رکوع میں رسم تبنی سے متعلق ایک عظیم الشان اصلاح کرکے دکھلائی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ ختم نبوت کا اعلان کرکے کائنات انسانی کو اخوت واتحاد کی دعوت دی اور ہوش وخرد کو مرتبہ بلوغ عطا کرکے انسان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا اہل بنایا۔ ایسے اصلاح اور ربوبیت کرنے والے خدا کا شکر اور اس کی بڑائی کرنا اور اسی سے نیکی کی توفیق مانگنا ضروری چیز ہے) اے ایماندارو یاد کرو اللہ کو بہت یاد کرنا (تاکہ تمہیں قلب کی صفائی میسر ہو جائے ۔ یہ عام ذکر ہے، اب خاص ذکر کا حکم ہوتا ہے)

(۴۲) وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ اور اس (اللہ تعالیٰ) کی تسبیح کرو صبح اور شام (یہ اس کی بڑائی اس لیے کرو کہ)

(۴۳) هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ وہ (اللہ) تمہاری بھلائی میں مصروف ہے (اور تم پر شاباش بھیج رہا ہے۔ صلوٰ کے معنی بانس کو گرم کرکے سیدھا کرنے کے ہیں ۔ انسانوں کو آزمائشوں میں ڈال کر خدا درست بناتا ہے اور دوسرے عالم میں گنہگاروں کے لیے صَلُّوْهُ کا حکم سیدھا کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے) اور اس (اللہ) کے فرشتے (بھی بھلائی میں مصروف ہیں) اور یہ اس لیے ہے تاکہ (اللہ تعالیٰ) نکالے تم کو اندھیروں (گناہوں وغیرہ) سے طرف نور (ہدایت) کے اور (اللہ تعالیٰ ہمیشہ) مومنوں پر رحم کرتا آیا ہے (خدا کی رحمت نے تو ہر چیز کو گھیرا ہوا ہے مگر مومنین پر خاص رحمت ہے اور ضرور ہوتی رہتی ہے ۔ خدا تعالیٰ کا انسانوں کی بھلائی میں مصروف ہونا واضح ہے کہ حق اور سچائی کو ظاہر کرتا رہتا ہے ۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ کیا فرشتوں کا یہ بھلائی چاہنا اُن کا اختیاری فعل ہے یا وہ بھلائی باَمر اللہ کرتے ہیں؟ یقیناً حکم الٰہی پاکر بھلائی چاہتے ہیں ۔ نوکر نہیں بلکہ غلام ہیں اور مجبور ہیں ۔ لفظ یُصَلِّیْ ایک ہے اور فاعل دو ہیں ۔ غرض یہ وسائل یعنی خدمتگار منشاء ایزدی کے ماتحت خدمت کر رہے ہیں ۔ اسی طرح یصلّی کی طرح لفظ قضاء بھی ایک ہے اور فاعل دو ہیں ۔ وہ مستقل

ہستیاں ہرگز مراد نہیں ہیں۔ قضی صرف اللہ تعالےٰ کی ہے۔ وسائل یا نوکر، خدمتگار اور ملازم خواہ بیشمار ہوں اس سے تعدد لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ بیچارے بمنزلہ صفر ہیں۔ مرسل اپنی باتیں لیکر نہیں آتے۔ ملک رسول ہو یا بشر، پیغام الٰہی میں صرف واسطہ ہوتے ہیں نہ کہ دو اصل مطاع یا دو احکم الحاکمین یا دو قاضی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا، حکم صرف اکیلے خدا کا ہے۔ اب اُن مومنین کی حالت اور انعام کا نقشہ کھینچا گیا ہے)

(۴۴) تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا جس دن اس

(رب العزۃ) سے ملتے ہیں دعا ملتی ہے (کہ تم پر میرا) سلام (یعنی میں تم پر راضی ہوں اور دیکھو اس کی مہربانی) اور (خدا نے) ان کے واسطے عزت والا اجر تیار کیا ہوا ہے (سات سات سو گنا بلکہ زیادہ در زیادہ اور بحساب انعامات اس اٹل دستور العمل یعنی قرآن مجید کو پیش نظر رکھنے والوں کو عطا کئے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ خسارے میں رہتے ہیں فرمایا)

(۴۵) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝

اے نبی بالتحقیق ہم نے بھیجا تجھ کو (اپنے پیغام کی سچائی اور حقانیت کا) گواہ کرکے (نہ کہ خود مختار بناکر) اور (کیسا گواہ بناکر بھیجا؟) خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

(۴۶) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے اذن

کے مطابق (صرف اللہ تعالےٰ کی تعلیم اور اسی کی کتاب کے موافق نہ کہ کچھ اپنی طرف سے اور کچھ خدا کی طرف سے مخلوط کرکے جیساکہ تورات و انجیل اور اسلامی روایات کا حال ہے کیا اپنے بندوں کے لیے اکیلا خدا کافی نہیں ہے؟ سراج بے اختیار واسطہ ہوتا ہے نہ کہ صاحب اختیار واسطہ۔ اسی لیے آپ کو "سراج منیر" فرمایا ہے) اور دیا روشنی والا (آپ پر جس طرح قرآن کریم فضل تھا اسی طرح دوسرے مومنین پر بھی فضل کبیر ہے۔ یہ فیض سب کے لیے جاری ہے۔ جو چاہے حاصل کرے اور جو منہ موڑے گا

اُسے جہنم کے شفاخانے میں درست کیا جائے گا؛

(۴۷) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ اور مومنین کو خوشخبری
سنادو کہ اُن کے واسطے اللہ کے ہاں بڑا فضل ہے (غرض یہ قرآن نبیؐ اور غیر نبی سب
پر بڑا فضل ہے نہ کہ رسول پر زیادہ فضل اور ہم پر کم فضل ہے، استغفر اللہ! لوگ
کدھر جارہے ہیں؟ شروع میں بھی صرف خدا کا ڈر رکھنے کی تاکید فرمائی اور لوگوں کے
طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرنے کی تلقین کی، یہاں پھر فرمایا کہ رسم شکنی وغیرہ پر لوگ
مذاق اُڑاتے ہیں اور ایذا پر آمادہ ہیں مگر مستقل مزاج رہنا اور حوصلہ کرنا، پائے ثبات
میں کہیں لغزش نہ آجائے۔ تمہیں دُکھ نہ پہونچے گا۔ ہاں شرط یہ ہے کہ ہمارا دامن نہ
چھوڑنا اور نہ گھبرانا، ہمارے تابع رہنا کیونکہ ہمیں کافی جاننے والا' بامراد ہوتا ہے)

(۴۸) وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا اور ان کی ایذا کو نظرانداز
کرو (یا اُن کو ایذا دینے کا خیال چھوڑ دو اور بدلہ نہ لو۔ تجھے دُکھ نہیں پہونچیگا) اور اللہ
(اکیلے) پر بھروسہ رکھ اور کافی ہے اللہ (تیرا ولی) سرپرست (اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ اللہ
تعالےٰ نے حکماً زید کی مطلقہ بیوی سے رسول کریم کی شادی کرائی۔ زید اپنی بیوی کو نہ
چاہتا تھا کیونکہ وہ عورت خوش شکل نہ تھی اس لیے زید نے اس کے ساتھ نباہ نہ کیا اور
ہمیشہ ناچاقی اور سخت بے اتفاقی رہی، نعوذ باللہ ان کی جدائی کا باعث رسول کا مخفی عشق
ہرگز نہ تھا۔ مسلمان کہلانے والوں کا یہ عقیدہ نبی کریم کے متعلق قابل ہزار نفرین ہے۔ غرض
زید نے اپنی بیوی کو چھوا بھی نہیں اور طلاق دیدی۔ اسی لیے اس موقعہ پر یہ مضمون آیا اور
برمحل آیا)

(۴۹) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ
أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ
سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ اے مومنو! جب تم مومنات سے نکاح کرو پھر قبل از مس اُن کو

طلاق دے دو تو تمہارے واسطے اُن پر کوئی عدت نہیں کہ گنو اسکو (ہاں طلاق بلاخاص حالات
کے جائز نہیں اور نہ اس نیت سے ہی کہ ایک سے نکاح کرکے طلاق دی اور دوسری سے
نکاح کرلیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کا ٹھٹھا اُڑانا ہے، ہاں طلاق کی صورتیں پیدا ہوجائیں
تو احسن طریق سے الگ ہوجاؤ نہ کہ مفارقت بے سبب ہو اور نہ خود غرضی کی وجہ سے ہی،
عموماً اس بات کا سارے خاندان پر بہت برا اثر ملبی عداوتوں اور خانہ جنگیوں وغیرہ کی شکل
میں نمودار ہوجاتا ہے۔ طلاق اگرچہ حلال ہے مگر اس کی راہ میں باری تعالیٰ نے سخت سنگین
معقول رکاوٹیں ڈالی ہیں کہ حتی الوسع یہ ظہور میں نہ آسکے، اور اگر یہ حالات پیدا ہی ہوجائیں
اور کسی طرح بھی نباہ نہ ہوسکے) تو کچھ فائدہ دو اُن کو اور رخصت کرو اُن کو رخصت کرنا
اچھی طرح (یہ اس آیت کا بڑا بے نظیر تمثیل ہے کیونکہ ثابت کرنا یہ مقصود ہے کہ زید و زینب
کی مطلقاً مقاربت نہیں ہوئی حتیٰ کہ جدائی ہوگئی اور زید نے نبیؐ کی نافرمانی، باوجود
سمجھانے کے بھی کردی۔ اگرچہ وہ اس سے کافر تو نہ ہوا مگر ضلال مبین کا شکار ہوگیا۔ اب
اس کے آگے خداوند کریم نبیؐ اور اس کی بیویوں کے متعلق ہدایات فرماتا ہے)

(۵۰) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ
وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ
عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَ
امْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ
يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا
فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ
عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ○ (اصل بات یہ ہے کہ عورتیں آپ کی زوجیت
میں آنے کو خود ہی پسند کرتی تھیں اور اس شرف کو حاصل کرنا اپنے لیے بہت بڑا عزت
کا کام جانتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ بلا مہر وغیرہ کے اپنا نفس رسول کریم کو بخشدیں

نبیؐ نے سوائے زینب کے باقی سب کو طلاق دے دی (ارشاد ہے مِمَّنۡ عَزَلۡتَ) تو وہ رونے پیٹنے لگیں تو آپ نے صرف اُن کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے اُنھیں واپس کر لیا نہ کہ اپنی خواہشات کے واسطے اور فرما دیا کہ جو بھی ہیں ضرورت کے مطابق تمہیں دوں اس پر تم سب کو راضی رہنا ہوگا، تمہیں از قسم زیور وغیرہ کچھ نہ ملیگا، نہ دیگر خواہشات وغیرہ پوری کی جائیں گی اور نہ میری وفات کے بعد کسی سے نکاح کرنے کی تمہیں اجازت ہے تم کو اپنے پاس صرف اس لیے جگہ دی جاتی ہے کہ پاکیزگی کا نمونہ بن کر دکھاؤ اور میری اندرونی زندگی کی گواہ بنو۔ ان بیبیوں نے اس فرمان کو بطیب خاطر قبول کیا اور مرتے دم تک نباہا۔ ہاں ایک دفعہ جنگ سے بہت سا مالِ غنیمت آیا تو رسول کریمؐ نے اس کو مستحقین میں تقسیم کر دیا اور اپنے لیے اس میں سے کچھ نہ رکھا۔ اس موقعہ پر آپ کی بیویوں نے آپ سے کچھ آرائش وزیبائش کے سامان مانگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر دنیا کی زندگی کی مقاربت وغیرہ یا اس کی آرائش کی خواہش ہے تو تمہیں کچھ دے کر رخصت کیا جاتا ہے، تم دوسری جگہ نکاح کر کے یہ سب کچھ فائدے لے سکتی ہو، یہاں تو صرف نمونہ بن کر دکھانا ہے اور میری باطنی شاہد ہونا ہے۔ کیا ایسے نبی کو خواہشات نفسانی کا پیرو کہنا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

رسول کریمؐ عورتوں کی بار بار کی درخواستوں سے تنگ آ گئے تھے، اس تنگی سے نجات پانے کی خاطر آپؐ نے اپنے نکاحوں پر کئی ایک قیود مقرر کر دیں اور طلاق کی اجازت بھی اپنے لیے جائز رکھی۔ تاکہ دنیوی افکار سے سبکدوشی حاصل ہو جائے اور خدائی کاموں کو باطمینان پورا کیا جا سکے۔ دوسرے مومنین کے لیے جائز تھا کہ مہر ادا کرنے یا مقرر کرنے کے بغیر بھی نکاح کر لیں، اور بعد میں کمی بیشی کے بھی مجاز تھے، مگر آپ نے اپنے اوپر یہ قید لگائی کہ مجھے وہی عورت حلال ہے جس کا مہر میں نے ادا کر دیا ہو۔ اگر دوسرے مومنین کو آزاد بیویاں میسر نہ آئیں تو وہ عام لونڈیوں سے نکاح کر سکتے تھے، مگر آپؐ نے یہ قید لگائی کہ جس لونڈی کو میں آزاد کر دوں اور وہ اپنے اہل کی طرف جانا پسند نہ کرے اور خدا اپنے تصرف سے اُسے میری طرف واپس کرے تو منکوحات کی وفات پر ایسی واپس شدہ لونڈی سے نکاح کرنے کا مجاز ہوں۔ دوسرے مومنین اپنے چچا، خالہ، ماموں پھوپھی کی بیٹیوں سے نکاح کر سکتے ہیں، آپؐ نے اپنے اوپر یہ پابندی لگائی کہ صرف مہاجر

رشتہ داروں کی بیٹیوں سے نکاح کر سکتا ہوں، دوسرے رشتہ داروں کی بیٹیوں سے نہیں۔ اسی طرح دوسرے مومنین ہر مومنہ بیوہ، باکرہ، مطلقہ سے نکاح کی درخواست کر سکتے ہیں مگر آپؐ نے اپنے آپ پر یہ قید لگائی کہ میرے ایماء کے بغیر کوئی مومنہ اگر اپنا نفس خود بخود ہی مجھے بخش دے تو میں ضرورۃً اس سے نکاح کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے دیگر مومنین کے سوائے یہ قیود خاص اپنے آپ پر عاید کر لی تھیں۔ دوسرے مومنین کو آپؐ فرماتے ہیں کہ تمھیں آزادی ہے میں تم پر کوئی ایسی قید نہیں لگا سکتا۔ یہ کام آپ نے اس لیے کیا تھا کہ لوگوں کا سوال رک جائے، اس میں کسی کی دل آزاری بھی ہو جاتی تھی اس لیے بخشش ورحم کو ساتھ ہی لایا گیا۔ طلاق کا حق ان قیود کے ساتھ آپ نے اپنے لیے اس واسطے قائم رکھا تھا کہ اگر کوئی عورت نبیؐ کے گھر میں برا نمونہ پیش کرے تو اسے چھوڑ دیا جائے اور اس سے خلاصی پائی جائے۔ یہ بھی ایک قید عورتوں سے مخلصی کی خاطر لگائی ہوئی تھی، چنانچہ ایک دفعہ آپؐ نے طلاق دیکر بھی دکھلا دیا اور چونکہ ان بیبیوں نے آپ کو ہرگز چھوڑنا نہ چاہا لہذا آپؐ نے مجبوراً انھیں اپنے پاس رکھا (ومن ابتغیت ممن عزلت) ان بیبیوں نے اس طرح رہنے کا اقرار کیا جیسے کہ لونڈیاں ہیں ہر شخص اپنے آرام کی چیزوں میں جائز قیود لگا سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالٰے نے چاہا کہ نبی کے اس فعل کی تصدیق اپنے قرآن میں کردے، اسی لیے فرمایا کہ زمانہ ماضی میں ہم نے تیرے لیے یہ عورتیں حلال کر دیں اس کے بعد ایسی قیود لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ عورتیں جنھوں نے بغیر زن وشو کے تعلقات کے اور بغیر زیورات وغیرہ حاصل کرنے کے تیرے پاس رہنا منظور کر لیا ہے ان کے سوائے تیرے لیے یہ چار قید والی قسمیں بھی حرام ہیں اور تو یہ بھی نہیں کر سکتا کہ ان کے عوض کوئی اور قسم مقرر کر سکے خواہ ان کا حسن تجھ کو اچھا بھی معلوم ہو۔ نبی کریم کی پاکیزگی اس درجہ کی تھی کہ ان تین چار عورتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان کے ساتھ دنیوی خواہش کا خیال نہ کیا۔ یہ تو قرآن پاک کا بیان ہے مگر مزعومہ احادیث کچھ اور ہی بتلاتی ہیں اور اس کلام خدا کے بالکل الٹ باتیں بتاتی ہیں کہ تجھے پورا اختیار ہے جو جی میں آئے کر گذر۔ معاذ اللہ۔ رسولِ کریم کی بیویاں چار سے زیادہ ہرگز ہرگز نہ تھیں۔ کفار کے جبر مذہبی کے سبب آپ کو بہت تکلیف پہنچی تھی اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ تجھے آزادی اور اقبال بخشونگا جس سے تو راضی ہو جائیگا۔

ں کے یہ معنی ہیں کہ تو بہت سی عورتیں کرنے لگ جائیگا' معاذ اللہ۔ ارشاد ہوتا ہے (
ے نبی بالتحقیق ہم نے حلال کر دیں (زمانہ ماضی میں) تیرے لیے وہ بیویاں جن کے
ر تو دے چکا ہے اور جن کا مالک ہوا تیرا داہنا ہاتھ (تو نے ان کو آزاد کر دیا تو کئی
یک ان میں سے اپنی رضا و رغبت سے واپس نہیں گئیں بلکہ تیرے پاس ہی رہنا چاہا)
ن میں سے جنہیں پھیر لایا اللہ تجھ پر (یعنی راغب کیا اُن کو طرف تیری۔ وہ ابھی نکاح
ں نہیں آئی ہیں۔ ضرورۃً ان سے نکاح ہو سکتا ہے) اور تیرے چچا کی بیٹیاں (ایسا
یا ایک ہی ہوگا' اسی لئے عمّ واحد لایا گیا ہے) اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور
رے ماموں کی بیٹیاں (ایسا ماموں بھی ایک ہی ہوگا) اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں وہ
د وطن چھوڑ آئی ہیں ساتھ تیرے' اور کوئی مومنہ اگر خود نفس بخشے نبی کے واسطے اگر
ں ارادہ کرے اس سے نکاح کا (نبی کریم نے یہ قاعدے خود اپنے اجتہاد سے اپنی ذات
ے لیے مقرر کیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ماضی کے لیے ان کو حلال قرار دیکر آئندہ
صلاحات فرمائیں اور آئندہ کے لیے مزید نکاح کرنے کا سلسلہ بند کر دیا۔ نبیؐ پر دوسروں
ے زیادہ قیود ہیں نہ کہ آزادی جیسا کہ اہل حدیث کا خیال ہے۔ استغفروا اللہ۔ ان قیود
ر اگر کوئی نبیؐ کا نمونہ بننا چاہتا ہے تو بنے نہ کہ آزادی پسند بنے) تیرے واسطے خالص
یہ قیود ہیں) دوسرے مومنین کے علاوہ (یہ سب کچھ تو نے خود اپنے لیے مقرر کر لیا
ور ایسی قیود لگائیں۔ ان قیود کو ہم نے صرف تیری ذات کے لیے زمانہ ماضی میں حلال
ر دیا۔ ورنہ ہم کو خبر ہے کہ ہم نے کیا کچھ حقوق زن و شوی کے فرض قرار دیئے ہوئے ہیں)
حقیق ہم کو علم ہے اس کے متعلق جو فرض کر دیا ہے ان (مومنین) پر بیچ (حق آزاد)
بیبیوں اُن کی کے اور بیچ (حق) لونڈیوں اُن کی کے (سزا وغیرہ اور دوسری ہدایات
ے بارے میں اکثر مختلف حالات اور نصائح ہیں۔ صبر و قناعت' انتظار وغیرہ) ہم نے
، اس لیے بیان فرما دیا ہے اور ماضی میں منظور کر لیا ہے تاکہ تجھے درخواستوں کی بھرمار
ی وجہ سے تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب آئندہ سلسلۂ قیود اور نکاح وغیرہ بھی
تم (لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ) ان قیود کا جائز رکھنا اس لیے تھا) تاکہ تجھ پر کوئی تنگی
ہو (اکثر درخواستوں کے اوپر لوگوں کو مایوسی اور ندامت اُٹھانا پڑتی تھی تو تم تنگ نہ
کرو) اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(۵۱) تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ
وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝ (تیرا یہ فعل بھی جائز قرار دیدیا جو تو ماضی میں ضرورۃ کرتا
تھا یعنی) تو جس کو چاہتا تھا کنارے کرتا تھا ان میں سے اور جگہ دیتا تھا پاس اپنے ان
میں سے جس کو چاہتا تھا تو اُن میں سے اور (وہ بھی حلال کر دیا) جن کو تو نے بلا لیا
ان میں سے جنہیں تو نے علیحدہ کر دیا تھا۔ پس (اس امر میں) تجھ پر کوئی گناہ نہیں
(اس میں تیری کسی خواہش کا شائبہ تک نہ تھا۔ بلکہ یہ سب کچھ ان کی ہی بہتری اور
خوشی کے واسطے تھا) یہ اس لیے تھا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کریں
(تو اپیل نہیں کرتا تھا نہ تیرے جذبات ہی مشتعل ہوتے تھے۔ وہ خود بخود تیرے
پاس آتی تھیں) اور جو بھی تو اُن کو دیوے اس پر سب کی سب راضی ہوں (خواہ
کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ ایک کو کچھ ملے اور دوسری کو تجھ سے کچھ ملے۔ تصادم نہ ہو۔
خوشنود، خوش اور راضی رہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ پاکیزہ ہستیاں اپنے سب
حقوق قربان کر کے صرف نبیؐ کے زیر سایہ رہنے کو ہی دل سے پسند کر کے آئی تھیں
چاروں قسم کی عورتوں کی ایک ہی حالت تھی۔ یہ لونڈیاں بن کر رہتی تھیں اور مرتے
دم تک اپنے عہد کو احسن طریق پر پورا کر کے دنیا کے سامنے نبی کریم کے خلق عظیم یعنی
اعلیٰ کیریکٹر) کا زبردست ثبوت پیش کیا اور اگر کبھی بد باطن لوگ زبان طعن و تشنیع
دراز کریں تو عند اللہ لائق تعزیر ہیں مگر حلم خداوندی ہے جو ڈھیل مل رہی ہے
عقل و ہوش سے کام لیکر فائدہ اُٹھائیں۔ خدا کی کتاب کا نیک نیتی کے ساتھ مطالعہ
کریں اور دوسری دشمنانِ دین کتب کو نظر انداز کر دیں۔ نیکی کو بدی کا جامہ نہ پہنائیں)
اور اللہ تمہارے دلوں کی حالتوں کو جانتا ہے اور اللہ ہمیشہ سے جاننے والا اور بردبار
ہے (تمہاری بد باطنی کا پورا پورا علم رکھتا ہے اور تمہارے طعن پر حلیم ہے۔ ضد و عناد
کی پٹی آنکھوں سے اُتار کر حق کی تلاش کرو اور اُس کے حلم سے جائز فائدے حاصل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِیَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۱۴ / ۱۹

بلاغ

جلد ۱۵ - امرتسر - ماہ محرم ۱۳۵۷ھ مطابق اپریل ۱۹۳۸ء نمبر ۴

فہرست مضامین

ناظرین کرام ... بعض ذاتی مصروفیات کے سبب دو ماہ کے لیے بلاغ اور
...ت حاصل کر رہے ہیں۔ - مینجر

شذرات

(صابری)

ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسائل میں اُردو اور ہندی کا قضیہ بھی بہت نمایاں طور پر ہندوستانیوں کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم اس نئے فتنے کے آغاز و نتائج کی نقاب کشائی کیا چاہتے ہیں کانگرس نے جب سے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے اور [illegible] [illegible] کی تحریک کے ذریعے اُنھیں ایک متحدہ قومیت کے قیام کی دعوت دی ہے، اُن ہی دنوں سے یہ سوال بھی پوری قوت کے ساتھ اُٹھایا جا رہا ہے کہ ہندوستانیوں کی مشترکہ زبان، اس کا نام اور اس کا رسم الخط کیا ہونا چاہیے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ اول اول یہ سوال ہی سرے سے مہمل معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ زبانیں بنانے سے نہیں بنا کرتیں، بلکہ خود بخود پیدا ہوتی ہیں، پھلتی پھولتی ہیں اور خود بخود ہی مٹ جاتی ہیں۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ آغاز عالم سے لیکر آج تک کی لسانی تاریخ قریب قریب اسی خیال کی موید ہے، لیکن اس بیسویں صدی میں جہاں اور بہت سے قدیم فارمولے غلط ثابت ہو چکے ہیں، وہاں یہ نظریہ بھی ناقابل قبول ہو کر رہ گیا ہے۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ زبانوں کی زندگی اور موت بھی انسانی کوششوں کی گرفت سے آزاد نہیں ـــــ اصل چیز طاقت ہے اور جس قوم کے ہاتھوں میں طاقت ہوگی، اُس کے سامنے ممکن اور ناممکن دونوں یکساں ہیں

ہندوستانیوں میں جہاں مذہب اور سیاست کا اختلاف پوری طرح نمایاں ہے، وہاں زبان کا اختلاف بھی ناگزیر ہو چکا ہے؛ اس لئے زبان کے معاملے میں بھی قدرتاً دو فریق ظاہر ہو گئے۔ ایک فریق کا دعوےٰ ہے کہ اُردو ہی تمام ہندوستانیوں کی مشترکہ زبان ہے، جو دونوں قوموں کے باہمی اشتراک، ضروریات سے پیدا ہوئی اور ہندوستان کے ایک گوشے سے لے کر دوسرے گوشے تک بولی جاتی ہے؛ اس زبان کے خزانے میں عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کے علاوہ تمام مقامی بولیوں کے الفاظ کا ذخیرہ موجود ہے؛ اس لئے اسے کسی خاص فرقے یا قوم کی زبان سمجھنے والا اور بردبار ہے کہ اس کی ترویج و ترقی کے لیے تمام متحدہ کوششیں وقف کے طعن پر حلیم ہے۔ ضد و عناد کے حلم سے جائز فائدے حاصل

...ریات کے لیے اسی کو زندہ اور قائم رکھا جائے۔ اس کے خلاف حامیان ہندی (جو سب کے سب ...م پرست" ہندو ہیں) یہ کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں وہ "پراچین بھارت" کی تہذیب و تمدن کو دوبارہ زندہ ...نے کی جدوجہد کر رہے ہیں، وہاں اپنی قدیم مردہ زبان سنسکرت یا ہندی بھاشا کو بھی ہندوستان میں ...سرے سے رائج کر دکھائیں۔ یہیں سے ہندوؤں کی فرقہ وارانہ ذہنیت کی پستی کا پورا پورا اندازہ کیا ...سکتا ہے۔ آپ غور کیجیے، مسلمانوں نے اپنی مذہبی زبان یعنی عربی کے قیام و ترویج کا مطالبہ نہیں کیا، ...ایک ایسی زبان کی اعانت اور سرپرستی کی طرف توجہ دلائی، جسے ملک کے تمام ہندو مسلمان بلا تکلف ...عمال کرتے ہیں، لیکن ہندوؤں کی قوم پرستی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ویدوں اور دھرم شاستروں کی ...رہا برس کی پرانی اور ناقابل فہم زبان کو صرف اس خیال سے کہ یہ اُن کی مذہبی زبان ہے، تمام ہندوستا... ...دل و دماغ میں ٹھونس دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں:

بہرحال دونوں قوموں میں رسہ کشی کا آغاز ہو گیا۔ مسلمانوں نے کہا، اُردو ہی تمام ہندوستان کی مشترکہ ...بان قرار پائے گی۔ ہندوؤں نے کہا، ہندی ہی سارے ہندوستان کی قومی زبان بن سکتی ہے۔ ادھر مولانا ...سلیمان ندوی نے جو مسلمانوں میں ایک عالم گیر عزت و شہرت کے مالک ہیں، یہ تحریک شروع کر دی کہ ...ردو کا نام اُردو نہ ہو، بلکہ "ہندوستانی" ہو۔ مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے نے اس تحریک کا خیر مقدم ...یا اور تقریباً سارے مسلم پریس نے موصوف کے خیالات کی اشاعت اور پروپیگنڈے میں عملی طور پر حصہ ...یا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "ہندی ساہتیہ سمیلن" بھی اس تحریک کی طرف متوجہ ہوئی اور "انجمن ترقی اردو" کے ساتھ ...ث و تمحیص کے بعد دونوں جماعتوں کی طرف سے ایک مشترکہ اعلان شائع ہو گیا، جس کا بنیادی جزو ...سب ذیل ہے:

> "ہندوستانی" سے مراد اس مُلک کی وہ زبان ہے جو ہندو مسلمانوں کے ملاپ سے بنی ہے، جو شمالی ہند کے باشندے عام طور سے بولتے ہیں، جو عربی، فارسی اور سنسکرت کے نامانوس لفظوں سے خالی ہو اور جو فارسی، ناگری یا کسی دوسرے خط میں لکھی جائے۔"

جب یہ اعلان شائع ہوا، تو مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور اکتوبر ۱۹۴۳ء ... تلقین فرمائی کہ اُردو زبان کے اخبار نویسوں اور مضمون نگاروں کو عربی اور فارسی ... لفظوں اور بڑی بڑی ترکیبوں سے احتراز کر کے سادہ اور عام فہم اُردو لکھنی چاہیے

اب بقول اقبال ع

شہری کہ دہاتی ہو مسلمان ہے سادہ

اس تجویز کا بھی خوب چرچا ہوا۔ چھوٹے بڑے ہر ادیب اور مضمون نگار کی زبان پر یہی بات چڑھ گئی کہ عربی فارسی کے ثقیل الفاظ سے زبان کو صاف کر دینا چاہیئے۔ خود "معارف" نے اعتراف کیا کہ "اردو اخباروں کی مشکل پسندی اور عربی اور فارسی کے موٹے موٹے لفظوں کے استعمال کے خلاف جو کچھ لکھا تھا، خوشی ہوئی کہ اس کا کسی نے برا نہ مانا، بلکہ بہت سے دوستوں نے اس کی تائید کی۔"

اب اس کے بعد ایک اور مرحلے کا آغاز ہوتا ہے۔ گاندھی جی نے اوپر کے مشترکہ اعلان کے متعلق ایک مضمون لکھا، جو ملک کے اکثر اخبارات میں شائع ہوا۔ اس مضمون کے چند فقرے حسب ذیل ہیں:

"ہندوستانی بولنے والے علاقہ میں ہندی اور اردو، دونوں کو اپنے اپنے رسم الخط میں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ سرکاری اطلاعیں دونوں رسم الخط میں ہوں۔ ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ کوئی ایک رسم الخط استعمال کرے اور دوسرے رسم الخط میں نقل دینے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ہندوستانی علاقہ میں ذریعہ تعلیم دونوں رسم الخط ہوں۔ ہر لڑکے یا اس کے والدین کو کوئی ایک رسم الخط اختیار کرنے کا اختیار ہوگا۔ کسی لڑکے کو دوسرا رسم الخط سیکھنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔"

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی جی کے ان الفاظ میں کوئی چیز قابل اعتراض نہیں، لیکن آپ غور کریں گے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان "معصومانہ الفاظ" میں بھی ان کے مخفی جذبات کا چہرہ صاف نظر آرہا ہے۔ انھوں نے اردو کے ساتھ ہندی اور ہندی کے ساتھ ہندی رسم الخط کی بچر لگا کر بظاہر تو بڑی ہی رواداری اور انصاف پرستی کا ثبوت دیا ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ جس دماغ سے گاندھی جی سوچتے ہیں، وہ دماغ مسلمانوں کو نصیب ہی نہیں ہوا۔ مہاتما جی نے سوچا کہ آج ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگرس کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ اب اگر "ہندی" اور ہندی رسم الخط کو عدالتوں، سکولوں اور محکموں میں سرکاری طور پر تسلیم کرا لیا جائے، تو یقیناً بڑے فائدے کی بات ہوگی۔ اکثریت ہندوؤں کی ہے اور وہ سب کے سب بہر حال ہندی رسم الخط ہی اختیار کریں گے۔ رہ گئے مسلمان، تو ان کی تعداد و شمار ہی کیا ہے۔ جب دیکھیں گے کہ حکومت کی کچہریوں اور دفتروں میں، سکولوں اور محکموں میں سوا ہندی کے سوا اور کوئی زبان جانتی ہی نہیں، تو ان کے لیے ہندی سیکھنے کے سوا چارہ

پہلے ہندی رسم الخط اختیار کریں گے، پھر ہندی زبان، پھر آہستہ آہستہ ہندی تہذیب، ہندی تمدن اور ہندی روایات میں جذب ہو کر ہندی بنتے چلے جائیں گے، پھر لطف یہ ہے کہ ہم پر کوئی الزام بھی نہیں آسکتا۔ ساری دنیا کو علم ہوگا کہ ہم نے کسی کو ہندی سیکھنے کے لیے مجبور نہیں کیا۔ مہاتما گاندھی کی یہ تجویز بیچارے فرعون کو کب سوجھی تھی، ورنہ

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا!

رسم ہند

گاندھی جی کا نام موہن داس گاندھی نہ ہوتا، محمد علی جناح یا ظفر علی خاں ہوتا اور یہی پیغام مسلمانوں کے نام وہ شائع کرتے، تو کسی مسلمان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی، لیکن آپ جانتے ہیں، مہاتما گاندھی ہیں ہندوؤں کے لیڈر، اور ہندو نام ہے ایک زندہ قوم کا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر ان کی زبان سے لفظ اترے، ادھر تمام ہندوؤں کے دل و دماغ میں جاگزین ہو گئے۔ ہر طرف ہندی ہندی کا شور برپا ہے زمین سے لیکر آسمان تک کی فضا ہندی کے نغموں سے گونجے جا رہی ہے۔ ہندو اخبارات کے کالم، ہندو تصانیف کے صفحے، ہندو لیکچراروں کی تقریریں، ہندو مضمون نگاروں کے مضامین اور ہندو فلم کمپنیوں کے کھیل سب ہندی کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف دو چار مثالیں نقل کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ دیکھئے ہندی ساہتیہ سمیلن اور انجمن ترقی اُردو کے معاہدہ کے باوجود ہندی پرست ہندوؤں کا ذہنی رجحان کیا ہے؟ حال ہی میں "نیا ساشن ودہان" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، اس کا ایک پیرا اس طرح شروع ہوتا ہے:

"ہندوستان میں جو آدمی برٹش سمراٹ کی نوکری میں ہوگا، اس کے نئے شاسن ودہان کے آرمبھ ہونے کے پوروان سب کاریے سے سمبندھ رکھنے والی دیوانی تتھا فوجداری کارروائی کے لیے پورن سوتنترتا ہوگی جو سدھ بائے سے پربرت ہو کر اتھوا اپنے کرتب پالنے کے ایچھرائے کی جائے گی۔"

لاہور سے ہندوؤں کا ایک پرانا اخبار (پرکاش) نکلتا ہے۔ آج کل اس میں رگ وید کا اُردو ترجمہ شائع ہو رہا ہے، اُس کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

"یہ وایو (ادی بھیوشا) بھے دور کرنے والی (اندریں) پرمیشور کی ستا کے ساتھ دس جگ مانا، اچھی [illegible] ہوا۔ تتھا وایو کے ساتھ سوریہ (شسندر رکھشے) اچھی پرکار درشٹی میں آتا ہے رہی، [illegible]، دونوں (سمان ورچسا) پدارتھوں کے پرسدھ ہوات ہیں۔"

آپ کہہ سکتے ہیں، یہ وید کا ترجمہ ہے اور کسی زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کماحقہٗ ہو نہیں سکتا، کسی اخبار کے مقالہ افتتاحیہ کی دو سطریں پڑھ لینے سے آپ کو اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔ ارشاد ہوتا ہے:

"آریہ سماج کے جنم کال سے ہی یہ وشد و واد سپد رہا ہے کہ اُسے پرچار پرادھک بل ہونا چاہیئے یا سنتھاؤں پر۔ اس سمیہ تک اندولن ہو رہا ہے"

لگے ہاتھوں "آریہ مسافر" کا طرزِ تحریر بھی دیکھ لیجئے:

"نالندہ کالج پر ودیا کھیانوں کا اتہاس ہر دیہ گراہی پربھاد پڑا کہ ادھیکاریوں نے اُنھیں اتہاس سمراٹ تتھا سورن پدک سے پرسکوت کیا"

آپ سمجھے یہ کونسی زبان ہے؟ یہ ہندوؤں کی اُردو ہے اور اسی سے اُن کی "ہندوستانی" کا اندازہ لگا لیجئے

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

اُردو کے ساتھ ہندو پریس کی طرف سے جو سلوک ہو رہا ہے اُس کا اندازہ آپ نے لگا لیا۔ اب ذرا کانگرس کے پلیٹ فارم کی طرف تشریف لے چلیے۔ وٹھل نگر کے عظیم الشان اجتماع میں "ہندوستانی" زبان میں تقریر ہو رہی ہے۔ سنیے:

"سبھاپتی مہاشے، دیویو اور سجنو! آپ کے سامنے . . . . . نے جو پرستاؤ رکھا ہے اور جس کے سمر دھن اور ورودھ میں ہمارے بدھی مان اور وِدوان نیتاؤں کے ویاکھیان آپ نے سُنے ہیں، میں اس کے سمبندھ میں ایک سنشودھن پرگٹ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے راج نیتھک اور آرتھک کاری کرم کے درجے میں یہ سنشودھن آدشک ہے . . . . ."

اب یہ آپ کا کام ہے کہ اسے سمجھیں، لیکن اگر نہیں سمجھ سکتے، تو اتنا ضرور سمجھ لیجیے کہ یہ کانگرس کی ہندوستانی زبان ہے، جس کا جاننا کم از کم ان لوگوں کے لیے ضروری ہے، جو کانگرس میں شامل ہونا چاہتے ہوں۔ اگر آپ کانگرس کی زبان نہیں سمجھ سکتے، تو آپ کی شمولیت بہر حال بے کار ثابت ہوگی!

آئیے، میں ہندی مصنفین کی کوششوں سے بھی آپ کا تعارف کرا دوں۔ ۱۹۳۲ء میں ہندی اور سنسکرت کی جو کتابیں یو پی سے شائع ہوئیں، اُن کی تعداد ۶۰۶ ہے، لیکن اس کے خلاف

فارسی اور اُردو کتابوں کی تعداد ۱۵۹ سے زیادہ نہیں۔ پھر اس کے بعد ہر سال ہندی کتابوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور آج حالت یہ ہے کہ پنجاب اور حیدرآباد دکن، یو پی اور بہار، دہلی اور بنگال کے تمام اردو مراکز سے جس قدر بھی اُردو کتابیں ہر سال شائع ہوتی ہیں، وہ ہندی کتابوں کے ساتھ کیا بہ لحاظ تعداد اور کیا بہ لحاظ لٹریچر کسی صورت میں بھی مقابلہ نہیں کر سکتیں اور حق تو یہ ہے کہ ہوتا بھی ایسا ہی چاہیے۔

پھر ہندی کی ترویج کے لیے کانگرسی حکومتوں نے کون سی کسر اُٹھا رکھی ہے؟ پچھلے دنوں اخبارات میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ مسٹر بو دھرام وزیر تعلیم اُڑیسہ نے احکام صادر کر دیے ہیں کہ اُڑیسہ کے تمام سکولوں میں ہندی پڑھائی جائے۔ پھر اطلاع ملی کہ ریاست منڈی کے فرماں روا نے اپنی ریاست کے تمام سکولوں میں ہندی کی تعلیم لازمی قرار دے دی ہے۔ اب خبر آئی ہے کہ حکومت بہار نے ایک سرکلر جاری کیا ہے، جس کی رو سے اُس نے اپنے سکولوں کا نام "ودّیا مندر" رکھا ہے۔ رہ گیا یو پی، سو آپ جانتے ہیں کہ جس صوبے میں کانگرس کے اقتدار و حکومت کا طوطی بول رہا ہو، وہاں ہندی کی ترویج و اشاعت کے لیے کیا کچھ نہ ہو کر رہے گا؟

مسلمان شور مچانے میں سب سے آگے ہیں، لیکن ٹھوس اور تعمیری کاموں میں سب سے پیچھے۔ آپ جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی مثالیں سامنے رکھیے۔ سارے ہندوستان میں یہی دو ادارے ہیں جن پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں، اور جن کے ساتھ ہماری تعلیمی اور قومی توقعات وابستہ ہیں۔ آپ سمجھتے ہوں گے، شاید یہاں ہی اُردو کی خدمت کا تھوڑا بہت کام ہو رہا ہوگا مگر ایسا نہیں ہے۔ یہاں کے طلبہ اور پروفیسر نہ صرف لباس اور معاشرت کے لحاظ سے مغربی تہذیب کے غلام ہیں، بلکہ انگریزی چھوڑ کر اُردو میں گفتگو کرنا بھی کسر شان سمجھتے ہیں اور اُن کی جماعتوں اور دفتروں میں، جلسوں اور رپورٹوں میں سارے کا سارا کام انگریزی زبان ہی کے ذریعے سرانجام پا رہا ہے۔

یہاں سے مایوس ہو کر ہماری نگاہیں اُردو کے علمی، ادبی جرائد کی طرف لوٹتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جس طرح ہندو ہندی کی اشاعت میں بے پناہ عزم کے ساتھ مصروف جہاد ہیں، [illegible] تو مسلمان جارحانہ طور پر نہ سہی، ردّ عمل کے طور پر ہی اُردو کی تعمیری خدمات میں جد و جہد [illegible] مسلمانوں کی سادہ لوحی سمجھیے یا "رواداری" کہ ان کی طرف سے اب تک یہی کوشش

ہو رہی ہے کہ اُردو کو نہ صرف عربی، فارسی کے الفاظ سے محروم رکھا جائے، بلکہ اس میں نئے نئے ہندی الفاظ کا اضافہ کر کے کانگریس کی مجوزہ "ہندوستانی" کا ڈھانچہ تیار کر دیا جائے۔ لاہور کے ایک ممتاز ادبی رسالے کا تازہ پرچہ میرے سامنے ہے۔ ایک افسانے کی چند سطریں ملاحظہ فرمائیے:

"جہیز کی رسم بہت پراچین اور سناتن ہو چکی ہے، آج جب کہ بھارت ورش کی حالت بہت ابتر ہے اور اوسط آمدنی فی کس دو پیسہ ہے تو پتری دھن کہاں سے تیار کیا جائے؟ پراچین سمے میں بھارت ورش سونے کی چڑیا تھا۔۔۔۔۔"

اُردو ہی کے ایک اور ادبی رسالے کی تازہ اشاعت میں ذیل کے اشعار نظر آئے:

پریم کی آگ جلی اُڑ بھیتر — گیان کے میل نے کی گلکاری
بھسم ہوا تن من اور جیون — آہ سے چھوٹ پڑی چنگاری
جے جگدیش جگت کے بانی — راکھ ہوئی اکسیر ہماری

اوپر کی دو مثالیں، ہندو جرائد سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے دو مشہور و مقبول ادبی پرچوں سے اخذ کی گئی ہیں۔ قلت گنجائش مانع ہے، ورنہ اسی طرح کے اور بہت سے نمونے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسلمان خود ہندی کی اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں، تو اُن کو حامیان ہندی کی کوششوں کے خلاف چیخ پکار کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ "دست غیر" کے خلاف آہ و زاری کرنے سے پہلے "دست خویشتن" کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف کیوں توجہ نہ کی جائے؟ دوسروں پر الزام لگانے سے پہلے اپنے ہی گریبان میں مُنہ ڈال کر کیوں نہ دیکھ لیا جائے؟

اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت امیر اُمت میاں مولا بخش صاحب سوداگر صابون کے صاحبزادہ میاں محمود خاں ۴ سال سے عارضہ قلب میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود تجارتی اُمور میں مصروف رہتے تھے، یکم اور دوم مارچ ۱۹۳۸ء کی درمیانی رات کو حسب معمول اپنی خوابگاہ میں تشریف لے گئے، ٹھیک ۲ بجکر ۲ منٹ پر اس تقریباً تیس سالہ مسافر دنیا نے اپنے پیچھے ایک لڑکا اور چار لڑکیاں چھوڑ کر وطن آخرت کی تیاری کر لی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالے مرحوم کو اپنے جوار غفران و رحمت میں جگہ دے اور پسماندوں کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ حضرت میاں صاحب ان تمام احباب کی ہمدردی سے متاثر ہیں

بَیَان

(از جناب خواجہ عباداللہ صاحب اختر بی-اے)

"ایہ" جمع آیات، ترجمہ نشان جس سے معرفت حاصل ہو، آیت کا اطلاق کائنات اور ہرایک شے پر ہوتا ہے، اور دلائل اور براہین اور واقعات پر بھی ہوتا ہے لیل ونہار وشمس و قمر ان کا اختلاف اور گردش، ارضی حالات اور اس کی پیداوار وغیرہ وغیرہ جو ہیں ان کے خالق کا پتہ بتاتی ہیں ۲۴/۱۹، ۱۴/۳، ۲۳/۲، ۱۴/۸، ۲۵/۱۸، ۲/۴، ۷/۱۱، ۱۱/۹، ۲۱/۹،

تمام کائنات اور کائنات کی ہرایک شے اور ہرایک واقعہ سے اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۲۵/۱

اور کہو کہ ہرایک حمد وثنا اللہ ہی کے لئے ہے، وہ قریب تر زمانہ میں اپنی نشانیاں (تمہارے نفوس اور آفاق میں) مشاہدہ کرائیگا اور تم اُن کو پہچان لو گے (کہ یہ حق ہے جسے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا ۲۵/۱)

قرآن میں واضح کیا گیا ہے کہ آیات انہی لوگوں کے لئے ہیں جو عقل وفکر سے کام لیتے ہیں، جو اہل ایمان ہیں، ورنہ کائنات کی ہرایک شے آیت ہے اور غافل آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے دل ودماغ سے کام نہیں لیتے

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ـ سَآءَ مَثَلَاً اِلْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ـ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ

یہی کہاوت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو یہ قصے بیان کرو تاکہ یہ لوگ عقل سے کام لیں۔ جس قوم نے ہماری آیات کو جھٹلایا اُن کی بُری کہاوت ہے اور وہ کچھ اپنا ہی بگاڑتے رہے، رو براہ تو وہی ہیں جن کو خدا ہدایت دے، اور جن کو وہ گمراہ کرے تو وہی لوگ گھاٹے میں ہیں، اور ہم نے بہتیرے جن وانس جہنم ہی کے لئے تیار کئے ہیں۔ اُن کے قلب تو ہیں مگر سمجھ کا

وَمَن يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

کام نہیں لیتے، آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے، کان رکھتے ہوئے نہیں سنتے، یہ تو چار پایوں کے سے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے، یہی لوگ غافل ہیں

صحیفہ فطرت ہماری آنکھوں کے سامنے کھلا ہے، اُس کی آیات روشن ہیں، جو لوگ اس کا مطالعہ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں، وہ معراج ترقی پر ہیں اور جو لوگ اس سے غافل ہیں قعر پستی میں گرے ہوئے حیوانی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ

جو لوگ ہماری آیات جھٹلاتے ہیں اندھیرے میں گونگے اور بہرے ہیں۔

تاریخی واقعات اور آثار قدیمہ اور ہمارے مشاہدات سبق آموز ہیں، اولی الابصار کے لئے عبرت انگیز ہیں، قومیں تباہ ہوتی رہیں اور اُن کی تباہی کے اسباب کا بھی ہمیں علم ہے، اگر ہم اپنی بداعمالیوں سے وہی اسباب پھر پیدا کریں تو ہماری تباہی بھی یقینی ہے، فرعون مصر ایک آیت ہے (۱۰/۹۲) اور ایسے فرعون بہت ہوئے ہیں اور کوئی فرعون پہلے فراعنہ کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتا (۹/۹) حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے حالات آیات ہیں (۱۲/۱۲) جو کچھ لوگ اپنے بھائیوں سے سلوک کرتے ہیں اور جو کچھ ایسے لوگوں کا انجام ہوتا ہے وہ روزمرہ کے واقعات ہیں، لیکن عبرت وہی حاصل کرتا ہے جس کو اللہ ہدایت دے، اور اللہ انہی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو فاسق اور ظالم نہیں ہوتے، جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔

ان آیات سے جو ہر وقت اور ہر ایک جگہ مشاہدہ ہو رہی ہیں اہل عقل و فکر اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یہ کائنات "باطل" نہیں، بلکہ بالحق قائم ہے، اور اس کی کچھ غرض و غایت اور حکمت ہے اور یہ کہ ایک ذات ہے جو اس سے بالاتر ہے اور اسی کا ہاتھ ہر ایک کام میں ہے،

"محکمات اور متشابہات" آیت کے تحت تمام محسوسات اور معقولات آتے ہیں، آیات

کی دو قسمیں ہیں جنہیں قرآن میں محکمات اور متشابہات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۳/۷

وہی ہے جس نے تجھ پر صحیفۂ فطرت (کی آیات) نازل فرمائیں اس میں آیات محکمات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہات ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو ان آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد پیدا کریں اور تاکہ اس مطلب کی ٹوہ لگائیں۔ حالانکہ اللہ کے سوا ان کی تاویل کسی کو معلوم نہیں اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں کہتے ہیں کہ اس پر ہمارا ایمان ہے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اور وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے،

اگر کوئی مصنف کسی موضوع پر کتاب لکھتا ہے تو اس کو الفاظ میں واضح کرتا ہے جو اشارات ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنا مافی الضمیر قارئین پر واضح کرتا ہے، اسی طرح صحیفۂ فطرت ایک کتاب ہے اور ام الکتب ہے جس سے تمام علوم و فنون اخذ کئے جاتے ہیں اور ان پر کتابیں لکھی جاتی ہیں المحسوسات تمام بمنزلہ اشارات ہیں جو معقولات کا اظہار کرتے ہیں جس طرح کتاب کے الفاظ معانی واضح کرتے ہیں یہی اصل ہوتی ہیں، جن کو ہم سنت اللہ، کلمات اللہ، قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہیں اور جو تبدیل و تحویل نہیں ہوتے یہ لطیف حقیقت ہے، محکم اور اصل شے محسوس نہیں ہوتی لیکن معقول فی الذہن ہوتی ہے محسوسات تمام صورتیں ہیں اور ان میں ہر آن تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، یہ آیات متشابہات ہیں کیونکہ صورتوں میں تغیر متشابہ واقع ہوتا ہے،

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۲/۱۰۶

ہم کسی آیت سے کچھ منسوخ کرتے ہیں یا اُسے محو کر دیتے ہیں تو جو اس سے بہتر ہے وہ یا اس کا مثل لے آتے ہیں، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی مملکت اُسی اللہ کی ہے اور جس طرح اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے تصرف فرماتا ہے،

یہ آیت قانون ارتقا کا سنگ بنیاد ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ جو شے بہتر ہو وہ باقی رہے اول سے آخر بہتر ہوتا ہے اور بہتر کے لئے بقا ہے۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى "، وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

الاُولیٰ" کسی شے کے اول و آخر کی تصدیق ان تغیرات کے تصور کے بغیر محال ہے جو اس پر وارد ہوتے ہیں، اگر ہر شے ایک ہی حالت پر رہتی تو ارتقاء محال تھا۔

اہل توریت کا بڑا اعتراض مسیحؑ پر یہ تھا کہ وہ "سبت" کی حرمت نہیں کرتا، مسیحؑ کا جواب یہ تھا "سبت" کا یہ مفہوم نہیں کہ نیکی کا کوئی کام بھی اس روز نہ کیا جائے، اور بدی تو کسی وقت بھی جائز نہیں۔ اگر "سبت" نیکی کا مانع ہو تو اس کی حرمت کو برقرار رکھنا بُرا ہے، چنانچہ موسوی شریعت کے دس احکام جن میں حرمت سبت بھی ایک ہے انجیل اور قرآن میں سات ہیں، جن کی تصدیق انجیل و قرآن کرتے ہیں، اسی طرح اہل کتاب کا بڑا اعتراض قرآن پر یہ ہے کہ بعض آیات توریت و انجیل کی ترمیم و تنسیخ کرتا ہے اور بعض بالکل نظرانداز کرتا ہے، اگر وہ توریت و انجیل و قرآن کے نازل کرنے والے کے اختیار و حکومت پر نظر کرتے تو یہ اعتراض بے جا ہے، اصول دین تو تینوں میں ایک ہی ہیں ان میں کچھ تغیر و تبدل ہو نہیں سکتا، فروع میں تنازعہ کرنا اور فتنہ و فساد برپا کرنا اصول سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، جس طرح اہل انجیل توریت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ یہود انجیل کا انکار کرتے ہیں، اسی طرح مسلمان توریت و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ یہود و نصاریٰ قرآن کا انکار کرتے ہیں قرآن اگر کتب سابقہ کی بعض آیات میں تنسیخ کرتا ہے اور بعض کو نظرانداز کرتا ہے تو قانون ارتقاء کے تحت کہ اُن کی مثل اور اُن سے بہتر آیات پیش کرتا ہے، فی الحقیقت اصولاً آیات تینوں کتابوں میں ایک ہی ہیں لیکن قرآن میں بہترین صورت میں ہیں، یا یہ کہو کہ ایک ہی آیت اپنی ارتقائی صورت میں قرآن میں ہے

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۱۴/۲۰

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور اللہ (اس کی مصلحت کو) بہتر جانتا ہے جو نازل فرماتا ہے، تو (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ تو تو مفتری (اپنے دل سے باتیں بناتا) ہے، بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں، تو کہہ کہ تیرے پروردگار کی طرف سے (اے مخاطب) روح القدس (جس سے مسیحؑ کو مدد ملی) بالحق (آیات میرے قلب پر) نازل کرتا ہے تاکہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت (حسب ارشاد توریت) اور خوشخبری (حسب پیش گوئی انجیل) ہے

توریت اور انجیل اور قرآن کی زبان اصل میں ایک ہے، اصطلاحات جو ان کتب مقدسہ میں استعمال ہوئی ہیں وہ بھی ایک ہیں، مثلاً ملائکہ، جن، جنت، جہنم، آیات وغیرہ وغیرہ، انجیل توریت کی اور قرآن دونوں کی تصدیق کرتا ہے، اس لئے انجیل میں توریت اور قرآن میں دونوں کی آیات کا حوالہ ہے، اس لئے قرآن کی آیات توریت و انجیل سے ملتی جلتی ہیں، جنہیں متشابہات سے تعبیر کیا گیا ہے، آیات متشابہا تاویل کی محتاج ہیں، ارشاد الٰہی ہے کہ تاویل اللہ ہی کو معلوم ہے، "تاویل" اوّل سے ماخوذ ہے اور اوّل کا مفہوم اصل کی طرف رجوع کرنا ہے، یعنی کسی شے کی علماً یا فعلاً غایت معلوم کرنا ہے، اور ہر ایک شے کا حقیقی علم تو اللہ تعالےٰ ہی کو ہے، اس لئے اللہ تعالےٰ ہی ہمیں اشیاء کی اصلیت اور غایت مقصود کا علم عطا فرماتا ہے، اور یہ قرآن ہے، جو احسن تاویل اور بیان کتب مقدسہ کا صحیفہ فطرت کا ہے،

ہمارے بزرگ قرون اولیٰ میں آگ چقماق اور لکڑیوں کی رگڑ سے پیدا کرتے تھے، یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ ہمارے زمانہ کی ایجادوں سے ناواقف تھے تو وہ گمراہ بھی نہ تھے، ان ایام کے خارجی اور ذہنی حالا کے تحت جو کچھ ممکن تھا وہی کچھ ہو سکتا تھا، انہیں اتنا معلوم تھا کہ آگ رگڑ سے پیدا ہو سکتی ہے، اگر وہ اور تدبر سے کام لیتے تو انھیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کیوں رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر آج کوئی شخص قرون اولیٰ کی ذہنیت کی طرف رجعت کرے تو اس کی نسبت فتویٰ مختلف ہے۔

آگ ضروریات زندگی میں خاص اہمیت رکھتی ہے، جب ایک دفعہ محنت شاقہ کے بعد پیدا کی گئی تو تقاضاء عقل تھا کہ اس کی حفاظت کی جائے اس لئے قرون اولیٰ میں عبادت کا جزو لاینفک تھی، کچھ تعجب نہیں کہ "اگنی" کی پوجا اقوام عالم میں عام تھی، توریت میں اسے دیوتا تو تسلیم نہیں کیا گیا لیکن اس کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے "عبادت" کے سامان میں شامل کیا گیا ہے، چنانچہ کتاب "احبار" کے پہلے نو ابواب میں "سوختنی قربانی" کا مفصل مذکور ہے، قربانی کی کھال کھینچنے کے بعد اس کے عضو عضو کو جدا کیا جاتا اور خاص ترتیب سے "مذبح" پر رکھا جاتا، پھر کاہن سب کو مذبح پر جلائے کہ سوختنی قربانی یعنی خوشبو آگ سے خداوند کے لئے ہے" (احبار ۱/۹) یہی احکام گائے بیل کی طرح بھیڑ بکری اور پرندوں کے لئے ہیں (۱/۱۰، ۱/۱۴) اور اگر نذر کی قربانی میوہ ہو تو اس کے لئے بھی خاص ہدایات ہیں اور یہ بھی مذبح پر جلائی جاتی (احبار ۲/۲) اسی طرح تنور میں پکی ہوئی اور توے کی پکی ہوئی اور کڑاہی میں تلی ہوئی اور پھلوں کی نذروں اور قربانیوں کا مذکور ہے (باب ۲ - ۴/۱۶) اسی طرح خطا کی قربانی کے متعلق ہدایت مفصل ہے (باب ۴ - ۱۳/۲۱) اور ارشاد ہے کہ "پس ضرور ہے کہ آگ مذبح پر سدا جلتی رہے،

اور کبھی نہ بھیجے" (۶-۱۳/۱۳)

اگر ہم ایران اور ہندوستان کے آتشکدوں اور قربانیوں پر غور کریں تو نتیجہ ایک ہی ہے، اگر توریت اور ژنداوستا اور ویدوں اور شاستروں کے احکام اس بارہ میں پڑھیں تو بلاشبہ توریت کی آیات "سوختنی قربانی" کے متعلق ایران اور ہندوستان کی کتب مقدسہ کی آیات سے مناسبت رکھتی ہیں لیکن توریت کی آیات اس لحاظ سے "متشابہات" ہیں، یہ رسوم جو ہر ایک قوم کی عبادات میں پائی جاتی ہیں بے معنی نہیں ہوسکتیں، اب اس کے متعلق قرآن کی آیات متشابہات کا مطالعہ کرو

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصّٰبِرِينَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ - وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ - لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ ۱۷/۱۲

اور ہر ایک اُمت کے لئے ہم نے رسم (قربانی) قرار دی تھی، تاکہ جو اُن کے قبضہ تصرف میں مویشی چارپائے دے رکھے ہیں، اُن پر خدا کا نام لیں، سو تم سب کا خدا خدائے واحد ہے، تو اُسی کے فرمانبردار بنو اور عاجزی کرنے والے بندوں کو خوشخبری سنادو کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے اُن کے دل لرز اُٹھتے ہیں اور جو مصیبت ان پر آپڑے تو اس پر صبر کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور جو ہم نے اُن کو دے رکھا ہے (اس میں سے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے جن کو اس کی ضرورت ہے) خرچ کرتے ہیں اور ہم نے "بدن" کو تمہارے لئے ان چیزوں میں قرار دیا ہے جو خدا کے ساتھ نامزد کی جاتی ہیں، ان میں تمہارے لئے چند در چند فائدے ہیں، تو اُن کو کھڑا رکھ کر خدا کا نام لو، پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو اُن میں سے آپ بھی کھاؤ اور قناعت پیشہ کو (جو حاجتمند ہوتے ہیں مگر دست سوال دراز نہیں کرتے) اور گدائی پیشہ کو کھلاؤ، ہم نے یوں اُن کو تمہارے بس میں کردیا ہے تاکہ تم شکر کرو، خدا تک نہ تو اُن کے گوشت اور نہ اُن کے لہو پہونچتے ہیں، لیکن اُس تک تمہاری پرہیزگاری پہونچتی ہے۔

ان آیات میں "قربانی" کی جو کتب مقدسہ کی آیات متشابہات سے ہے تاویل اللہ تعالےٰ قرآن میں فرماتا ہے، کہ مویشی چوپائے جو تمہارے لئے حلال ہیں وہ تو تمہاری خوراک ہی ہیں اور تم

انھیں کھاتے ہی رہتے ہو، اگر تدبر کرو اور یہ خیال کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے بس میں کر دیا ہے تو اللہ کا شکر بھی کرو، اور اس کے فرمانبردار بندے بنو، اور اس کا شکر اس طرح ادا کرو کہ آپ بھی کھاؤ تو اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور قناعت پیشہ اور گداگر غرض محتاجوں کو بھی دو۔

مذہبی دنیا کا یہ عام عقیدہ تھا کہ قربانی کا گوشت اور لہو خدا تک پہنچتا ہے، چنانچہ توریت (احبار ۱) میں مذکور ہے کہ "اگر قربانی گائے بیل اور بھیڑ بکری سے ہو، تو بے عیب ہو، جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر اپنے مقبول ہونے کے لئے آگے لائے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھے اور اس کے لئے قبول کی جائے اور اس کے لئے کفارہ ہو"۔ قربانی گناہوں کا کفارہ سمجھی گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ مسیحی دنیا کا عقیدہ ہے کہ مسیح خدا کا برہ تھا جو لوگوں کے گناہوں کا کفارہ قربان ہو کر ہوا، اسی عقیدہ کی تردید اس آیت میں ہے کہ اللہ تک قربانی کا گوشت اور لہو نہیں پہنچتا۔

ان آیات میں ہر ایک قسم کی قربانی کی حقیقت واضح کی گئی ہے، قربانی کی اصل غرض "تقویٰ" تھی اور ان ایام کے فہم کے مناسب قربانی اسی غرض سے کی جاتی۔ اب ان لوگوں کی طرح نہ تو دل سخت ہیں اور نہ وہ جہالت ہے اس لئے قرآن میں تاویل کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ جب مقصد حاصل ہو تو ذرائع منقطع ہو جاتے ہیں۔ اصل مقصد تقویٰ ہے اور قرآن اسی کی تعلیم دیتا ہے، قرون اولیٰ میں لوگ محسوسات سے باہر نہیں جا سکتے تھے اس کا انکار نہیں ہو سکتا، لیکن غرض و غایت معقولات ہے یا لوگوں کو وہ حکمت معلوم نہ تھی جو مذہبی رسوم کی ہے اور اگر ان پر اس کا اظہار ہوتا تو اُن کے دل اور بھی سخت ہو جاتے اور ہدایت یافتہ نہ ہوتے اور عام حالات میں یہ باتیں عام فہم سے بالا تھیں۔

قرآن میں آیات متشابہات کتب مقدسہ کی آیات ہیں، جن کی تاویل قرآن کرتا ہے جو محکمات ہے، مزید بحث مناسب مقام پر کی جائے گی۔

"**معجزات**" معجزات کی نسبت عام عقیدہ یہ ہے کہ معجزات آیات ہیں جن سے کسی رسول یا نبی کی شناخت ہوتی ہے، اگر یہ آیات ویسے ہی ہیں جیسے صحیفہ فطرت میں مشاہدہ ہوتے ہیں تو بحث تحصیل حاصل ہے، لیکن عام عقیدہ یہ ہے کہ آیات خاص انبیاء اور رسل کو عطا ہوتی ہیں، اگر یہ بھی ہو تو بحث فضول ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک ایجاد اور دریافت کا القا خاص خاص شخصیت سے وابستہ ہوتا ہے، لیکن عام خیال یہ ہے کہ یہ آیات فوق الفطرت ہوتی ہیں اور قوانین فطرت سے بالاتر ہوتی ہیں یا اُن کو معطل اور بیکار کر دیتی ہیں، اسی سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] میں پیش کیا

اور قرآن جب ایسے واقعات کا حوالہ دیتا ہے تو انہی الفاظ میں بیان کرتا ہے جن میں کتب مقدسہ میں مذکور ہیں، یہ سب آیات متشابہات ہیں، مثلاً عصا اور ید بیضا اور بحر کا عبور کرنا وغیرہ وغیرہ۔ قرآن میں یہ محض "حوالہ جات" ہیں اور انہی الفاظ میں ہونے چاہئیں جن الفاظ میں اہل کتاب [illegible] ہیں، ورنہ وہ انکار کر دیتے کہ حوالہ غلط ہے، اگر کسی کتاب کا مصنف ایک دوسری کتاب کا حوالہ دیتا اور بعض فقرات نقل کرتا ہے یا اس کا اقتباس کرتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ اسے بلفظہ صحیح بھی [illegible] ہے، جب تک وہ یہ نہ لکھے کہ یہ بلفظہ صحیح ہیں، قرآن بعض آیات کا حوالہ دیتا ہے، لیکن اس کی تاویل بھی کرتا ہے، تاویل قرآن کے اپنے الفاظ ہیں، اگر کسی کا حوصلہ ہو تو معقولیت کے ساتھ اس تاویل پر اعتراض کر سکتا ہے اور یہ اعتراض قرآن پر ہوگا، حوالہ جات پر اعتراض دیگر کتب مقدسہ پر ہوگا جو [illegible] آیات میں، اور اگر تاویل سے تسلی ہو تو کتب مقدسہ پر بھی اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ حقیقت قرآن نے واضح کر دی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ قرآن نے ان تمام اعتراضوں کو رفع کر دیا ہے جو معقولیت سے کتب مقدسہ پر ہو سکتے ہیں،

اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ کا ہر ایک کام معجزہ ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی اور [illegible] کام نہیں کر سکتا، اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ اللہ تعالےٰ قوانین فطرت سے بالاتر ہے، قوانین وہ وضع کرنے والا ہے، کل کائنات کا ظہور انہی قوانین کے تحت ہوا ہے جو اس کی مخلوق ہے،

معجزات کی تاویل جو کتب مقدسہ میں مذکور ہیں اور اُن کی حقیقت قرآن مجید نے بیان فرمائی [illegible] اس لئے اس تاویل سے اگر معقول پسند کی تسلی ہو تو کتب مقدسہ پر اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہوگا [illegible] ہے کہ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا الآیہ 15/10	اور باوجودیکہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لئے سبھی مثالیں بیان فرمائی ہیں لیکن اکثر لوگ انکار کرنے سے باز نہیں رہے،

باز نہ رہے، کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں کہ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو، یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ بیچ میں تم نہریں جاری کر دکھاؤ، جیسا کہ تم کہا کرتے تھے آسمان سے ٹکڑے ہم

یا خدا اور فرشتوں کو سامنے لاکھڑا کرو، یا کوئی تمہارا سونے کا گھر ہو، یا آسمان میں چڑھ جاؤ، اور جب تک ہم پر ایک کتاب اُتار کر نہ لاؤ کہ ہم اس کو پڑھ لیں تب تک ہم تمہارے (آسمان پر) چڑھنے کو باور کرنے والے نہیں، ان لوگوں کو کہو کہ سبحان اللہ! میں کیا ہوں یہی ایک بشر رسول ہوں اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی بات مانع نہ ہوئی کہ لگے کہنے کہ کیا خدا نے بشر رسول بنایا ہے ؟ کہو کہ زمین میں اگر فرشتے ہوتے کہ اطمینان سے (تمہاری طرح) چلتے پھرتے تو ہم فرشتہ ہی کو آسمان سے رسول بنا کر بھیجتے، کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ بس ہے، وہ اپنے بندوں کے حال سے پورا باخبر ہے

قُلْ اِنَّمَا الاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ۔ ر ۱۹/۱ | کہو کہ آیات (معجزات) تو اللہ ہی کے پاس ہیں، تم کیا جانو کہ یہ لوگ تو آیات (معجزات) آنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر ان کا مشاہدہ کرانا ہمیں منظور ہو تو ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ دیں گے (تو یہ مشاہدہ پر بھی ایمان نہیں لائیں گے) جیسے قرآن پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے تھے، اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں رہنے دیں گے کہ پڑے بھٹکا کریں، اور اگر ہم ان پر فرشتوں کو بھی نازل فرماتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور جتنی چیزیں ہیں اُن کے سامنے لاکھڑا کرتے تب بھی تو یہ بے مشیت الٰہی ایمان نہ لاتے، لیکن ان کے اکثر جاہل ہیں ۔

یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ الایہ ۹/۲ | اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان پر کوئی کتاب آسمان سے اُتارو (اُنھیں لکھنے دو۔ کٹ حجتی تو اُن کی عادت ہی ہے ان کے بڑے) موسٰی سے اس سے بھی بڑی (لغو) درخواست کر چکے ہیں، لگے کہنے کہ ہمیں اللہ کو کھلے (خزانے) دکھادو، پھر اُن کو ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی نے آدبوچا (جس کی تاب نہ لاسکے)

آیات اور بھی ہیں، معجزات کی حقیقت ان سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اوّل تو انسان ناممکنات کا تصور کر ہی نہیں سکتا، زمین پر چشمہ کا بہنا، کھجوروں اور انگوروں کا باغ، اور ان میں انہار کا جاری ہونا یہ سب ممکنات سے ہیں، آج کل آسمان پر چڑھنا تو کوئی عجب بات ہی نہیں، پرندے آسمان میں پرواز کر رہے ہیں، اگر آسمان نہ ہوتا اور پرندے نہ ہوتے تو پرواز کا خیال بھی انسانی دماغ میں نہ آتا۔ جہلا کا عجب حال ہے کہ ممکنات کا نقش تو اپنے قلب سے محو کر نہیں سکتے اور معقولات کا انکار کرتے ہیں، غرض جو خیال انسان کے دماغ میں گذرتا ہے وہ محسوسات سے اخذ ہوتا ہے، ان ممکنات میں ناممکن بات یہ پیدا کی گئی ہے کہ باغ اس طرح پیدا ہو کہ یک لخت صحرا میں نمودار ہو جائے، ایک لخت سونے کا جگمگاتا

فوق البشریت طاقت رکھتا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ سمجھتے ہوئے ایمان بھی نہیں لاتے ،

اس میں کچھ شک نہیں کہ کتب مقدسہ میں ان واقعات کو مجازی رنگ میں پیش کیا گیا ہے ، اور قرآن جب ایسے واقعات کا حوالہ دیتا ہے تو انہی الفاظ میں بیان کرتا ہے جن میں کتب مقدسہ میں مذکور ہیں، یہ سب آیات متشابہات ہیں، مثلاً عصا، اور ید بیضا اور بحر کا عبور کرنا وغیرہ وغیرہ۔ دراصل قرآن میں یہ محض "حوالہ جات" ہیں اور انہی الفاظ میں ہونے چاہئیں جن الفاظ میں اہل کتاب تسلیم کرتے ہیں، ورنہ وہ انکار کر دیتے کہ حوالہ غلط ہے ، اگر کسی کتاب کا مصنف ایک اور کتاب کا حوالہ دیتا ہے اور بعض فقرات نقل کرتا ہے یا اس کا اقتباس کرتا ہے تو یہ ضرور نہیں کہ وہ اسے بلفظہٖ صحیح بھی سمجھتا ہے ، جب تک وہ یہ نہ لکھے کہ یہ بلفظہٖ صحیح ہیں ، قرآن بعض آیات کا حوالہ دیتا ہے، لیکن اس کی تاویل بھی کرتا ہے ، تاویل قرآن کے اپنے الفاظ ہیں، اگر کسی کا حوصلہ ہو تو معقولیت کے ساتھ اس تاویل پر اعتراض کر سکتا ہے اور یہ اعتراض قرآن پر ہوگا ، حوالہ جات پر اعتراض دیگر کتب مقدسہ پر ہوگا جن کی یہ آیات ہیں ، اور اگر تاویل سے تسلی ہو تو کتب مقدسہ پر بھی اعتراض نہیں ہوگا ، کیونکہ اصلیت قرآن نے واضح کر دی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ قرآن نے ان تمام اعتراضوں کو رفع کر دیا ہے جو معقولیت سے کتب مقدسہ پر ہو سکتے ہیں ،

اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالٰے کا ہر ایک کام معجزہ ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی اور ایسا کام نہیں کر سکتا ، اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ اللہ تعالٰے قوانین فطرت سے بالاتر ہے ، قوانین کا وہ وضع کرنے والا ہے ، کل کائنات کا ظہور انہی قوانین کے تحت ہوا ہے ، جو اس کی مخلوق ہے ،

معجزات کی تاویل جو کتب مقدسہ میں مذکور ہیں اور اُن کی حقیقت قرآن مفصل بیان فرماتا ہے اس لئے اس تاویل سے اگر معقول پسند کی تسلی ہو تو کتب مقدسہ پر اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہوگا ارشاد ہے کہ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا الآیہ ۱۵/۱

اور باوجودیکہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لئے سبھی مثالیں بیان فرمائی ہیں لیکن اکثر لوگ انکار کئے بدون نہ رہے ، کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں کہ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو ، یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ بیچ میں تم نہریں جاری کر دکھاؤ ، جیسا کہ تم کہا کرتے تھے آسمان سے ٹکڑے ہم پر

لاگراؤ، یا خدا اور فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کرو، یا کوئی تمہارا سونے کا گھر ہو، یا آسمان میں چڑھ جاؤ، اور جب تک تم ہم پر ایک کتاب اُتار کر نہ لاؤ کہ ہم اس کو پڑھ لیں تب تک ہم تمہارے (آسمان پر) چڑھنے کو باور کرنے والے نہیں، ان لوگوں کو کہو کہ سبحان اللہ! میں کیا ہوں یہی ایک بشر رسول ہوں، اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی بات مانع نہ ہوئی کہ لگے کہنے کہ کیا خدا نے بشر رسول بنایا ہے؟ کہو کہ زمین میں اگر فرشتے ہوتے کہ اطمینان سے (تمہاری طرح) چلتے پھرتے تو ہم فرشتہ ہی کو آسمان سے رسول بنا کر بھیجتے، کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ بس ہے، وہ اپنے بندوں کے حال سے پورا باخبر ہے۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ ۔ ۔ | کہو کہ آیات (معجزات) تو اللہ ہی کے پاس ہیں، تم کیا جانو کہ یہ لوگ تو آیات (معجزات) آنے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر ان کا مشاہدہ کرانا ہمیں منظور ہو تو ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ دیں گے (تو یہ مشاہدہ پر بھی ایمان نہیں لائیں گے) جیسے قرآن پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے تھے، اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں رہنے دیں گے کہ پڑے بھٹکا کریں، اور اگر ہم ان پر فرشتوں کو بھی نازل فرماتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور جتنی چیزیں ہیں اُن کے سامنے لا کھڑا کرتے تب بھی تو یہ بے مشیت الٰہی ایمان نہ لاتے، لیکن ان کے اکثر جاہل ہیں۔

یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ الآیہ | اہل کتاب تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ ان پر کوئی کتاب آسمان سے اُتار دو (انھیں لکھنے دو۔ کٹ حجتی تو اُن کی عادت ہی ہے ان کے بڑے) موسیٰ سے اس سے بھی بڑی (لغو) درخواست کر چکے ہیں، لگے کہنے کہ ہمیں اللہ کو کھلے (خزانے) دکھا دو، پھر اُن کو ان کی شرارت کی وجہ سے بجلی نے آدبوچا (جس کی تاب نہ لا سکے)

آیات اور بھی ہیں، معجزات کی حقیقت ان سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اوّل تو انسان ناممکنات کا تصور کر ہی نہیں سکتا، زمین پر چشمہ کا بہنا، کھجوروں اور انگوروں کا باغ، اور ان میں انہار کا جاری ہونا یہ سب ممکنات سے ہیں، آج کل آسمان پر چڑھنا تو کوئی عجب بات ہی نہیں، پرندے آسمان میں پرواز کر رہے ہیں، اگر آسمان نہ ہوتا اور پرندے نہ ہوتے تو پرواز کا خیال بھی انسانی دماغ میں نہ آتا۔ جہلا کا عجب حال ہے کہ ممکنات کا نقش تو اپنے قلب سے محو کر نہیں سکتے اور معقولات کا انکار کرتے ہیں، غرض جو خیال انسان کے دماغ میں گذرتا ہے وہ محسوسات سے اخذ ہوتا ہے، ان ممکنات میں ناممکن بات یہ پیدا کی گئی ہے کہ باغ اس طرح پیدا ہو کہ یک لخت صحرا میں نمودار ہو جائے، ایک لخت سونے کا جگمگاتا

محل کھڑا ہو جائے ، ارشاد الٰہی ہے کہ یہ ممکن ہے اور اگر اس کا مشاہدہ مطلوب ہو تو ہم دکھلا سکتے ہیں، چنانچہ "سراب" کے نظاروں اور "خواب" میں اکثر ہم دیکھتے ہیں، اس وقت ہمارے حواس مختل ہوتے ہیں، اس لئے اگر ایسے نظارے دیکھنے میں آئیں تو اس پر بھی کوئی ایمان نہیں لائے گا' ارشاد الٰہی ہے کہ یہ لوگ جاہل ہیں یعنی ہمارے آئین و قوانین اور ان کی حکمت کا انہیں علم نہیں، اگر اللہ تعالےٰ کسی رسول یا نبی کو مبعوث فرماتا ہے تو غرض محض لوگوں کا فائدہ ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہوں، اور اگر وہ نہیں چاہتے تو پڑے بھٹکے پھریں، خدا کو ایسی کیا پڑی ہے کہ فرمائشی معجزے دکھائے، بہ تقاضائے بشریت رسول کریم چاہتے تھے کہ سب لوگ راہ راست پر آجائیں، ارشاد الٰہی ہے کہ "آسمان میں سیڑھی اور زمین میں سُرنگ لگاؤ اور کوئی فرمائشی معجزہ دکھا سکتے ہو تو انھیں دکھاؤ، جاہلوں میں سے مت ہو۔"

کتب مقدسہ کے معجزات پر جو قرآن میں مذکور ہیں مناسب مقامات پر بحث کی جائیگی، اس مقام پر یہ واضح کرنا ضرور ہے کہ قرآن بار بار اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی سنت "کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتی، اس لئے اگر کوئی شخص دعویٰ رسالت یا نبوت کرتا ہے تو اس کے سامنے گورکھ دھندا رکھ کر یہ کہنا کہ اسے کھول دو تب ہم تم پر ایمان لائیں گے سراسر جہالت ہے کہ دعویٰ اور دلیل میں کوئی نسبت نہیں، ایک شخص عصا کا سانپ بنا کر دکھا دیتا ہے، تو یہ ممکن ہے کہ ناظرین کے حواس مختل ہو گئے ہوں لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ وہ رسول اللہ ہے، کبھی مشاہدہ میں آیا کہ اللہ تعالےٰ لکڑی کا سانپ بنایا کرتا ہے، ہاں یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ مطلع صاف ہو اور اس شخص کی دعا سے ہوائیں بادلوں کو لائیں اور بارش ہونے لگے، یہ اللہ کا کام مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن اسے معجزہ سے تعبیر نہیں کریں گے، غرض دعویٰ رسالت و نبوت کی دلیل ایسی ہونی چاہئے جو ہم صحیفۂ فطرت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور ایسی دلیل خرق عادت نہ ہوگی، ارشاد الٰہی ہے کہ

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۸۲	کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے! اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا۔ اس میں (صحیفہ فطرت سے جس کا مصنف اللہ ہے) بہت اختلاف پاتے،

قرآن پہلے ہی "تدبر" کی طرف توجہ دلاتا ہے جو انسانیت کا مقتضیٰ ہے، اور یہ واضح کرتا ہے کہ قرآن اور صحیفہ فطرت کا مصنف ایک ہی ہے اور صحیفہ فطرت وہ کتاب ہے کہ "لا تبدیل لخلق اللہ" اس لئے دونوں میں اختلاف نہیں ہو سکتا، اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا ہوتا تو لازماً دونوں

ا اختلاف نہیں ہوسکتا، اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا ہوتا تو لازماً دونوں میں اختلاف کثیر
ا' یہ تو اہل تدبر کی ہدایت کے لئے ہے، جن کو اس سے بہرہ ہو گا انہیں ارشاد ہے کہ اگر یہ بشر کا کلام
، تو بشر بنا سکتا ہے، اس لئے تم سب مل کر کوشش کرو، اس جیسا قرآن بنا لاؤ،

تُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾	خواہ وہ ایک دوسرے کو مدد بھی دیں، اس جیسا قرآن نہیں بنا سکتے

کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا کب قرآن بنایا کرتا ہے؟ اس کی تشریح لفظ قرآن اور کلام کے تحت
خہ ہو، جو لوگ کسی طرح نہیں مانتے اور ضرور کوئی معجزہ ہی دیکھنا چاہتے ہیں، ان کی نسبت ارشاد
، کہ

ل انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۲﴾	کہو کہ اچھا انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔

چنانچہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں نے یہ معجزات دیکھ لئے، اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب
ں فرمایا اور مسلمان ایسے باغوں اور محلات کے مالک ہو گئے جن کے نیچے دریا بہتے ہیں اور جن میں ہر قسم
یوہ ہے، جو بیچ ارضی جنت ہے، اور اس کا وعدہ قرآن میں موجود تھا اور پورا ہوا،

زمانہ حال کی نئی ایجادات میں تدبر کرو جن کا آغاز نزول قرآن کے بعد ہوا، کیا یہ وہ معجزات
، ان سے بڑھ کر نہیں جن کا مطالبہ جہلا کیا کرتے تھے، قرآن کا وعدہ ہے کہ "ہم ایسی آیات ان کے
دس اور آفاق میں دکھائیں گے کہ وہ پکار اٹھیں گے کہ یہ حق ہے" کیا یہ وعدہ پورا نہیں ہو رہا"
ر ابھی وقت آ رہا ہے کہ اگر وہ آیات جو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں اور آئندہ نسلیں کریں گی کفار دیکھ لیتے
حیران رہ جاتے، کہ یہ باتیں ان کے تصور میں بھی نہ آ سکتی تھیں، اور ان کے مطالبہ سے بڑھ چڑھ
ہیں۔

"تسع آیات" فرعون اور آل فرعون نے جو معجزات دیکھے ان کا مفصل مذکور کتاب خروج باب،
۷ اور باب ۸ تا غایت ۱۱ میں ہے، یہ آیات ارضی و سماوی ہیں جو اب بھی کہیں کہیں نازل ہوتی ہیں، قرآن
ں بھی ان کا حوالہ اور تصدیق ہے ۱۵/۱۴، ۹/۱۶، ۳/۲، ۹/۹، یہ آیات و برہان جو عصا اور ید بیضا دست
یر ہوتے ہیں اور خشک سالی، کمی پیداوار، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک، خونی امراض ہیں
بعض مفسرین انہیں آیات تسع اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ "رجز" سے تعبیر ہوئی ہیں حالانکہ
ہیں "آیات مفصلات" سے تعبیر کیا گیا ہے (۹/۹) لیکن "رجز" بھی آیات میں داخل ہے، آیات

کا اطلاق عام ہے چنانچہ احکام و موعظۂ حسنہ، اور دلائل و براہین اور عذاب اور رحمت کو بھی آیات سے تعبیر کیا گیا ہے "تسع آیات" کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ عصاء و ید بیضا دو براہین تھے، اور خشک سالی اور پھلوں کی کمی سے مقصود یہ تھا کہ آل فرعون کچھ "تذکر" سے کام لیں اور طوفان اور دیگر حوادث "رجز" تھے اور اُن کی غرض "تخویف" تھی۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۵۹ | اور نشانیاں ہم ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں،

اس میں کچھ شک نہیں کہ حوادث جو روئے زمین پر رونما ہوتے ہیں ان اسباب کے تابع ہیں جن کا علم کم و بیش ہمیں ہے، مثلاً طوفان کا آنا، جوؤں اور مینڈکوں کی کثرت، خشک سالی، دموی امراض کا وبا کی صورت میں پھوٹنا، زلزلہ وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر لوگوں کی بدکرداریوں سے ان کا کچھ تعلق معلوم نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں "رجز" اور "تخویف" سے تعبیر فرماتا ہے، اگر ہم تذکر و تدبر و تفکر سے کام لیں، جو عین منشاء الٰہی ہے تو بہت کچھ ان آفتوں سے نجات مل سکتی ہے، اور "تخویف" میں تو کچھ کلام نہیں، قرآن کی آیات اور تاریخی واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ "ازمنۂ تاریک" یا ایام جاہلیت میں لوگ ان ہلاکت آفریں حوادث کے اسباب سے آگاہ نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ سب دیوتاؤں اور دیویوں کا کام ہے، جب وہ خوش ہوتے ہیں تو ملک میں خوشحالی ہوتی ہے اور ناراضی سے ملک میں تباہی نمودار ہوتی ہے اور اجرام فلکی کی تاثیر کے قائل تھے جہاں ان دیوتاؤں اور دیویوں کا گھر سمجھا جاتا، جن لوگوں کے دل و دماغ کی یہ کیفیت ہو اُن کو حضرت موسیٰ یہی جواب دیتے کہ "کم بختو! کہاں کا دیوتا اور کہاں کی دیوی۔ یہ سب کچھ تمہاری بداعمالی کا نتیجہ ہے، اللہ تعالےٰ رب العالمین تم سے راضی نہیں، دیکھو وبا نے تمہیں ہلاک کر دیا اور بنی اسرائیل پر اس کا کچھ اثر نہیں، اگر یہ کام دیوتاؤں کا ہوتا تو اپنے پوجاریوں کو تباہ کرنا تھا؟ وہ تمہیں چھوڑ کر بنی اسرائیل پر عذاب نازل کرتے"۔ ان ایام میں کسی کے فہم میں نہ آسکتا تھا کہ بنی اسرائیل کی صحت اچھی ہے اور ان میں وبائی مادہ کو دفع کرنے کی کافی طاقت تھی، اور مصریوں سے علیحدہ بود و باش رکھتے تھے، لیکن اگر صحت پسندیدہ زندگی کا نتیجہ ہے اور امراض بداعمالی کی وجہ سے ہیں، تو بحث تحصیل حاصل ہے اگر زلزلے آتے ہیں اور آتے رہیں گے تو یہ بھی ہماری ہی غفلت ہے کہ ان سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں کرتے۔ قوانین فطرت سے لاعلمی بھی گناہ ہے، اگر ہم ایسے مکان تعمیر نہ کریں جو محض اسراف ہے اور بھی روپیہ حاجتمندوں اور دیگر ضروریات زندگی پر صرف کریں، تو زلزلوں کی تباہی سے

بچ سکتے ہیں، زلزلے "عالیہا سافلہا" کا نظارہ پیش کرتے ہیں جو "عالی" ہیں اگر اعتدال پر رہیں، تو "سافل" خود بخود اعتدال پر آجائیں گے، اور زلزلوں کا اثر ہم پر نہ ہوگا، ہمیں "تدبر" سے کام لینا چاہیئے، امید ہے کہ اس سے نجات کی کوئی صورت پیدا ہو جائیگی،

"بُرھان" بہرحال خشک سالی وغیرہ ایسے حوادث ہیں جو مشاہدہ ہوتے رہتے ہیں اور ان میں کوئی ایسی بات نہیں کہ انہیں خرق عادت سے تعبیر کیا جائے، لیکن عصاء اور ید بیضاء کی تاویل قرآن حکیم کے رو سے یہ ہے کہ "فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ (وہ دو برہان تیرے رب کی طرف سے ہیں) قرآن میں لفظ "برہان" سات آیات میں استعمال ہوا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۶/۴	اے لوگو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس برہان آچکا اور ہم تمہاری طرف جگمگاتا نور نازل فرما چکے ہیں۔

"برہان" سے اگر دلائل عقلی مراد ہوں تو یہ قرآن ہے اور یہی نور ہے، اگر نقلی مراد ہوں تو توریت اور انجیل کی پیش گوئی ہے جو آنحضرت کی بعثت کے متعلق ہے (۶/۴ و ۹/۹)

حضرت یوسف کے دل میں یہ بات آئی کہ میرے آقا نے مجھے احسن طریقہ سے رکھا ہوا ہے اس کی زوجہ سے خیانت کرنا ظلم ہے، اسے برہان سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ وہ بھی عورت کی طرح ارادہ بد کر بیٹھتے (۱۲/۱۳)

جو لوگ اللہ کے سوا اور معبود مقرر کرتے ہیں ان کے پاس کوئی "برہان" (عقلی و نقلی) نہیں

فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۶/۱۸	اُن کا حساب ان کے پروردگار کے ہاں ہے، یقیناً کافروں کو فلاح ہونے والی نہیں،

اس آیت میں "برہان" کا مفہوم واضح ہے، اس کی تائید ۱/۱۴ و ۴/۲۰ سے بھی ہوتی ہے

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱/۱	اور (یہود) کہتے ہیں کہ یہود (کے سوا) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائیگا، یہ اُن کے خیالی پلاؤ ہیں، کہو اگر سچے ہو تو اپنی دلیل (عقلی یا نقلی) پیش کرو

آیت ۶/۱ میں جہاں "برہان" مشرکین سے طلب کی گئی ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ کہ ان میں اکثر بے علم ہیں، اس لئے "برہان" اور "علم" لازم و ملزوم ہیں۔

یہی آیات ہیں جن میں لفظ "برہان" استعمال ہوا ہے اور ان میں سے ایک بھی معجزہ کا

مفہوم واضح نہیں کرتی، اس لئے حضرت موسیٰؑ کے دو برہان جو عصا، اور ید بیضا سے تعبیر ہوتے ہیں دو دلائل ہی ہیں ایک کو تشبیہی یا عقلی کہتے ہیں اور دوسری تنزیہی یا وجدانی ہے جس کا تعلق نور باطن یا فطرت سے ہے،

آفتاب آمد دلیل آفتاب

تنزیہی دین کے لئے تزکیہ نفس مقدم ہے، عقلی دلائل بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون کو یہی کہا تھا کہ "کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے نفس کا تزکیہ ہو" ۳۰/۴ علامہ محمود شبستریؒ صاحب گلشن راز تذکر و تدبر و تفکر کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں کہ

ره دور و دراز است ایں رہا کن　　　چو موسیٰ اندریں ترک عصا کن
ہر آں کس را کہ ایزد راہ ننمود　　　از استعمالِ منطق ہیچ نکشود

مولوی معنوی کا ارشاد ہے کہ

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
گر باستدلال کار دیں بُدے　　　فخر رازی رازدار دیں بُدے
زانکہ بینائی کہ نورش بازغ است　　　از عصا و از عصاکش فارغ است

عصاء عقل کے تو وہ محتاج ہیں جو اندھے ہیں، جنہیں خدا نے نور بصیرت دیا ہے وہ اس نور سے سب کچھ دیکھتے ہیں

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں　　　بنورِ شمع جوید در بیاباں

توریت میں "عقل" کو سانپ سے تشبیہ دی گئی ہے اور شیطان اسی شکل میں آدم و حوا پر ظاہر ہوا، لکھا ہے کہ "سانپ تمام زمین کے جانداروں میں عقلمند ہے" حضرت موسیٰ کا عصا فی الحقیقت سانپ نہ تھا بلکہ "ید بیضا" کے قبضہ میں سانپ کے سر کچلنے کا آلہ تھا، بندگان ہوائے نفس کے لئے یہ سانپ ہی ہے، اور وہ عقل سے یہی کچھ کام لیتے ہیں، لیکن "ید بیضا" میں یہ عصاء ہے جس سے ہزاروں مفید کام نکلتے ہیں، یہ تمام صنعت اور حرفت اور علوم و فنون اسی عقل کا جادو ہے، حضرت موسیٰؑ پر بھی یہی منکشف ہوا کہ عقل سانپ ہے، لیکن جب ید بیضا کے قبضہ میں دیکھا تو نہایت مفید شے پایا، وہ عقلی دلائل جو آنحضرتؐ نے دربار فرعون میں پیش کئے قرآن میں مفصل مذکور ہیں۔

"نور" — قرآن میں آیت "قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا"

۴/۱ کا مفہوم بھی وہی کچھ ہے جو عصاء اور ید بیضاء کا ہے، عصاء برہان اور ید بیضاء نور ہے، برہان دلائل عقلیہ ہیں اور "نور" وہی کچھ ہے جس کی تشریح کی گئی ہے، شمع عقل تنگ اور تاریک خانہ کو روشن کر سکتی ہے، لیکن آفتاب عالمتاب کے حضور اس کی کیا حقیقت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت استدلال عقلیہ سے ایک خاص حد تک ممکن ہے، اس کے بعد۔

اگر یک سر موئے برتر پرم　　　فروغ تجلی بسوزد پرم

خرد را نیست تاب نورِ آں رو　　　برو از بر خود چشم دگر جو

"نور" خود روشن ہے اور دیگر اشیاء کو روشن کرتا ہے، کل کائنات ظلمت کدہ ہے اُسے روشنی میں اللہ تعالیٰ لا رہا ہے "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ ... [illegible] اُن کی پرورش کیا ہے اور کیا صورت اختیار کر رہے ہیں؟ اس لئے ہمیں تاریخ ہند کی ورق گردانی کی ضرورت ہے۔

جب ہندوستان کے طول و عرض پر آریہ قوم کا قبضہ بالاستقلال ہو گیا اور یہاں کے اصلی باشندوں کا خرخشہ مٹ گیا تو اُن کی توجہ ملکی نظم و نسق کی طرف ہوئی۔ اس وقت ان کی زبان من حیث القوم سنسکرت تھی، لیکن ویدوں کی سنسکرت نہ تھی جو ژند کے اقرب ہے، جس میں پارسیوں کی مقدس کتاب "اوستا" ہے۔ اہل پارس اور آریا میں قرابت قریبہ ہے۔ پارسی اس مُلک کو جو ہندوستان سے موسوم ہے "سندھو" کہتے، جو لفظ "سندھ" سے مشتق ہے، جس کے معنی "سد" یا "حد" ہے، یہ دریا مملکت ایران کی حد تھی، یا یہ مُلک اس دریا پر ختم ہو جاتا، پارسی "س" سنسکرت کا "ہ" ہے، اس لئے سندھ اور "ہند" ایک ہی لفظ ہے۔ عرصہ تک آریا پنجاب میں رہے جو "آریا ورت" کہلاتا تھا، اور یہیں ویدوں کی تدوین ہوئی، "پانینی" کے وقت ویدوں کی زبان بالکل مردہ ہو چکی تھی اور ہندوستان کے طول و عرض میں اختلاف لہجہ کے ساتھ کئی زبانیں بولی جاتی تھیں جو سنسکرت سے نکلی تھیں اور اب بھی بولی جاتی ہیں۔ جسے مذہب کہتے ہیں وہ ویدوں، اُپنشدوں اور شاستروں میں اب بھی پایا جاتا ہے۔ آریہ تہذیب و تمدن کے مختلف مدارج طے کر رہے تھے اور مصلحان بھی پیدا ہوتے رہے اور فرقہ بندی کی بھی کوئی حد نہ تھی، لیکن چونکہ آریہ ایک قوم تھی اس لئے جسے تفرقہ کہتے ہیں، وہ اُن کی قومیت پر اثر انداز نہ ہو سکا "قومیت" احساس نسل و مذہب و اشتراکیت ہے، اور یہ احساس ان میں آج تک قائم ہے، یہ ایک نسل ہے، مذہب خواہ ان کا کچھ ہو، وہ لامذہب ہی کیوں نہ ہوں، لیکن نسلی احساس اس درجہ پر

ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے وابستہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ اُن کی اپنی شے ہے اور قومی مذہب ہے، نسلی احساس اس حد تک ہے کہ "دھرم ودیا" غیر نسل کے لئے قطعاً ممنوع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض سیاسی وجوہ پر "شدھی" بھی جاری ہوگئی، لیکن احساس نسل ضرور مانع ہے، ذات پات کا امتیاز بھی اسی ذہنیت کا کرشمہ ہے جو نسلی احساس رکھتی ہے۔ عملاً ہندو مذہب سے ایسے ہی بیگانہ ہیں جیسے اہل یورپ مسیحیت سے، لیکن احساس قومیت کا تقاضا ہے کہ اُن کا "مت" ضرور قائم رہے اور پوجا کی رسم بھی جاری رہے۔ اشتراکیت تو ظاہر ہے کہ قومیت کے احساس سے وابستہ ہے، لیکن یہ اشتراکیت قومی مفاد تک محدود ہے۔

بقول "سیلے" ہندوستان میں قومیت نہیں۔ اس میں خلل اس وقت سے شروع ہوا جب بیرونی حملوں کا سلسلہ جاری ہوا، جس کی پہلی کڑی یونانی اور آخری انگریز ہیں، یونانی تو اسی قومیت میں جذب ہو گئے، انگریز تھوڑے عرصہ سے آئے ہیں، دیکھئے ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟ مسلمان اس جگہ آئے اور صدیوں تک حکمران رہے اور اس مُلک کو اپنا بنالیا، نہ وہ اور نہ ہندو ایک دوسرے میں جذب ہو سکے اس لئے یہ دونوں قومیں اکثریت میں پائی جاتی ہیں۔ یہ دو بحر فرات و ملح ہیں جو ساتھ ساتھ چلتے ہیں، لیکن مل نہیں سکتے۔ اسلام عالمگیر دین الفطرت ہے اور اس میں کل اقوام عالم شامل ہوسکتی ہیں اور تمام مہذب ممالک کی قومیں اسلام قبول کررہی ہیں "ہندوازم" ہندو قومیت کے باہر معدوم ہے۔ مسلمانوں میں بحیثیت مسلمان نسلی احساس نہیں ہے نسلی احساس یہود میں ہے اور اس لئے "یہودیت" قومی مذہب ہے۔ بلحاظ مذہب ہندوؤں اور مسلمانوں کا ملاپ ناممکن ہے، بلحاظ نسل صرف اُن کا ہوسکتا ہے جن کے اجداد ہندو تھے اور وہ مسلمان ہیں، لیکن مذہب نے دونوں کو جدا کر دیا ہے اور اُن کا ملاپ بھی ممکن نہیں۔ رہا احساس اشتراکیت یہ ممکن ہے۔ چونکہ دونوں قومیں ایک ہی مُلک میں مستقل طور پر آباد ہیں اور اُن کا نفع و نقصان مشترک ہے اس لئے اس امر کا امکان ہے کہ دونوں اس احساس کے ساتھ متحد ہو جائیں۔ امریکہ میں یہی نسل ہے جو انگلینڈ میں ہے اور مذہب بھی مسیحیت دونوں کا ہے، لیکن ایک کا نفع دوسرے کا نقصان، اس لئے احساس اشتراکیت پر نسل اور مذہب کا احساس قربان ہوگیا اور امریکہ آزاد ہوگیا۔ لیکن امریکہ میں بھی ایک قوم تھی، جس میں احساس نسل و مذہب و اشتراکیت ہے، اس لئے اس کا متحد ہوجانا یقینی تھا۔ ہندوستان میں یہ صورت نہیں، اس لئے ہندو مسلم کا اتحاد اگر ناممکن نہیں تو سخت مشکل ہے، لیکن امکان ضرور ہے کہ ممکن ہے

ان میں احساس اشتراکیت قومیت کا سنگ بنیاد رکھ دے، اس لئے یہ تحریک ہوئی کہ یہ امکان بھی نہ رہے۔ ہر ایک صوبے کی زبان مختلف ہو اور ہندوستان کی کوئی زبان واحد نہ ہو اور بابل کا نقشہ کھینچ دیا جائے۔

زبان آلہ ہے جس سے انسان مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ جب اس کا اظہار ہی نہ ہو تو نتیجہ یہی ہوگا

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہندوؤں کی کوئی زبان مشترکہ نہیں، لیکن اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اور ہندوستان کے طول وعرض میں بولی یا سمجھی جاتی ہے اور اس میں یہ قابلیت ہے کہ نہ صرف ہندوستان کی واحد مشترکہ زبان بن سکے، بلکہ علمی زبان ہو۔ اب ہندوؤں کا یہ مطالبہ ہے کہ اس زبان میں زیادہ تر الفاظ ہندی زبانوں کے ہونے چاہئیں، مسلمان مطمئن ہیں کہ اس میں کافی الفاظ فارسی اور عربی کے ہیں اور دونوں اُن کی اپنی زبانیں ہیں۔ اگرچہ فارسی اور سنسکرت میں قرابت قریب ہے لیکن فارسی پر عربی کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اردو پر، اور مہذب ممالک کی شاید ہی کوئی زبان ہوگی جس میں کم و بیش عربی الفاظ نہ ہوں۔ ایشیا اور افریقہ کے بہت بڑے سرسبز حصہ کی زبان عربی ہے اور تمام زبانوں کے حروف ابجد عربی ہیں، اس لئے تقاضائے عقل تو یہ تھا کہ عربی الفاظ کثرت سے اُردو میں داخل ہوں تاکہ کم از کم دو براعظموں کی اقوام کے ساتھ ہی اتحاد ہو سکے، لیکن قومی تعصب عقل سے کام نہیں لیا کرتا۔

یہ ظاہر ہے کہ جب تک ہندوستان کی کوئی واحد مشترکہ زبان نہ ہو، قومیت متحدہ کی عمارت، احساس اشتراکیت کی بنیاد پر کھڑی نہیں ہو سکتی، اس لئے موجودہ حالات میں قومیت متحدہ کا خواب محض خیال ہے۔ اب تاریخ ہند کی ورق گردانی کرو تو یہ امر نمایاں نظر آئیگا کہ ہندو قومیت کی باگ ہمیشہ برہمنوں کے ہاتھ میں رہی ہے اور یہ کہ یہ ہمیشہ ہندو قومیت کو بحالت محکومی حکمران قوموں کے خلاف اُبھارتے رہے ہیں۔ عہد مغلیہ میں سیواجی مرہٹہ کی لڑائیاں بقول "سیلے" وہی کوشش ہے جو اب بھی ہو رہی ہے، اگرچہ لائحہ کار مختلف ہے۔

ہندوؤں کی توقعات صرف ہندو قومیت اور ہندوستان سے وابستہ ہیں۔ مسلمانوں کا مطمح نظر وسیع تر ہے:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہندو مہاسبھا کے ہر ایک اجلاس میں یہ آواز بلند آہنگی سے ہندو قومیت کو سنائی گئی کہ مسلمانوں کا مکہ ہندوستان سے باہر ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ مسلمانان ہند اُن مقامات سے قطع تعلق نہیں کر سکتے جہاں ان کے مقدس مقامات اور مسلمان بھائی آباد ہیں، تو یہ ایک حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں ہو سکتا، اور وہ شخص مسلمان نہیں جو اس کا انکار کرے۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ ان تعلقات کے ہوتے مسلمانان ہند، ہندوستان کو اپنا وطن مالوف نہیں سمجھتے تو یہ قطعاً غلط ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہندو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانان ہند بھی ویسے ہوں، جو وہ خود ہیں۔ مسلمان ایسے نہیں ہو سکتے۔ مسلمان ہندو نہیں ہو سکتا البتہ ہندو مسلمان ہو سکتا ہے، اور عملاً ہو رہا ہے، خواہ قومی تعصب اعتراف نہ کرے۔ مسلمان اگر سب سے پہلے مسلمان نہیں تو وہ مسلمان نہیں۔ ہندو اگر سب سے پہلے ہندو نہیں تو وہ ہندو نہیں۔ ہندو کا مطالبہ ہے کہ مسلمان سب سے پہلے ہندو ہو۔ یہ ناممکن ہے اور ایسا ہی ناممکن ہے، جیسا یہ کہ ہندو سب سے پہلے ہندو نہ ہو۔ مسلمان نہ اپنے مذہب کو چھوڑ سکتا ہے جس سے اُس کی قومیت وابستہ ہے اور نہ ہندو ہندویت کو۔ مسلمان چونکہ عالمگیر دین الفطرت سے وابستہ ہے، اس لئے وہ بہت فراخ دل ہے اور ہمیشہ دست اتحاد ہندوؤں کی طرف بڑھاتا رہا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں قوموں میں اتحاد ناممکن ہے جب تک دونوں زندہ ہیں، زندگی سے مراد مسلمانوں کا مذہب اور ہندوؤں کی قومیت۔ بقول احساس نسل ہے ع

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

ہندوؤں کو کچھ عقل سے کام لینا چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے اصلی باشندے نہیں ہیں، اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ہندوستان میں داخلہ سے پیشتر اُن کا مکہ بھی ہندوستان سے باہر ہو، جس کو وہ فراموش کر چکے ہیں۔ اب جبکہ ہندوستان اُن کی جنم بھومی ہے تو مسلمانوں کی بھی ولیسی ہے، لیکن چونکہ وہ عالمگیر اخوت سے وابستہ ہیں اور مذہباً اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتے تو ان سے ایسا مطالبہ جس سے وہ اپنے مذہب سے بیگانے ہو جائیں، فضول ہے۔

اقوام ہند، جب اس کی دو بڑی قوموں میں اتحاد موجودہ حالات میں ممکن نہیں اس کے سوا اور کیا کریں کہ اپنی اپنی جگہ پر خاموشی سے واقعات کی رفتار دیکھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر "ہندو سوراج" قائم ہو جائے، جو بظاہر موہوم ہے، تو یقیناً مسلمانوں کے لئے ہند میں وہی فضا پیدا کر دیگا جو مرہٹہ طاقت نے پیدا کر رکھی تھی۔ اگر پانی پت کے میدان میں اُن کی اُمیدیں خاک میں نہ ملتیں تو مسلمانانِ

ہند پر عرصہ حیات تنگ کر دیتے۔ یہ دھڑکا ہندوؤں کو مسلمانوں کی طرف سے ہے کہ کوئی بیرونی طاقت اُن کی مدد نہ کرے۔

تاریخ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ ہندوستان ابتداء سے غیر اقوام کا جولانگاہ رہا ہے، کبھی آریا آئے اور کبھی یونانی، اور کبھی مسلمانوں کی حکومت تھی اور آج انگریزوں کی۔ اگر یہی لیل ونہار ہیں اور تاریخ اپنا اعادہ کرتی ہے تو "سوراج" کے خواب پریشاں کی تعبیر تاریخی واقعات کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندو قومیت میں زبردست تنظیم ہے، لیکن اس کا مخالفانہ اثر حکومت وقت پر تو نہیں ہو سکتا، البتہ مسلمانانِ ہند پر ہو رہا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ تمام ذرائع زندگی نکل رہے ہیں، جن سے ان کا قیام ہے، حکومت وقت اگر کچھ خائف ہے تو مسلمانوں سے، کیونکہ عالمگیر اخوت سے وابستہ ہیں، جہاں برطانوی حکومت کا مقابلہ ہر ایک جگہ ہو رہا ہے، ہندو بھی جانتا ہے کہ حکومت شروع عملداری سے اس کی پشت پناہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندو روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور مسلمان پستی کی طرف جا رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کا مسلمان حکومت کی امداد سے مایوس ہو کر ہندو کے آغوش میں جا رہا ہے۔ یہ انتہائی پستی اور ذلت ہے۔ ان حالات میں مسلمانانِ ہند کے لئے چارہ کار کیا ہے؟ اس کا جواب ایک ہی لفظ میں "قرآن" ہے۔ مفصل بحث "قرآن اور سیاسیات" کے تحت دوسری صحبت میں کی جائیگی۔　　(عطارد)

اُمتِ مُسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا دوسرا سالانہ جلسہ آئندہ تعطیلات دسہرہ میں منعقد ہو رہا ہے، احباب اُمت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو جلسہ کی مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہو سکے۔ جو اصحاب اس غرض کے لئے روپیہ ارسال فرمائیں، اُنہیں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے، تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ ہی میں شامل کی جائیں۔ مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

(سکرٹری اُمت مسلمہ امرتسر)

مواعظ قرآن

(۲۹)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (۹/۱۸)

(اے ایمان والو! اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو قوموں میں ممتاز بنائیگا اور تمہاری برائیوں کو دُور کریگا اور تم کو معاف کریگا۔ اور اللہ تعالےٰ بڑا فضل والا ہے)

یہ بات مسلم ہے کہ خدا کا وجود دلائل[۱] سے مستغنی ہے اور اس پر ایمان لانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کے قول پر اعتبار کر لیتے ہیں، جس کو ہم نے معیار صداقت پر جانچا اور کھرا پایا یعنی، نبوت مشاہدات عینی اور تواتر ہے اور نبی کی صداقت پر ایمان لانا فلسفہ نہیں بلکہ تجربہ اور تاریخ ہے۔ قول نبی یا الہام قول محکم یا ڈاگما (Dogma) ہے، جس کو بلا حجت[۲] وبلا چون وچرا تسلیم کرنا چاہیئے۔ جو شخص نبی پر ایمان نہیں لاتا وہ خدا پر ایمان نہیں لا سکتا اور اس کے لئے تقویٰ، طہارت، اخلاق، فرائض، سزا وجزا کوئی معنی نہیں رکھتے، لہذا قبل اس کے کہ تقویٰ کی

---

[۱] آپ ٹھیک فرماتے ہیں، واقعی منزل ایقان دلائل سے گزر کر وجدان سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس راہ کے سالک کے لئے ابتداءً دلائل عقلیہ کا سہارا ناگزیر ہے۔ کما قال سنائیؒ

عقل رہبر ولیک تا در او
فضل او مر ترا برد بر او

[۲] قرآن مجید اپنے آپ کو اور اپنے پیش کرنے والے کو بلا دلیل وحجت ماننے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا میں نبی صلعم کی ذات مبارک پر دعوت تنقید دی گئی ہے۔ اور اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ میں دعوت قرآنی کو برملا بصیرت پیش کیا گیا ہے۔ اور انبیاء کی زبان سے بار بار اتباع "بَیِّنَة" کا اعلان کیا گیا ہے۔ قُلْ اِنِّیْ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ۔ کہہ میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آئی۔ شعیبؑ فرماتے ہیں قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آئی پس تول ماپ پورا کرو۔ ایسے ہی بہت سے مقام شاہد ہیں کہ دعوت انبیاء دلیل وبرہان، بصیرت وبیّنہ سے معمور ہے۔ (بلاغ)

تمقین کی جائے، فرض کرنا پڑیگا کہ مخاطب مومن ہے اور مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ رسولؐ کے ذریعے سے خدا پر ایمان لایا، یعنی اگرچہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اصل اسلام ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ شرطِ اسلام ہے، اس لئے یورپ کے تمام فلاسفہ جب خدا پر دلیل لانے سے عاجز وحیران رہ گئے، تو وہ اگناسٹزم یا تشکک سے آگے نہ بڑھے اور یہی ان کا مذہب رہا۔ ہم کو اس تشکک سے محمد رسول اللہ کی ذات نے نکالا۔ اور خالق سے مخلوق کے وہ تعلقات قائم کردئے جس کو اصطلاح میں تقوے کہتے ہیں۔ یعنی اگر مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان رہیں تو وہ قوموں میں ایک ممتاز اور نمایاں جگہ پائیں گے اور آخرت میں خدا اُن کے گناہوں کو بخش دیگا۔

مسلمانوں کا امتیازی نشان کیا ہے؟ ترکی ٹوپی یا برقعہ، یا ریش درازی اور عبوسیت۔ یا عربی زبان اور تہذیب۔ ہندوستان کے مسلمان آجکل عجیب کشمکش دو بیچ میں ہیں۔ سالہا سال سے وہ ہندوستان میں ہموطنوں سے جدا اپنی نئی قومیت و تہذیب و زبان بنانے میں مصروف ہیں اس خیال سے کہ جس طرح ہندو مذہبی حیثیت سے ایک قوم ہے اسی طرح مسلمان بھی مذہبی حیثیت سے ایک قوم بن جائیں، مگر وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہندو مذہب قومی مذہب ہے جیسا پارسیوں یا یہودیوں کا ہے درآنحالیکہ اسلام عیسائی مذہب کی طرح ایک عمومی اور مشنری مذہب ہے۔ قومی مذہب کا اطلاق قومیت پر درست ہوسکتا ہے، مگر عمومی مذہب میں قومیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس میں ہر قوم اپنی امتیازی حیثیت رکھتے ہوئے محض ایک مذہبی جماعت کی حیثیت قوم کے اندر رکھتی ہے۔

ف میں اس خدا کو آج تک نہیں سمجھ سکا جس پر ایمان لانا قطعاً بیکار رہو جب تک اس کے بنائے ہوئے ایک انسان پر بھی ایمان نہ لایا جائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نے کاشناستِ انسانیت کی آنکھوں سے یہی حجاب اکبر دور کیا تھا جو بعد میں مسلمانوں کی تقلید وکوری کا موجب ہوگیا۔ نبوت محمدیہ کی روح کو سمجھ لینے کے بعد کسی سابق نبی کی تلاش وتجسس کی ضرورت نہیں رہتی اور اسی طرح نئے انبیاء کے انتظار کا خلجان بھی مٹ جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر نبوت کی غایت ومقصود محض توحید ہی ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

نبی کی اپنی ہستی ایک ذریعہ ہے، اور ذرائع ہمیشہ بدلتے رہے ہیں تا نبوت آخرہ۔ ذریعہ کو مقصود کے برابر اعتقاد کرنا شان اسلام نہیں ہے، فافہم ۔ (بلاغ)

جو تہذیب و زبان و سیاسیات اور احساسِ وطن سے مشارکت رکھتی ہے، مگر مذہبی حیثیت سے اختلاف۔ اور یہ اختلاف ذاتی ہوتا ہے۔ اور یہی صورت ہندوستان میں اسلام کی ہے، بلکہ یہی صورت چین و افریقہ، روس و یورپ میں بھی پائی جاتی ہے، یعنی اگر مسلمانانِ ہندوستان قومی حیثیت سے اپنے وطن ہندوستان سے منسوب کئے جا سکتے ہیں جس طرح چین و یورپ کا مسلمان ہے تو ملی و مذہبی حیثیت سے وہ ہندو قوم سے جدا مسلمان ہیں۔ مگر مسلمان ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ہندوستانی قوم میں کوئی افتراق ہو گیا۔ پس مسلمانوں کے لئے کوئی قدرتی یا مصنوعی نشان امتیازی یا قومی نہیں ہے۔ قدرتی حیثیت سے تو اس لئے نہیں کہ خدا نے مسلمانوں کے سر میں سینگ نکال کر نہیں پیدا کیا یا اُن کی جسمانی ساخت میں (بجز ختنہ کے جو مصنوعی ہے) کوئی ایسی چیز ہے جو ہندوؤں میں نہ ہو۔ پھر مسلمانوں کا امتیازی نشان کیا ہے۔ برقعہ، ترکی ٹوپی اور ریش دراز۔ یہ بھی نہیں۔ بلکہ اُن کا امتیازی نشان صرف ایک ہے، جو افسوس اب باقی نہیں رہا۔ یعنی یہ کہ وہ صرف مسلمان ہیں۔ نہ وہ کسی کو دھوکا دیتے ہیں نہ کسی کو ستاتے ہیں۔ اور ظالموں کے آگے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کی جگہ اب کیا امتیازی نشان رہ گیا ہے۔ پرسوں سے محرم شروع ہوا ہے۔ رات بھر مخلوق تاشوں اور ڈھول کی متواتر آواز سے سو نہیں سکتی۔ دن کو ہراساں اور پریشان رہتی ہے کہ کہیں چھُری نہ چل جائے۔ عید قربان میں حکومت اور اس کے عمال سراسیمہ رہتے ہیں۔ رمضان کی سحری میں اس زور شور سے نقارہ بجایا جاتا ہے کہ غیر مسلم ہمسایہ جو غریب دن بھر کا تھکا ماندہ آرام سے میٹھی نیند سو رہا ہے، تڑپنے لگتا ہے اور دل سے دعا مانگتا ہے کہ خدا ایسے لوگوں سے عافیت دے۔ غرضیکہ مسلمانوں نے اور خصوصاً مسلمانانِ ہند نے افتراق و نفاق کے اتنے امتیازی نشان حاصل کر لئے ہیں کہ ہندو قوم بجائے یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے یَخْرُجُوْنَ مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ ہو رہی ہے۔ "حق گو"

اسفار مُوسیٰ[۱]

(جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی - اے)

مجھے افسوس ہے کہ مجھے آج سے پیشتر "نگار" کی زیارت کا اتفاق نہیں ہوا، دفتر "بلاغ" سے ۱۹۳۶ء کے تمام پرچے مجھے عنایت ہوئے ہیں کہ "نگار" نے جو کچھ اسفار موسیٰ کے متعلق لکھا ہے اس پر موافق یا مخالف رائے کا اظہار کروں ـــــ اسفار موسیٰ پر جو کچھ "نگار" میں لکھا گیا ہے وہ "ملاحدۂ عہد حاضرہ کے نقطۂ نظر سے" لکھا ہے، اس لئے یہ غلط فہمی پیدا نہ کرنی چاہئے کہ خود مدیر نگار ملحد ہیں - بات اصل میں یہ ہے کہ مسیحی دنیا مسیحیت سے جو مقدس پولوس کی اختراع تھی بیزار ہو چکی ہے - اصل دین سے اس کا کچھ تعلق نہیں -

اسفار موسیٰ کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ انجیل، ور قرآن دونوں اس کے مصدق ہیں، اور اگر یہ اسفار من گھڑت کہانیوں، بیہودہ افسانوں اور غیر الہامی باتوں کا مجموعہ خرافات ہیں، تو خود انجیل اور قرآن مخدوش حالت میں ہیں، جو اُن کے مصدق ہیں - جو کچھ ترانہ سنجان "لاادریت" اور "عقل پرست" ادبا اور محققین نے اسفار موسیٰ بلکہ تمام بائبل پر لکھا ہے اُس کا عشر عشیر بھی نگار نے نہیں لکھا، لیکن محققین ملحد نہیں ہوتے - الحاد نفسانی جذبہ ہے، علمی تحقیق سے اُسے کچھ تعلق نہیں (اختر)

---

[۱] محترم مدیر "نگار" نے اسلامیات سے متعلق، وقتاً فوقتاً جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ بعض مسلمان جرائد نے نہ صرف اُن کے معقول جواب نہیں دیئے، بلکہ اُن کے خلاف ملک کے طول و عرض میں نہایت بے ہودہ اور فضول پروپگنڈا کر کے اُن کی زبان بند کرنے کی کوشش کی - آج روشنی اور سائنس کے زمانے میں نام نہاد ملاؤں کے فتاوی تکفیر طالبان حق اور محققین علم کی راہوں کو مسدود کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے - سمجھ میں نہیں آتا اگر کسی مولوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خیالات و عقائد کی کھلے بندوں تبلیغ کر سکے تو ایک بے دین یا دہریہ کو اپنے عقائد کی اشاعت کا کیوں حق حاصل نہیں؟

ہم خوش ہیں کہ جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے نے مدیر نگار کے مذہبی اعتراضات کی طرف نہایت معقول طور پر توجہ فرمائی ہے - آج کی صحبت میں "اسفار موسیٰ" کے متعلق بحث کی گئی ہے اور آئندہ نگار کے بعض دوسرے مضامین کے متعلق بھی علمی تحقیق کا یہ سلسلہ جاری رہے گا - ہمیں اُمید ہے کہ محترم مدیر نگار اس اہم سلسلہ گفتگو پر فراخ دلی سے توجہ فرمائیں گے (بلاغ)

اس میں کچھ شک نہیں کہ اسفار خمسہ جو حضرت موسیٰؑ سے منسوب ہیں، دراصل اُن کا اکثر حصّہ واقعات پر مشتمل جو زبانی روایات سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس حصّہ کا تعلق نہ تو الہام سے ہے اور نہ عقلاً ہو سکتا ہے۔ تواریخی کی کتاب کا دعویٰ الہام کبھی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں جہاں تک حضرت موسیٰؑ کی شخصیت کا تعلق ہے، وہ توریت کا وہ جزو ہے، جو "خروج" سے شروع ہوتا ہے اور یہ بھی زیادہ تر تواریخی واقعات ہیں جو حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں رونما ہوئے، انھیں خود حضرت موسیٰؑ نے قلمبند کیا، آنحضرتؐ کے زمانہ میں کسی نے یا بعد میں قلم بند کیا زیادہ توجہ کا محتاج نہیں، اُمم سامیہ کو ہمیشہ تاریخ و سیر سے شغف رہا ہے، اور وہ اپنی قوم کے حالات و واقعات روایت کرتے چلے آئے ہیں، بلحاظ "مذہب" جو بات قابل توجہ ہے وہ "شریعت" موسوی ہے۔ چونکہ نگار نے اس موضوع پر تاحال توجہ نہیں فرمائی اس لئے سردست ہم بھی اس پر کچھ نہیں لکھتے۔

نگار نے کتاب پیدائش کو سامنے رکھتے ہوئے، نظریہ تخلیق عالم و آدم و طوفان نوح و برج بابل کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ سب قصّے قدیم صنمیات کے ٹکڑے ہیں" جنھیں جوڑا گیا ہے۔

اگر ہم ازمنہ تاریک (Dark Ages) کی خصوصیات سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ان ایام میں وہ تمام روایات جن کا ہمیں علم ہے، قدیم صنمیات (مائی تھولوجی) سے تعبیر ہوتی ہیں، اور وید مقدس اور ژندواوستا اور ھومر کی نظمیں اور یونانی اور رومی اور مصری اور ہندی اساطیر کا سرمایہ نازیہی کچھ ہے، تو محققین ان سے ٹھوکر نہیں کھاتے۔ تحقیق یہ ہے کہ ان ایام میں فہم انسانی بالغ نہ تھا، چند ہستیاں زمانہ پیدا کرتا رہا جن کے ذہنی درجات عام فہم سے اعلیٰ و ارفع تھے۔ وہ جو کچھ کتاب فطرت کے مشاہدہ سے اخذ کرتے تھے اُسے تشبیہی رنگ میں بیان کرتے تھے، ان ایام میں انسان اسی پیرایہ میں کچھ سمجھ سکتا تھا اور اس سے غرض محض ہدایت تھی۔ اب اس عقل پرستی کا کیا علاج ہو، جس کی تمنا یہ ہو کہ کس لئے بچہ پیدا ہوتے ہی عاقل بالغ نہیں ہو گیا؟ نظریہ تخلیق عالم و آدم جو آج ہے وہ بھی ایک نظریہ ہے، یہ سمجھئے کہ ان ایام میں بھی ایک نظریہ تھا۔ عقل پرستوں کا خیال ہے کہ موجودہ نظریہ زیادہ قرین عقل ہے اور اس سے ہم حقیقت کے زیادہ قریب ہیں۔ یونہی سہی، لیکن ازمنہ تاریک میں بھی لوگ اسی طرح زندہ تھے جیسے اب ہیں۔ ان نظریوں نے کچھ نمایاں فرق پیدا نہیں کیا۔ اگر وہ ایام وحشیانہ تھے، تہذیب و تمدن کا ملمع ان پر نہ تھا تو یہ صحیح ہے، لیکن آج عقل نے جو ہلاکت آفرین وحشت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ بلحاظ نتائج ازمنہ تاریک کی وحشت سے کچھ بڑھ چڑھ کر ہی ہے۔ لیکن نہ تو اُس زمانہ کی کم عقلی اور نہ اس زمانہ کی عقل کی زیادتی ان امور کی ذمہ دار ہے جو محض نفسانی جذبات کے مذموم نتائج ہیں، عقل ہمارے اعمال کی محرک نہیں ہو سکتی، یہ ایک آلہ ہے اور جب قبضہ نفس امارہ

وہ کا اس پر ہو تو بلاشبہ نہایت خطرناک آلہ کار ہے اور وہی زہریلا سانپ ہے جسے آدم نے بہشت میں اور
حضرت موسیٰ نے کشف میں عصاء کو دیکھا تھا، جو اُن کی زندگی کا سہارا تھا، توریت میں لکھا ہے کہ "سانپ"
تمام جانداروں میں سب سے زیادہ عقل رکھتا ہے، اس لئے شیطان اسی شکل وصورت میں آدم وحوا پہ ظاہر
ہوا۔ مدیر نگار خود شاعر ہیں، ہمارے زمانہ میں تشبیہ واستعارہ شعر سے قریب قریب مفقود ہو رہا ہے، لیکن
متقدمین کے کلام میں عام ہے۔ اب اگر مدیر نگار یہ سوال کریں کہ متقدین کو شعر سے مس نہ تھا، اُن کا کلام خرافا
ت بیہودہ ہے، وہ ان فطری جذبات سے واقف نہ تھے جن کا اظہار فی زماننا کیا جاتا ہے، تو اس کا کیا جواب ہو سکتا
ہے؟ لیکن یہی کیفیت توریت کی کتاب پیدائش کے ابتدائی حصہ میں ہے، کہ تشبیہ واستعارہ سے کام لیا گیا ہے
لیکن مفہوم بھی واضح کیا گیا ہے کہ "شجر ممنوعہ" "نیک وبد کی تمیز" کا درخت تھا، قصہ آدم پیدائش میں جن الفاظ
میں مذکور ہے، وہ کچھ چیستان نہیں، لیکن عوام الناس کو قصے کے پیرایہ میں عام انسانوں کی سرگذشت بتادی
گئی ہے کہ وہ پیدا ہو کر کس طرح طفولیت کا زمانہ بے فکری سے بسر کرتے ہیں اور پھر کس طرح ازدواجی زندگی شروع
ہوتی ہے، اس تمیز میں نفس امارہ کس طرح گمراہ کرتا ہے، اور کس طرح عقل اس کی آلہ کار بنتی ہے؟ یہ قصہ آدم
آج بھی ویسا ہی صحیح ہے جیسا اسفار موسیٰ کی تدوین کے وقت بلکہ شروع آفرینش میں تھا۔

تخلیق آدم کتاب پیدائش میں جن الفاظ میں مذکور ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ

(۱) آدم کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے اسی طرح پیدا کیا جس طرح دیگر حیوانات (پیدائش ۲ - ۱۹)

(۲) آدم کو ابتداء میں بہشت ارضی میں رکھا جو چار دریاؤں سے سیراب ہوتا تھا، جن میں سے دجلہ اور
فرات اب بھی موجود ہیں، باقی دو دریاؤں کے نشان اب بھی ملتے ہیں، اور یہ تمام قطعہ زمین جس میں یہ چار
دریا بہتے تھے وہ ہے جو قدیم الایام سے امم سامیہ کے قبضہ میں تھا۔

آدم کا "طین" سے پیدا ہونا تو علوم جدیدہ کو بھی مسلم ہے، کتاب پیدائش کا مقصد نہ صرف بنی نوع
آدم کی ابتدا کا بیان کرنا ہے بلکہ امم سامیہ اور اس سے بڑھکر اولاد ابراہیمؑ کا شجرہ نسب۔ قرون اولیٰ کی
یہ ایک خصوصیت ہے کہ ہر ایک قوم اپنے ہی ذکر خیر میں لگی ہوئی تھی، دیگر اقوام کا تذکرہ وہ اپنے تواریخی واقعات
میں [illegible] کرتی ہے۔ آدم اُن کا اپنا بزرگ ہے اور دیگر اقوام خواہ وہ آدم ہی کی اولاد کیوں نہ ہوں [illegible]
ہی تھے۔ اُن کی اپنی [illegible] مقدس اور دیگر اقوام سے اعلیٰ وارفع تھی۔

اسفار موسیٰ تین حصوں میں منقسم ہیں (۱) تاریخی واقعات (۲) منظوم کلام (۳) الہامی کلام
تاریخی واقعات پیدائش سے حضرت موسیٰ کی وفات تک مسلسل بیان کئے گئے ہیں اور اس میں کچھ شک

نہیں کہ ان کا اکثر و بیشتر حصہ زبانی روایات سے مدون ہوا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ تاریخی واقعات ایک ہی شخص کی تالیف نہیں ہیں، بلکہ مختلف قرون کی مختلف زبان اور قلم کا نقش ہیں، یہودی روایات کے مطابق یہ تاریخی واقعات خود حضرت موسیٰؑ نے قلم بند کئے، لیکن داخلی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات تک واقعات کا سلسلہ مکمل کرنے کے لئے کسی اور شخص مثلاً یشوع نے ان کی دوبارہ تدوین کی ہے۔ خروج ۱۶-۳۵ اور یشوع ۵-۱۲ کا مقابلہ کرو جن میں "مَنّ" کا مذکور ہے کہ بنی اسرائیل چالیس سال تک جو اُن کی دشت نوردی کا زمانہ ہے "من" کھاتے رہے اور جب ارض کنعان کی سرحد میں داخل ہوئے تو "مَنّ" پھر نصیب نہ ہوا۔ وہ گیہوں کھانے لگے۔ ایسی مثالیں بیشمار ہیں۔ خود حضرت موسیٰؑ کی وفات کا تذکرہ اور یہ آیت (استشنا ۳۴/۱۰) کہ "اسرائیل سے کوئی نبی موسیٰ کی مثل اب تک پیدا نہیں ہوا جس سے خداوند ہمکلام ہوتا" آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اور عرصہ بعد استشنا میں داخل ہوئی۔ علاوہ ازیں شہروں اور قصبوں کے نام اُن کی تسخیر کے بعد ہی درج ہوئے، مثلاً جبرون، دان وغیرہما (ملاحظہ ہو استشنا ۲-۱۲، گنتی ۱۵-۲۲، پیدائش ۱۲-۶) ان شہروں کا مذکور اس طرح کیا گیا ہے کہ بوقت تحریر یہ اسرائیلی مقبوضات تھے (پیدائش ۳۶-۳۱) اگر تواریخی واقعات کا جو اسفار موسیٰ اور یشوع اور سموئیل وغیرہا میں مذکور ہیں، مقابلہ طرز تحریر کی بنا پر کیا جائے تو واضح ہوگا کہ ان سب کتب کی تدوین سموئیل کے بعد ۸۰۰ یا چار بارہ ہوئی ہے۔ اب فرض کرو کہ قرآن مجید کی تدوین اس طرح کی جائے کہ تمام احادیث جو صحاح ستہ میں مذکور ہیں آیات قرآنی کے ساتھ ملائی جائیں اور یہ ایک کتاب اسفار موسیٰ کی طرح بن جائے اور صدیوں کے بعد مسلمان یہ کہیں کہ یہ تمام و کمال کتاب الہامی ہے اور خود رسول کریم نے مدون فرمائی تھی تو اہل حدیث کے نزدیک اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ احادیث پر بھی قرآن ہی کی طرح ایمان رکھتے ہیں اور اُن کو وحیِ خفی کہتے ہیں، لیکن کوئی محقق یہ باور نہ کریگا کہ کم از کم وہ حصہ جو تواریخی واقعات پر مشتمل ہے، الہامی ہوسکتا ہے۔ جس طرح احادیث ابوہریرہؓ وغیرہ

ـــــــــــــــــــــــــــــ

۱ اسفار موسیٰ کے متعلق محققین یورپ کے دو نظریے ہیں (۱) اُن کی تدوین اسیری بابل کے بعد مسیحؑ سے دو تین سو سال پیشتر ہوئی، کن روایات سے ہوئی اور اُن کا آغاز کب ہوا؟ رائیں مختلف ہیں (۲) اسفار موجودہ صورت میں بہت قدیم ہیں اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک اُن کی قدامت ثابت ہوسکتی ہے، لیکن مختلف قرون میں اُن کی تدوین ہوتی رہی اور ترمیم و تنسیخ اور عبارت میں کمی بیشی ہوتی رہی اور الفاظ کا تغیر و تبدل بھی ہوتا رہا۔ زمانہ حال میں مصری تہذیب و تمدن اور رسوم وغیرہا کا انکشاف جو کچھ ہوا ہے وہ اسفار کے بالکل مطابق ہے اس لئے بلحاظ تاریخی واقعات حضرت ابراہیمؑ سے حضرت موسیٰؑ تک روایات جو اسفار میں مذکور ہیں صحیح ہیں، اگر بعض ضعیف ہوں تو زمانہ بعد کی

سے مروی ہیں، اسی طرح انجیل بھی حسب روایات متی ولوقا وغیرہما مروی نہیں اور مسیح کے بہت عرصہ بعد ان کی تدوین ہوئی لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ توریت کا وہ حصہ جو شریعت یا توریت سے موسوم ہے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں قلمبند ہوتا رہا اور اکثر لوگوں کو حفظ تھا جو "لاوی" کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن سردست یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم صرف تاریخی واقعات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ملاحدہ عہد حاضرہ کا نقطہ نظر کس حد تک معقول ہے ۔

اگر نظریہ تخلیق عالم وآدم ہمارے زمانہ کے نظریہ سے مختلف بھی ہو پھر بھی توریت کی شان کو بٹہ نہیں لگتا۔ وہ بالکل علیحدہ شے ہے۔ تخلیق عالم وآدم سے اتنا تو واضح ہوتا ہے کہ کل کائنات کا خالق اور پروردگار اللہ تعالیٰ ہے رہی بحث درباره حدوث وقدامت مادہ، یہ بحث قرون اولیٰ کے عام افہام وعقول سے بالاتر تھی اور اگر توریت میں یہ بحث ہوتی تو بنی اسرائیل کی قومیت کبھی ظہور میں نہ آتی۔ توریت زیادہ سے زیادہ اقلیدس کا مقالہ یا ڈارون کی کوئی کتاب ہوتی، تخلیق عالم وآدم کا نظریہ جو اسفار موسیٰ میں پیش کیا گیا ہے، اگر وہی ہے، جو مصر اور بابل کے کتابے، اور ہندوستان کے مندروں کے نقوش واضح کر رہے ہیں تو نتیجہ یہ ہے کہ یہ کوئی نیا نظریہ نہ تھا۔ مصری علوم وفنون میں حضرت موسیٰ بلاشبہ دستگاہ کامل رکھتے تھے، لیکن بابلی اور ہندی عقائد سے یقیناً ناواقف تھے۔ بابل کا عروج حضرت موسیٰؑ کی وفات کے عرصہ بعد ہوا، لیکن بلاشبہ یہ سلطنت اتنی ہی قدیم تھی، جتنی مصری، اور اس میں بھی شک نہیں کہ مصری اور بابلی تہذیب وتمدن سامی تھا۔ صحف ابراہیمؑ بھی اسفار موسیٰ کا ایک جزو ہیں اور جیسا کہ بعض محققین نے واضح کیا ہے، کتاب پیدائش کا جزو اعظم ہیں (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا) اور عقیدہ درباره "الوہیم" (ذات باری تعالیٰ) اور "یہوواہ" (خداوند خدا) نے واضح کر دیا ہے کہ ابراہیمی دین کی بنیاد "الوہیم" پر اور موسوی شریعت کی "یہوواہ" پر قائم ہے، تاریخی واقعات مثلاً تخلیق عالم وآدم وطوفان نوح کے متعلق بھی دو قسم کی مختلف روایات ہیں، جن کے تار و پود کو تیسرے شخص نے بنا ہے۔

ہمیں مصری اور بابلی اور ہندی اساطیر کا علم ہے اور ہمارے ہاتھوں میں وہ دستاویزات بھی ہیں جو ان ممالک کی قدیم یادگاریں ہیں، لیکن ان میں توریت کو جو کچھ امتیاز حاصل ہے اس کا انکار ظلم عظیم ہے۔ توریت وہ کتاب ہے جس میں توحید بلاشائبہ شرک کی تعلیم ہے اگرچہ اسرائیلی ذہنیت اللہ تعالیٰ رب العالمین کے صحیح خیال سے قاصر رہی اور "یہوواہ" کو اپنا واحد قومی خدا سمجھتی رہی، لیکن مشرکین مصر و بابل ہند کی "صنمیات" میں دیوتاؤں اور دیویوں کا کچھ شمار ہی نہیں، اگرچہ تثلیث یا "تری مورتی" کو خاص امتیاز حاصل ہے، اسرائیلی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ابراہیم واسحاق ویعقوب کا خدا دیگر اقوام کا خدا بھی

ہو۔ یہ خدا اُن کا اپنا خدا تھا اور بے مثل ایک تھا، قرونِ اولیٰ کی خصوصیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کچھ بیجا بھی نہ تھا کہ بنی اسرائیل کا خدا اُن کا قومی خدا تھا۔ نہ تو فرعونیت جو ہر ایک قوم کے سر میں سمائی ہوئی تھی، اخوت کو تسلیم کر سکتی تھی اور نہ خود اسرائیلی ذہنی فضیلت یہ گوارا کر سکتی تھی کہ وہ دیگر اقوام کا بھی خدا ہو، لیکن تخلیق عالم میں یہ نظریہ صاف صاف اور ممیز ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ارض وسماو ما بینہما ہے، اس سے زیادہ مذہب کو اُن ایام میں نہ ضرورت تھی اور نہ اُن کے فہم کی رسائی اس حد تک تھی کہ تفصیلات میں اُلجھے۔

کتاب پیدائش میں تخلیق عالم کا جو نظریہ پیش کیا گیا ہے، وہ ایسا عالیشان اور مستحکم ہے کہ عہدِ حاضرہ کی ذہنی کاوش نے اگر کچھ کیا ہے تو وہ زیادہ تر قیاسی تفصیل ہے، "آسمان کی حقیقت" جو پیدائش (۱-۶-۷) سے اخذ کی گئی ہے بیہودہ تاویل ہے جو ملاحدہ کا نقطہ نظر پیش کرتا ہے، ان دو آیات میں صرف بلندی اور پستی کا مذکور ہے جس سے ارضی اور سماوی پانیوں میں تفریق مشاہدہ ہوتی ہے، ان آیات میں نہ آسمان کو ٹھوس مادہ ظاہر کیا گیا ہے اور نہ یہ مفہوم آیات کے کسی لفظ سے واضح ہوتا ہے، "سماء" کے معنی ہی "بلندی" ہے، اور اگر دیدۂ بینا ہو تو اب بھی مشاہدہ ہو سکتی ہے، جو کچھ آج برہنہ آنکھ سے نظر آتا ہے ان ایام میں بھی دکھائی دیتا تھا۔ یہ کہنا کہ توریت کی دیگر متعدد آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کو ٹھوس چیز تصور کیا گیا تھا ظاہر کرتا ہے کہ ان آیات سے صراحتاً واضح نہیں ہوتا، طوفان نوح میں یہ بیان کہ "آسمان کی کھڑکیاں کھول دی گئیں اور دنیا ڈوب گئی" حضرت یعقوب کا خواب کہ "ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی تھی اور فرشتے اُترتے اور چڑھتے تھے" سخن فہمی کی بدترین مثال ہے، اسی باب کی آیت ۲۰ سے ہمارے ہی دعویٰ کی تائید ہوتی ہے کہ "خدا نے پرندوں کو پیدا کیا، جو فضاء آسمانی میں زمین سے اوپر اُڑنے کے قابل ہیں" اگر وہ لفظ جس کا ترجمہ فضاء کیا گیا ہے، کوئی ٹھوس چیز ہوتی تو پرندوں کو پرواز کی اجازت کس طرح دیتی؟ اتنا تو خیال کرنا چاہیئے کہ آخر قرونِ اولیٰ میں لوگوں کو یہی حواس خمسہ اور یہی قلب ملا ہوا تھا، جو ہمارے جسموں کا حصہ ہیں۔ واقعات کا مشاہدہ مختلف نہیں ہو سکتا۔ نظریہ مختلف ہو تو ہو، لیکن اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ـــ توریت کی قدر و منزلت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ایک قوم کی طرح ڈالی اور اس کو معراج ترقی پر پہنچا دیا اور دنیاء کفر و شرک میں توحید بلا شائبہ شرک کا مفہوم واضح کیا، الحاد کی پہلے بھی کچھ کمی نہ تھی اور اگر آج زور پر ہے تو توریت کی عظمت تو بہر حال برقرار ہے، توریت کا تو یہ دعویٰ نہیں کہ وہ کتاب علوم و فنون ہے، وہ تو محض "ہدایت" ہے اور وہ بھی ایک خاص قوم کے لئے، اور اسی قوم کا حق ہے

کہ وہ اسے تنقیدی نگاہ سے دیکھے، کسی اور کو دخل در معقولات کا کیا حق ہے، البتہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ عالم انسانی کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اس پر جرح و قدح کا حق ہر ایک شخص کو حاصل ہے اور اگر کوئی کرے تو ہم بھی غور کریں گے۔

تخلیق آدم کا نظریہ جو کتاب پیدائش پیش کرتی ہے، وہ تو صرف ایک آیت میں مذکور ہوا ہے کہ "خداوند خدا نے آدمی کو خاک زمین سے پیدا کیا، اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا اور آدمی زندہ روح ہوگیا" (پیدائش ۲-۷) اس آیت میں لفظ آدمی ہے، اور اگر آدم ہی مراد ہو تو کچھ قباحت نہیں، بہرحال آدم کی ابتدا طین سے ہوئی اور اسے موجودہ سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔

یہ کرہ جو ارض کے نام سے موسوم ہے، ابتدا میں آتشیں سمندر تھا اور رفتہ رفتہ اس کی سطح سرد ہوتی گئی اور مختلف دوروں سے گذرتا ہوا یہ ارض بنا جیسا کہ قرآن عظیم کی آیات سے واضح ہوتا ہے، لیکن توریت میں اس کا مذکور بالکل مجمل ہے اور اس کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب پانی بن چکا تھا اور کچھ شک نہیں کہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ ایک وقت تمام سطح زمین پر پانی تھا جو سطح کو بتدریج سرد کرتا رہا۔

قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ توریت میں تخلیق آدم کا قصہ استعارہ میں بیان کیا گیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہر ایک آدمی کی سرگذشت ہے، قرآن میں تخلیق آدم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ علوم جدیدہ کے مخالف نہیں، بلکہ علوم جدیدہ سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ قرآن و توریت علوم کی کتابیں نہیں جو تدبر و تفکر سے حاصل ہوتے ہیں، لیکن قرآن چونکہ علوم و حکمت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس لئے وہ اُن علوم کو بھی اشارات میں بیان فرماتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَخَلَقَ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق نفس واحدہ سے ہوئی۔ اور دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ابتداءً "طین" سے ہوئی، "طین" کی بھی تشریح کی گئی کہ وہ کیسی مٹی تھی اور کس حالت میں تھی، پھر یہ بھی ارشاد ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ یعنی اس کا قوام بہترین تھا کہ اس میں "اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ" غیر محدود ترقی کی قابلیت ودیعت کی گئی، اور یہ بھی ارشاد ہے کہ یہ نوع جمادات سے نباتات میں اور پھر حیوانات کے طبقہ میں آیا اور آخر انسان بنا "نفس واحدہ" کی تشریح کی ضرورت نہیں، جو بات ڈاروِن نے تذبذب میں اپنی کتاب "ابتداء انواع" کے آخر میں کہی کہ ممکن ہے کائنات کی تخلیق گنتی کے چند نفوس سے ہوئی ہو جیسا کہ عام حکماء کا خیال ہے یا "نفس واحدہ" سے، وہ قرآن نے صاف صاف لفظوں میں بیان

کی ہے کہ کل کائنات "نفس واحدہ" سے پیدا ہوئی، اور اسی طرح ہر ایک نوع کی پیدائش بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے نفس واحدہ سے ہوئی، قوانین اختلاف اور انتخاب طبعی جن کا مذکور قرآن میں مختلف پیرایوں میں مفصل ہے "نفس واحدہ" پر اثر انداز ہوئے تو ایک سے دو ہوئے، اور دوسرا "زوج" انہی قوانین کے تحت بنا، طبقہ نباتات میں "نفس واحدہ" عام ہے، لیکن طبقہ حیوانات میں صرف ادنیٰ درجہ کے حیوانات میں ملتا ہے، جو خود بخود بارور ہوتے ہیں۔ زن و مرد کی کثرت قوانین اختلاف کے تحت ہی ممکن تھی، زن و مرد کے اعضا میں اختلاف اُن کے جائز استعمال کی وجہ سے ہے، مرد میں پستان صرف ایک نشان شہادت ہی رہ گیا ہے کیونکہ زمانۂ نامعلوم سے بیکار ہیں اور عورت میں اس کے استعمال کی وجہ سے ترقی یافتہ ہیں۔ اسی پر دیگر اعضاء کو قیاس کرو کسی شے کا استعمال اُس شے کی شکل و صورت بنانے میں مدد دیتا ہے۔ قرآن میں ان قوانین کا مذکور ہے۔ مناسب مقامات پر حوالہ و تشریح کی جائیگی۔ قرآن توریت کی تصدیق کرتا ہے، جبکہ قرآن کی صداقت علوم جدیدہ کی رو سے ثابت شدہ امر ہے تو توریت کی صداقت کا انکار علوم جدیدہ کس طرح کر سکتے ہیں؟ ڈارون کا نظریہ تخلیق انواع ایک نظریہ ہے، کچھ ثابت شدہ امر نہیں، اس سے پیشتر بھی یہی نظریہ تھا، میرزا عبدالقادر بیدلؒ فرماتے ہیں

ہیچ شکل بے ہیولیٰ قابل صورت نشد
آدمی ہم پیش ازاں کادم شود بوزینہ بود

بعض حکماء اسلام کا بھی یہی نظریہ تھا، لیکن یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے "باغ عدن اور آدم" پر مختصر بحث ہم کر چکے ہیں۔

"طوفان نوح" کا قصہ امم سامیہ میں روایت ہوتا چلا آیا، چنانچہ زمانہ حال کے اکتشافات نے بابلی کتابوں سے تصدیق کر دی، ارشاد قرآن ہے کہ کوئی قریہ ایسا نہیں جہاں ہم نے اپنے رسول مبعوث نہیں کئے، اگر مصر و عراق و شام و ہندوستان میں پیغمبر گذرے ہوں اور توریت کے قصص ان ممالک کے افسانوں کے مطابق ہوں جو اب "صنمیات" رہ گئے تو توریت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ طوفان عالمگیر نہ تھا، لیکن یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ روایت ہوتا رہا، یہ روایت طوفان خفیف اختلاف کے ساتھ کل اقوام میں محفوظ ہے، — یہ قیاس کہ حضرت نوحؑ کے وقت دنیا اسی طرح آباد تھی جیسے اب ہے غلط ہے، اب فرض کرو کہ عراق یا اور کسی ملک میں انسانی آبادی محدود تھی اور اس جگہ طوفان آیا اور سوائے چند نفوس کوئی نہ بچا، اس میں کونسی عجیب بات ہے، ایک ہی زلزلہ سے عالیہا سافلہا ہو جاتے ہیں

نظریہ تخلیق آدم میں آدم اور اس کی زوجہ سے یہ کثرت ہوئی، جواب مشاہدہ ہو رہی ہے، تو چند نفوس سے ناممکن ہے، پہلے کا نظریہ یہ ہے کہ آدم ہر ایک ملک میں علیحدہ علیحدہ خلق ہوئے، جو دعویٰ ہی دعویٰ ہے، اور قیاس سے اور قانون ارتقاء کے خلاف ہے۔ بہرحال طوفان نوح کا واقعہ جیسا کہ کتاب پیدائش میں مذکور ہے، ایک واقعہ تو ہے لیکن تفصیل میں ایسی روایات بھی داخل ہوگئی ہیں، جو دور از کار معلوم ہوتی ہیں اور قرآن ان کی تصدیق نہیں کرتا، اور یہ قصص توریت کا الہامی حصہ نہیں ہیں۔

"برج بابل" مشہور عمارت تھی اور ان ایام میں ایک خاص عمارت تھی، بابل جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے وسیع رقبہ پر آباد تھا اور اس جگہ مختلف قوموں اور مختلف بولیوں اور رنگتوں کا اجتماع تھا، اور اُن کی بولیوں میں اختلاف تھا، بات یہ ہے کہ اُمم سامیہ کی ابتدائی زبان ایک ہی تھی اور رفتہ رفتہ ان میں بھی اختلاف رونما ہوا، اور اختلاف کے بعد فساد اور خانہ جنگی کا ظہور ہوا۔

تاریخی واقعات بہرحال روایات سے مرتب ہوئے اور صدہا سال کے بعد، یہ واقعات اسرائیلی قومیت کی مکمل تاریخ ہے، اور اگر ان میں کچھ مبالغہ ہو یا درایتاً روایات ضعیف ہوں، تو یہ اسرائیلیوں کا کام ہے کہ اس طرف توجہ کریں، جہاں تک مذہب کا تعلق ہے اور جس کا اثر عالم انسانی پر پڑتا ہے "نگار" نے کچھ نہیں لکھا۔ اتنا کہہ کر خاموشی اختیار کی ہے کہ توحید کا عقیدہ بھی کوئی نیا نہ تھا، ہم کب کہتے ہیں کہ نیا تھا لیکن دنیا فراموش کر چکی تھی، اور اس کی جگہ کفر و شرک رائج تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کا احیا کیا اور آج عالم انسانی کا غالب حصہ اسی ملت ابراہیمی پر ہے، حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ پر مفصل مقالہ "بیان" کے تحت لکھا جائیگا۔

جو شخص "بلند آہنگی" سے یہ کہتا ہے کہ "ہندوؤں کے علم الاصنام میں رامائن اور مہابھارت بڑے مرتبہ کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے اخلاق و عمل کی نہایت بلند تعلیم دی گئی ہے، اسی طرح وہ روایتیں جو کرشن جی کی زندگی کے متعلق ہیں، بہت گہرے اور وسیع معانی اپنے اندر رکھتی ہیں، بھگوت اور پرانوں میں جو روایات پائی جاتی ہیں ان میں اکثر وہ ہیں جن میں کوئی سیاسی یا معاشری درس دیا گیا ہے یا کوئی اخلاقی تعلیم" وہ اگر ملاحدہ کے نقطہ نظر سے توریت میں صرف مضحکہ خیز خرافات ہی مشاہدہ کرتا ہے تو اسے محققانہ بحث سے دور کی نسبت بھی نہیں۔

پروفیسر براؤن نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب میں لکھا ہے کہ ژند اوستا کی تالیف و تصنیف کا زمانہ

(باقی برصفحہ ۵۴)

اسلام کا مطالبہ مسلمانوں سے

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔اے)

برادران ملت!

میرے خطبہ کا موضوع تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ "اسلام کا مطالبہ عالم انسانی سے کیا ہے؟" کیونکہ رسول کریمؐ کوئی قومی نبی یا رسول نہ تھے، آنحضرتؐ تمام عالم انسانی کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے، اس لیے قرآن عظیم کے مخاطب تمام اہل کتاب اور غیر اہل کتاب ہیں، اور قرآن واضح فرما رہا ہے کہ یہودیت اور مسیحیت دو شاخسانے ہیں جو ملت ابراہیمؑ میں لوگوں نے نکالے، اس پر بھی قرآن نہ تو یہودیوں کی قومیت اور نہ نصاریٰ کی مسیحیت کے خلاف کچھ کہتا ہے، بلکہ توریت و انجیل کی تصدیق فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۶/۱۳

اے اہل کتاب تم کوئی شے نہیں جب تک تم توریت اور انجیل اور جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے قائم نہ کرو،

ان آیات سے پہلے یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم ۶/۱۳

اگر اہل کتاب توریت اور انجیل کو اور جو کچھ اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نازل ہوا ہے قائم رکھیں تو اپنے اوپر اور پاؤں کے نیچے سے رزق پائیں۔

بات یہ ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ "قرآن کا مطالبہ اہل کتاب سے صرف اتنا ہی ہے کہ جس کتاب سے تمہارا قیام ہے پہلے اس کو تو قائم کر کے دکھاؤ، یعنی اس ہدایت پر عمل کرو جو اس کتاب کا منشاء ہے، جب خود تمہارا اس کتاب پر عمل نہیں تو عملاً تم اس کتاب کو جھٹلا رہے ہو، غرض یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے ایمان و عمل سے نیک شہری بنیں اور ان میں شر انگیز اختلاف مٹ جائے جو ان میں بوجہ حسد و عداوت پیدا ہو گیا ہے، اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی کہ

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا

آؤ ہم ایک ایسی بات پر جو ہم میں ایک ہے اتفاق

نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا ۳/۱۵

کریں کہ اللہ ہی کی بندگی کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے اور اپنے احبار و مشائخ وغیرہا کو ارباباً من دون اللہ نہ بنائیں گے۔

ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو دعوت اتحاد و عمل دی گئی کیونکہ اسلام اصل مذہب سب کا ایک ہی ہے، لیکن وہ اختلاف جو شرک کی حد تک پہنچتا ہے اور جو اہل کتاب کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے اصل دین اسلام کے کسی طرح مناسب نہیں، یعنی شخصیت پرستی من دون اللہ، اگر اہل کتاب اسے ترک کر کے توریت اور انجیل کی خاص تعلیم توحید پر قائم ہو جائیں تو جزئی اختلافات نظرانداز ہو سکتے ہیں،

یہ مطالبہ قرآن عظیم کا اہل کتاب سے ہے، لیکن جب خود اہل اسلام ہی اسی فتنہ میں مبتلا ہوں جس میں اہل کتاب ہیں تو مسلمان کس منہ سے انھیں اتحاد عمل کی دعوت دے سکتے ہیں، حالانکہ قرآن حکیم مسلمانوں کو پیش از وقت آگاہ کر چکا ہے کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۳/۳

اللہ کی دستاویز سب مل کر مضبوط پکڑے رکھو اور تفرقہ نہ ڈالو۔

اور تفرقہ کے سد باب کا طریقہ بھی بتا دیا کہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۳/۳

اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی دعوت دیا کرے اور پسندیدہ دستور کا امر کرے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرے، یہی لوگ فلاح پائیں گے

ایک سبب سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس لیے اہل کتاب کے شرانگیز اختلافات اور تفرقہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جو ان میں فرقہ بندی سے پیدا ہوا

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۳/۳

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے بینات (توریت و انجیل و صحف انبیاء) آنے کے بعد تفرقہ اور اختلاف ڈالا اور عذاب عظیم انہی کو ہے۔

مسلمانوں کو کچھ اس تفرقے سے جو اہل کتاب میں ہے عبرت حاصل کرنی چاہیے تھی، لیکن وہ بھی اسی فتنہ میں مبتلا ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے خطبہ کا موضوع بدل دیا اور "اسلام کا مطالبہ مسلمانوں سے" رکھا۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے اکثر سمجھتے ہیں کہ اسلام کا مفہوم کیا ہے، چونکہ خود میری عمر کا اکثر حصہ غلط فہمی میں گذرا ہے اور میں جانتا ہوں میری طرح اکثر مسلمان رہنما مسلمان ہیں اور بالخصوص سکولوں اور کالجوں کے طلباء جنہیں اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا وقت بہت کم ملتا ہے حقیقت اسلام سے ناواقف ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اسلام کا مفہوم واضح کر دوں، اس کے بعد آپ خود بخود سمجھ جائیں گے کہ اسلام کا مطالبہ آپ سے کیا کچھ ہے۔

برادران ملت! مجھے ایک بات کا ڈر ہے اور اس کا اظہار میں پہلے ہی کئے دیتا ہوں، آج عالم اسلامی پر بے حسی اور ذھنی جمود اس حد تک ہے کہ اگر کوئی بندۂ خدا بہ تقاضائے اخوت حقیقت اسلام بروئے آیات قرآن واضح کرتا ہے تو اس پر فرقہ پرست تفرقہ پرداز ہر طرف سے کفر کے فتووں کی بوچھار کرتے ہیں، اور عوام چونکہ اُن کے قبضہ میں ہیں وہ بھی یہ سمجھ کر کہ ایک کافر کی بات کیوں سنیں کچھ نہیں سُنتے، ممکن ہے کہ بعض اشخاص ملحد ہی ہوں اور نیک نیتی سے اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوں یا بعض مسلمانوں کے لباس میں الحاد کی اشاعت دانستہ کرتے ہوں، لیکن یہ ہماری غفلت کا نتیجہ ہے کہ ہم ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ جاتے ہیں، یہ قرآن سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر ایک شیطان کے فریب میں آ کر گمراہ ہو جاتے ہیں، اس لیے اول تو ہر ایک مسلمان کو مناسب ہے کہ وہ خود محقق ہو اور اس کا ایمان و عمل علیٰ بصیرت ہو دوسرے اس جماعت کا فرض ہے جس کا ذکر قرآن کی آیات میں کیا گیا ہے، کہ دعوت الی اللہ علیٰ بصیرت کرتی رہے،

مسلمانوں کی اسلام سے ناواقفیت بیگانگی کی حد تک پہنچ چکی ہے، اور اس لیے وہ آسانی سے ہر ایسے شکاری کا شکار ہو جاتے ہیں جو بولیاں تو اہل اللہ کی بولتا ہے، لیکن دام فریب بچھا رکھا ہے

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں
تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں

اگر ہم قرآن کا مطالعہ اس طرح کریں جس طرح طالب علم اپنی کتابوں کا کرتے ہیں تو یقیناً ہم اس امتحان میں جو دنیا میں ہو رہا ہے اور آخرت میں ہونیوالا ہے کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرات! اسلام کا مفہوم یہی کچھ ہے جو لفظ "سَلْمٌ" سے مشتق ہے جس کے معنی سلامتی ہے یا محفوظ رکھنا یا رہنا آفات سے ہے جو ہماری زندگی کے لیے مضر ہیں، خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی، "وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ" یعنی اللہ نے بچایا، "وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ" اور اللہ

سلامتی کے ٹھکانہ کی طرف بلاتا ہے، "سُبل السلام" سلامتی کی راہیں، "سلامٌ" خود اللہ تعالٰی کا اسم مبارک ہے، یعنی وہ ذات جو تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے اور سلامتی والی ہے، اُردو میں بھی ہم اسی کے مشتقات استعمال کرتے ہیں، "صحیح و سالم" اور "سلامت روی"۔ "سِلم" بکسر سین کے معنی "صلح" اور "سُلّم" بضم سین و شد کے معنی زینہ یا سیڑھی جو بلندی کی طرف چڑھنے کا ذریعہ ہے اور اس لیے ترقی کا ذریعہ، "قلب سلیم" وہ دل ہے جو مطمئن ہو اور ہر ایک ضرر اور آفت سے محفوظ ہو "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" اسلام ہی "صراط مستقیم" ہے

کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

دین ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے اور ایک ہی ہونا چاہیئے، یہ دین اللہ، دین الحق ہے اور یہی اسلام ہے، یعنی یہ دین اللہ تعالٰی کی ذات سے وابستہ ہے جو "حی القیوم" ہے اس لیے زندہ اور قائم بالذات ہے، یہ دین کسی شخصیت من دون اللہ سے وابستہ نہیں جیسا کہ مسیحیت ہے جسے مقدس پولوس نے جو حواریان مسیحؑ سے نہ تھا اختراع کیا اور اسے زندہ رکھنے کے لیے مسیحؑ کو "اُلوہیت" کا درجہ دیا، چونکہ یہ عقیدہ توریت کے سراسر مخالف تھا اس لیے توریت کو عہد عتیق کہکر منسوخ قرار دیا، فاضل رینان تاریخ کلیساء مسیحی میں لکھتا ہے کہ حواریان مسیح اپنے آپ کو "اخوان" اور "مومنین" کہتے تھے، اسم "مسیحیت" مقدس پولوس کی ایجاد ہے اور اسی نام نے حاملان توریت اور مسیحیوں میں ہمیشہ کے لیے تفرقہ ڈال دیا۔

حضرات! آپ ذرا ٹھنڈے دل سے ان ناموں میں تدبر کریں جو خود مسلمانوں نے اپنے لیے امتیازی تجویز کر رکھے ہیں، اور غور کریں کہ ان ناموں نے کیا کچھ فرقہ بندی اور تفرقہ پردازی عالم اسلامی میں نہیں کی، اس میں کچھ شک نہیں کہ ارتقاء قانون اختلاف کے تحت ہوتا ہے اور فطری اختلاف "رحمت" ہوتا ہے کیونکہ ذہنی ارتقاء کا محرک ہوتا ہے، لیکن وہ اختلاف جو خبث نفس پیدا کرتا ہے، اُلٹا پستی کی طرف لے جاتا ہے، لیکن فطری اختلاف اور تفرقہ پردازی کے مفہوم میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، اس فطری اختلاف کا مذکور میں آگے چل کر کرونگا، سردست ان تفرقہ انگیز ناموں کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ ایک فرقہ دوسرے فرقے کو بے تکلف کافر کہتا ہے، اور اگر ان کا فتویٰ صحیح ہو تو فرمائیے دنیا میں کون مسلمان ہے، یہ تو وہی یہود و نصاریٰ کا اختلاف ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں "وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ" ایک جدید فرقہ نے یہاں تک غلو کیا ہے کہ اُن کے امام نے صاف صاف

لفظوں میں اعلان کردیا کہ "مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہمیں کافر کہیں، اور ہمارا فرض ہے ہم انھیں کافر کہیں"۔ اس اعلان نے اس جماعت کو مسلمانوں سے بالکل علیحدہ کردیا، اب وہ ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے نزدیک یہودی یا عیسائی، کیونکہ وہ کسی بات میں عام مسلمانوں سے اتحاد نہیں رکھتے،

"اسلام" کسی قومیت یا ملک سے بھی وابستہ نہیں جیسے یہودیت یا ہندویت ہے، شخصی یا قومی یا ملکی مذاہب، شخصیت من دون اللہ یا کسی قوم یا کسی ملک سے وابستہ ہیں اور ان کے باہر معدوم ہیں، بفرض محال اگر مسیح زندہ بھی ہوں اور یہود کی قومیت اور "ہندوازم" کا ہندوستان تا ابدالاباد قائم بالذات بھی رہے پھر بھی یہ مذاہب تمام عالم انسانی کا دین نہیں ہوسکتے، مسیح کی طرح ہندوؤں میں اوتاروں اور دیوتاؤں کی کمی نہیں جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اب تک سنے جاتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو چھوڑ کر غیر قوم کے اوتار یا دیوتا کے آگے کیوں جھکنے لگے، اسی طرح نہ کوئی پیدائشی یا مصنوعی ہندو ہوا اور نہ "برہم ودیا" کا استحقاق حاصل کرسکتا ہے، اور یہی کیفیت یہودیت کی ہے کہ نہ کوئی یہودی ہو سکے اور نہ اسرائیل کی طرح خدا بیٹا بلکہ پوتا بن سکے۔

اسلام عالمگیر دین الفطرت ہے

لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | اللہ ہی کے حضور ہر ایک شے سر تسلیم خم کرتی ہے۔

اسلام کل کائنات کا عالمگیر دین الفطرت ہے جس میں عالم انسانی بھی شامل ہے، اور اس لیے

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ | دین جو اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے یہی اسلام ہے،

یہ دین الفطرت چونکہ ایک ہی ہے اس لیے اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تمام انبیاء اور رسل اور رشی اسی دین کی تبلیغ اور پرچار اپنی اپنی قومی زبان میں اپنے زمانہ کے عام فہم کے مطابق کرتے رہے، چنانچہ قرآن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ کوئی قریہ، کوئی بستی ایسی نہیں جہاں انبیاء اور رسل پیغام حق لے کر نہیں آئے، لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ - لِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ " تفرقہ انگیز اختلاف لوگوں نے بعد میں پیدا کیا، آپ دور کیوں جاتے ہیں اپنے ہی گھر کا حال دیکھ لیں، رسول کریمؐ کے زمانہ میں یہی قرآن تھا، جو جامع و مانع کتاب اصول دین ہے، قرآن خود کتاب احکام و امثال و قصص نہیں جیسا کہ توریت و انجیل و صحف انبیاء ہیں، لیکن اصل کی تشریح احکام و امثال و قصص سے فرماتا ہے، کوئی کتاب جامع و مانع کتاب احکام و امثال و قصص نہیں ہوسکتی، حالات بیشمار اور غیر محدود ہیں اور

یشہ بدلتے ہیں اور احکام حالات کے مناسب ہوتے ہیں، اس لیے حالات کے ساتھ احکام بھی بدلتے ہیں
ر قرآن توریت کی طرح کتاب احکام ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کے احکام کسی زمانہ میں حالات کے بدلنے
بدلتے، لیکن چونکہ قرآن جامع و مانع کتاب اصول ہے اور اصول فطری ہوتے ہیں اس لیے وہ
بدیل و تحویل نہیں ہوتے اور دائمی صداقت ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن محفوظ اور دائمی کتاب
ایت ہے۔

" ازمنہ تاریک میں جسے قرآن میں ایام جاہلیت سے تعبیر کیا گیا ہے، فہم انسانی بالغ نہ تھا،
وران ایام میں احکام ہی دیئے جا سکتے تھے، ان احکام کی حکمت اور اصول حکمت واضح کرنا عام فہم انسانی
سے اعلیٰ و ارفع تھا، احکام کا وضع کرنا ان ایام میں انبیاء کا کام تھا، یہی وجہ ہے کہ ان ایام جاہلیت میں
وکیت یعنی دنیوی حکومت اور نبوت یعنی دینی حکومت شخصی تھی اور ان ایام کی خصوصیت کے لحاظ
سے بہت بڑا انعام الٰہی تھا جس سے قوموں کا عروج ہوا، ان ایام کی تاریخ ملوک اور انبیاء کی تاریخ
ہے اور یہی امور دنیوی اور دینی کا مرکز تھے، آنحضرت کی بعثت پر ایام جاہلیت کا خاتمہ ہو گیا اور
خصی حکومت جمہور میں منتقل ہو گئی، یہی وجہ ہے کہ وہ کام جو پہلے شخصی تھا اب اُمت کے سپرد
ہوا، چنانچہ پہلے آنحضرت کو ارشاد ہوا کہ ایک اُمت تیار کی جائے جس کا کام امر معروف و نہی عن
لمنکر ہو، اور وہ عالم انسانی پر ایسے ہی شہدا ہوں جیسے آنحضرت ان پر شہید ہیں، یہ اُمت طیار
ہو گئی تو اس کو "خیر اُمت" کا خطاب ہوا، پھر آنحضرت کو ارشاد ہوا کہ "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"
ور خود اس اُمت کے امور شوریٰ میں سر انجام پانے لگے، "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"۔
تم نبوت کا یہی مفہوم ہے کہ ازمنہ تاریک کی شخصی حکومت دنیوی یا دینی ختم ہو گئی، خود واقعات
ہادت دے رہے ہیں کہ آنحضرت خاتم النبیین ہیں، وہ شخصی حکومتیں کہاں ہیں، اب تو ایک
م ہی نام ہے اور وہ بھی رفتہ رفتہ مٹ جائیگا۔ وہ مطلق العنان بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور
سی طرح شخصی نبوت بھی ختم ہو گئی، اس موضوع پر میں مفصل بحث اس صحبت میں نہیں کر سکتا۔
ود آنحضرت نے اپنی مثال سے ثابت کر دیا کہ آنحضرت نہ حفیظ ہیں اور نہ وکیل اور جابر حکمران ہیں،
ور قرآن نے اعلان فرما دیا کہ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" یہ امتیاز جو
ہدایت و گمراہی میں نمایاں ہوا فہم انسانی کے بلوغ پر دلالت کرتا ہے اور اس لیے شخصی سر پرستی
ختم ہو گئی،

جس مجموعہ کو ہم "احادیث" سے تعبیر کرتے ہیں وہ آنحضرت کا قول یا فعل ہے یا صحابہ کے اقوال و اعمال ہیں جو آنحضرتؐ کے روبرو ہوئے، یہ احادیث کئی قسم کی ہیں، لیکن میں صرف ان احادیث کو لیتا ہوں جو دین کے متعلق ہیں، یعنی احکام و ہدایات جو آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ کے ذہنی و خارجی حالات کے تحت صادر فرمائے، یہ وہ اجتہادات یا فقہ ہے جو خاص آنحضرت سے منسوب ہے، قرآن تو کتاب اصول ہے، ان اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جو بذریعہ وحی نازل ہوئے، آنحضرتؐ حالات ذہنی و خارجی کے مناسب جو عقلی اجتہاد فرماتے رہے وہ احادیث ہیں، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ آنحضرتؐ سے کچھ بہت مختلف نہ تھا، اس لیے ان ایام میں احادیث سے ہی ائمہ دین نے فائدہ اٹھایا اور اپنے زمانہ کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب فقہ کی تدوین کی، یہ فقہ ائمہ دین کا عقلی اجتہاد اسی طرح تھا جس طرح آنحضرتؐ اور خلفاء کا، اور وقتی تھا۔ اب قرآن اور احادیث اور فقہ مل کر "شرع محمدی" سے موسوم ہوئی، اگر احادیث کفایت کرتیں تو فقہ ائمہ دین بے معنی شے تھی، اس کے بعد مسلمانوں میں ذہنی جمود پیدا ہو گیا، ضرورت تو ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک میں تھی کہ ائمہ دین پیدا ہوتے رہیں، اور اپنے زمانہ اور ملک کے حالات کے مناسب احکام وضع و اضح کرتے رہیں، چنانچہ ابوالفضل لکھتا ہے کہ "گر بوحنیفہ در زمان ما بودے فقہ دیگری نوشت"۔ حالات بہت بدل گئے تھے، اور حالات کے مناسب فقہ کی تدوین از سر نو ہونی چاہیئے تھی، لیکن ذہنی جمود نے یہی کافی سمجھا کہ آج سے بارہ تیرہ صدی پیشتر کے جو حالات تھے انہی میں زندگی بسر کریں، زمانہ اس کا ساتھ دیتا ہے جو زمانہ کا ساتھ دیتا ہے۔ زمانہ ترقی کر رہا ہے، اور ترقی کرتا رہیگا، اس لیئے جو زمانہ کی ترقی کا ساتھ دینا چاہتے ہیں اُن کی رفتار زمانہ کی ترقی کے ساتھ ہونی چاہیئے، جو پیچھے رہ گئے وہ پیچھے ہی رہیں گے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان پیچھے رہ گئے، اُن کے ذہنی جمود نے جو لازمانہ ہونا تھا نئے مذہب یا فرقے بنالیے اور مذہب کو ائمہ دین کی شخصیت سے وابستہ کر دیا، امام جعفر صادق، امام ابوحنیفہ ... وغیرہما کا مذہب جو وقتی تھا اُن کے لیے دائمی ہو گیا، اختلاف تو تھا ہی جو اگر فطری ہوتا پھر بھی وقتی تھا، لیکن جب بالاستقلال قائم ہو گیا تو شرک کی صورت اختیار کرلی، بعض لوگ ہیں ... جو ان حالات کو بزعم خود پیدا کر رہے ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں رونما ہوئے تھے، یہ فطرۃً ناممکن ہے وہ اپنی زندگی ناممکنات میں بسر کرنی چاہتے ہیں .... (۱۲)

بات صرف اتنی ہے کہ قرآن کتاب اصول دائمی اور اجتہادات عقلیہ وقتی ہیں خواہ وہ کسی شخص سے

بڑے انسانی دماغ کا نتیجہ ہوں، یہ دونوں امور یعنی قرآن اور اجتہادات عقلیہ قرآنی اصول کے تحت اسی طرح جاری رہیں گے جس طرح آنحضرتؐ اور خلفاء اور ائمہ دین کے زمانہ میں تھے،

ہمارے لیے قرآن کے علاوہ دیگر مذہبی کتب بھی نہایت مفید ہیں، اور ہم ان سے بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت اجتہادات عقلیہ سے بڑھ کر اور کچھ نہیں، اور یہ کام حسب ارشاد الٰہی اُمت مسلمہ کے سپرد ہو چکا ہے جس کی طرح خود آنحضرتؐ نے ڈالی تھی، مسلمانوں کے ذہنی جمود کا نتیجہ وہی کچھ ہونا تھا جو بعثت سے پیشتر یہود و نصاریٰ کا ہوا، اُنھوں نے دین کو شخصیت من دُونِ اللہ سے وابستہ کرتے ہوئے اپنے مقتداؤں کو "معصوم" تصوّر کیا، اور اس طرح نیک انسانوں کی عصمت کو اپنا عقیدہ بنالیا، اس کے بعد دوسرا قدم "اُلوہیت" کا تھا، اور یہ بھی بعض فرقوں کا عقیدہ ہے ورنہ عملاً تو اکثر فرقوں کا ہے۔

رسول کریمؐ کی نسبت تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کو تمام انبیاء ورُسل پر فضیلت ہے، اگر خود آنحضرتؐ اجتہاد میں بعض اوقات غلطی کرتے رہے ہوں تو دیگر انبیاء و رسل اور ائمہ دین کا معصوم عن الخطاء سمجھنا محض عقیدت ہی ہے، سورہ تحریم کا مطالعہ کرو، اس کے علاوہ اور بھی اجتہادی غلطیاں ہیں، جو اجتہادی غلطیاں اس قبیل کی ہیں جن کا اثر اصول دین پر پڑتا ہے اُن کے متعلق اللہ تعالےٰ کی طرف سے تنبیہ ہوئی، دیگر فروعی امور قابل ذکر نہیں، ایسی اجتہادی غلطیاں احادیث سے مل سکتی ہیں، شخصی اجتہاد میں غلطی کا احتمال بہت ہے۔" اجتہاد فی الشوریٰ" میں یہ احتمال کم رہے، اس لیے فقہا نے اجتہادی غلطی کو بھی ثواب کا درجہ دیا ہے کہ جہاں تک عقل کام کرتی ہے نیک نیتی سے احکام وضع ہو سکتے ہیں، خواہ وہ غلط ہی ہوں، اور غلطی کا احساس نتائج کے بعد خود بخود ہو جاتا ہے اور یہ غلطی ہی ارتقاء میں مدد دیتی ہے۔ انسان اگر دیگر حیوانات کی طرح غلطی نہ کرتا تو انسان نہ ہوتا، دیگر حیوانات کی طرح ایک ہی روش پر آفرینش سے چلتا اور ترقی نہ کرتا۔

برادرانِ ملت! ہم نے قرآن عظیم کو کس حد تک مہجور بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے لیے عالمگیر دین الفطرت اسلام پسند فرمایا اور ہمارا نام "مسلمین" اسی مناسبت سے تجویز فرمایا جس کا مفہوم میں واضح کر چکا ہوں، لیکن ہم نے دین کو شخصیت من دون اللہ سے وابستہ کر دیا اور اپنے لیے امتیازی نام مختلف تجویز کیے، کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ذرا تدبر کریں کہ ہم قرآن

مجید کے خلاف تو نہیں جا رہے، یقیناً ہم خلاف جا رہے ہیں، اگر دین کسی شخصیت سے وابستہ ہوتا تو رسول کریم کی شخصیت سے ہوتا اور قرآن ہمارا نام محمدی یا احمدی تجویز کرتا، لیکن خود رسول کریم ؐ اول المسلمین ہیں۔ رسول کریم ؐ کا اسوہ حسنہ چھوڑ کر جو قرآن میں مفصل مذکور ہے ہم کدھر جا رہے ہیں، رسول کریم تو "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کا اتباع کرتے تھے اور ہمیں بھی کرنا چاہئے، یہی اسلام، یہی صراط مستقیم ہے

حضرات! بقول حجۃ الاسلام امام غزالیؒ دین میں قرآن اور معقولات میں برہان" ارشاد الٰہی ہے کہ

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۱۰/۱۱ | اللہ ان پر نجاست ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے

رسول کریم ؐ اور خلفاء اور ائمہ دین سب اپنی بشری عقل سے کام لیتے رہے، اور مسلمان منازل ارتقاء طے کرتے رہے، لیکن ادھر عقل و فکر کو چھوڑا اُدھر تنزل شروع ہو گیا، آج جو کچھ حالت ہے ہم سب دیکھ رہے ہیں، واقعات اور اُن کے نتائج سے چشم پوشی کرنا حماقت ہی نہیں ہلاکت ہے مسلمانوں کے تنزل پر نظر کرتے ہوئے بعض حضرات نے یہ قیاس کیا ہے کہ اسلام ہی اس کا ذمہ وار ہے، اس لیے بعض حضرات اگر علانیہ دین سے علیحدہ نہیں ہوئے تو درپردہ ہو چکے ہیں، ایک وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی پسندیدہ زندگی لوگوں کو اسلام کی طرف کشش کر رہی تھی، اور آج ہم ہیں جو ننگ۔ اسلام ہیں، قرآن کے مطالعہ کے بعد انصاف پسند طبائع اعلان کرتی ہیں کہ یہی بہترین مذہب ہے، لیکن مسلمانوں کو دیکھکر کہتے ہیں کہ اگر اسلام قبول کریں تو کس فرقہ کا کہ ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے سبحان اللہ! ایک وہ وقت تھا جب اُمت مسلمہ کافروں کو مسلمان بناتی تھی اور آج یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو کافر بنا رہی ہے، اشاعت اسلام کون کریگا، جب خود مسلمان کفر کی اشاعت میں سرگرم ہوں،

چونکہ ہم نے کھلے بندوں اللہ تعالےٰ کے ارشاد "لَا تَفَرَّقُوا" کی خلاف ورزی کی ہے اس لیے ہم فتنۂ تفرقہ میں مبتلا ہو گئے، آپ جانتے ہیں کہ جب گھر میں پھوٹ ہو، تو دشمن کا بیرونی حملہ کارگر ہوتا ہے، اور ایسے ہی وقت کا انتظار دشمن کرتا ہے، میں آپ کو ایک اور خطرہ عظیم کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، یہ بیرونی حملہ اسلام پر ہر طرف سے ہو رہا ہے، اور ان کی طرف سے بھی ہو رہا ہے جو شجر و حجر کو پوجتے ہیں، "تفو باد بر چرخ گرداں تفو" — یہ انتہائی ذلت و مسکنت ہے

لیکن میں اس حملہ کا ذکر نہیں کرتا، خطرہ عظیم اس حملہ کا ہے جس کے ساتھ علم و حکمت کا لاؤ لشکر ہے، پرانی وضع کے لوگ اس سے بے خبر ہوں تو ہوں لیکن نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل پر اس کا رعب چھایا ہوا ہے، ابھی وقت ہے کہ آپ مدافعت کے لیئے متحدہ طاقت کے ساتھ اُٹھیں، لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لیں، اور اندرونی خرخشوں کو مٹائیں، پھر آپ کامیابی سے مقابلہ کر سکتے ہیں، ورنہ منہ کی کھائیں گے،

یہ علم و حکمت کا حملہ یورپ اور امریکہ میں مسیحیت کو شکست فاش دے چکا ہے" اور اب یہ سیلاب اسلام کی طرف اُمڈا چلا آرہا ہے، مناسب ہے کہ اس تحریک کی ابتدائی تاریخ سے آپ آگاہ ہوں، رسول کریمؐ کی بعثت سے پیشتر عالم انسانی پر جاہلیت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، یہ ایام تاریخ میں "ازمنہ تاریک" سے موسوم ہیں، ان ایام کی خصوصیات اور اقوام کی ذہنی حالت کا تذکرہ سردست میرے موضوع سے خارج ہے، اسلام کا تصادم یورپ میں مسیحیت سے اس طرح ہوا کہ مسلمانوں نے ہسپانیہ کو اموی خلافت کے تحت مسخر کر لیا، قرون اولیٰ میں یہ مُلک فینقی نوآبادی تھی، فینقی اہل عرب تھے اور ارض حجاز سے نکل کر اول سواحل شام پر آباد ہوئے، پھر رفتہ رفتہ افریقہ کے شمالی حصہ اور یورپ کے جنوب مغربی ممالک پر پھیل گئے، اسی طرح جس طرح خلفاء کے تحت مسلمان چھا گئے، مسلمانوں نے ہسپانیہ کے طول و عرض میں دار العلوم تعمیر کیئے اور یورپ کے ہر گوشہ سے طلباء تحصیل علم کے لیئے اس جگہ اسی طرح آتے جس طرح آج ہندوستان سے لوگ یورپ جاتے ہیں، دولت علم و حکمت سے مالامال ہو کر جب گھروں کو لوٹتے تو اس جہالت کو بھی دیکھتے جو یورپ پر چھائی ہوئی تھی، ان لوگوں نے ابتدا میں اصلاحی کام شروع کیا۔ اس وقت کلیساء مسیحی کا اقتدار منتہائے عروج پر تھا، جس کا قبضہ لوگوں کے دل و دماغ پر تھا، عوام کالانعام کو اُن کے اثر سے دور رکھنے کے لیئے علم و حکمت کو جادو قرار دیا گیا جو لوگ ہسپانیہ میں مسلمانوں سے سیکھتے، اس خونریز جنگ مقدس میں لوتھر بھی کام آیا جسے تقدس مآب پوپ کی بارگاہ سے "سگِ محمدؐ" کا خطاب ملا تھا، اہل علم و حکمت کی جو گت بنی وہ نہایت دردناک داستان ہے "گلیلیو" جو دوربین کا موجد ہے قید میں اندھا ہو کر مر گیا، ان دنوں میں علم و حکمت جادو سے تعبیر ہوتا اور اہل علم و حکمت جادوگر تھے، فرعون مصر حضرت موسیٰ کو جادوگر سمجھتا، اہل کتاب قرآن کو سحر اور رسول کریمؐ کو جادوگر کہتے، علم و حکمت کا مقابلہ مسیحیت سے صدیوں تک رہا اور آخر مسیحیت کا اقتدار خاک میں مل گیا اور وہ طوق جو لوگوں کے گلے کا ہار ہو رہے تھے اور وہ زنجیریں جن میں اُن کے دل و دماغ جکڑے ہوئے تھے اُتر گئیں اور اب مسیحیت پر بے پناہ حملوں

کا آغاز ہوا، یورپ میں ارباب علم و حکمت نے مصمم ارادہ کرلیا کہ مذہب کی لعنت سے عالم انسانی کو نجات دلوائیں گے، مسیحیت کی شکست و ریخت خاطر خواہ کرچکے ہیں، اب اسلام کی باری آئی، آفتاب علم و حکمت مغرب سے طلوع ہوا اور مشرق میں حشر برپا ہوگیا، اہل مشرق مغربی رنگ میں نظر آنے لگے، وضع قطع، لباس، خورد و نوش کا طریقہ، یورپی طرز معاشرت کی تقلید ہے، تغزل کا پرانا رنگ پھیکا پڑگیا اور شکسپیر اور ورڈس ورتھ کا اتباع نظموں میں ہونے لگا، غرض اہل یورپ نے علم تیر جس اُستاد سے سیکھا تھا اسی کو عاقبت کا رنشانہ بنایا،

گبن لکھتا ہے کہ جب مسلمانوں نے خلافت راشدہ کے تحت شام پر حملہ کیا تو اس وقت کلیسائے مسیحی اس مباحثہ میں اُلجھا ہوا تھا کہ مسیح جو حقیقت میں خدا اور بظاہر بشر تھا دو فطرتیں رکھتا تھا اور اس طرح ارادے بھی دو تھے؟ آج جبکہ علوم جدیدہ کا حملہ اسلام پر ہو رہا ہے، ہم خلافت اور امامت کے جھگڑوں میں اسی طرح اُلجھے ہوئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ دونوں کھو چکے ہیں۔ یہی مورخ لکھتا ہے کہ جب تیمور نے دمشق کو مسخر کیا تو قتل عام کا حکم دیدیا وجہ یہ تھی کہ ایک تُرک بچہ کو صدیوں بعد اس خون کا انتقام لینا تھا جو کربلا میں ایک عربی خاندان نے اپنے عزیزوں کا بہایا تھا، اس سے بہتر بہانہ شہر کے مال و دولت کو لوٹنے کا اور کیا ہوتا، آپ کے ہاں خانہ جنگی زوروں پر ہے اور باہر سے بے پناہ حملے ہو رہے ہیں، لے دے کے یہی دین اسلام تھا اور اسی سے عالم اسلامی میں اخوت کا رشتہ تھا، ہم نے اسے بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، ہم واقعات سے خواہ کتنی ہی چشم پوشی کریں وہ وقت دُور نہیں کہ ہماری اولاد اسلام سے اتنی ہی دُور ہو جائیگی جتنے ہم ایک دوسرے سے ہیں۔

یہ دو خطرے ہیں، ایک تو تفرقہ جو فرقہ بندی نے پیدا کر رکھا ہے، اور دوسرا خطرہ الحاد، اور دونوں میں ہم بے طرح گھرے ہوئے ہیں، الحاد کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب غلامانہ ذہنیت پیدا کرتا ہے، اور علم و حکمت کا سخت دشمن ہے، یہ نظریہ اہل علم و حکمت نے ان واقعات کے بعد جو مسیحیت کے مقابلہ میں رونما ہوئے قائم کیا ہے، واقعات کا انکار نہیں ہوسکتا، لیکن دین سے مراد مسیحیت نہیں ہے جو مقدس پولوس کی اختراع ہے، دین سے مراد کل انبیاء و رسل کی ملت ہے جس نے قوموں کو معراج ترقی پر پہنچادیا، اگر قومیں اپنی بداعمالی سے خود ہی ہلاک ہوں تو دین اس کا ذمہ دار نہیں انسان کی فطرت میں عبودیت ہے اگر اللہ کا بندہ نہ ہوگا تو شجر و حجر کو پوجیگا، بندوں کا بندہ ہوگا، کل کائنات کی فطرت میں عبودیت ہے، ہر ایک شے قوانین فطرت کی تابع طوعاً یا کرہاً ہے

"لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا" اور یہی دین اسلام ہے جو ہر ایک شے کی فطرت میں ہے، آفتاب کی مجال نہیں کہ جس روش پر چل رہا ہے اس سے ادھر اُدھر ذرہ برابر ہو سکے، اس کا اتنا اختیار نہیں کہ ایک سیکنڈ کے لیے دیر سویر طلوع وغروب ہو، عالم انسانی کائنات سے کچھ علیحدہ شے نہیں، انہی قوانین فطرت کے وہ بھی تابع طوعاً یا کرہاً ہے، البتہ اس میں ایک بات خاص ہے، اور یہ بھی فیض رحمانی ہے کہ "علّمہ البیان" اس کو فطرۃً صحیفۂ فطرت کا بیان بھی سکھایا گیا ہے اور یہی ہمارے تمام علوم وفنون وحکمت کا سرچشمہ ہے، انسان اس لیے خلیفۃ اللہ فی الارض ہے کہ وہ تذکر وتدبر وتفکر سے ان قوانین کا علم حاصل کرتا ہے، وہ ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان پر حکومت کرتا ہے، اور یہی کچھ منشاء خلافت ہے اور یہی صحیح مفہوم "اسلام" کا ہے، علم وحکمت کا دور نزول قرآن کے بعد شروع ہوا جسے ہم شریعت سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے متعلق قرآن میں چند اصولی آیات ہیں لیکن علم وحکمت جو علوم جدیدہ سے موسوم ہے، اُن کی طرف قرآن عظیم اکثر آیات میں ہدایت فرماتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ابھی عالم انسانی نے اس طرف قدم اُٹھایا ہے، ترقی بے انتہا ہے اجر غیر ممنون ہے، یہ مال غنیمت جو دنیوی حکومتیں حاصل کر رہی ہیں متاع قلیل ہے۔ قرآن اس جنت کی طرف دعوت دے رہا ہے جس میں ارض وسماوات سمائے ہوئے ہیں، لیکن ارتقاً بتدریج ہوتا ہے اور ابھی وہ علوم دریافت ہونے باقی ہیں جن کی طرف قرآن ہدایت فرماتا ہے، اور یہ ہدایت عالم انسانی کے واسطے ہے۔

ہر کہ خواھد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

اسلام علم وحکمت کا خود معلم ہے اس لیے اس کو ان سے خطرہ تو کیا ہوگا اور تقویت ملیگی لیکن اگر ہم صحیح معنی میں مسلمان نہیں تو نتیجہ واضح ہے ــــــــــ اور ہمارے پیش نظر ہے۔

بقیہ از صفحہ ۴۱

تحقیق نہیں ہو سکتا، کیونکہ رائیں مختلف ہیں، بعض تو اُسے بہت قدیم اور بعض مسیح سے چند صد یاں پیشتر کی تصنیف بتاتے ہیں، اور اپنے ایک دوست "ہالوے" کا ذکر کرتے ہیں کہ جب اس سے میں نے اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ جب سے اہل یورپ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی ایران اور ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ ایک ہی نسل سے ہیں اُس وقت سے مسلسل کوشش ہو رہی ہے کہ ایک ہاتھ سے اسفار موسیٰ کو اتنا نیچا دکھائیں اور دوسرے ہاتھ سے ژنداوستا اور ویدوں وغیرہا کو اتنا بلند کریں کہ سامی اقتدار خواہ اس کا تعلق مذہب سے ہو یا معاشرت وطن سے حقیر معلوم ہو، جو کچھ اسفار موسیٰ پر لکھا گیا ہے وہ اسی ذہنیت کو لئے ہوئے ہے، پروفیسر مذکور نہایت افسوس کرتا ہے کہ قومی تعصب کا بُرا ہو کہ علم و حکمت کے امن میں بھی خلل انداز ہو رہا ہے۔

مدیر نگار کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر وہ تحقیق کے مدعی ہیں تو جو کچھ لکھیں خواہ دوسروں کی تحقیق کی ترجمانی ہی کیوں نہ ہو سنجیدگی سے لکھیں، تاکہ لوگ ٹھنڈے دل سے غور کریں، اسفار موسیٰ پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایسی عبارت ہے جو پریشان ہے اور اس کی زبان میں ثقاہت نہیں، اور یہ علم ادب کے لئے بدنما داغ ہے۔

تعلیمات قرآن

جواہر انتخاب

حکمائے یورپ کے اقوال

بعض کتابیں صرف چکھ لینے کے لائق ہیں، بعض نگل جانے کے قابل، اور بہت تھوڑی ہیں جن کو چبانے اور ہضم کرنے کی ضرورت ہے (بیکن)

بلند رتبہ اشخاص تین تین طرح سے غلام ہیں، غلام شاہ، غلام شہرت، غلام کاروبار (بیکن)

الحاد و دہریت کے جواب میں خدا نے کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھلایا اس لیے کہ اس کا معمولی سے معمولی کام بھی معجزہ ہے (بیکن)

جو کتاب کئی بار پڑھنے کے لائق نہیں وہ سرے سے پڑھنے ہی کے لائق نہیں (کارلائل)

الزام تعریف سے زیادہ پرامن ہے (امرسن)

تاہل کی زندگی میں تکلیف ضرور ہے مگر تجرد کی زندگی میں بھی خوشی نہیں (جونسن)

زیادہ خوشی زیادہ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔

دیانت دار آدمی خدا کی بہترین صنعت ہے۔

علم[۱] سے جہاں غم و اندوہ میں اضافہ ہوتا ہو وہاں نادانی ہی کو گوارا کرو۔ (ٹلی)

اعتدال ایک ریشمی ڈورا ہے جس میں تمام نیکیاں پروئی ہوئی ہیں (فلر)

اکثر ہماری نیکیاں صرف چھپائی ہوئی برائیاں ہوتی ہیں (")

خودغرضی کو بے غرضی کی صورت بنانی بھی آتی ہے (")

عزم و دلیری سے کام کرنا بہترین عبادت ہے (کارلائل)

ہم اکثر اس لیے کسی کی تعریف کرتے ہیں کہ ہماری تعریف ہو (فلر)

تھوڑی سی فلسفہ دانی انسان کے دماغ کو الحاد کی طرف اور زیادہ فلسفہ دانی مذہب کی طرف رجوع کرتی ہے (بیکن)

دہریت صرف زبانوں پر ہوتی ہے۔ دلوں میں نہیں (بیکن)

---

[۱] علیکہ ز تو راحت و صحت برباید - بگریز ازاں علم در آغوش جہالت (عرشی)

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر ۲۵ فروری ۳۸ء سے ۲۸ مارچ ۳۸ء تک

آمد بلاغ

سید تقی حیدر صاحب دیپالپور	۳	۰	۰
مولوی عبدالرزاق صاحب بنوں	۱	۸	۰
میاں فیملی	۱	۰	۰
اکرم خاں صاحب امرتسر	۱	۰	۰
بابو محمد حسین صاحب پٹھانکوٹ	۳	۴	۰
ایم عنایت اللہ صاحب علی گڈھ	۳	۰	۰
آغا محمد خاں صاحب گوردائی	۲	۱۴	۰
بابو تاج الدین صاحب لاہور	۳	۴	۰
بابو ذوالفقار علی صاحب امرتسر	۱	۰	۰
عبدالرحمٰن صاحب امرتسر	۱	۲	۰
بابو چراغ الدین صاحب سدھو امرتسر	۲	۰	۰
چودھری بشیر احمد صاحب لاہور	۵	۰	۰
صوبیدار حسین بخش صاحب ڈیرہ نواب صاحب	۵	۰	۰
خواجہ عبدالکریم صاحب کلکتہ	۳	۳	۰
منشی عبدالحفیظ صاحب امرتسر	۱	۰	۰
مدیر مکتبہ ناصریہ بھوپال	۳	۴	۰
منشی محمد مکھن خاں صاحب کوٹ نجیب اللہ	۰	۸	۰
معرفت مہر بخش صاحب چغتائی بنوں	۱۰	۰	۰
ڈاکٹر عبدالغفور صاحب قریشی لاہور	۵	۰	۰
حاجی محمد اسحٰق محمد اسمٰعیل صاحبان امرتسر	۵	۰	۰
سترا	۱۰	۰	۰
سید حیدر صاحب شور کوٹ	۳	۰	۰
حکیم طالب علی صاحب لاہور	۳	۰	۰
بابو حبیب اللہ صاحب لاہور	۳	۰	۰
بخشی حضور علی صاحب لاہور	۵	۱۲	۰
معرفت مستری تاج دین صاحب	۲	۰	۰
میاں مہر بخش صاحب چاندیوالہ	۲	۰	۰
بابو عبداللہ خانصاحب	۲	۰	۰
میزان	۹۱	۱۱	۰
فروخت کتب	۷	۵	۔
تبلیغ فنڈ معرفت فیروز حسن صاحب	۱	۰	۰
میزان کل	۱۰۱	۹	۰

اخراجات

مصارف بلاغ	۶۰	۰	۰
کتب خانہ	۱	۱	۳
لائبریری	۲	۱	۳
صیغہ عمارات	۵	۰	۰
تبلیغ	۰	۸	۰
میزان	۶۹	۹	۶
بقایا	۳۱	۱۲	۶
بقایا سابقہ	۶۵	۱۰	۹
سرمایہ محفوظ	۹۷	۷	۳

(منیجر)

جنرل ڈایل ۲۲۸۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۳/۱۹

بلاغ

ایڈیٹر: (چوہدری۔ ڈاکٹر) علم الدین (میونسپل کمشنر)

قیمت سالانہ ع
فی پرچہ ۴ر

جلد ۱۵۔ امرتسر۔ ماہ صفر ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق مئی ۱۹۳۸ء نمبر ۵

فہرست مضامین

یہ پرچہ بغیر سرورق کے شائع ہو رہا ہے۔ آئندہ انشاء اللہ حسب معمول معہ سرورق شائع ہوگا۔

مدینہ پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر علم الدین پرنٹر و پبلشر چھپکر دفتر بلاغ امت مسلمہ بلڈنگس بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع ہوا۔

شذرات

(از علم الدین)

از روئے قرآن حکیم لحم البقر کھانے کی مسلمانوں کو اجازت ہے اور چونکہ مسلمان گوشت خور واقع ہوئے ہیں، اس لئے وہ بہرحال تمام اغذیہ پر گوشت کو ترجیح دیتے ہیں اور بوجہ اقتصادی کمزوری کے گائے کا گوشت استعمال کرنے پر مجبور ہیں، لیکن ہندو مصر ہیں کہ چونکہ گائے اُن کے نزدیک مقدس و متبرک ہے اسلئے مسلمان گائے کا گوشت کھانا قطعاً ترک کر دیں۔ اگرچہ چھاؤنیوں میں انگریز فوجی ضروریات کے لئے ہزارہا گائیں روزانہ ذبح کیوں نہ کریں مگر مسلمان گائے کے گوشت کا نام بھی نہ لیں۔

غالباً ۱۹۱۴ء میں پہلی مرتبہ یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ہندوؤں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مسلمان ذبیحہ بقر سے احتراز کریں۔ اس موقعہ پر بعض ذمہ دار مسلمان لیڈروں نے اعلان کیا کہ مسلمان گائے کا گوشت کسی کا دل دکھانے کے لئے استعمال نہیں کرتے بلکہ اپنی مالی حالت کے پیش نظر مجبور ہیں کہ سستی غذا کا استعمال کریں۔ چونکہ بھیڑ بکری وغیرہ کا گوشت گائے کے گوشت کے مقابلہ میں بہت گراں ہے اس لئے مسلمان ذبیحہ بقر پر مجبور ہیں۔۔۔ اُنھی رہنماؤں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر ہندو بھائی بھیڑ بکری کا گوشت کھانا ترک کر دیں، تو مسلمان اس حالت میں ذبیحہ بقر سے دستبردار ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں امکان ہے کہ بھیڑ بکری کا گوشت نسبتاً سستا ہو جائیگا اور مسلمان سہولت سے اسے خرید سکیں گے۔ لیکن ہندوؤں کی جانب سے اس تجویز کا خیر مقدم تو نہ کیا گیا مگر یہ مطالبہ بدستور جاری رہا کہ مسلمان ذبیحہ بقر سے دستبرداری دیدیں اور ہندو مسلم اتحاد کے نام پر اپنے ایک پیدائشی حق کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں۔

جب مسلمانوں کی جانب سے ہندوؤں کا یہ مطالبہ سمجھوتے کی صورت میں تسلیم نہ ہو سکا تو اب ہندو بھائی اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ ذبیحہ بقر کو قانوناً بند کرا دیں چنانچہ اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ مالوی جی کی قیادت میں ہندوؤں کا ایک وفد وائسرائے ہند سے ملاقات کرنے والا ہے جو کہ مسٹر اے

ہند سے درخواست کریگا کہ وہ ذبیحۂ بقر کو قانوناً بند کرادیں اور مسلمانوں کو اس حق سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیں۔

ہمیں یقین نہیں آتا کہ وائسرائے ہند ہندو بھائیوں کا یہ نامعقول مطالبہ تسلیم کرلیں گے۔ کیونکہ کسی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ آٹھ کروڑ مسلمانوں اور لکھوکہا عیسائیوں کو اُن کے پیدائشی اور فطری حق سے محروم کردے۔ اس لئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مہا سبھائیوں کا یہ مطالبہ بوجہ نامعقول ہونے کے ضرور مسترد کردیا جائیگا اور وائسرائے ہند مسلمانوں کے پرسنل لاء میں دخل اندازی کی جرأت نہ کریں گے۔

البتہ ہندوؤں کی اس عرضداشت سے اتنا ضرور ثابت ہوجائے گا کہ سیلف گورنمنٹ سے ہندوؤں کا منشاء گئو رکھشا کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اسی قسم کے حالات کے پیش نظر مسلمانانِ ہند کانگرس سے مطالبہ کررہے ہیں کہ کانگرس اُنھیں یقین دلائے کہ قانون کبھی اور کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے کلچر اور پرسنل لا میں مخل نہیں ہوسکیگا۔ کیونکہ مسلمان کسی صورت میں بھی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی طاقت اُن کی مذہبی روایات میں کسی قسم کی مداخلت کرے اور نہ کوئی قانون ان سے ذبیحہ بقر کے حق کو چھین سکتا ہے جس پر وہ صدیوں سے قابض ہیں۔

مروجہ قانون میراثِ مسلماناں کی خامیوں کے پیش نظر ۱۹۱۳ء میں حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رح نے باعتماد قرآنی میراث مسلماناں کی اصلاح کے متعلق ایک بسوط مضمون تحریر فرمایا اور اُسے معجزۂ قرآن کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب کی اشاعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ـــ ایک گروہ نے جس میں مولانا حافظ مفتی محمد اسلم صاحب جیراجپوری جیسے علماء متبحر شامل تھے خواجہ صاحبؒ کی تحقیقات سے اتفاق فرمایا اور تائید کی کہ خواجہ صاحب کا پیش کردہ طریق قرآن مجید کے منشاء کے بالکل مطابق ہے۔

دوسرے گروہ نے جس میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی جیسے علماء دین شامل تھے خواجہ صاحب سے اتفاق نہ کرنے کے باوجود کم از کم اتنا ضرور تسلیم فرمالیا کہ مروجہ طریق میراث بالضرور قابل اصلاح ہے۔ چنانچہ آپ نے اہل حدیث حضرات کو ترغیب دلائی کہ وہ قانون میراث میں اصلاح کی

جانب متوجہ ہوں۔

تیسرا گروہ جس میں مولانا ثناء اللہ صاحب مدیر اہلحدیث خاص طور پر قابل ذکر ہیں مخالفت پر کمربستہ ہو گیا اور مروج طریق کو باوجود اس کی خامیوں کے صحیح ثابت کرنے پر مصر ہوا۔

الغرض اس کتاب نے کافی شہرت حاصل کی اور عرصہ تک علماء اسلام میں یہ مسئلہ موضوع بحث بنا رہا۔

خواجہ صاحب کی وفات سے چند ماہ قبل بعض احباب نے خواجہ صاحبؒ سے درخواست کی کہ چونکہ معجزۂ قرآن موجودہ حالت میں نہایت ادق ہے اور اس کو پورے طور پر سمجھنا مشکل ہے اس لئے اس پر نظر ثانی کر کے اسے قانونی صورت میں شائع کیا جائے۔ تمام احباب نے اس تجویز کو پسند کیا۔ خواجہ صاحب نے بھی اس تجویز کی تائید فرمائی اور قرار فرمایا کہ راقم الحروف اور خواجہ ضیاء اللہ صاحب کچھ وقت اس مقصد کے لئے وقف کریں تو ہم مل کر اس کام کو انجام تک پہنچانے کی کوشش کریں گے لیکن افسوس کہ اس تجویز کے چند روز بعد ہی خواجہ صاحبؒ بیمار ہو گئے اور بقول

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر کار مرض غالب آگیا اور آپ جانبر نہ ہو سکے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ خواجہ صاحب کی وفات کی وجہ سے تمام پروگرام ناکام رہا اور کتاب پر نظر ثانی نہ ہو سکی۔

غالباً معجزہ قرآن کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے اور میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس کتاب کو دوبارہ بعد نظر ثانی شائع کرنا ضروری ہے کیا علامہ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اس خدمت کو اپنے ذمہ لے کر یہ اہم دینی فرض کو بجا لانے کی کوشش کریں گے؟ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

بلاغ کا مقصد قرآن حکیم کی تبلیغ ہے لیکن بوجہ اشاعت کے ناکافی ہونے کے تبلیغ و اشاعت کا مقصد حسب دلخواہ اتم پورا نہیں ہو سکتا اس لئے دردمند اور صاحب اثر و رسوخ دوستوں سے درخواست ہے التماس ہے براہ کرم تجاویز ذیل کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں تاکہ بلاغ کے ذریعہ ہم زیادہ سے زیادہ قرآن اور اسلام کی اشاعت کر سکیں

(۱) بارسوخ حضرات اپنے حلقہ اثر میں بلاغ کی اشاعت بڑھانے کی کوشش کریں اور اپنے اعزہ واحباب اور متعلقین کو ترغیب دلائیں کہ وہ بلاغ کی سرپرستی فرماکر خدمت دین کا فرض بجالائیں۔ اُمید ہے کہ تمام معاونین بلاغ اس تجویز کا خیر مقدم کریں گے اور کم ازکم دو دو نئے خریدار ضرور ہی بھجوادیں گے
(۲) مخیر و صاحب ثروت اصحاب اپنے شہر یا قصبہ کے علم دوست بزرگوں اور اسلامی لائبریریوں کے نام اپنے خرچ سے بلاغ جاری کرواکر عنداللہ ماجور ہوں۔

ہمارے پاس دو ایسی کتابیں ہیں جو سیرت رسول کے جلسوں پر مفت تقسیم کرنی چاہئیں۔ ان میں سے ایک قرآن مجید و رسول حمید ہے جس میں قرآن مجید کی صداقت کے ثبوت اور رسول حمید کے خدا تعالیٰ کے آخری پیغامبر اور نبی ہونے کے متعلق پچاس عقلی دلائل دیئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب محمد رسول اللہ صلعم ہے جس میں سیرت رسول کے اہم پہلوؤں پر محققانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ معاونین بلاغ آئندہ ماہ ہونے والے سیرت کے جلسوں میں ان ہر دو مفید کتابوں کو غیر مسلموں میں بالخصوص تقسیم کرنے کا انتظام کریں گے۔

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ امت مسلمہ اپنی ایک قرار داد کی رو سے فیصلہ کرچکی ہے کہ ہر سال دوسہرہ کی تعطیلات میں اُمت مسلمہ کا سالانہ جلسہ ہوا کرے گا چنانچہ گذشتہ ماہ بابو عبداللہ خاں صاحب ناظم اُمت مسلمہ انعقاد جلسہ کے متعلق اعلان بھی فرماچکے ہیں۔ اگرچہ اُمت مسلمہ کے مقامی اصحاب جلسہ کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی خدمات وقف کرچکے ہیں اور وہ اس کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کے لئے تیار ہیں مگر پھر بھی ضرورت ہے کہ بیرونی احباب ارکان امت مسلمہ کا ہاتھ بٹائیں۔

---

(۱) جلسہ کے لئے فراہمی چندہ کی ضرورت سب سے مقدم ہے کیونکہ روپیہ کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا اس لئے درخواست ہے کہ صاحب دل حضرات اُمت کی مالی امداد کی جانب توجہ فرمائیں تاکہ ہم جلسہ کا انتظام زیادہ وسیع اور شاندار پیمانہ پر کرسکیں وما توفیقی الا باللہ
(۲) جلسہ کو صحیح معنوں میں مفید بنانے کے لئے ضرورت ہے کہ اچھے اچھے لیکچرار اور مقرر تشریف لاکر اپنے خیالات سے سامعین کو مستفید فرمائیں اس لئے ہم اہل علم حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ

براہ کرم ضرور رونق افروز جلسہ ہوں اور اپنے ارادہ تشریف آوری سے جلد از جلد ناظم اُمت مسلمہ کو اطلاع دیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیں کہ اُن کی تقریر کا موضوع کیا ہوگا تاکہ درج پروگرام ہو سکے۔

(۳) جلسہ کی رونق بڑھانے اور علماء امت کے پاکیزہ خیالات سے استفادہ کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ دور دراز حصص ملک سے حامیان کفایت قرآن حضرات جوق در جوق شامل اجلاس ہونے کی آج سے ہی تیاری کرلیں اور دفتر کو اطلاع دیدیں تاکہ اُن کے قیام وطعام کا بندوبست ہو سکے۔

(۴) اسلام شوریٰ کا سب سے بڑا حامی بلکہ بانی ہے۔ اس لئے ہم اپنے مخلص بھائیوں سے مؤدبانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ صاحب سکرٹری کو ایسی مفید تجاویز سے اطلاع دیں جو جلسہ کو مفید اور بارونق بنانے میں مدد دے سکیں۔ اُمید ہے کہ ایسی تمام تجاویز پر مجلس ہمدردانہ غور کریگی اور مجوز حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کریگی۔

حضرت خواجہ احمد الدین صاحبؒ کی وفات تک تفسیر کا جس قدر مسودہ خواجہ صاحبؒ کا تحریر کردہ تھا شائع ہو چکا تھا۔ میاں عبداللہ صاحب پہلوان نے خواجہ صاحب کے خطبوں کے نوٹ لے رکھے تھے جن کی مدد سے آجکل تفسیر بیان للناس مرتب ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں بہت ممکن ہے کہ باوجود کوشش وسعی کے بھی مرتب خواجہ صاحب کے اصلی منشاء کے اظہار سے قاصر رہے اس لیئے تفسیر کے اس حصہ کا جو آجکل شائع ہو رہا ہے ذمہ دار کسی حالت میں بھی خواجہ صاحب مرحوم کو قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ حصہ ان کے بعد لکھا اور شائع کیا جا رہا ہے۔

خواجہ صاحبؒ کی وفات کے بعد بلاغ میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا تھا کہ آئندہ تفسیر ایک مجلس شوریٰ ان نوٹوں کی مدد سے کریگی جو پہلوان صاحب کے پاس موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ بعض معترض حضرات اس حصہ تفسیر کا ذمہ دار بھی خواجہ صاحب مرحوم کو قرار دیکر اعتراض کر رہے ہیں۔ میں اس امر کا مکرر اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ خواجہ صاحب نے جس قدر تفسیر لکھی ہوئی ہے وہ اُن کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی پس اب جو تفسیر شائع ہو رہی ہے اس کی ذمہ داری خواجہ صاحب پر دینا اصول دیانت کے خلاف ہے۔

احقاق حق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بعض ایسے مضامین بھی درج بلاغ کر دیں جن سے ہمیں اتفاق

ہو اور جن میں ہمارے بعض مضامین یا معتقدات پر اعتراض ہوں، تاکہ قارئین کرام تصویر کے دونوں رخ دیکھ سکیں اور انھیں صحیح رائے قائم کرنے کا موقعہ مل سکے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بلاغ میں جو مضمون شائع ہو اس کی ذمہ داری ادارہ اپنے سر پر لے لے۔

فقید الشرق

علامہ سر اقبال رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح تمام عالمِ انسانیت کے لیے وہ زہرہ گداز پیام لے کر طلوع ہوئی جس کو تاریخ علم و دیانت میں بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا حادثہ تسلیم کیا جائے گا۔ عارف رومیؒ سے ساڑھے سات سو سال بعد دنیائے اسلام و انسانیت کو بیدار کرنے کے لیے ایک "مرد خدا مست" مبعوث ہوتا ہے، جس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بادل اُمنڈ رہے ہیں گلے میں فریادیں اُبل رہی ہیں، سینے میں آہوں کے آتشکدے فروزاں ہیں، وہ اپنی چنگاری سے "جہانِ بارد" کی پہنائیوں کو گرما دینا چاہتا ہے ـــ ـــ ـــ اقبال! آہ! وہ اقبالؒ جو اس "دنیائے دام و دد" میں انسانیت کبریٰ کا نمونہ تھا، جو اپنے منتظر "فوق البشر" (SUPER MAN) کی خود مثال تھا، جس کی صحبت

یک زمانے صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کا صحیح مصداق تھی، ـــ جس کی خلوت و جلوت، اللہ، محمدؐ، قرآن، حجاز اور بیت العتیق کے روح افروز تذکروں سے معمور تھی، ـــ جس نے ہمارے "رو بہ ترکستان" قافلے کو اپنی بانگ درا کے جوش، جبریل بال کی جنبش اور کلیمی ضرب کی صولت سے منزل کعبہ کی طرف رہنمائی کی ـــ آج عظمت انسانی کا یہ مقدس دانہ بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لیے خلوتِ خاک میں گوشہ نشین ہوتا ہے، وقت آگیا ہے کہ ہم اس کی چہل سالہ فریادوں کا مطلب سمجھیں اور اُس کی حقیقی زندگی سے جو اب شروع ہو رہی ہے بہرہ اندوز ہوں

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

بلاغ اور الاصلاح

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

"محترم خواجہ صاحب کے مضمون ذیل کی تمہید سے ہمیں اختلاف ہے اور اختلاف بھی بہت زیادہ ـــــ حیرت ہے کہ موصوف کے قلم نے اتنی تلخ نویسی کس طرح برداشت کرلی؟

میں نے عرض کیا، جس مریض کے لیے آپ نے یہ نسخہ تجویز کیا ہے وہ "ادفع بالتی ھی احسن" کا محتاج ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا، نہیں! وہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کا سزاوار ہے۔ اور ما ارید الا الاصلاح ما استطعت، میں سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگیا۔

افسوس ہے، اصلاحی صاحب کو اس تلخ وش کے پہلے دو چار گھونٹ ضرور ناگوار معلوم ہوں گے لیکن جوں جوں وہ اسے حلق سے اتارتے جائیں گے، شہد و شکر کی حلاوت پیدا ہوتی جائے گی۔ (ص)

جناب امین احسن اصلاحی نے اپنے علمی و مذہبی رسالہ "الاصلاح" بابت ماہ فروری ۱۹۳۶ء میں "تحقیق قربانی" اور "تفسیر بیان للناس" پر اظہار رائے فرماتے ہوئے جس غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا ہے وہ کچھ ایسی ذہنیت کا حصہ ہے جو ملاؤں کے لیے خاص ہے اور جس کا ماتم علمی دنیا میں عرصہ سے ہو رہا ہے، اور اسی سے مذہب کی طرف سے اہل علم کو نفرت ہو رہی ہے کہ اہل مذہب کے پاس سوائے فتویٰ کفر و سب و شتم کے اور کچھ نہیں ہے۔" الاصلاح! ـــــ سبحان اللہ اسم ملاحظہ ہو، اور مصلح کی ذہنیت جو "مذاکرہ" کے تحت جلوہ نما ہے،

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ہاں لو کہ تحقیق قربانی ـــــ اس پر ابھی آنجناب نے کچھ نہیں لکھا ـــــ تفسیر "بیان للناس" سے آنجناب کو اتفاق نہیں، نہ سہی، لیکن یہ کہاں کی اصلاحی تحریک ہے کہ گالیوں کا جھاڑ باندھ دیا، چار صفحات ہمارے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر ڈالے، ان ملاؤں کو بات کرنے کا بھی تو سلیقہ نہیں وہ حکمت اور موعظت حسنہ کیا جانیں ـــــ تحقیق قربانی کے متعلق تو عرصہ سے یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ مجھے فرصت نہیں، بوقت فرصت کچھ لکھوں گا۔ لیکن سب و شتم کے لئے کافی وقت مل گیا ـــــ ابھی خیر سے آنجناب" اردو کے سکالر نہیں ہیں" اگر ہوتے تو فحش گوئی میں بے مثل فصاحت کی داد دیتے ـــــ عفاک اللہ۔

جناب اصلاحی صاحب نے شروع مذاکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "ہماری صاف گوئی معاصر بلاغ کے

کارکنوں اور خواجہ احمدالدین صاحب مرحوم کے متبعین کو بہت بُری لگی اور اس پر انھوں نے عتاب اور اظہار خفگی کے خطوط لکھے"۔ ـــــ کارکنان بلاغ سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نہ کوئی خط لکھا گیا اور نہ عتاب اور اظہار خفگی کیا گیا ـــــ غالباً یہ اصلاحی صاحب کے حافظہ کا قصور ہے، اگر نہیں تو اُمید ہے کہ ان خطوط میں سے ایک خط ہی سہی، شائع فرما دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ احمدالدین مرحوم کی تفسیر کا اکثر حصہ مرحوم نے خود لکھا یا لکھوایا اور یہ حصہ بلاغ میں اور علیحدہ کتابی صورت میں چند جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، خواجہ صاحب فوت ہو گئے تو تفسیر ناتمام رہ گئی، آپ کے احباب میں سے جناب عبداللہ صاحب پہلوان نے خواجہ صاحب کے خطبات جمعہ سے نوٹ لکھے ہوئے تھے اور آپ نے یہ کام اپنے ذمہ لیا کہ ان نوٹوں سے بقیہ حصہ تفسیر مکمل کیا جائیگا چنانچہ خواجہ صاحب کی وفات کے بعد یہ اعلان[1] بلاغ میں کیا گیا تھا۔ اب تفسیر پہلوان صاحب کی اسی یادداشت سے مرتب کر کے بلاغ میں شائع کی جا رہی ہے، جناب اصلاحی صاحب کی خدمت میں تفسیر منزل اوّل مولفہ خواجہ مرحوم بغرض اظہار رائے ارسال کی گئی ـــــ دیانت داری ملاحظہ ہو کہ اسے تو طاق نسیان پر رکھ دیا، اور بلاغ کے جنوری و فروری کے پرچے اپنی فصیح و بلیغ فحش نگاری کے لئے منتخب کر لئے جن میں وہی یادداشت سے مرتب شدہ تفسیر کا ایک حصہ ہے ـــــ بعض احباب کی رائے اُس وقت بھی یہی تھی کہ تفسیر کا وہ حصہ جو خواجہ صاحب اپنی زندگی میں لکھ چکے ہیں کافی ہے، یادداشت سے تفسیر کا مرتب کرنا ایسی ذمہ داری کا کام ہے جو بمشکل سر انجام ہو گا۔

خواجہ مرحوم نہایت منکسر المزاج بزرگ تھے، نہ انھوں نے کبھی کوئی دعویٰ کیا اور نہ کسی کو اپنے اتباع کے لئے کہا اور نہ اُن کا کوئی متبع ہے، لیکن ان فرقہ بند تفرقہ پرداز ملاؤں کو کیا کہا جائے کہ خواہ مخواہ اُمت مسلمہ کو فرقہ بندی کی ترغیب دیتے ہیں۔ خواجہ مرحوم کے احباب خواجہ کی تفسیر کے بعض مقامات سے اختلاف رکھتے تھے اور بلاغ میں اس کی اشاعت ہوتی رہی ہے، اور اکثر خواجہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہوتی رہی، خواجہ صاحب بشر تھے اور بشر سے غلطی[2] ہوا ہی کرتی ہے، یہ ممکن ہے کہ اصلاحی صاحب اپنے استاذ کو معصوم عن الخطا سمجھتے ہوں، اُن کے استاذ مرحوم کی تفسیر کا ایک حصہ ہماری نظر سے گذرا ہے اور اس پر

---

[1] ملاحظہ ہو "بلاغ" ماہ جولائی ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۲۶ (ایڈیٹر)

[2] خود خواجہ صاحب مرحوم نے بھی کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ بیان للناس غلطیوں سے مبرا ہے اور جو اس کی صحت پر ایمان نہ لائے وہ کسی شرعی فتوے کا مستوجب ہے۔

ریویو بلاغ میں شائع ہو چکا ہے، غلطیاں اس میں بھی ہیں ـــــ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اصلاحی صاحب نے یادداشت سے مرتب کردہ تفسیر سے کیا کچھ غلط فہمی پیدا کی ہے،

"بلاغ" ماہ فروری ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۷۵ میں یہ عبارت بلفظہٖ ہے :-

"اوپر والی چار قسم کی قید جو آپ نے اپنے اوپر لگائی تھی اُس کو خدا نے حلال کر دیا یعنی مصر والی ملک یمین، وھبت، اور ماموں خالہ پھوپھی کی مہاجر بیٹیاں، یہ سب حقوق چھوڑ کر ماملکت کے حکم میں آگئی تھیں، ان کو جائز قرار دیا اور حکم دیا کہ آئندہ - ۵۲ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنۢ بَعْدُ الایہ - تیرے واسطے کوئی عورت حلال نہیں ہے اور نہ یہ (حلال ہے کہ) ان کے بجائے دوسری بیبیاں تبدیل کرلے اگرچہ تجھے ان کا حسن خوش لگے مگر یہی (حلال ہیں جو تیرے پاس ملک یمین کی حیثیت سے رہتی ہیں اور سب ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں اور تمام حقوق سے دست بردار ہو کر قناعت اور صبر کے ساتھ شاکرانہ زندگی بسر کر رہی ہیں یہ حقیقت میں ملک یمین ہیں نہ کہ ویسے لونڈیاں ہیں ہرگز نہیں) تیرے ہاتھ جن کے مالک ہوئے (جو مملکت کی حیثیت سے خود ہی آئی ہوئی ہیں (اب اگر کوئی بیوی انتقال بھی کر جائے پھر بھی کسی دوسری عورت کے ساتھ تو نکاح نہیں کر سکتا) اور اللہ (تعالیٰ) ہر شے پر دھیان رکھنے والا ہے (خدا تعالےٰ کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرؐ کی زندگی پر کوئی حرف نہ آئے اور آپ پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جائے)

اصلاحی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس آیت میں مترجم نے "مِنۢ بَعْدُ" کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے" (الاصلاح فروری ۱۹۳۸ء)

اسی "مِنۢ بَعْدُ" پر ایک صفحہ اپنی غلط فہمی کی نذر کر دیا ہے جس میں ایک فقرہ اس طرح چست کیا ہے کہ

"یہیں قرآن کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کے لئے مترجم مجبور ہوا کہ بے دریغ ایک سنگین قسم کی تدلیس کا مرتکب ہو اور يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کی ایک مشئوم مثال قائم کرے حالانکہ اگر مترجم چاہتا تو "مِنۢ بَعْدُ" کو باقی رکھتے ہوئے بھی اپنی تاویل کو ظاہر فریب بنا لیتا، لیکن اس فریب کے لئے بھی عربی دانی کی ضرورت تھی" ـــــ

قارئین کرام کے سامنے بلاغ اور الاصلاح کی عبارت بلفظہٖ موجود ہے - اصلاحی صاحب بھی دیکھیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ "مِنۢ بَعْدُ" کا ترجمہ "آئندہ" انھیں کہیں نظر آتا ہے ؟ ـــ ہم یہ نہیں کہتے کہ اصلاحی صاحب نے دیدہ دانستہ لوگوں کی آنکھوں میں خاک دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے،

لیکن وہ حضرات جو فلسفہ نفسیات سے واقف ہیں اصلاحی صاحب کے دل و دماغ کی کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس ذہنیت کے ساتھ "مذاکرہ" لکھ رہے ہیں، جو بات ترجمہ اور تفسیر میں ہے وہ نظر انداز ہو رہی ہے اور جو اس میں نہیں ہے وہ دکھائی دیتی ہے

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد
صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

اگر ہم چاہتے تو اصلاحی صاحب کی غلط بیانی پر جی کھول کر ملامت کرتے اور انہی لفظوں میں انہیں مخاطب کرتے کیونکہ ترجمہ تو صحیح ہے اور ان کا مذاکرہ علمی بناء الفاسد علی الفاسد ہے

اس کے بعد اصلاحی صاحب آیہ "فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ" لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس ٹکڑے کا ترجمہ مترجم نے یہ کیا ہے۔
"پس جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور حدیثیں سننے کے لئے دل لگا کر نہ بیٹھے رہا کرو"
"اس میں مترجم نے حدیث کا ترجمہ حدیثیں کیا ہے، حالانکہ حدیث کا لفظ ہماری مصطلحہ حدیث[1] کے لئے کلام عرب یا قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ اس لئے یہ ترجمہ کلام عرب سے انتہائی جہل و بے خبری کا نتیجہ ہے" وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔ اس لئے ان منکرین حدیث کی ذہنیت کا عجیب و غریب پہلو آشکارا ہوتا ہے" وغیرہ وغیرہ

اسی لفظی بحث پر آپ نے دو صفحے سیاہ کئے ہیں، اور آپ سے اتنا نہ ہو سکا کہ اپنے علمی و مذہبی رسالہ کے نام کی شان برقرار رکھنے کے لئے ترجمہ میں اصلاح فرما دیتے،

"بلاغ" میں آیہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ" الآیہ کے تحت اس طرح لکھا ہے کہ:-
"اکثر لوگ کھانے سے پیشتر ہی "بات چیت" کے شوق میں آپ کے ہاں آجاتے اور کھانا کھانے کے بعد بھی بیٹھے رہتے۔ یہ باتیں "غیر وحی" ہوا کرتی تھیں نہ کہ وحی، وحی کا سنانا تو آپ کا فرض منصبی تھا یہ لوگ "باتوں" میں وقت ضائع کرتے تھے اور آپ انھیں بسبب حیا منع نہ فرماتے۔ آخر جب خدا

---

[1] اگر "مصطلحہ حدیث" کا لفظ نہ کلام عرب میں ہے اور نہ قرآن میں تو آپ نے کہاں سے پیدا کیا ہے؟ اس اختراع کی داد ہم بھی دیتے ہیں۔ آپ نے سچی بات کہی کہ یہ اصطلاح لوگوں کی اختراع ہے ورنہ قرآن میں اس کی کوئی سند نہیں ۔ "ہماری مصطلحہ حدیث" کی خوب کہی اور ایک ہی کہی ۔ منہ

کا حکم آیا تو برملا ان سے کہنا پڑا، اپنی "باتوں" کو روک رکھا مگر پیغام الٰہی کو نہ روک سکے، یہ ہے قول بشر اور فرمان الٰہی میں فرق، اب حکم ہوتا ہے کہ (اے وہ لوگو جو ایماندار ہو نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں (کھانا کھانے کے لئے) مگر جب تم کو اجازت ملے (کہ آؤ) کھانے کی طرف (قبل از وقت آکر "گپ شپ" اور قصہ خوانی شروع نہ کیا کرو۔ مناسب موقعہ پر تم کو بلا لیا جائیگا) نہ انتظار کرنے والے اس (کھانے) کے پکنے کا ولیکن جب (اس کے پکنے پر) تم کو بلایا جائے پس آؤ (اور کھانا کھا چکنے پر "کہانیوں" میں نہ لگ جایا کرو بلکہ "اپنے اپنے کام پر چلے جایا کرو) پس جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور حدیثیں سننے کے لئے دل لگا کر نہ بیٹھے رہا کرو (کہ کچھ آپ فرمائیں اور ہم سنا کریں)

اس ترجمہ اور تفسیر میں "حدیث" کا ترجمہ "بات چیت" اور "گپ شپ" اور "باتوں" اور "حدیثیں" کیا گیا ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ "نہ آپس میں جی لگاتے باتوں میں" — حافظ نذیر احمد مرحوم نے ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ "اور باتوں میں نہ لگ جاؤ" — بلاغ میں ترجمہ اور آیات کا مفہوم بالکل صحیح ہے، خواجہ احمد الدین مرحوم خطبہ جمعہ میں عموماً اپنی مادری زبان پنجابی سے کام لیتے تھے، انھیں اُردو کا جامہ کسی اور شخص نے پہنایا ہے، لیکن ہے بالکل چست،

اصلاحی صاحب کو دراصل ترجمہ کے لفظوں سے کچھ سروکار نہیں، وہ تو لفظ "حدیث" پر بحث کرنا چاہتے ہیں، جو "نہ قرآنی اصطلاح ہے اور نہ کلام عرب میں پائی جاتی ہے" اور یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سب منکرین حدیث ہیں، — اس بدگمانی کا کیا علاج، — ہم تو آج تک یہی سنتے آئے ہیں کہ "حدیث" سے مراد آنحضرت کا قول اور فعل کا بیان اور صحابہ کا قول وفعل ہے جو آنحضرت کے روبرو ہوا ہو، آنحضرتؐ کا ہر ایک قول حدیث ہے۔ یہ اصلاحی صاحب اور اُن کے ہم عقیدہ حضرات کا کام ہے کہ "حدیث" کو وحی خفی کا درجہ دیں، لیکن خواجہ مرحوم کا یہ عقیدہ نہ تھا، وہ حدیث کو قول بشر ہی سمجھتے رہے اور یہ لفظ قرآن اور کلام عرب میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور صاف صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ قول بشر اور فرمان الٰہی میں بین فرق انہی آیات سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر حدیث وحی خفی ہوتی تو آنحضرتؐ لوگوں کو فوراً اس امر سے آگاہ کر دیتے کیونکہ اس کا پوشیدہ رکھنا کتمان حق ہوتا، جو آخر کار فرمان الٰہی کے تحت ظاہر ہوا، آنحضرتؐ بوجہ حیا ایک بات کہنے کی بھی نہ کہتے، لیکن یہی بات جب "وحی" ہوتی تو اس وقت اپنے اور دوسروں کے جذبات کا بھی پاس نہ کرتے، یہ ہے فرق حدیث قول بشر اور آیات قرآن، کلام اللہ کا، اگر اس پر بھی آپ

نہ سمجھیں تو اختیار ہے،

اصلاحی صاحب اُمت مسلمہ کے حق میں فصیح زبان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اگر یہ لوگ عہد نبوت میں ہوتے تو لوگوں کو آنحضرتؐ کی باتیں سننے سے روکتے، حالانکہ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن مجید میں یہ کام یہود و منافقین اور کفار کا بتلایا گیا ہے، اور متعدد آیتوں[1] سے اس کا ثبوت ملتا ہے"۔

بے ادبی معاف، اِن آیات میں تو خود اللہ میاں منع فرمارہا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ

"قرآن مجید ملازمت و صحبت نبی پر زیادہ سے زیادہ حث و تحریض فرماتا ہے"۔

لاریب فیہ۔ لیکن "زیادہ سے زیادہ" اگر قرآنی آیات کا مفہوم ہے تو حدیث کے خلاف ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے اباہریرہؓ ہر روز نہ آیا کرو تاکہ محبت زیادہ ہو،

بدیدار مردم شدن عیب نیست
ولیکن نہ چنداں کہ گویند بس (سعدیؒ)

اس کے بعد ارشاد ہے کہ

"اور کبھی کبھی جب یہ صورت پیش آئی کہ آنحضرت کسی امر اہم میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسی طالب استماع حدیث و تزکیہ سے ذرا بھی غیر ملتفت ہوئے تو آپ کو اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے عتاب ہوا، اس حقیقت کی ایک نہایت واضح شہادت سورہ عبس میں ہے"۔

کیا بات ہے! یہ "امر اہم" کیا بلا ہے کہ اس میں مشغول ہونا موجب عتاب ہوا، اس کا پتہ کچھ "احادیث" ہی سے غالباً ملیگا، بہتر ہوتا کہ اصلاحی صاحب کچھ اس کی بھی تشریح فرما دیتے، آیا وہ "احادیث" جو اس "امر اہم" کے شغل میں زبان مبارک پر آئیں "وحی خفی" کے تحت آتی ہیں؟ ان کا کون مخاطب تھا؟ اور یہ کیا باتیں تھیں؟ اگر مفصل ارشاد فرمائیں گے اور اس نتیجہ پر نہ پہونچے جس پر خواجہ مرحوم پہونچے تو ہم بھی جھک کر سلام کریں گے — احادیث میں مذکور ہے کہ رؤساء قریش کو آنحضرتؐ کچھ دین کے متعلق ہدایت فرمارہے تھے لیکن وہ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کچھ استغنا سے کام لے رہے تھے، ابن ام مکتوم اتنے میں آگئے اور آنحضرتؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، اُن کا قطع کلام آنحضرتؐ کو ناگوار گذرا، اس پر سورہ عبس نازل ہوئی — رؤساء قریش سے بھی آنحضرتؐ وہی احادیث بیان فرمارہے تھے جن کا طالب عبداللہ

[1] ہم اس کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ "اہلحدیث" سے دریافت کر لیجئے (بلاغ)

ابن ام مکتوم تھا۔ فرق اتنا تھا کہ رؤساء قریش توجہ نہ دیتے تھے اور ابن اُم مکتوم اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ سورہ عبس میں دونوں رؤساء قریش اور ابن ام مکتوم کی ذہنی حالت کو واضح کیا گیا ہے ــــ ہم اصلاحی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ "الذکریٰ" سے مراد احادیث ہیں جن کا طالب "الاعمیٰ" تھا اور بقول آنجناب آنحضرت کے غیر ملتفت ہونے پر عتاب نازل ہوا ــــ لیکن یہ "استماع حدیث" کی پہیلی ہماری سمجھ میں نہیں آئی، یہ بات آپ نے کہاں سے پیدا کی ہے ــــ بہت مناسب ہے کہ آپ اپنے استاد امامؒ کی تفسیر سورہ عبس دفتر بلاغ[1] میں بھیج دیں، دیکھیں وہ کیا ارشاد فرماتے ہیں؛

اس کے بعد اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ

"اور جو لوگ آنحضرتؐ کی مجالس سے بیزار ہوتے تھے یا آپ کی باتیں" (غالباً حدیث مراد ہے) "سننے کے شائق نہ تھے" (یہ شائق اُردو محاورہ ہے یا آنجناب کی اصطلاح اصلاحی ہے یا عربی ہے۔ کیا کلام عرب میں انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟) "یا مجالس سے چپکے سے کھسک جاتے تھے یا لوگوں کو ورغلاتے تھے کہ آپ کی باتیں نہ سنیں" (غالباً مراد احادیث ہیں) "ان کو نہایت ترش الفاظ میں تہدید فرمائی گئی ہے اور اُن کی مذمت میں قرآن مجید کی اتنی آیتیں" (غالباً حدیثیں) "اُتری ہیں کہ ان سب کو جمع کرنے کے لئے مستقل مضمون کی ضرورت ہے" ــــ

کیا اچھا ہوتا اگر ایک آیت کا حوالہ دیتے اور اتنی طولانی عبارت کی جگہ اس کی تشریح فرما دیتے ــــ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ قرآن مجید میں اس بات کے لئے آیت اُترے کہ مسلمان آنحضرتؐ کے پاس حدیثیں سننے کے لئے جمع نہ ہوں۔ یا للعجب!!! ــــ مولوی صاحب باتیں تو بہت بنانی جانتے ہیں مگر حرف مطلب اس طرح کھا جاتے ہیں جیسے مسجد کے ملا حلوا ــــ ہم تو منتظر ہی رہے کہ اب اصلاحی صاحب "الحدیث" کی تفسیر فرماتے ہیں، مگر آپ ہیں کہ غیر متعلق باتیں کہے جاتے ہیں، بندہ پرور یہ تو فرمایا ہوتا کہ وہ "حدیث" کیا ہے جس کے سننے سنانے سے منع فرمایا گیا ہے ــــ اصلاحی صاحب نے اتنا غور نہیں فرمایا حالانکہ یہ بات کچھ غور طلب بھی نہ تھی کہ آیات زیر بحث میں طعام کا مذکور ہے، لوگوں کو طعام کی دعوت دی جاتی تھی نہ کہ "تفقہ فی الدین" کی، ابن ام مکتوم تزکیہ نفس کے لئے آیا تھا کہ کھانا کھانے کے لئے؟ ــــ

[1] دفتر بلاغ میں موجود ہے۔ فراہیؒ صاحب اور خواجہ عباد اللہ صاحب کا اس بارے میں اتفاق ہے یعنی اس کے معنی قرآن اور اس کی آیات کے ہی ہیں۔ یہ جذبۂ مخالفت کا کرشمہ ہے کہ اصلاحی صاحب بیان للناس کی معاندانہ تردید کی دھن میں اپنے استاد امامؒ کے مخالف چل رہے ہیں (بلاغ)

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

بھول ہوئی یہ مصرع بے محل لکھ دیا، آیت یا حدیث یا اقوال ائمہ دین زیادہ مناسب ہیں۔ لیکن اس میں کچھ قباحت بھی نہیں آپ تو بات بات پر شعراء جاہلیت سے سند لیتے ہیں، اگر میں نے ایک مسلمان شاعر کا مصرع پڑھ دیا تو آپ کے مذاق کی بات ہی کہی، اس لئے اس پر مذاکرہ نہ کیجئے گا۔

ان دو غلطیوں کے بعد آنجناب تیسری غلطی کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور آیہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کے بعد لکھتے ہیں کہ

"اس آیت کا ترجمہ مترجم نے یوں کیا ہے :۔

تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں تو اے ایمان والو تم (بھی ہر وقت) اس (نبی) کی خیر میں لگے رہو اور سلامت رکھو اسے سلامت رکھنا۔ اس کے بعد لفظ صلواۃ کی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے "صلوٰۃ یعنی ٹیڑھے بانس کو آگ پر سیدھا کرنا غرض اصلاح کرنا ہے"۔

اصلاحی صاحب نے اس ترجمہ اور تفسیر پر وہ مضحکہ اڑایا ہے جو تین صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔

بلاغ میں اس آیت کے تحت یہ لکھا ہے :۔

"قرآن مجید ہر چیز کو کس تفصیل سے بیان فرما رہا ہے، مگر بخیال ملانوں کے تفصیل صلوٰۃ ہی کو دوسروں پر چھوڑ رکھا ہے، الغرض یہ تمام باتیں کیسی عظیم الشان ہدایات پر مبنی ہیں اور کس طرح خداوند کریم اس سچے نبی کی "بھلائی" میں لگا ہوا ہے اور اپنی خوشنودی کا اظہار فرما رہا ہے، اللہ تعالےٰ دوسرے مومنین پر بھی خوشنودی کا اظہار کرتا ہے، (تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ کرتے ہیں (صلوٰۃ یعنی ٹیڑھے بانس کو آگ پر سیدھا کرنا، غرض اصلاح کرنا ہے، آپ کتاب و ایمان کو نہ جانتے تھے، خدا نے یہ سب کچھ سکھایا اور دوسرے "انعامات" فرمائے، جن چیزوں کا علم نہ تھا وہ بتائیں، اور مومنوں پر بھی یہی الفاظ لاکر رسول اور غیر رسول میں مساوات دکھا کر شخصیت پرستی کی جڑ کاٹی۔ خدا سب کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانا چاہتا ہے، ملاحظہ ہو فرمان الٰہی ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔ یہ ہیں صلوتیں۔ یہ اصلاحات خداوند کریم اپنے تصرف سے فرماتا ہے، ملائکہ کارکنان قدرت ہیں جو حکم الٰہی سے خدمت کر رہے ہیں، اگر صرف نیچر پر مدار رکھا جائے تو غلطیوں کا بھی امکان رہ جاتا ہے۔ اگر تصرف الٰہی اور حکم ایزدی ہو تو غلطی کا ذرا بھی امکان نہیں، اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ

یُغۡنِیۡہِ فِیۡھَا) نیچر اور تصرف کے درمیان یہی فرق ہے، غرض جب خدا اور اُس کے کارکنان قدرت اس (نبی) کی بہتری اور خیر میں لگے ہوئے ہیں تو (اے ایماندارو! تم بھی ہر وقت) اس (نبی) کی خیر میں لگے رہو اور سلامت رکھو (اسے) سلامت رکھنا"۔

اس ترجمہ اور تفسیر سے جو کچھ اصلاحی صاحب نے غلط فہمی پیدا کی ہے اس کا اظہار ان بلیغ لفظوں میں فرماتے ہیں کہ

"پس مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور فرشتے نبی کی اصلاح کرتے ہیں اور چونکہ اصلاح خیر و بہبود کا کام ہے اس لئے ایک قدم آگے بڑھ کر اصلاح کے معنی بھلائی کرنے کے ہو گئے چنانچہ مومنین کو جو حکم ہوا کہ صلوا علیہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر کی بھلائی میں لگے رہو"۔

اصل ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ اور اس کے کارکنان قدرت اس نبی کی بہتری اور خیر میں لگے ہوئے ہیں اور حضرت اصلاحی فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہوا کہ اللہ اور فرشتے نبی کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔ مطلب بھی اصلاحی صاحب خود ہی پیدا کرتے ہیں اور اس پر حاشیہ آرائی بھی آپ ہی فرماتے ہیں

آپ ہی مدعی اور آپ ہی حاکم ہے وہ
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

ترجمہ بالکل صحیح ہے کہ اللہ اور اس کے کارکنان قدرت اس نبی کی بہبودی اور خیر میں لگے ہوئے ہیں۔ جناب اصلاحی صاحب کو عربی دانی کا ادعا تو ہے لیکن جس قابلیت کا اظہار اس لفظ "صلی" پر کیا ہے وہ خندہ آفرینی کی اپنی آپ مثال ہے۔ اصلاحی صاحب کی عربی دانی کا جب یہ حال ہے تو آپ علم الالسنہ سے کب واقف ہونگے اس لئے اُن کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ کسی زبان کے اصل الفاظ تعداد میں بہت تھوڑے ہوتے ہیں، لیکن ایک ہی مادہ سے بیشمار الفاظ بن جاتے ہیں۔ صلی اصل لفظ ہے، اس پر اہل لغت نے جو کچھ لکھا ہے بالاختصار حسب ذیل ہے:۔

مفردات: صلا یا صلی کا اصل آگ سے بھوننا ہے۔ قولہ تعالےٰ "تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً" اور الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡکُبۡرٰی"

قاموس: "صلی اللحم تصلیۃ صَلّیا شواہ او ایقادہ فی النار" گوشت کو بھونا یا آگ میں جلانے کے لئے ڈالا

تاج: "اذا اصدی لفی او علی فانما بمعنی شواہ و احرقہ" جب یہ لفظ فی یا علی سے متعدی کیا جائے تو بھوننے اور جلانے کے معنی میں آتا ہے۔

جوہری کہتا ہے، "صلی النار یصلی صلیا احترق" اور ارشاد آلٰہی ہے کہ اولی بھا صلیا وہ اس سے جلنے کے قابل ہے۔

یہ تو ہوئے لغوی معنی اور اسی سے مشتق ہے لفظ "صلوٰۃ" امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ "اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَمِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ" ھی الدعا والاستغفار کما ھی من الناس قال "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" الخ

اکثر مفسرین اور اہل لغت کا اس پہ اتفاق ہے کہ صلوات کے معنی ان آیات میں تزکیہ ہے اور امام راغب کہتا ہے کہ اکثر اہل لغت صلاۃ کے معنی دعا و تبریک و تمجید کرتے ہیں،۔۔۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ مرحوم کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ جس کی رحمت ہر ایک شے پر وسیع ہے جب اپنی مخلوق کو نار جہنم میں ڈالیگا تو غرض اصلاح ہوگی اور لفظ صلا یا صلی کا اصل مفہوم آگ میں جلانا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر خٰلِدِیْنَ فِیْھَا) اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ محاورہ میں اس کے معنی اصلاح ہی ہیں، اس لئے تفسیر میں لغوی مفہوم اور غرض واضح کر دی، اور ترجمہ "بہبودی اور خیر" کیا اور اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے ـــ ہمارے کرم فرما بھی خیر سے "اصلاحی" واقع ہوئے ہیں اور غالبًا آنجناب کو یہ امر ناگوار گذرا کہ اصلاح آگ سے بھی ہوا کرتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آنجناب کی اصلاح بھی اسی طرح ہو، ہم حضرت اصلاحی کے جذبات کا احترام کرتے ہیں، لیکن خواجہ مرحوم کو کیا معلوم تھا کہ آپ اصلاحی ہیں اور آپ کا علمی و مذہبی رسالہ "الاصلاح" ہے۔ تفسیر و ترجمہ کا مفہوم بالکل صاف ہے لیکن جناب اصلاحی صاحب کا رضدار اپنے لئے کوئی اور نام تجویز کیجئے کیونکہ ذہن خود بخود کسی اور طرف منتقل ہو رہا ہے) اختیار تو ہم سلب نہیں کر سکتے جو مطلب چاہیں پیدا کریں اور پھر مضحکہ اڑائیں یہ بات انھیں زیب دیتی ہے۔ بُرا نہ مانئے

بحث میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

ہم حضرت اصلاحی صاحب کی دیانت داری کی داد دیئے بغیر نہ رہتے اگر آنجناب ان آیات کی مکمل تفسیر جن کا مضحکہ اُڑا رہے ہیں "الاصلاح" میں قارئین کرام کے تدبر کے لئے بلفظہ نقل کرتے اور پھر اس پر تنقید کرتے ۔۔۔ اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ

"اس مادہ کے اصل معنی پر اہل لغت نے ایک حد تک بحث کی ہے لیکن سب سے زیادہ تشفی بخش تحقیق استاذ امامؒ کی ہے، الا دوستوں میں کوئی ان مباحث کا اہل نہیں ورنہ جی چاہتا ہے،

کہ اس لفظ کی اصل حقیقت پیش کی جائے "۔

زاہد نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

اس کے بعد اصلاحی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اور ہاں حضرات! یہ سلموا تسلیما اور سلامت رکھیو سلامت رکھنا" کے کیا معنی؟"

اور اس کے بعد پھر اسی فصاحت و بلاغت پر اتر آئے ہیں جو آپ کا حصہ ہے ، ــــ ترجمہ اگرچہ صحیح ہے لیکن با محاورہ نہیں ، ــــ اصلاحی صاحب ترجمہ میں غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں حالانکہ ترجمہ خواجہ مرحوم کا نہیں ہے ، البتہ تفسیر کی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے ، ــــ حافظ نذیر احمدؒ دہلوی ترجمہ " درود و سلام" کرتے ہیں ، اور شاہ رفیع الدینؒ " سلام کرو سلام کہہ کر" ــــ بہر حال اُمت مرحومہ کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ آنحضرتؐ کی سلامتی علی الدوام چاہیں ، اس کی تشریح خواجہ مرحوم نے تفسیر میں کر دی ہے کہ " فی زماننا آریوں اور عیسائیوں وغیرہ کو ان کے اعتراضات پر دندان شکن جواب دینا بھی قرآن اور نبی کی خیر خواہی ہے "۔ لیکن

تُرا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است وجنگ

اصلاحی صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن اور رسول کریمؐ کی سلامتی کی خواہش عملاً اُمت مسلمہ کس طرح کر سکتی ہے جبکہ قرآن کی حفاظت خود اللہ تعالےٰ کے ذمہ ہے " اِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ " اور رسول کریمؐ کے ساتھ بھی وعدہ ہو چکا تھا کہ " وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "ــــ یہ تو وہی بنی اسرائیل کی سی بات ہے کہ اے موسیٰ جا تو اور تیرا خدا لڑے ، ہم تو یہیں بیٹھیں گے ، یعنی خدا تعالےٰ نے وعدہ تو فرما دیا تھا کہ ارض مقدس بنی اسرائیل کو دونگا اب وہ خود ہی اس وعدہ کو پورا کرے ہمیں مصیبت و ہلاکت میں کیوں ڈالتا ہے ، ــــ حضرت! یہ عالم اسباب ہے اور مناسب اسباب ہی سے کام چلتے ہیں ، ــــ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر انصار نے آنحضرتؐ کو کہا کہ ہم وہ نہیں جنہوں نے موسیٰؑ کو کہا کہ جا تو اور تیرا خدا لڑے ، ہم سب جانیں لڑا دیں گے اس کے بعد دشمن کا ہاتھ آپ تک پہنچ سکتا ہے "ــــ آپ ہی انصاف سے کہیئے کہ سلام کا مفہوم کیا ہے ؟ محض زبانی علیک سلیک یا کچھ اور ہے ؟ ــــ " تسلموا تسلیما " کا مفہوم فرمانبرداری بھی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سلامتی قولاً و فعلاً کس لئے درست نہیں ؟

اصلاحی صاحب کا نظریہ کہ قرآن محفوظ اور رسول کریم کی ذات لوگوں کے شر سے محفوظ ہو تو مومنین پر یہ بار ذمہ داری ہو ہی نہیں سکتا کہ قرآن اور آنحضرتؐ کو آفات سے بچائیں، آیات کے الفاظ سے تو واضح نہیں ہوتا، ویسے تحریف کا اختیار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب ایک ہی لفظ "صلوٰۃ" بہ تعلق اللہ تعالےٰ و ملائکہ و مومنین آیت زیر بحث میں استعمال ہوا ہے تو ایک ہی فقرہ میں اس ایک لفظ کے تین مختلف معنی قرآن عظیم میں اختلاف کثیر پیدا کرنا ہے — اصلاحی صاحب خواجہ مرحوم اور ارکان بلاغ کو جی کھول کر جو چاہیں کہیں لیکن کسی مسلمان کی غیرت ایمانی آپ کو اجازت نہیں دے سکتی کہ "فِیْہِ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا" کا اعلان کریں۔ "صلوٰۃ" کے معنی خواہ کچھ ہوں، خواجہ مرحوم کا ترجمہ و تفسیر صحیح ہو یا آپ کے استاذ امامؒ کا بہرحال، اس کا مفہوم ایک ہی ہوگا اور ہونا چاہیئے اور معانی میں اختلاف لازمی نتیجہ ہے۔ افسوس ہے ان نام نہاد مسلمانوں پر کہ دعویٰ خدا پرستی کا اور عملاً بندہ پرست۔

سنا ہے؟ برسر ممبر جو کچھ ارشاد کرتے ہیں
بتوں کا نام لے لے کر خدا کو یاد کرتے ہیں

خواجہ مرحوم کی تفسیر بالکل صحیح ہے فرماتے ہیں کہ:-

مدنی پر نزول قرآن کیا کم خیر ہے جس پر چل کر فلاح دارین مل گئی، اور مقام محمود تک پہنچ گئے۔ ادہر خدا تعالےٰ وحی کے ذریعہ اصلاح کر رہا ہے اور ادہر سرکش جماعتیں اکٹھی ہو کر ان اصلاحات میں روکاوٹیں ڈالنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہیں، مومن مردوں اور مومن عورتوں کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اُڑائی جا رہی ہیں، مومنین میں رسول بھی شامل ہے، مدینہ میں منافقین موجود ہیں، جو بُری خبریں پھیلا کر اصلیت کو گم کرنا چاہتے ہیں یہ کفار کے جاسوس ہیں، اور ہر وقت بہتان لگانے کی کوشش کرتے اور الزامات تراشتے رہتے ہیں، حکم ہوتا ہے کہ ان کو شہر بدر کر دو، اگر خفیہ طور پر کوئی رہ گیا تو قتل کیا جائیگا۔ مومن برائیاں سننا نہیں چاہتے مخالفین کی تراشیدہ تہمتیں آج بھی دوسری کتابوں میں موجود ہیں، مگر افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت ان ہی تہمتوں پر فدا ہو رہی ہے اور ان کو دین سمجھ رہی ہے، ان بہتانوں، الزاموں گمیوں اور افتراؤں کو احادیث رسول کا رتبہ دیکر کتاب اللہ میں داخل سمجھا جا رہا ہے، حیرت ہے کہ مسلمان کن دشمنوں کی چالوں میں آ گئے، پھر سلسلہ روایات کو صحابہ تک پہنچا دینا ہی صداقت اور سچائی کی دلیل سمجھا جاتا ہے، اور نہیں جانتے کہ موسیٰ سے انا المسلمان کون

کہنے والے اصحاب ہی ایک باطل معبود کی التجا کرتے ہیں، سارے ساتھی ایک سے نہیں ہوتے، ان میں بد باطن لوگ شامل ہو جایا کرتے ہیں، ہاں حقیقی اصحاب وہ تھے جنہوں نے اپنی صداقت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجا دیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ"

ن حالات اور واقعات سے انکار ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید خود ان کی شہادت دے رہا ہے، سورۃ الاحزاب ان واقعات کا مذکور ہے بلکہ اس شرارت اور فتنہ کا سد باب بھی کیا گیا ہے جو مخالفین اور منافقین کے تھے، اور مومنین کو بتایا گیا ہے کہ ان حالات میں ان کی ذمہ داری کیا کچھ ہے ـــ یہ مفہوم ہے لَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا کا۔

خواجہ مرحوم شاعر نہ تھے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل لوگ تفاسیر میں یہی رنگ پیدا کر رہے ہیں۔ مضمون ہوں، نکتہ آفرینی ہو، اور زمین و آسمان کے قلابے ملائے جائیں، اور ہر طرف سے واہ واہ کا شور وغل ہو۔

اصلاحی صاحب نے اس کے بعد ایک زقند لگائی اور درمیانی آیات اور ان کا ترجمہ اور تفسیر چھوڑ کر یل آیت پر آگئے۔

مَّلۡعُوۡنِيۡنَ ۚ اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِيۡلًا ۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"مترجم نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :۔ ملعون بن کر (چھپ کر یا بھیس بدل کر) ۔ ۔ آخر شرارت کر کے کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جائیں گے پھر) جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے (قید و بند کی سزا بھگتیں گے) (اور بعض سنگین جرائم وغیرہ میں) قتل بھی کئے جائیں گے خوب قتل کرنا ـــ اس ترجمہ میں چند در چند غلطیاں ہیں۔ ملعونین کا مفہوم چھپ کر یا بھیس بدل کر بالکل غلط ہے، لغت، اور استعمالات سے اس کی تائید نہیں ہوتی، یہ سخت ترین مذہبی سزا ہے جو کسی جماعت یا فرد کو خدا کی طرف سے دی جاتی ہے اس کی اصل الحاد اور طرد ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جو ملعون ہوتا ہے وہ جماعت سے کاٹ دیا جاتا ہے اور معذب ہوتا ہے، چھپنا اور بھیس بدلنا خود ان کا فعل ہے، اور لعنت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ ملعونین کا نتیجہ قرآن نے اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِيۡلًا کہہ کے خود بیان فرما دیا اس میں مصنف کے اقوال کی کوئی ضرورت نہ تھی"۔

بلاغ میں آیت زیر بحث سے پہلی آیت لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ الآیہ کے تحت یہ عبارت ہے:۔

"(چاہئے تو یہ کہ امن والے بن کر صلاحیت والے کام کرو تاکہ فلاح پاؤ ورنہ سُن لو کہ) اگر نہ ٹلے منافقین (چھیڑ خانیوں سے) اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شہوت پرستی کا) مرض ہے اور (جو الزامات تراشنے والے اور) اسی شہر میں بُری خبریں اُڑانے والے ہیں (اگر وہ اپنی بداعمالیوں سے باز نہ آئے) تو تجھے ہم نے حاکم بنا کر انتظامی اختیارات تو دئے ہوئے ہیں اس لئے ہم ان کے پیچھے تجھے یقیناً لگا دینگے (پس تکالیف اور روزانہ سزاؤں سے گھبرا کر کسی طرف منہ کر کے بھاگ نکلیں گے) پھر وہ اس (مدینہ) میں تیرے پاس نہیں رہیں گے مگر کوئی کوئی ملعونین الایہ (اور وہ بھی) ملعون بن کر (چھپ کر یا بھیس بدل کر یا بظاہر گناہوں سے باز آنے کا عہد کر کے مگر بری عادتیں بہرحال بری ہوتی ہیں آخر شرارت کر کے کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جائیں گے پھر) جہاں کہیں بھی پلٹے جائیں گے پکڑے جائیں گے (قید و بند کی سزائیں بھگتیں گے اور بعض دفعہ سنگین جرائم جبر زنا اور خون وغیرہ میں) قتل بھی کئے جائیں گے خوب قتل کرنا۔"

اصلاحی صاحب کی دیانت داری ملاحظہ ہو کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ اس ترجمہ میں چند در چند غلطیاں ہیں اور قارئین کی توجہ کو ترجمہ سے ہٹا کر تفسیر کے دو فقروں کے بعض حصوں کو ترجمہ ظاہر کر کے خامہ فرسائی شروع کر دی۔ ترجمہ اور تفسیر دونوں صحیح ہیں۔ "ملعونین" کا ترجمہ "ملعون بن کر" کیا گیا ہے جو بالکل صحیح ہے۔ چونکہ یہ لوگ منافق بھی تھے اور نفاق پوشیدہ امر ہے اس لئے ان ملعونوں کی حالت واضح کی ہے کہ "چھپ کر یا بھیس بدل کر یا بظاہر گناہوں سے باز آنے کا عہد کر کے" اور یہ تفسیر بھی بالکل صحیح ہے۔ الاصلاح کو خود اصلاح کی ضرورت ہے۔ "او خویشتن گم است" ترجمہ کی چند در چند" غلطیوں کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ :۔

"اُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا" کی تشریح مترجم (مفسر کہئے ؟) نے اس طرح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف سزائیں مختلف نوعیت کے مجرمین اور مختلف حالات کے لئے ہیں حالانکہ اسالیب زبان کے اعتبار سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں حرف عطف واؤ ہے جو اصلاً جمع کے لئے ہے پس اخذ و تقتیل دونوں ایک ہی کے لئے ہونا چاہئے اگر مختلف حالات کے لحاظ سے یہ دو مختلف سزائیں ہوتیں تو اسلوب کلام کچھ اور ہوتا مثلاً مائدہ میں فرمایا ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ الآیہ

دارالندوہ میں بیٹھ کر کفار آنحضرت کے خلاف مشورے کرتے تھے ان کی مختلف تجویزوں کو یوں بیان فرمایا وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ۔ اس کے شواہد بے شمار ہیں لیکن اختصار مانع تفصیل ہے فافهم —

آیات زیر بحث میں اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ کا مذکور ہے ۔ یہ تین قسم کے لوگ ہیں منافق، اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور وہ جو بُری افواہیں اُڑاتے ہیں، منافق ایسے لوگ ہوتے ہیں جو گندم نما جو فروش ہوتے ہیں اور اپنے نفاق کو ظاہر ہونے نہیں دیتے اور اس لئے دوست نما دشمن ہوتے ہیں ۔ وہ خود علانیہ ایسی حرکت نہیں کرتے جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو، یہ لوگ بہت چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں، وہ جو کام کرنا چاہتے ہیں دوسروں سے کرواتے ہیں، اگر وہ خود ہی کام کریں تو ان پر منافق کا اطلاق نہ ہوگا، یہ ہوئے ایک قسم کے لوگ جو منافق ہیں ۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے، خواجہ مرحوم نے اس مرض کو شہوت پرستی سے تعبیر کیا ہے اور اُن کے پیش نظر آیہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ـــــ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۳۲ (اے نبی کی عورتو تم کچھ عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو (کیونکہ) جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تم سے توقعات پیدا کرلیگا اور بات کرو (تو بے لاگ لپٹ) دستور کے موافق) ـــــ اور نیز آیت زیر بحث کی پہلی دو آیتیں، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الآیہ یہ آیت پردہ کے متعلق ہے، ـــــ قرآن میں منافقوں سے ایسے لوگوں کا مذکور جن کے دل میں مرض ہے علیحدہ ہوا ہے (۴۹/۸ و ۲۱/۱۸) اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ آیہ لِّلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِیَةِ قُلُوۡبُهُمۡ (۵۳/۲۲) سے ان دو قسم کے لوگوں کے دلوں کی کیفیت الگ واضح ہورہی ہے، منافق ایک خاص غرض اور ارادہ رکھتے ہیں، اور بدترین کافر ہیں، مریض کا دل بہت کمزور ہوتا ہے، وہ نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوتا ہے، اسباب مرض کی تشریح آیات ۱۰/۱۲، ۲۶/۲ میں کی گئی ہے، اگر مومنوں کو کوئی لڑائی درپیش ہو، تو اُن کے مُنہ پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں، اُن کا مرضِ دل اُن کے چہروں اور اُن کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے (۲۶/۲)، بلحاظ نوعیت یہ سب کفر کے تحت میں اور ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں، لیکن مدارج مختلف ہیں، کافر علانیہ دشمن ہے، منافق پوشیدہ دشمن ہے، مریض کمزور اور ڈرپوک شخص ہے اور اس وجہ سے اس کی طبیعت کا رجحان دشمن

کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اگر دشمن زبردست ہو تو اپنی خیریت اسی میں دیکھتا ہے کہ اس سے جا ملے (۱۲/۶) مرض کا علاج ہو سکتا ہے لیکن اگر اصلاح نہ ہو تو ایسے اشخاص کی موت کفر پر ہی ہوتی ہے (۵/۱۱)

جرائم بیشمار ہیں اور اُن کے مرتکب مجرم کہلاتے ہیں، لیکن ہر ایک جرم کی مناسب سزا ہوتی ہے، غالباً اصلاحی صاحب کو اس سے انکار نہ ہوگا کہ یہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کو ایک دوسرے سے الگ بیان کیا گیا ہے، اب دوسرا سوال یہ ہے کہ ان سب کے لئے کیا ایک ہی سزا قتل ہے؟ اصلاحی صاحب کا یہی خیال ہے۔ ترجمہ اس حد تک صحیح ہے کہ "جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل (بھی) کئے جائیں گے"۔ حرف "بھی" شرکت کا ہے، ہماری رائے میں ترجمہ میں زائد ہے واللہ اعلم بالصواب۔ تفسیر میں خواجہ صاحب نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ محض کسی شخص کا منافق ہونا یا کسی کے دل میں مرض کا ہونا قابل مواخذہ نہیں جب تک ایسے لوگوں سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جو جرم کی حد تک پہنچتی ہے، اس لئے اُن کو سزا جرم کے مناسب دی جائیگی اور وہ قید کی سزا ہو سکتی ہے اور سنگین جرائم مثلاً قتل عمد یا نظام حکومت کو متزلزل کرنے کی عملاً سعی، مستوجب قتل ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ:۔

"کبھی باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور جھوٹ اُڑانے والے مدینہ میں تو ہم لگا دیں گے تجھ کو اُن کے پیچھے، پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے پھٹکارے ہوئے، جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے"

یہ ترجمہ بالکل صحیح ہے۔ خواجہ مرحوم نے "اُخِذُوْا" کا ترجمہ قید و بند نہیں کیا ہے، لیکن تفسیر میں یہ واضح کیا ہے کہ "قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا" کا مفہوم انتہائی سزائے قتل ہے اور حالات کے تحت سزا کم بھی ہو سکتی ہے اور یہ قید و بند ہو گی۔ جیسے سرقہ کی انتہائی سزا قطع ید ہے، لیکن حالات کے تحت کم بھی ہو سکتی ہے، یعنی قید و سزائے درہ، ضابطہ قانون یہی ہے کہ ہر ایک جرم کی انتہائی سزا کا مذکور ہوتا ہے لیکن روئداد مقدمہ پر سزا کم بھی ہو سکتی ہے اور یہ اختیار اولی الامر کا ہے کہ حالات کے تحت سزا دیں۔ اصلاحی صاحب کی توجیہ صحیح ہے لیکن آنجناب مفسر کے فہم کو نہیں پہنچے ورنہ غلط فہمی پیدا نہ کرتے،

اصلاحی صاحب نے "يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ" الایہ کے ترجمہ کی نسبت اتنا ہی لکھا ہے کہ "ترجمہ بلا کسی قرینہ کے حال کا کیا ہے"۔ ترجمہ بالکل صحیح ہے۔ "قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا" کا ترجمہ "قول کو پختہ کرو"

اصلاحی صاحب کے نزدیک صحیح نہیں، شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ "سیدھی بات کہو" کیا ہے۔ قول کو پختہ کرو، مفہوم تو صحیح ہے لیکن ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ تفسیر میں ترجمہ صحیح کیا گیا ہے کہ "عدل والی پختہ راستی کی"۔ محاورہ میں کہتے ہیں کہ انصاف سے خدا لگتی کہیو۔ بہرحال یہ کچھ ایسی بات نہیں جس پر لے دے کی جائے۔ اصلاحی صاحب یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ شعر سے استناد بالخصوص قرآن کے معاملہ میں ارباب تاویل کے اصول کے خلاف ہے، بار بار شعراء کے کلام سے سند لیتے ہیں۔

"سدید" کا مادہ "سد" ہے اور اس کے مفہوم میں پختگی اور "دوام" بوجہ وزن فعیل پایا جاتا ہے اور بوجہ مشابہت موانع کو بھی "سد" کہتے ہیں، وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا" اس جگہ سد کا ترجمہ دیوار ہے جس میں کوئی رخنہ نہ ہو۔

خواجہ مرحوم نے إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الایہ کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔

"تحقیق ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا پس انکار کیا اُنھوں نے اس کے اُٹھانے سے اور ڈر گئے"۔۔۔ ترجمہ بالکل صحیح ہے اور یہی ترجمہ ہر ایک نے کیا ہے۔ تفسیر میں خواجہ مرحوم نے یہ ظاہر کیا ہے کہ حمل کے معنی یہ بھی ہیں کہ اُنھوں نے اس کے حکم "اُٹھا دینے" سے یعنی "نہ ماننے" سے انکار کیا، کہ بھلا آپ کا حکم ہو اور ہم اس کو اُٹھائیں یعنی ہٹا دیں"۔۔۔ اصلاحی صاحب نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ خواجہ مرحوم کی تحقیق ہے اور خوب داد فصاحت دی ہے، اگر خواجہ مرحوم کو "حمل" کے یہی معنی پسند ہوتے تو ترجمہ بھی اس کے مناسب کرتے، خواجہ مرحوم نے تو ایک احتمال کا اظہار کیا ہے کہ "حمل" کے یہ معنی "بھی" ہیں اور اصلاحی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ ابواسحاق زجاجؒ نے بھی اس کی کچھ ایسی تاویل کی ہے اگرچہ غلط ہے، اصلاحی صاحب کا ارشاد ہے کہ "اٹھا دینا بمعنی "ہٹا دینا" شاید پنجابی محاورہ ہو ورنہ اُردو میں کوئی اچھا محاورہ نہیں، اچھا ہو یا بُرا محاورہ ضرور ہے غالب کہتا ہے

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گذر پہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں

پردہ اُٹھا دینا وغیرہ محاورہ اہل زبان کا ہے۔ آخر میں ہم حضرت اصلاحی صاحب کی خدمت میں مودبانہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ بشر ہی نہیں جو غلطی سے پاک ہو، مجھے تفاسیر کے مطالعہ کا بہت کم موقعہ ملا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے اور "تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں" اس لئے

قرآن کو قرآن ہی کی روشنی میں مطالعہ کرتا ہوں، خواجہ مرحوم سے آنجناب کا ذاتی تعارف نہ تھا، وہ پرانی وضع کے بزرگ مرنج و مرنجاں کے اصول پر کاربند تھے، اور مرحوم اسی اصل اصول تفسیر کو مد نظر رکھتے تھے، مرحوم کی تفسیر کا وہ حصہ جو اُن کی وفات کے بعد شائع ہو رہا ہے حقیقت میں تفسیر کی حیثیت نہیں رکھتا، وہ بعض یادداشتوں سے مرحوم کے دوست مرتب کر رہے ہیں۔ اس حصہ تفسیر میں مرحوم کے خیالات کی جھلک ضرور پائی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آیات کا نہ ترجمہ اور نہ تفسیر کے الفاظ مرحوم کے ہیں، البتہ خیالات ضرور ہیں، قرآن عظیم کی تفسیر جو ہمارے جیسے بشر کرتے ہیں وقتی ہے، اور اپنے ماحول اور ذہنی اور خارجی حالات اور تاثرات سے بے نیاز ہو کر لکھی نہیں جا سکتی، ہر ایک ایسی تفسیر میں غلطیاں بھی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں، خواجہ مرحوم کی تفسیر اس سے مستثنٰی نہیں۔ آنجناب کے استاذ امامؒ نے بھی ایسی کئی غلطیاں کی ہیں، لیکن ان غلطیوں سے ان بزرگوں کی شان میں کوئی بٹہ نہیں لگ جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

اور یہ کہ

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب
جانِ آزادِ ادب لفت پرست پیکراست
آبروئے زندگی ہم رفت چوں آداب رفت

خود رسول کریمؐ سے بھی بہ تقاضائے بشریت اجتہادی غلطیاں ہوئیں اور قرآن اس کا شاہد ہے تو خواجہ مرحوم اور آپ کے استاذ امامؒ کس شمار میں ہیں۔ لیکن ایک مسلمان مومن سے یہ امر بہت بعید ہے کہ بزرگوں کی نسبت ایسی دل آزار زبان میں گفتگو کرے جو بازاری ہو، مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے، آنحضرتؐ کا اخلاق دیکھو کہ لوگوں کو منع کر دیا کہ حضرت عکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے ابن ابی جہل نہ کہا کرو کہ مُردوں کی مذمت زندوں کو تکلیف دیتی ہے۔ میں خود نادم ہوں کہ میں نے بھی کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو آپ کے لئے دارو تلخ کی طرح خوشگوار نہیں، اگرچہ میں نے احتیاط کی ہے کہ آنجناب کی زبان میں گفتگو نہیں کی، اور اس سے میری غرض محض یہی ہے کہ آپ سمجھ جائیں، کہ "مجال سخن تنگ نیست"۔ آئندہ اگر آپ متانت اور معقولیت سے کچھ لکھیں گے تو ہم بھی غور کریں گے

یہ ہمارا شیوہ ہے کہ حق بات کو ماننے میں ہمیں تامل نہیں ہوتا، جب یہ امر مسلّم ہے کہ انسان غلطی کرتا ہے اور خواجہ مرحوم کی تفسیر میں بھی غلطیاں ہیں اور اگر یہ واضح کی جائیں تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر واضح کیا جائے کہ اُمت مسلمہ سوائے "مسلم" کسی اور خطاب کو پسند نہیں کرتی۔ وہ یہ کہ وہ منکر احادیث بھی نہیں، لیکن احادیث کو حجت شرعی نہیں سمجھتی، اور ان احادیث کا ضرور انکار کردیتی ہے جو منافقوں، اور مخالفان دین اور اسلام کے نادان دوستوں نے وضع کیں، اور شائع ہو گئیں اور جن پر عام لوگوں، اور مولویوں کا ایمان ہے، اور جن کی بنا پر مخالفان اسلام نے قرآن، اور رسول کریمؐ پر حملے کئے، اور کرتے ہیں، خواجہ مرحوم نے کسی نئے فرقہ کی طرح نہیں ڈالی اور اُمت مسلمہ کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔ اُمت مسلمہ کے اغراض و مقاصد کا اعلان بلاغ کے پہلے صفحہ پر ہوتا رہتا ہے، اگر آپ کو اس سے اتفاق ہے تو آپ سے توقع ہوسکتی ہے کہ آپ ہمارا ہاتھ بٹائیں اور ہم آپ کا، اور تفرقہ اور فرقہ بندی کو اُٹھادیں ــــ ہاں آپ موافق و مخالف جو چاہیں ضرور لکھیں لیکن بنظر تحقیق۔ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ وہ بات کہیں جو احسن و اہدیٰ ہو۔

مواعظ قرآن

(۳۰)

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۔ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا (۸ ع) اور ہم نے مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے پس تم ماپ تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور مُلک میں انتظام ہونے کے بعد فساد مت برپا کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم تصدیق کرو، اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ ایمان والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور کجی کی تلاش میں لگے رہو۔

قرآن شریف میں چار ایسے پیغمبروں کا ذکر ہے، جن کا تذکرہ نہ بائبل میں ہے اور نہ بنی اسرائیل ان سے واقف تھے۔ یہ عرب سے مخصوص تھے اور یہ صالح، ہود، شعیب اور لقمان علیہ السلام ہیں۔ قرآن نے ان کے ذکر کے ساتھ اُن کی تعلیم کا بھی ذکر کیا ہے، اور اس آیت میں حضرت شعیب کی تعلیم کا ذکر ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) خدائے واحد کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) لوگوں کو دھوکا مت دو اور نقصان مت پہونچاؤ۔

(۳) مُلک میں امن و امان کے بعد فساد مت برپا کرو۔

(۴) سڑکوں پر بیٹھکر ایمان لانے والے نیک آدمیوں کو دھمکیاں نہ دو اور اُن پر آوازے نہ کسو۔ لوگوں کو راہِ حق سے روکنے کے لئے اور اُن کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لئے سیدھی سادی بات کو توڑ مروڑ کر مت بیان کرو۔

اگر حضرت شعیب نے یہ بھی تعلیم دی تھی کہ اپنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کترواؤ۔ یا تصویر اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجو۔ موسیقی اور بے ضرر لہو ولعب سے اجتناب کرو۔ ایک خاص کاٹ کا پائجامہ اور ٹوپی پہنو۔ سونے چاندی اور ریشم کا استعمال نہ کرو۔ ایک خاص قسم کا کھانا کھاؤ، تو خدا نے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ اُن کی صرف اسی تعلیم سے خبر دی ہے جس پر در حقیقت تمام اخلاق و نیکی کا مدار ہے۔ جس نے اس پر عمل کر لیا، وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔ سب سے بڑی چیز تو یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکا مت دو اور نقصان نہ پہنچاؤ۔ آیت میں النّاس کا لفظ ہے یہ نہیں کہا گیا کہ صرف مسلمانوں ہی کو دھوکا مت دو اور نقصان نہ پہنچاؤ اور دوسروں کو اس سے مستثنیٰ سمجھو، جیسا یہودیوں کا طریقہ ہے اور جن کی پیروی میں ہمارے علماء بھی دار الحرب کے لوگوں کو نقصان پہنچانے اور اُن سے سود لینے کو جائز کر دیتے ہیں۔ دھوکا دینا اور لوگوں کو نقصان پہنچانا خواہ دو پیسے کے سودے ہی کو کم تول کر ہو، اس سے قطعًا احتراز کرو کہ حق العباد اسلام میں بڑی اہم چیز ہے اور اس کو برباد کرنے والا کبائر کا مرتکب ہوتا ہے۔

دوسری بات، ملک میں شورش اور فتنہ انگیزی نہ پھیلاؤ۔ فتنہ انگیزی کی آگ جب ملک میں مشتعل کی جاتی ہے تو اس کے لئے مذہب کی آڑ پکڑی جاتی ہے اور لفظ مذہب خود غرض لوگوں کی اصطلاح میں ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ سیاست و معاشرت کی ادنےٰ ادنےٰ باتوں پر بھی حاوی ہو جاتا ہے۔ اگر ملک تعلیم کو عام بنانے یا چھوٹی بچیوں کو شادی کے نام سے اُن کی زندگی تلف نہ کرنے دے تو اہل غرض اس کو بھی مذہب میں مداخلت کا نعرہ لگا کر فساد برپا کر دیں گے۔ غرض کہ طرح طرح کے بہانے اس فتنہ و شر کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں۔ کہیں مسجد کے سامنے باجا بجنے پر لاٹھی چلتی ہے۔ کہیں مسجد کی اینٹ کھسک جانے پر، کہیں کسی بزرگ کے مزار پر ڈھولک اور مزامیر میں، کہیں محرم کے علم و تعزیہ پر، کہیں قربانی بقر پر۔

تیسری بات ایمان دار نیک لوگوں کی توہین و تعقیب نہ کرو۔ نہ اخبارات کے کالموں میں، نہ اپنے وعظ میں خواہ وہ مسجد کے ممبر پر ہو یا سڑک اور پارک کے کنارے۔ خدا کے سوا کوئی کسی کی باطنی حالت سے واقف نہیں۔ تمہیں خدا نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ جو بظاہر مسلمانوں کی طرح رہتا سہتا ہے، اس کو محض اپنے ذاتی اختلاف و کینہ کی وجہ سے سڑک پر بیٹھ کر جی کھول کر گالیاں دو، اس کا حقہ پانی بند کر دو، وہ مسجد میں نماز پڑھنے آئے تو بدعتی یا وہابی بنا کر اس کو مسجد سے نکلوا دو۔ اگر دیوبندی مسلم لیگ

سے اختلاف رکھتا ہے یا علیگڈھی مسلم لیگ کا حامی ہے تو اُن کے ایمان پر حملے نہ کرو۔
چوتھی بات یہ ہے کہ تفسیروں، حدیثوں اور صوفیا کے لطائف کلام میں لوگوں کو ڈال کر سیدھی سادی بات میں اس قدر گتھیاں پیدا نہ کرو کہ راہ حق کو مسدود کر کے عوام کو نہ دین کا رکھو نہ دنیا کا۔
غور کرو۔ یہ تعلیم آنحضرت صلعم کے زمانے سے بہت پہلے عرب کے ایک مبعوث پیغمبر نے اپنی قوم کی اصلاح کے لئے پیش فرمائی تھی۔ اُن کی قوم اس سے عاری رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن اگر ہم اپنے گریبان میں مُنہ ڈالیں تو ہم اس تعلیم کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ "حق گو"

بیان

(از جناب خواجہ عباداللہ صاحب اختر بی۔اے)

اَمْرٌ۔ اس کا ترجمہ عموماً "حکم" کیا جاتا ہے، "حکم" دو طرح کا ہوتا ہے، کسی قول و فعل کے کرنے اور کسی قول و فعل کے نہ کرنے کا، اس لئے "امر" بمعنی حکم ضد "نہی" ہے، لیکن اس کا صحیح مفہوم "مقصد" کو بروئے کار لانا ہے" یا "ارادہ" کا اظہار ہے، صحیفہ فطرت کے مطالعہ سے "امر" کا مفہوم واضح ہوتا ہے، اللہ تعالے نے تمام کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس مقصد کا اظہار یہ شے خود بخود کر رہی ہے، کوئی شے اس مقصد کو خود پیدا کرنے والی نہیں، اور اس لئے کوئی شے صاحب اختیار نہیں ہے ورنہ وہ اپنے لئے کوئی اور مقصد ٹھہرا لے، یہی امر اللہ تعالیٰ کی ہستی اور توحید پر دلالت کرتا ہے،

"امر" اختیار اور حکومت کا مقتضی ہے،

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ

(اے نبی اور رسول) تیرا کچھ اختیار نہیں کہ ان پر مہربانی کرے یا نہیں، عذاب کرے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں، اور جو کچھ آسمان اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہے بخشے، اور جس کو چاہے عذاب کرے۔

اس آیت کے مخاطب آنحضرتؐ ہیں، صاف الفاظ میں ارشاد ہے کہ "امر" میں تیرا کچھ بھی نہیں "امر" اللہ تعالے کی ذات کے لئے خاص ہے، "وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ" ۱۲ تمام کائنات کا خالق اللہ تعالے ہے اس لئے "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" ۸ (سن رکھو کہ پیدا کرنا اور امر کرنا اسی کا کام ہے، وہ بڑی برکت والا تمام کائنات کا پروردگار ہے) ان آیات میں "امر" کے متعلق اصل اصول واضح کیا گیا ہے کہ جو جس شے کا خالق اور پروردگار ہو وہی "امر" کر سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص کسی شے کا خالق نہیں ہے اور نہ پروردگار ہے۔ باغبان ایک پودا لگاتا ہے اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ درخت جب بڑا ہوگا تو اس کا پھل میرے کام آئیگا، اور جب پھل نہ لائیگا تو اس کی لکڑی سے دیگر ضروریات پوری ہونگی، چنانچہ جیسا

ہی ہوتا ہے، یہ سمجھو کہ وہ اس درخت کا خالق ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے اور وہ مقصد حاصل کرتا ہے جو اس درخت کی پیدائش کا ہے، لیکن درخت جس مقصد کا اظہار کر رہا ہے وہ باغبان کا پیدا کردہ نہیں اور نہ خود درخت کا پیدا کردہ ہے، اس کا ظہور تو ایسے شخص کے ذریعہ ہوا ہے جو خود اس امر میں اختیار نہیں رکھتا، نتیجہ واضح ہے کہ یہ مقصد کسی اور کا ٹھہرایا ہوا ہے اس لئے ہر ایک امر کا رجوع اسی ذات بابرکات کی طرف ہوگا خواہ اسباب کچھ بھی ہوں، جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کو قائم رکھا ہے وہی خالق اسے بہتر جانتا ہے، انسان کو اس نے جو اختیار بخشا ہے تو اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ اس مقصد سے واقف ہو اور فائدہ اٹھائے، جسطرح ہم ہر ایک شے کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن اس سے پیشتر مقصد کا علم ہونا چاہیئے، اور پھر اس امر کا علم ہونا چاہیئے کہ اسے کس طرح کام میں لانا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے صحیفہ فطرت کے ذریعہ سکھاتا اور سکھا رہا ہے، اور ہماری تمام ترقی کا انحصار اسی پر ہے اور اس طرف سے روگردانی ہر ایک عذاب کے مُنہ آنا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا دائمی قانون ہے "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (کتاب فطرت اور حکمت سکھاتا ہے)

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ الآیہ ۲/۲۲ اور تجھ سے حیض کے متعلق دریافت کرتے ہیں جواب دو کہ وہ گندگی ہے اس لئے تم عورتوں سے حیض کے وقت علیحدہ رہو اور جب تک اس سے پاک نہ ہوں اُن کے نزدیک نہ ہو، پھر پاک ہو جائیں تو جسطرح اللہ نے امر فرمایا ہے اُن کے پاس جاؤ صرف انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کو جس کا جوڑا ہے اللہ تعالیٰ نے فطرۃً سکھا دیا ہے، اس لئے اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ "امر" کا مفہوم فطری تحریک ہے، جو ہر ایک شے میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۱۲/۲۴ (اور ہر ایک سماء میں اس کی پیدائش کے مناسب امر وحی کیا) اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک شے میں تقدیرًا یا فطرۃً "امر" ودیعت ہے، ہر ایک شے میں اللہ تعالیٰ کا امر نافذ ہے جو اس شے سے ظہور میں آتا ہے یعنی ہر ایک شے قوانین فطرت کے تابع ہے جس کا واضع اللہ تعالیٰ ہے،

قرآن صحیفہ فطرت کا بیان ہے (ملاحظہ ہو لفظ قرآن) اس لئے اس میں ہر ایک "امر" کا جس کی وحی ارض وسما کو ہو چکی ہے مفصل بیان ہے،

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ | اس (قرآن) میں تمام امر جو حکمت کو ملے ہوئے ہیں کھول کر

فلسفۂ موت اور اقبالؒ

(محمد اقبال صابری)

انسان کیا ہے؟ ایک ایسی ہستی، ایک ایسا وجود جس کی خدمت اور غلامی کے لئے کائنات کا ایک ایک ذرہ سرگرم عمل ہے۔ آفتاب روز اپنے مقررہ وقت پر طلوع ہو کر روشنی اور گرمی کے فوارے چھوڑتا ہوا، برگ و بار کی تربیت کرتا ہوا، عمر انسانی کی رفتار سے اطلاع دیتا ہوا بڑے ہی نظام اور پابندی کے ساتھ ہمارے سروں کے اوپر سے گزر جاتا ہے۔ رات اس لیے بنائی گئی کہ سارے دن کی جسمانی یا دماغی مشقت سے تھکا ہوا انسان، سکون و استراحت کے آغوش میں آرام پا کر آئندہ روز کے لئے پھر تر و تازہ ہو جائے۔ چاند اس لیے پیدا کیا گیا کہ وہ انسان کی دلچسپی اور رونق کے لئے سطح ارضی پر چاندنی کے پاکیزہ فرش بچھائے، پھولوں کو رنگ و بو کے حسن سے مالا مال کرے اور سمندروں کو مد و جزر کے ہنگاموں سے آشنا کر کے بنی آدم کو تجارت اور صفائی وغیرہ کے معاملات میں امداد دے۔ ہوائیں اس لئے تیار کی گئیں کہ جب گرمی کی شدت اور سورج کی حدت سے زمین تانبے کی طرح تپ جائے جب نباتات پر افسردگی کی لہر دوڑ جائے اور جب آسمان پر شعلے برپا ہو کر نوع انسان کو خوف و ہراس کے نظارے کی دعوت دیں، تو ٹھیک اس وقت یہی ہوائیں، سمندروں سے پانی پی پی کر بادلوں کی شکل میں فضائے عالم میں نمودار ہو جائیں اور زمین کے مردہ خطوں کو سیرابی اور زندگی کی نعمتوں سے لبریز کر دیں۔ مواشی کی خلقت کا مقصد یہ تھا کہ انسان اُن کے ذریعے بار برداری کا کام لے، تجارت اور سیر و سفر میں اُن سے فائدہ اُٹھائے، اُن کے ذریعے کاشتکاری کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالے اور اُن کے دودھ اور گوشت کے ذریعے اپنے جسم کی طاقت اور پرورش کو قائم رکھے۔ پہاڑوں اور سمندروں میں سونے چاندی اور لعل و جواہر کے نہایت قیمتی خزانے محفوظ کئے گئے تاکہ انسان اُن سے اپنی زیب و زینت اور آرائش جمال کا کام بھی لے سکے

یہ موٹی موٹی باتیں ہیں اور جب آپ یہ اصول اچھی طرح دل نشین کر لیں گے کہ دنیا کی تمام مخلوقات، اُس کا تعلق نباتات سے ہو یا جمادات سے، صرف انسان ہی کی خدمت اور فائدے کے لیئے پیدا کی گئی ہے، تو فخر و مسرت کے ساتھ آپ کا سر اونچا ہو جائے گا۔ آپ اپنے دل میں ایک لحظہ کو

روحانی لطف و انبساط کا ذخیرہ موجود پائیں گے۔ آپ عالم مادی کی کسی بھی مخلوق کے سامنے خواہ وہ انسان ہی کیوں نہ ہو، جھکنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور جب آپ اس پاکیزہ حقیقت کو اپنے قلب و ضمیر پر پوری طرح مستولی کر دینے میں کامیاب ہو جائیں گے، تو آپ کی روح ایک ایسے نور کے ساتھ چمک اُٹھے گی، جسے آسان ترین الفاظ میں "احساسِ وقار" یا "خودی" کا نام دیا جا سکتا ہے۔

انسان و حیوان کی زندگی میں ایک بنیادی فرق و امتیاز یہ ہے کہ اول الذکر ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک لحظہ بہ لحظہ، لمحہ بہ لمحہ، علمی اور معاشری ارتقا کی دولت سے سرفراز ہوتا چلا آیا ہے لیکن آخر الذکر جس طرح آج سے ہزارہا برس پہلے حیوان تھا آج بھی ویسا ہی حیوان ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانیت کی تخلیق یقیناً کسی بلند نصب العین کے ماتحت عمل میں لائی گئی تھی اور اس کے ابتدائی حالات کی سادگی اور موجودہ زمانے کے شرف و امتیاز پر بہ یک لمحہ نگاہ ڈالنے سے، عقل و بصیرت کے کسی بھی پہلو سے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس کو بے مقصد قرار دینے کی جرأت کر سکیں۔ پورے غور و فکر کے بعد ہم پر اس حقیقت کا انکشاف ناگزیر ہو جاتا ہے کہ انسان ایک ابدی اور غیر فانی وجود کا دوسرا نام ہے، اور فطرت کسی ایسے وجود کی تعمیر و تزئین پر ہزارہا سال کی محنت، ورنگ و دو کبھی برداشت نہیں کر سکتی، جو خاک کے ایک ذرے اور گھاس کے ایک تنکے کی طرح بالآخر مٹ جانے ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہو —— موت بلا شبہ سرسری نگاہوں سے ایک خوفناک چیز معلوم ہوتی ہے اور ایک معمولی دماغ بہ ظاہر اُسے انسانی زندگی کا آخری انجام ہی خیال کر لیتا ہے، لیکن جو لوگ قانونِ ارتقاء اور انسانیت کے شرف و قدر پر نظر رکھتے ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ موت ہمارا آخری انجام نہیں، بلکہ ایک ایسا دروازہ ہے، جس سے گزر کر ایک نئی زمین، ایک نیا آسمان اور ایک نئی زندگی ہمارا استقبال کرے گی۔

"قانونِ ارتقا" اور "خودی" کی مختصر توضیح کے بعد میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کروں گا کہ علامہ سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے اس اہم فلسفے کو کس پیرائے میں ملت انسانیہ کے سامنے پیش کیا ہے؟ اُنھوں نے دنیوی زندگی کے آخری دروازے سے عزت اور سہولت کے ساتھ گزرنے کے لئے کیا دستور العمل تجویز فرمایا ہے اور موت ایسی ہیبت ناک چیز کے خوف و ہراس کو نوعِ انسان کے دلوں سے محو کرنے کا کیا اسلوب اختیار کیا ہے؟

موت سے نجات پانے اور حیاتِ جاوداں حاصل کرنے کے لئے علامہ مرحوم نے جا بجا

مطالعہ کائنات اور حصولِ خودی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

حضرت موصوف نے اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر نوحہ لکھتے ہوئے اسی فکر و تدبر کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے:

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات

انسان کی زندگی ایک بلبلے کی مانند ہے جس طرح ہوا اُس کو مٹا کر پھر پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح خدا انسان کو موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشتا ہے۔

جنتِ نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب

اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر
یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر

ستارے اتنی مدت سے آسمان پر جگمگا رہے ہیں کہ عقل اُن کے زمانۂ حیات کی تعیین سے قاصر ہے:

آہ سیمابِ پریشاں، انجمِ گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز

عقل جس سے سر بزانو ہے، وہ مدت ان کی ہے
سرگذشتِ نوعِ انساں، ایک ساعت ان کی ہے

تو پھر کیا وہ انسان جو قدسیوں سے بھی بلند تر مقاصد کا حامل ہے، مٹ جانے ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟

شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا؟
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟

آگے جا کر "تخم گل" کے متعلق ایک نہایت ہی خوب صورت مثال بیان فرماتے ہیں کہ خاک میں

دفن ہوکر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ نشوونما حاصل کرتا ہے:

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

اس نوحے کے تمام کے تمام اشعار اتنے موثر اور دل گداز ہیں کہ جی چاہتا ہے، اُن سب کو یہاں نقل کر دیا جائے، بالخصوص اشعار ذیل میں جس خوبی اور وضاحت کے ساتھ موت کی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ محتاج تصریح نہیں:

یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح
خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں
پردۂ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داغ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح

حضرت علامہؒ نے سر راس مسعود مرحوم کی وفات پر ایک نہایت ہی گراں قدر مرثیہ لکھا، جس میں فلسفۂ موت پر ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرماتے ہیں:

نہ مجھ سے پوچھ کہ عمرِ گریز پا کیا ہے؟ کسے خبر کہ یہ نیرنگ و سیمیا کیا ہے؟
ہوا جو خاک سے پیدا وہ خاک میں مستور مگر یہ غیبتِ صغریٰ ہے یا فنا؟ کیا ہے؟

غبارِ راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال
خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟
قصاص خونِ تمنا کا مانگیے کس سے؟
گناہ گار ہے کون اور خوں بہا کیا ہے؟

اب خود ہی اس معمے کو حل بھی فرما دیتے ہیں۔ موت سے بچ نکلنے کی راہ اُن کے نزدیک صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے آپ میں خودی پیدا کرے۔ اگر خودی زندہ ہے، تو موت، موت

نہیں، بلکہ زندگی کا ایک مقام ہے، اس کے برعکس خودی کی موت ہی انسانیت کی حقیقی موت ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقامِ حیات　　کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات
خودی ہے زندہ تو دریا ہے بیکراں تیرا　　ترے فراق میں مضطر ہے موجِ نیل و فرات
خودی ہے مردہ تو مانندِ کاہ پیشِ نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات

لیکن موت سے بے نیاز ہونے کے لئے محض خودی کافی نہیں، جب تک اس تلوار کو ایمان اور توحید کی سان پر صیقل نہ کیا جائے، انسان، طلسم موت کا مقابلہ نہیں کرسکتا:

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ

جب یہ چیز حاصل ہوجائے، تو

مقامِ بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات
خوشا کسے کہ ازیں خاکداں بروں جستند
طلسمِ مہر و سپہر و ستارہ بشکستند

آخر میں یہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کا فلسفۂ موت، عام فلسفیانہ مسائل کی طرح، صرف عقلی بنیادوں پر قائم نہیں، بلکہ اُن کے افکار کا ایک ایک لفظ ہماری عملی زندگی کے لیے شمع ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔خود علامہ مرحوم کی زندگی اور وفات، اُن کے فکرِ حکیمانہ کو قابلِ عمل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔اُن کا دل اس فلسفے کی سچائی اور حقیقت کے نور سے پوری طرح روشن تھا اور وہ سفرِ آخرت کے لیے ہروقت آمادہ و تیار رہتے تھے۔انتقال سے پیشتر، موت کے متعلق اُن کے آخری الفاظ یہ تھے کہ "میں مسلمان ہوں، میں موت سے نہیں ڈرتا اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہوں۔موت ہی کے متعلق اُن کا آخری شعر حسب ذیل ہے:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید، تبسم بر لبِ اوست

دین کا بنیادی اصول

دین کا بنیادی اصول توحید ہے چنانچہ تمام انبیاء و رسل نے اپنے متبعین اور دوسرے تمام انسانوں کو توحید کی دعوت دی ہے۔ اس بارہ میں قرآن حکیم کا درجہ تمام آسمانی صحائف میں سب سے بلند اور اونچا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے مختلف طریقوں سے توحید کی تعلیم دی اور علمی دلائل کے ذریعہ توحید کا نقش سینوں میں منقش کر دیا۔ مسئلہ توحید کا قرآن میں سب سے زیادہ ذکر ہے بلکہ اسے بار بار دہرایا گیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ مختلف دلائل اور شواہد کی روشنی میں ثابت کیا جائے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ چنانچہ مسلمان کا یہ طغرائے امتیاز ہو گیا کہ وہ خدا تعالٰے کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اس کا سر اللہ عزوجل کے سوائے کسی کے سامنے نہ جھکے اور دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اُسے جادۂ توحید سے منحرف نہ کر سکے۔

اسی توحید کی برکت سے مسلمان کو ساری دنیا پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ چار دانگ عالم میں اس کا طوطی بولنے لگا۔ قیصر و کسرےٰ تک مسلمانوں کا لوہا ماننے لگے۔ کیونکہ توحید نے ان میں خودداری اور شجاعت و جوانمردی کا جوہر پیدا کر دیا تھا جس کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں نے کئی سلطنتیں فتح کیں۔ مختلف قوموں پر حکمرانی کی اور نوع انسانی کو غلامی سے چھڑایا۔ دنیا میں از سر نو علوم و فنون کی ترویج کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کامیابی حاصل کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ نتیجہ تھا قرآن پاک کی مقدس تعلیم کی پیروی کا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ خدائی احکام سے روگردانی کرتے ہوئے "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کی پیروی شروع کر دی۔ قرآن کی جگہ بندوں کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو دی جانے لگی۔ عبادات و معاملات کے لئے فقہی کتابوں تک نظریں محدود ہو گئیں۔ توحید کا جذبہ کمزور ہونے لگا۔ یہاں تک کہ توحید کے بڑے بڑے دعویدار اور موحد کہلانے والے علماء بھی خواہشات اور توہمات کے جال میں پھنس گئے اور اکیلے خدا کو ناکافی سمجھنے لگے یہی وجہ ہے کہ آجکل قرآن کو گلدستہ طاق نسیان بنا دیا گیا ہے اور ہر معاملہ میں بندوں کی تصنیفات سے سند حاصل کی جاتی ہے۔ اسی کورانہ تقلید اور بندہ پرستی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان ذہنی آزادی

کے ساتھ جسمی آزادی کو بھی کھو بیٹھے ہیں، اور غلامی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ترک قرآن کی ہی سزا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں خوار و ذلیل ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ضرورت ہے کہ مسلمان غیر اللہ سے بے نیاز ہو کر ایک مرتبہ پھر اللہ سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کریں، اور مشرکانہ عقائد سے تائب ہو کر موحد بن جائیں۔ یہی توحید ہے جس نے مسلمانوں کو سربلند و سرفراز کر دیا تھا۔ اگر آج پھر مسلمان اس کھوئے ہوئے مال کی تلاش میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً دنیا میں اُنھیں پھر غلبہ حاصل ہو اور عاقبت میں بھی مدارج اعلیٰ کے حقدار بن جائیں۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ✦

اُمّت مُسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمت مسلمہ امرتسر کا دوسرا سالانہ جلسہ آئندہ تعطیلات دوسہرا میں منعقد ہو رہا ہے، احباب اُمت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو جلسہ کی مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہو سکے۔ جو اصحاب اس غرض کے لئے روپیہ ارسال فرمائیں اُنھیں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ ہی میں شامل کی جائیں۔

مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائیگا

سکرٹری اُمت مُسلمہ امرتسر

دین کا بنیادی اصول

دین کا بنیادی اصول توحید ہے چنانچہ تمام انبیاء و رسل نے اپنے متبعین اور دوسرے تمام انسانوں کو توحید کی دعوت دی ہے۔ اس بارہ میں قرآن حکیم کا درجہ تمام آسمانی صحائف میں سب سے بلند اور اونچا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے مختلف طریقوں سے توحید کی تعلیم دی اور علمی دلائل کے ذریعہ توحید کا نقش سینوں میں منقش کر دیا۔ مسئلہ توحید کا قرآن میں سب سے زیادہ ذکر ہے بلکہ اسے بار بار دہرایا گیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ مختلف دلائل اور شواہد کی روشنی میں ثابت کیا جائے کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ چنانچہ مسلمان کا یہ طغرائے امتیاز ہو گیا کہ وہ خدا تعالےٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اس کا سر اللہ عزوجل کے سوائے کسی کے سامنے نہ جھکے اور دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اُسے جادۂ توحید سے منحرف نہ کر سکے۔

اسی توحید کی برکت سے مسلمان کو ساری دنیا پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ چار دانگ عالم میں اس کا طوطی بولنے لگا۔ قیصر و کسریٰ تک مسلمانوں کا لوہا ماننے لگے۔ کیونکہ توحید نے ان میں خودداری اور شجاعت و جوانمردی کا جوہر پیدا کر دیا تھا جس کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں نے کئی سلطنتیں فتح کیں۔ مختلف قوموں پر حکمرانی کی اور نوع انسانی کو غلامی سے چھڑایا۔ دنیا میں از سر نو علوم و فنون کی ترویج کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کامیابی حاصل کی جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ نتیجہ تھا قرآن پاک کی مقدس تعلیم کی پیروی کا۔

لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ خدائی احکام سے روگردانی کرتے ہوئے "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی پیروی شروع کر دی۔ قرآن کی جگہ بندوں کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو دی جانے لگی۔ عبادات و معاملات کے لئے فقہی کتابوں تک نظریں محدود ہو گئیں۔ توحید کا جذبہ کمزور ہونے لگا۔ یہاں تک کہ توحید کے بڑے بڑے دعویدار اور موحد کہلانے والے علماء بھی خواہشات اور توہمات کے جال میں پھنس گئے اور اکیلے خدا کو ناکافی سمجھنے لگے یہی وجہ ہے کہ آجکل قرآن کو گلدستہ طاق نسیان بنا دیا گیا ہے اور ہر معاملہ میں بندوں کی تصنیفات سے سند حاصل کی جاتی ہے۔ اسی کورانہ تقلید اور بندہ پرستی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان ذہنی آزادی

کے ساتھ جسمی آزادی کو بھی کھو بیٹھے ہیں، اور غلامی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ترک قرآن کی ہی سزا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں خوار و ذلیل ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر ضرورت ہے کہ مسلمان غیر اللہ سے بے نیاز ہو کر ایک مرتبہ پھر اللہ سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کریں، اور مشرکانہ عقائد سے تائب ہو کر موحد بن جائیں۔ یہی توحید ہے جس نے مسلمانوں کو سربلند و سرفراز کر دیا تھا۔ اگر آج پھر مسلمان اس کھوئے ہوئے مال کی تلاش میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً دنیا میں اُنھیں پھر غلبہ حاصل ہو اور عاقبت میں بھی مدارج اعلیٰ کے حقدار بن جائیں۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔

اُمّتِ مُسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا دوسرا سالانہ جلسہ آئندہ تعطیلات دوسہرا میں منعقد ہو رہا ہے، احباب اُمت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو جلسہ کی مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہو سکے۔ جو اصحاب اس غرض کے لئے روپیہ ارسال فرمائیں اُنھیں اس کی تصریح کر دینی چاہیئے تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ ہی میں شامل کی جائیں۔

مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائیگا

سکرٹری اُمتِ مُسلمہ امرتسر

حساب آمد و خرچ اُمّت مسلمہ امرتسر

(از ۲۹ مارچ تا ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء)

آمد بلاغ

	روپے	آنے	پائی
چوہدری محمد شفیع صاحب بدوملی	۲	۰	.
میاں محمود علی صاحب لاہور	۱	۰	.
چوہدری رحیم بخش صاحب امرتسر	۱	۸	.
ایم عبدالرحمٰن صاحب امرتسر	۱	۲	.
میاں فیملی	۱	۰	.
مستری محمد عبداللہ صاحب سیالکوٹ	۵	۰	.
بابو عبداللہ خاں صاحب امرتسر	۱	۸	.
بابو فضل کریم صاحب امرتسر	۱	۰	.
حکیم تہور حسین صاحب گوراتی	۱	۸	.
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۲	۰	.
ایم رحمت اللہ صاحب کوہاٹ	۳	۲	.
م ع لاہور	۱۰	۰	.
اے اے سی پٹھان کوٹ	۳	۰	.
میاں غلام صفدر صاحب راولپنڈی	۲	۳	.
سید ہاشم صاحب بنگلور	۳	۰	.
منشی محمد ابراہیم صاحب چک ۱۵/۲	۱	۸	.
ماسٹر کریم بخش صاحب امیرپور	۳	۰	.
میاں عبدالقادر صاحب لامپور	۳	۰	.
ماہانہ چندے	۱	۸	.
میزان	۴۹	۰	.
آمد رکنیت	۲	۱۴	.
کل آمدنی	۵۱	۱۴	.
سابقہ بقایا	۱۹۷	۷	۳
کل آمدنی	۲۴۹	۵	۳

مصارف

	روپے	آنے	پائی
مصارف بلاغ	۵۷	۸	.

بقایا

	روپے	آنے	پائی
کل آمدنی	۲۴۹	۵	۳
کل مصارف	۵۷	۸	.
بقایا محفوظ	۱۹۱	۱۳	۳

(۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء)

ایسے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف جھکنا سخت نادانی ہے۔ ہر وقت اس کی روزی رسانی اور قسم قسم کی طاقتوں اور کاموں کا ملاحظہ کر رہے ہو۔ کیا ان امور میں کوئی اور بھی متصرف نظر آتا ہے؟ یا یوں ہی تقلیداً مانتے چلے جاتے ہو؟ کون ہے جو مضطر کی فریاد سنتا اور قبول کرتا ہے اور مشکلات میں آڑے آتا ہے؟ غور کرو اور پھر خوب غور کرو کہ کون پناہ دیتا ہے؟ اللہ کے مقابلہ میں کوئی اور پناہ نہیں دیتا۔ کفار بھی یہی صفات اللہ تعالےٰ میں مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ وہی اللہ تعالےٰ اپنے اذن سے ہمارے شفیع بناتا ہے۔ پس کفار بھی باذن اللہ کے قائل تھے اور ہیں۔ مومن تو شفاعت کے قطعاً قائل نہیں۔ اگر کفار کا کہنا ٹھیک ہوتا تو اللہ تعالےٰ زمین اور آسمانوں میں بہت سے شفیع پاتا۔ مگر وہ تو انکار کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں کوئی شفیع نہیں دیکھتا۔ سورہ زمر میں بھی شفعاء کی بڑے زور سے تردید کی ہے۔ مومن تو کسی حالت میں بھی خدا تعالےٰ کے سوا کسی کو شفیع نہیں جانتے اور یہی حق ہے کہ خدا کے سوا مومنین کا کوئی بھی سرپرست اور شفیع نہیں ہے۔ کیا خدا تعالےٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟ بندوں کو صرف اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور مساکین سے نیک سلوک کرنا چاہئے۔ اقیموا الصلوٰۃ اور اٰتوا الزکوٰۃ کا یہی مفہوم ہے۔ جہنمیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم جہنم میں کیوں آئے ہو؟ کہتے ہیں ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور غریبوں کا حق نہ دیتے تھے۔ خدا کے بارے میں بکواس کرتے تھے اور انصاف کے دن کے منکر تھے خدا تعالےٰ نے سب کچھ سامنے لا کر مشاہدہ کرا کے یقین دلا دیا۔ مگر اس وقت کا ایمان فائدہ نہیں دیتا۔ غرضیکہ اللہ پاک نے مختلف طریقوں سے شفاعت کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ شفاعت کا اہل صرف باری تعالےٰ ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا۔ خدا کے ارادے اور تصرف میں کسی کی رائے اور سفارش کے ذریعہ بننے کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی کو ذریعہ بنا کر لوگوں کو بخشے یا عذاب کرے۔ ایسے موقعہ پر شفعاء کا دخل شرک ہے، ہاں دنیا میں بالاسباب کام ہوتے ہیں اور اس کل سے خدا کام لیتا ہے مگر خود کل نہیں بن جاتا۔ اللہ تعالےٰ تصرف کر کے اسباب کو حکم دیتا ہے اور اسباب مجبور کل کی طرح اپنا کام کرتے ہیں۔ اس خدا کی مہربانی اور اسی کا تصرف ہی ہمیں بامراد کرتا ہے۔ ممکنات بیشمار ہیں اور سب خدا کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اختیار دے کر ہم کو آزماتا ہے کہ اس اختیار سے کام لیکر دیکھیں، یہ لوگ کدھر جاتے ہیں۔ اگر برائیوں کی طرف جائیں گے تو جہنم میں پیاسے کر کے ہانکے جائیں گے۔ اور انھیں

کوئی دوسرا شفیع نظر نہیں آتا اور نہ آئیگا۔ جن کو مشرکین خدا کی اولاد بناتے ہیں۔ اُن سے بھی یا زپرس ہوتی ہے۔ وہاں سب مخلوق عاجز اور عبد بن کر ہی جاتی ہے۔ ایسا کوئی شخص نہیں جس نے رحمان سے شفاعت کا عہد لیا ہوا ہو۔ اگر کوئی ہے تو پیش کیا جائے۔ خدا تعالےٰ کو سب کے حال کی خود ہی خبر ہے۔ اس "خبیر" کے سامنے "بے خبر" کسی کی کیا سفارش اور شفاعت کریگا؟ ہاں سب کے سب محض بے اختیار ہو کر جاتے ہیں اور اُن میں کسی طرح کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ مالک یوم الدین کی بادشاہت میں تمام طاقتیں سرنگوں اور فرمانبردار ہوتی ہیں۔ سوائے حکم ماننے کے اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔ اس کی سرکار میں بغاوت کا احتمال ہی نہیں۔ تمام اسباب اور ان اسباب پر چلنے والے سب کے سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ جس کو اللہ چاہتا ہے فرشتوں کو حکم کرتا ہے کہ اسے جہنم میں لے جاؤ یا اسے جنت میں لے جاؤ، ایسا کرو اور ایسا نہ کرو۔ اللہ پاک یہ حکم اسباب کو کرتا ہے لیکن وہ اسباب کا محتاج نہیں۔ کیونکہ اس کے حضور میں کسی کو انکار کی جرات ہی نہیں ہو سکتی۔ بھلا خالق کا حکم مخلوق کیونکر رد کر سکتی ہے؟ اس وقت کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ اے مشرکو اور شفاعت کے حامیو! اتنے زبردست دلائل کے ہوتے ہوئے بھی ضد پر اڑے رہوگے؟ تم کو نادم ہونا چاہیئے ورنہ انجام بہت برا اور بد سے بدتر نکلیگا۔ اس گھبراہٹ کو ذہن میں لائیں جو یہاں سے جاکر سب کو ہوتی ہے مگر وہ حالت نیکوں سے ہٹائی جاتی ہے اور جب وہ اس سے نجات پاکر امن میں ہو جاتے ہیں تو وہ خدا کے فیصلہ کو حق جانتے اور مانتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ وہ اللہ علی و کبیر ہے وہ علم و طاقت میں بڑھا ہوا صحیح فیصلہ نہیں کریگا تو اور کون کریگا؟ کیا ایسے بے غلط فیصلوں میں ترمیم کی گنجائش نکلتی ہے؟ ہر کوئی جہنم سے گذر کر ہی جنت میں جاتا ہے۔ اگر یہ من دون اللہ معبود ہوتے تو جہنم سے گذر کر کیوں آتے۔ مومن جہنم سے نکل جاتے ہیں لیکن مجرمین منہ کے بل اسی میں رہ جاتے ہیں۔ نیک و بد کی کیسی عالیشان اور منصفانہ تقسیم ہے؟ پھر کیا لوگ غور نہیں کرتے؟ ایسے واضح دلائل اور پکے ثبوت کا جواب تو کوئی نہیں۔ مگر آبائی تقلید پر مرمٹنے والے، لاکھ سمجھاؤ، مرغ کی ٹانگ ایک ہی بتائیں گے۔ تمام مزعومہ شفعاء محتاج ہیں اور اسی خدا سے روزی کے طالب ہیں اور ہر بات میں عاجز ہیں۔ اسی لئے فرمایا)

(۲۴) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ تو کہدے کون تم (سب) کو آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے (کیا کسی دوسرے کا دخل تمہیں ان پر حکمت کاموں میں نظر آتا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ کسی کا دخل نہیں ہے بس) تو کہدے اللہ (ہی اللہ ہے۔ وہی متصرف حقیقی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں) اور (جب یہ بات واضح ہے تو بتاؤ کہ) ہم یا تم ہدایت پر یا صریح گمراہی میں ہیں (یا ہم درست ہیں یا تم غلط ہو یا ہم غلط ہیں اور تم صحیح ہو۔ دونوں فریق تو صحت پر یا غلطی پر نہیں ہو سکتے۔ غور و فکر سے ان دلائل کو پرکھو۔ اگر معقول ہیں تو اُن کے قبول کرنے میں برادری یا سوسائٹی وغیرہ کا لحاظ نہ کرو خدا کے ہاں اکیلے اکیلے جاؤگے اور اپنے اپنے کئے کا بدلہ ضرور پاؤگے۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اُٹھائیگا۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ حق کو پسند کرو یا باطل پر اڑے رہو)

(۲۵) قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ تو کہہ دے جو جرم ہم نے کئے ہیں تم اس سے نہ پوچھے جاؤگے اور نہ ہم اس سے پوچھے جائیں گے جو تم کرتے ہو (شان کریمی ملاحظہ ہو کہ اُن کے بارے میں جُرم کا لفظ استعمال نہیں کیا کیسی عالیشان تعلیم ہے کہ لفظ "جرم" کی جگہ لفظ "عمل" لائے۔ ہاں یہ ضرور ہے جو کوئی جیسا کام کریگا وہ اس کے بدلے سے غافل نہ رہے۔ جزا ضرور ملتی ہے۔ نبی، غیر نبی، صالح، غیر صالح، سب کو مناسب اجر مطابق کاموں کے ملتا ہے)

(۲۶) قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ○

کہہ ہماری ربوبیت کرنے والا ہمارے درمیان اجتماع کرتا ہے (یہ کیوں کرتا ہے۔ اس لئے کہ) پھر فیصلہ کرتا ہے ہمارے درمیان حق کے ساتھ (لیکن کسی کی سفارش، شفاعت، مروت و کفارہ سے نہیں کیونکہ) اور وہ (اللہ) ہی ہے عالیشان فیصلہ کرنے والا اصل جاننے والا (حقیقت حال کا۔ اندرونی ہو یا بیرونی۔ کون عقلمند ایسے علیم کے فیصلے کو ناپسند کرکے دخل در معقول دیگا؟ اچھا فیصلہ دینے والے اور پورے علم والے

کے سامنے سفارش کرنا پرلے درجے کی بے ادبی اور جہالت ہے۔ زجر کی جاتی ہے کہ ذرا اپنے شفعاء کو سامنے تو لاؤ کہ وہ کیسے ہیں۔ چنانچہ حکم ہوتا ہے)

(۲۷) قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ تو کہدے دکھلاؤ مجھ کو وہ لوگ جن کو تم نے ملا دیا ہے ساتھ اس (خدا) کے (اُن کی حقیقت ہی کیا ہے؟ اور وہ کس لائق ہیں؟ کیا وہ خدائی میں کچھ بھی حصہ رکھتے ہیں؟) ہرگز (ایسا) نہیں بلکہ وہی اللہ (کامل مطلق) پورا غالب پورا حکمت والا ہے۔ (جس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ "العزیز" ہے اور نہ کسی کے مشورے کی حاجت ہے کیونکہ وہ "الحکیم" ہے۔

(۲۸) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (رسل پیغامات دیکر بھیجے جاتے ہیں۔ ان پیغامات میں صالحین کے انعامات اور مفسدین کی سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے، مگر سرکش لوگ اس عالیشان تعلیم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ کچھ کر گذرتے ہیں جو نہ کرنا چاہئے۔ انسان ہوکر اس قدر نالائقی اور خدا کی مہربانیوں کی ناقدری کرنا ظلم عظیم ہے۔ ایسے خدا سے منہ موڑنا سخت جرم ہے جس کی نعمتوں کا شمار ہی نہ ہو سکے۔ حیوانوں سے سبق لو۔ اُن کی ضرورتیں ہر وقت پوری ہو رہی ہیں۔ خدائے پاک اُن کا اور تمہارا بھی رازق ہے مگر تم انسان ہو کر خدا کے سوا دوسروں کو شفعاء اور حاجت روا بناؤ اور مددگار گردانو، حیف ہے! یہیں تک بس نہیں، بلکہ دوسروں کو معبود بھی بنایا جاتا ہے۔ بندے کا بندہ بننے سے زیادہ انسانیت کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے؟ حالانکہ ایک کتا بھی دوسرے کے آگے سر خم نہیں کرتا۔ کیا کہیں تعلیم الٰہی میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ غلاموں کی غلامی اختیار کرو؟ بڑی سے بڑی ہستی انسانوں میں رسولوں کی مانی جاتی ہے۔ وہ بھی خدا ہی کا پیغام سناتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔ نہ خود الٰہ اور بڑے بنتے ہیں نہ دوسروں کو الٰہ اور بڑا بننا سکھاتے ہیں۔ وہ سب کو ربانی بننے کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے اور اس کی رحمتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں۔ رسول کریم بھی بشیر و نذیر تھے۔

اصل مطاع، احکم الحاکمین، منتہائے سوال اور حکم مطلق ہرگز نہ تھے۔ یہ دشمنوں کے من گھڑت عقیدے ہیں جو مختلف طریقوں سے اسلام کے نورانی چہرہ کو بگاڑنا چاہتے ہیں، مگر ایسے لوگ کبھی بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ فرمایا اے رسول کریمؐ!) تجھے نہیں بھیجا مگر سارے کا سارا (صرف) انسانوں کے واسطے (نہ کہ غیر جنسوں کے لئے۔ اگر کوئی اور مکلف مخلوق بھی ہوگی تو اُن کی طرف اُن ہی کی نوع کا رسول آئیگا۔ بعض لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ سارے آدمیوں کی طرف، مگر یہ عبارت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی، کیونکہ صفت اور موصوف کے درمیان لام نہیں آتا، ورنہ ترجمہ یہ ہوگا کہ "سارے واسطے آدمیوں کے" نہیں، بلکہ سارے کا سارا واسطے آدمیوں کے اور کسی دوسری نوع کے لئے نہیں۔ اور کیا کرنے کے لئے بھیجا) خوشخبری دینے والا (صلاحیت والے کام کرنے والے مومنین باللہ کے لئے) اور ڈرانے والا (ناشکرگذار، قدرناشناس، مفسدین اور مجرمین کو) مگر اکثر لوگ (حقیقت کو) نہیں جانتے (وہ جاہل تو اوروں کو ہی خدائی کا حصہ دار بنائیں گے۔ شریروں نے جب یہ تعلیم سنی، تو کہنے لگے اچھا اگر تم ڈرانے والے ہو تو ہماری بات کا جواب دو)

(۲۹) وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اور بولے کہ کب (ہم پر عذاب آنے کا) یہ وعدہ ہے؟ (بتاؤ، اے مومنین اگر تم اس تعلیم پر یقین رکھتے ہو اور) اگر تم (اپنے اس سزا و جزا کے دعوے میں) سچے ہو؟ (رسول کو یا مومنین کو یا کسی انسان کو کیا معلوم کہ یہ کب ہوگا مگر ایک بات یاد رکھو کہ کسی وقت تم امن سے غفلت میں بیٹھے ہوگے کہ اچانک پکڑے جاؤ گے۔ ابھی موقعہ ہے اس ڈھیل سے جائز فائدہ اٹھاؤ اور خدا کے سچے فرمانبردار بن کر صلاحیت والے کام کرو۔ خدا تمہاری برائیاں مٹا دیگا۔ لیکن اُسوقت کچھ بنائے نہ بنیگا۔ پھر تم ذلیل کرکے جہنم میں بھیجے جاؤ گے۔ اس برے عقیدے سے باز آؤ، خدا کی گرفت ضرور آنے والی ہے۔ پھر لوٹنا تو محال ہے اور خدا کے ہاں بھی ڈھیل نہ دی جائیگی، وقت کو غنیمت جانو، سوچو سمجھو، غور و فکر سے کام لو اور سنبھل جاؤ ورنہ تباہی کے غار کا منہ کھلا ہوا ہے اور تم اس کے نزدیک آچکے ہو)

(۳۰) قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

(اے رسول تو) کہدے، واسطے تمہارے میعاد ہے ایک (مقرر) دن کی۔ نہیں پیچھے جاؤ گے اس سے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھو گے (پس فوراً سامنے بلا کر حکم سنا دیا جائیگا ہمارے سب کام بے مشورہ ہوتے ہیں۔ کسی اور کے بھروسہ پر نہ رہنا۔ ابھی سے عقل کو کام میں لاؤ اور تمام شفعاء سے بے نیاز ہو کر ہماری چوکھٹ پر گر پڑو اور بخشش طلب کرو۔ مجھ سے زیادہ غفور الرحیم کون ہے؟ مگر یاد رکھو کہ سرکشوں کو دردناک سزائیں ملا کرتی ہیں)

رکوع چہارم (۳۱) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (ناقدردانوں کو توحید سے ضد اور دشمنی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس کتاب میں توحید کا ذکر ہو خواہ وہ قرآن مجید ہو یا توراۃ یا کوئی اور کتاب ہو ہم کبھی بھی اسے ماننے کے نہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ غیر پرستی کا چرچا رہے اور خدائی کو اپنے اپنے پیروں اور بزرگوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ سب چیزوں کا کلی اختیار اکیلے خدا کو سونپ دینا اُن کے نزدیک ممکن ہی نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خود خدا نے اپنے کام بانٹے ہوئے ہیں۔ نعوذ باللہ استغفر اللہ۔ چنانچہ اللہ پاک اُن کے متعلق فرماتا ہے) اور کہا اُن لوگوں نے جو ناقدردان ہیں کہ ہرگز نہ مانیں گے ہم اس قرآن کو اور نہ ان (کتب سماوی) کو جو اس (قرآن) سے پہلے ہیں (کفار بھی قرآن مجید اور کتب سابقہ کو ہی وحی کہتے ہیں نہ کہ احادیث انبیاء کو۔ یہ چیز اس امر کا کیسا عالیشان ثبوت ہے کہ نبی کریم اپنی باتوں کو کبھی بھی وحی نہ کہتے تھے، احادیث کو وحی خفی کہنا بعد کی اختراع اور کھُلا افترا ہے۔ اگر اُس وقت احادیث کو وحی کا درجہ دیا جاتا تھا تو ضرور تھا کہ کفار ان کو بھی وحی میں رکھ کر ان کی تردید کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ لوگ قرآن مجید یا پہلی کتب سماوی پر ہی اعتراض کرتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ نبی کریم کی باتیں دین سے تو حقہ و متعلق رکھتی ہیں

لیکن ہر ایک نیک بات کا وحی ہونا ضروری نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ کی رضامندی میں سب کام عبادت ہیں۔ اپنی ذات اور اپنے نفع اور نقصان کو خدا کے حوالے کر دینا اصل دین ہے قرآن مجید تمام کتب سماوی کو اپنے اندر لاکر ان پر ایمان لانے کو کہتا ہے۔ اُن کو الگ جاکر کہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب بات یہ ہے تو کیا احادیث ہی کو قرآن مجید سے باہر جاکر ڈھونڈا جائے؟ اللہ تعالےٰ نے انبیاء اور سلحا وحکماء کا قرآن مجید میں تذکرہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں تمہیں پہلے لوگوں کی سنن کی طرف بلارہا ہوں۔ یقیناً وہ سنن قرآن مجید کے اندر مذکور ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ خود قرآن مجید کے لانیوالے کی سنن ہی قرآن سے باہر رہ گئیں! نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں نبی کریمؐ کی زندگی کے ہر شعبے کے حالات دوسرے انبیاءؑ سے کہیں زیادہ مذکور ہیں، پھر بھی اکثر لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید مجمل ہے۔ سچ پوچھو تو قرآن مبین مجمل نہیں بلکہ مفصل، محفوظ، اکمل اور ممتاز ہے۔ برعکس اس کے دوسری کتب سماوی میں حق کے ساتھ باطل کو بھی لوگوں نے ملادیا۔ نیز اُن میں سزائی اور وقتی احکام بھی تھے، اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے دستور العمل نہیں بن سکتی تھیں۔ لیکن قرآن مجید ہمیشہ رہنے والی کتاب ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ تاہم بعض لوگ اس میں بھی بہت کچھ نقائص نکالنے کی بے سود بلکہ مضر کوشش کرکے خائب و خاسر ضرور ہوتے ہیں اسی قرآن کو سامنے رکھ کر نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ "میں تمہیں وحی کے ذریعے سے ڈرا رہا ہوں" مگر ظالم اس سے الگ رہتے ہیں اور اپنی تسکین کا سامان اس کے باہر تلاش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا انجام کیسا ہوتا ہے؟ فرمایا) اور کاش تو دیکھتا جبکہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوتے ہیں (تو تو دیکھتا کہ) ان کا بعض بات کو واپس کرتا ہے اُن کے بعض کی طرف (یعنی اس کے سوال کا جواب دیتا ہے۔ ان کے یہ سوالات و جوابات طعن وتشنیع اور لعنت وملامت سے بھرے ہوتے ہیں۔ چنانچہ مرید اور چیلے اور اندھا دھند اتباع کرنے والے لوگ) جو (اس دنیا میں تقلید کے سبب سے) کمزور کردئے گئے تھے، کہتے ہیں اُن سے جو بڑے بنتے تھے (یعنی جنوں۔ پیروں۔ کاہنوں اور درویشوں وغیرہ سے) کہ اگر تم (ستدراہ) نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے (تم لوگوں نے ہمیں پیری مریدی کے پھندے میں اپنے ذاتی فائدے کے لئے پھنسائے رکھا ورنہ ہمیں

نے ہم کو ذلیل اور برباد کرایا)

(۳۲) قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ (جب ضعفاء نے ایمان سے رُکنے کا سبب متکبرین کو قرار دیا تو) متکبرین نے مستضعفین سے کہا "کیا ہم نے تم کو روک دیا ہدایت سے جب وہ تمہارے پاس آگئی تھی؟ (نہیں ہم نے تو نہیں روکا۔ ہاں تمہارے اپنے ہی دلوں میں بے ایمانی رچی ہوئی تھی اور ہمارا تم پر کوئی جبر نہ تھا، اور اگر جبر بھی تھا تو تم دل ہی دل میں ایمان رکھ سکتے تھے اور بسبب مجبوری کے ہماری ہاں میں ہاں ملا لیتے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ایسی باتیں تمہیں دل سے پسند تھیں اس لئے تمہارے بگڑنے میں ہمارا ہاتھ نہ تھا) بلکہ تم خود ہی مجرم تھے"[۱]

(۳۳) وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اور (جب ان کو ٹکا سا جواب ملا تو اُن) مستضعفین نے تکبر کرنے والوں سے کہا (ہمارا کوئی قصور نہ تھا) بلکہ (تمہارا ہی) رات اور دن کا مکر تھا۔ چنانچہ ہم اُس پھندے میں پھنس گئے (جب

[۱] اللہ تعالےٰ عبرت دلانے کے لئے ایسے نقشے پیش کرتا ہے اور ہر بات کو بار بار اور رنگا رنگ طریق پر بیان فرماتا ہے تاکہ یہ باتیں بہت واضح ہو کر دل نشین ہو جائیں۔ مگر تعداد رکعت کے بیان سے وہ قاصر ہے۔ نعوذ باللہ۔ افسوس صد افسوس۔ ذاتِ حق وعظ کا کوئی پہلو تو نہ چھوڑے مگر فرائض سے پہلو تہی کرے۔ استغفراللہ

[۲] ایسے الفاظ نصیحت کی خاطر کئی بار دہرائے گئے ہیں تاکہ غیر اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کے سامنے یہ منظر آجائے۔ اُس وقت نہ کوئی پیر اپنے مرید کی دستگیری کرتا ہے اور نہ مرید ہی اپنے پیر صاحب کو خدا تعالےٰ کی گرفت سے نجات دلا سکتا ہے ہر ایک کی جان پر بنی ہوتی ہے اور اس لئے ایک دوسرے کے درپے آزار ہوتا ہے۔

کہ تم ہم کو نصیحت کرتے تھے کہ ہم اللہ کی ناقدر دانی کریں اور (تم نے ہمیں بڑے بڑے سبز باغ دکھائے تھے تاکہ) ہم اس (کامل مطلق خدا) کے لئے شریک بنائیں (یعنی اس کے لئے حبیب، شفیع مقرر کریں۔ مگر آہ! آج معاملہ ہی دگرگوں ہے۔ کوئی بھی ذرہ بھر کام نہیں آتا۔ اپنی اپنی کرتوتوں کے نتائج ہر کوئی بھگت رہا ہے۔ اس حال میں سوائے پشیمانی کے اور کیا رہ گیا ہے؟) اور جب انھوں نے عذاب کو دیکھ لیا تو (اپنے دلوں میں) ندامت چھپائی (ندامت کیوں نہ محسوس کرتے جبکہ خدا کی عطا کردہ عقل اور بینائی کے باوجود تقلید میں پھنسے رہے۔ دنیا میں بھی ان ناقدردانوں کی گردنوں میں تقلید کے قلادے اور طوق تھے) اور (آخرت میں بھی) ہم نے طوق ڈال دیئے اُن کی گردنوں میں جو ناقدر دانی کرتے تھے (انھیں ایسی سزا کسی کینے یا غصے کے سبب سے نہیں دی گئی۔ چنانچہ) انھیں جزا نہیں دی جاتی مگر (اسی کے مطابق) جو عمل (مثل شرک، تقلید، کفر، ظلم وغیرہ وغیرہ) وہ لوگ کرتے تھے (انھوں نے جو بویا تھا وہی کاٹا اور اب ان کی ندامت بے سود تھی۔ ایسے اعمال کا یہی انجام ہوتا ہے)

(۳۴) وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (یہ لوگ دنیا میں مال و اولاد اور عزت و حشمت پر غرہ تھے۔ بڑے سرکش تھے اور ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے۔ انبیاء اور مصلحین کی باتیں سننے سے بھی بیزار تھے۔ محض لہو و لعب، عیش و آرام اور جاہ و جلال کے متلاشی تھے۔ کوئی ہے جو اس پُر حکمت بیان سے سبق سیکھے؟ مگر مغرور دنیا کب نیک بات کو سنتی ہیں؟ وہ تو کثرت دولت کے نشے میں مست ہیں اور کہتے ہیں کہ

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

جب گرفت کا وقت آتا ہے تو اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا، ابھی ابھی موقعہ ہے کہ اس نصیحت پر کان دھر کر سرخروئی سے دنیا کو الوداع کہیں۔ پیغام حق آگیا ہے۔ اگر یہ موقعہ کھو گیا تو رسوا کرنے والے عذاب سے کوئی چیز نہ چھڑا سکے گی۔ خداوند کریم کسی کو بے سبب ہلاک نہیں کرتا۔ اکثر امراء کا مغرور طبقہ حقیقت سے منہ پھیرتا رہا ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہا ہمیشہ، وہاں کے نازپروردہ (دولت مندوں) نے تحقیق جس چیز کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے ہم اس کے کافر ہیں۔

(۳۵) وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝

اور (انھوں نے ہماری مہربانیوں اور فضل کی ایسی سخت ناقدری کیوں کی اور یہ الفاظ ان کے منہ سے کیوں نکلے، صرف دولت کی کثرت اور بیٹوں کی بہتات کی وجہ سے چنانچہ انھوں نے یہ بھی) کہا کہ ہم مال و اولاد میں زیادہ ہیں (لوگ ہمیں معزز جانتے ہیں اس لئے ہم خدا کے نزدیک بھی عزت والے ہیں اور ہم ہی صاحب جاہ و حشمت ہیں) اور ہم عذاب کئے جانے والے نہیں ہیں۔

(۳۶) قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (اُن کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ ان اسباب کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی رضاء حاصل کرتے اور انھیں مزید خیر و برکت ملتی نہ کہ اُلٹا غرّہ ہو کر ان چیزوں کے عطا کرنے والے کے کافر ہو جاتے مال و اولاد تو اوروں کو بھی ملتا ہے۔ اس میں تمہاری ہی کیا خصوصیت ہے؟ ہاں ان سے جائز کام لینا اعلیٰ درجے کی فرمانبرداری ہے۔ خالی امارت بغیر عمل صالح کے کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتی۔ یہ تو آزمائشی اور وقتی چیز ہے اس لئے) تو کہدے کہ تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے اُسے فراخی کے ساتھ رزق دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے (خود خدا ہی مہربانی سے ایسا کر کے دنیا کے کام چلاتا ہے اور ہر ایک کو ڈھیل دیتا ہے اور جب مناسب سمجھتا ہے گرفت کرتا ہے وہ حکیم مطلق جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے ان حکیمانہ کاموں میں کسی کو ذرہ بھر دخل نہیں ہے۔ ہمیں ہر حال میں اس کے آگے جھک جانا اور اس کا شکر کرنا لازم ہے) ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (اور بجائے اصل بات کو جاننے کے وہ اُلٹا اکڑتے اور سرکشی کرتے ہیں۔ اگر غور و فکر سے کام لیں تو بغاوت کی نوبت ہی نہ آئے

حقیقت یہ ہے کہ مال و دولت کو نیکی اور بدی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُس کے مصرف سے نیکی اور بدی پیدا ہوتی ہیں۔ امیری اور غریبی کا وجود اس دنیا کے انتظام کو چلانے کی غرض سے ہے۔ اگر سارے کے سارے لوگ امیر یا سب کے سب غریب ہوں تو یہ کارخانہ ہی بند ہو جائے۔ پس امیر شاکر اور غریب صابر بنے۔ امارت و افلاس میں صرف یہی راز پنہاں ہے۔ دولت یا افلاس ذریعہ امتحان ہیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ ہمیشہ یاد خدا اور خوف الٰہی کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ مال و اولاد کے ذریعے سے خدا کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ حقیقتہً مفید چیز یہ ہے کہ مومن بن کر نیک عمل کئے جائیں۔ اس سے دوچند انعامات اور با امن بالاخانے ملتے ہیں۔ مگر صابر غریب کو بے حساب اجر ملتا ہے صرف دوگنا یا چوگنا نہیں بلکہ حساب کے بغیر۔ یہ ہے امیر و غریب مومن کا بدلہ۔ لیکن مال و اولاد کو نجات سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ فرمایا)

رکوع پنجم (۳۷) وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ اور نہیں تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد (ایسی چیز) جو نزدیک کرے تم کو ہماری (یعنی خدا کی) نزدیکی میں (دولت و اولاد کم و بیش سب کو حاصل ہے) مگر (اصل چیز یہ ہے کہ) جو شخص ایمان لائے (اللہ تعالٰے پر) اور صلاحیت والے کام کرے پس ان لوگوں کے واسطے دوہرا اجر ہے، بسبب ان کے کاموں کے اور وہ بالاخانوں میں امن میں ہیں۔

(۳۸) وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ اور (اب امن کے دشمن اور سرکش فریق کا حال سن لو) جو لوگ ہماری (یعنی خدا تعالٰے کی) آیات کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں (ضرور) یہ لوگ (نا کام رہتے ہیں اور) عذاب میں جکڑے ہوئے حاضر کئے جاتے ہیں (مال و اولاد پر گھمنڈ کرنے کا یہ فائدہ ملا۔ مال و اولاد حقیقت کے لحاظ سے کچھ نہیں ہیں۔ جو کمایا ہوا ہوگا

اُسی کا پھل ملیگا۔ یہ ضروری نہیں کہ مال و اولاد کی کمی یا بیشی نیکی یا بدی کی وجہ سے ہو۔ نہ ہی فراخی و تنگی کی بنا پر کسی کو صالح یا مفسد قرار دیا جا سکتا ہے۔ امارت و افلاس تو عارضی چیزیں ہیں اصل شے اعمال صالح ہیں۔ اشیاء میں ہر وقت تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اجزا کی نئی نئی ترکیبوں سے قسم قسم کی اشیاء ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ ان کا جائز اور برمحل استعمال کریں۔ بیجا خرچ کر کے شیطان کی برادری میں شامل نہ ہوں۔ خدا تعالےٰ اچھی جگہ پر خرچ کرنے کا حکم کرتا ہے۔ اُس نے ہمیں اسراف سے منع کیا ہے۔ جو جس کو ملتا ہے اسی پر صابر اور مطمئن رہے اس لئے کہ فراخی اور تنگی محض اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ)

(۳۹) قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝

کہہ دے تحقیق میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے اس کے واسطے رزق کو فراخی دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) اس کے واسطے تنگ کر دیتا ہے۔ (یہ بے نہایت سلسلہ خدا تعالےٰ نے جاری کیا ہوا ہے۔ تمہارے کھانے پینے پہننے اور استعمال کرنے سے اشیاء ختم نہ ہو جائیں گی، تم اچھی طرح ان کا استعمال کیا کرو اور مستحقین کے لئے بھی انھیں خرچ کیا کرو) اور جو خرچ تم (اپنے یا دوسرے محتاجوں پر) کرتے ہو کسی چیز سے (بھی) تو وہ (خداوند کریم) اس (چیز) کا خلیفہ پیدا کرتا ہے (یعنی اس کی جگہ دوسری چیز آ جاتی ہے۔ سبحان اللہ۔ کیسی شان پروردگاری ہے!) اور وہ (خدا) بہترین رزق دینے والا ہے (اللہ پاک نے پرورش کے لئے عجیب سلسلہ بنایا ہے تمام جاندار اپنا اپنا حصہ لے رہے ہیں۔ ہر چیز میں تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔ ندی نالے پہاڑ وغیرہ سب میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ زلزلوں سے اوپر کی مٹی نیچے اور نیچے والی مٹی اوپر آ جاتی ہے، اور بھی لاتعداد کام مناسب طریق پر ہو رہے ہیں۔ یہ ایک ہاتھ کا کام ہے، مگر یہ کہنے والے لوگ بھی موجود ہیں کہ اس میں خدا کو دخل ۔ وہ تو الگ تھلگ بیٹھا ہوا ہے اور یہ تمام انتظامات دوسروں سے کرا رہا ہے۔ خود کیوں تکلیف کرے؟ اُسے کیا غرض ہے؟ یہ کام تو انبیاء، ملائکہ اور دوسرے بزرگوں کے ہاتھ میں

ہیں۔ افسوس لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کو کاموں سے کوئی تکلیف اور تکان نہیں ہو سکتی۔ اس کو تو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ وہ ہر وقت اپنی قدرت دکھا رہا ہے اور اسی کے حکم سے ہر چیز پیدا ہوتی ہے۔ بزرگوں کو تو اپنے اندر کا حال تک معلوم نہیں وہ خدائی کاموں کے سرانجام دینے کے کیا اہل ہوں گے؟ بلکہ اندر کا علم تو علیحدہ رہا اُن کو اکثر باہر کی اشیاء میں بھی کما حقہٗ علم و مہارت نہیں۔ اب آگے ان بزرگ بنائی ہوئی ہستیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ ایک نقشہ ہی ہے۔ بالمشافہ گفتگو نہیں۔ ارشاد ہے)

(۴۰) وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ○ اور جس دن اکٹھا کرتا ہے (اللہ تعالیٰ) سب کو اور پھر کہتا ہے فرشتوں کو کہ کیا یہ (لوگ مشرکین) تمہاری پوجا کرتے تھے۔

(۴۱) قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ○ (تو وہ ہمیشہ یہی) کہتے ہیں (کہ اے باری تعالیٰ) تو (غیروں کو متصرف بنانے سے) پاک ہے (کیوں کہ تجھ میں ہر کام کے کرنے کی خود بخود طاقت ہے اور) تو ہی ہمارا سرپرست ہے (ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ صرف تجھ سے ہی تعلق ہے) سوائے ان کے (یہ ہماری پوجا نہیں کرتے) بلکہ یہ سرکشوں کے تابعدار تھے (انھوں نے شیاطین سے تعلیم حاصل کی ہے اور یہ شریر لوگ ہیں۔ ہم سے کوئی ان کا رابطہ ہرگز نہیں تھا) ان میں سے اکثر انھیں (کاہنوں، رمالوں اور دھوکا بازوں) کے مومن ہیں (یہ مولویوں کے مقلد، سرکشوں کے مرید اور گدی نشینوں کے گرویدہ ہیں۔ اگر اب بھی کسی کو کسی کی سفارش پر بھروسہ ہو تو کان کھول کر سن لے)

(۴۲) فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ○
پس آج تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے۔ اور ہم ظالموں کو (ہمیشہ سے، کہتے (آئے) ہیں (کہ) چکھو اس آگ کا مزہ جس کو تم (دنیا میں)

جھٹلاتے تھے (اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ ان لوگوں کو حق کے ساتھ دشمنی تھی)

(۴۳) وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ
أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ۚ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ
مُفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا
سِحْرٌ مُبِينٌ ○ اور جب پڑھی جاتی تھیں اُن پر ہماری بیّنات (یعنی محکمات، پکی، مضبوط اور روشن) آیات (جو عین فطرت کے مطابق اور سراسر پُر حکمت ہیں اور ان لوگوں کا دل گواہ ہے کہ یہ فی الواقع حقائق اور صداقتیں ہیں اور ان سے انکار کی گنجائش نہیں، مگر ضد اور شرارت اور سرکشی اور عناد سے اور تقلید پرستی کی وجہ سے سر پھیر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو) کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر ایک (ایسا) آدمی جو کہ ارادہ کرتا ہے کہ روکے تم کو ان (بتوں، بزرگوں، فرشتوں اور انبیاء وغیرہ) سے جن کو تمہارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں (اللہ اللہ! جو اندھی تقلید سے روکے وہ بُرا ہوا۔ یہ لوگ کس طرح ایک دوسرے کے جذبات کو مشتعل کرتے ہیں اور بجائے دلائل قاطعہ کے آباء و اجداد کی رسوم پر مرتے ہیں) اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ (تعلیم اچھی اور مفید) مگر ایک جھوٹ باندھا ہوا (جو پہلے ہی اچھی طرح سے سوچ سمجھ کر بنا یا گیا ہے۔ ظالم اور عنادی لوگ تعلیم کی خوبیوں کو دیکھکر بھی مُنہ پھیرتے اور مخالفت پر اُتر آتے ہیں) اور (یہ بھی) کہا نا قدر دانوں نے حق کے متعلق جب آیا اُن کے پاس (کہ) نہیں ہے یہ (تعلیم) مگر کھلا ہوا دھوکہ (ایک عرصہ گذر چکا ہے جب جناب اسمٰعیلؑ نے عرب میں توحید کی بنیاد رکھی تھی، اب وہ تعلیم بھول گئی ہے اور اس کی جگہ شرک وغیرہ قابض ہو گئے ہیں۔ جو اہل کتاب عرب میں آکر بسے اُن کی کتابوں سے بھی ان مشرکینِ عرب نے کوئی لگاؤ نہ رکھا نہ تو آسمانی کتابوں سے فیض حاصل کیا اور صحیفۂ فطرت سے فائدہ اُٹھایا۔ غرض کسی چیز سے اُنھیں نفع نہ پہنچا کیونکہ یہ خود حق سے متنفر تھے اسی لئے فرمایا)

(۴۴) وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا

اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ؁ اور نہیں دیں ہم نے ان کو کتابوں سے جن کو یہ پڑھتے ہوتے اور نہیں بھیجا ہم نے اُن کی طرف تجھ سے (بہت لمبا عرصہ کئی صدیاں) پہلے کوئی ڈرانے والا (آسمانی کتب ہوں یا صحیفہ فطرت، اصل مقصود حق ہوتا ہے نہ کہ شخصیتیں، مگر اشخاص پرست ہمیشہ سے حق کی مخالفت کرتے آئے ہیں)

(۴۵) وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ؁ اور (مال و اولاد میں ان سے کئی چند بڑھے ہوئے ناقدر دان ہماری زد سے نہ بچ سکے۔ یہ لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور اس ڈھیل سے جائز فائدہ اُٹھائیں ورنہ سُن لیں کہ) جھٹلایا تھا (دین حق کو اور اس کے لانے والوں کو) ان لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے اور نہیں پہونچے یہ (موجودہ لوگ) اس کے دسویں حصہ کو جو ہم نے اُن کو (اولاد، مال وغیرہ) دیا ہوا تھا پس جھٹلایا انھوں نے میرے پیغامبروں کو۔ پس کیسا پھل لایا میرا انکار؟ (رسالتوں کا انکار خدا کا انکار ہوتا ہے۔ قوم تبع، قوم بلقیس وغیرہ وغیرہ حکومتیں جب سرکش ہوگئیں تو مال دولت اور طاقت اُن کے کسی کام نہ آئے۔ یہ ہے خدا تعالٰے سے بیزاری کا انجام!)

رکوع ششم (۴۶) قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۟ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ؁ (ابھی موقعہ ہے سوچ بچار سے کام لو "حق" کو ٹھکرا قرار نہ دو۔ اگر شرم و مروت یا ندامت و حجاب کی وجہ سے یہ لوگ مجلس شوریٰ قائم کرکے فیصلہ نہیں کرتے تو اے نبیؐ ان کو) کہدے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے واسطے قائم ہوجاؤ دو دو ایک ایک (جیسے مناسب سمجھو اور خوب غور کرو) پھر فکر کرو (تو خواہ مخواہ نتیجہ نکل آئیگا کہ) تمہارے اس دوست (سکھانیوالے مصاحب اور یار) کو کوئی جنون نہیں ہے۔ (یہ تمہارا ہمنشین اور ساتھی تمہارے جیسا ہے

ں مطاع اور احکم الحاکمین یا منتہائے سوال۔ نعوذ باللہ! نہیں ہے یہ مگر تم کو ڈرانے والا ایک سخت عذاب سے پہلے (اس کو تو تمہارا ہی فکر دامنگیر ہے۔ کیا ایسے اخلاق والا پاگل قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا پاگل ایسی صحیح تعلیم دے سکتا ہے؟ غور کا مقام ہے۔ یہ تو صرف تمہیں بچانے کے لئے کوشاں ہے۔ ایسے خیرخواہ کی بات سنو، اگر معقول ہے تو مان لو اور فلاح پاؤ۔ تمہاری بہتری میں اس کو فرحت ہوتی ہے اور تمہارے نقصان سے اس کو قلق ہوتا ہے، اس کی اپنی ذاتی کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ رسول اپنے لئے تم سے کسی طرح کا فائدہ نہیں چاہتا)

(۴۷) قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ کہہ دے (اے نبیؐ) جو مانگا ہو میں نے تم سے کوئی بدلہ (اجر وغیرہ)، پس وہ تمہیں رکھو (میں تو تم سے کچھ مانگتا ہی نہیں۔ صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کی بڑائی اور عزت کرو تاکہ تکالیف سے بچ جاؤ اور بس۔ تمام انبیاء کا مقصد حیات صرف توحید ہی تھا یعنی سوائے اللہ کے کسی کی پرستش نہ کرو دوسرا کوئی لائق عبادت نہیں۔ سوچو، سمجھو اور غور کرو۔ انبیائے سابقین کی طرح میں بھی توحید ہی کی تعلیم دے رہا ہوں اور میں اس کے خلاف نہیں کرتا ہوں۔ جب میں وہی تعلیم دیتا ہوں جو پہلے نبی دیتے تھے تو یہ افتراء نہیں ہے۔ میں افترا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر میں افترا کروں تو نعوذ باللہ من ذالک میں مشرک بن کر عذاب کا مستحق ہو جاؤنگا۔ تم تو میرے مطلق کام نہیں آؤگے اور میں مفت میں گرفت میں آجاؤنگا۔ افتراء کرنیوالا خود بخود عذاب کو دعوت دیتا ہے۔ لہذا تم غور کرو کہ میں غلط راستے پر ہوں یا تم الٹے جا رہے ہو۔ میں تو وحی پر چل رہا ہوں اور حکم کا پابند ہوں۔ اللہ اللہ! کیسی عاجزی، یہ ہے بندگی کا ثبوت۔ آگے فرمایا) نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر اور وہ (اللہ) ہر چیز پر نگراں ہے (اس کی مخالفت کر کے کوئی بچ کر کہاں جا سکتا ہے؟ ایسے باریک بین اور علیم و خبیر خدا پر افتراء ظالموں کے سوا کون کرتا ہے؟ میں تم سے اپنی ہستی منوانے نہیں آیا۔ اللہ تعالے کو مانو۔ اس کا ماننا ذات کے لحاظ سے ہے۔ باقی چیزوں کا ماننا فوائد کے لحاظ سے ہے جس میں ماں باپ استاد وغیرہ سب شامل ہیں۔ سب اسی آقا کے غلام ہیں۔ اسی سے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۸۲

"أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا"

اُمتِ مسلمہ کا ماہوار صحیفہ

بلاغ

امرتسر

ایڈیٹر

ڈاکٹر چودھری علم الدین

جلد ۱۵ - امرتسر - ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ مطابق جون ۱۹۳۸ء نمبر ۶

فہرست مضامین

اُمت مُسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمت مسلمہ امرتسر کا دوسرا سالانہ جلسہ آئندہ تعطیلات دوسہرا میں منعقد ہو رہا ہے۔ احباب اُمت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو جلسہ کی مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہو سکے۔ جو اصحاب اس غرض کے لیے روپیہ ارسال فرمائیں اُنھیں اس کی تصریح کر دینی چاہیے تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ ہی میں شامل کی جائیں۔

مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائیگا۔

سکرٹری اُمت مسلمہ امرتسر

شذرات

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی، تعلیم و تربیت کی خرابی۔ اخلاق و کیرکیٹر کی پستی اور نظام اجتماعی میں اختلال کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے۔ مسلمانوں کی سیاسی جمعیت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اور ان کے اندر غداروں کی جماعتیں پیدا ہونی شروع ہو گئیں جو ذاتی اغراض و مفاد کے لیے قومی اور اجتماعی زندگی کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ اکثریت میں سے خودداری اور غیرت اور حمیت کے جذبات فنا ہو گئے اور اغیار کی غلامی کو باعث فخر سمجھنے لگ گئی۔ جس کا نتیجہ جہالت افلاس اور بداخلاقی کی صورت میں نمودار ہوا۔

اس ڈیڑھ صدی کے عرصہ میں سرسید علیہ الرحمۃ اور بعض دوسرے حامیان اصلاح پیدا ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کو اپنی حالت کے سنبھالنے کی جانب توجہ دلائی لیکن خود غرض اور جاہ پسند افراد نے ان مصلحین ملت کی دال نہ گلنے دی بلکہ اُلٹا ان بزرگوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ قوم کی اکثریت جہالت کے عمیق گڑھوں میں گری ہوئی تو تھی ہی وہ دوست و دشمن میں تمیز کرنے سے قاصر رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم حیوانی پستی کی آخری حدود تک پہنچ گئی اور پوری کی پوری ملت خود غرضی اور نفس پرستی میں پھنس کر رہ گئی۔

آجکل ہندوستان ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے کی فکر میں ہے مگر مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ فکر فردا سے بالکل بے پروا ہے۔ اور اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ اس کی یہ غفلت و لاپروائی کیا رنگ لانے والی ہے۔

یوں تو قوم کے اندر سینکڑوں نہیں ہزاروں لیڈر پیدا ہو چکے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی اکثریت اپنی ذاتی شہرت اور اقتدار کی خاطر قوم کو قربانی کا بکرا بنا رہی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ افلاس۔ غلامی اور جہالت نے ہمیں بے حس ہی نہیں بے غیرت بھی بنا دیا ہے اور ہم

اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اغیار کی جانب نگاہیں لگائے ہوئے ہیں۔

ہم میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو حکومت کی غلامی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے۔ وہ جاگیروں خطابوں اور مناصب کے لیے قوم کو حکومت کی چوکھٹ پر جھکانے کے لیے مصر ہے۔ اور مسلمان کا ایمان اب اتنا سستا ہو گیا ہے جسے حقیر سے حقیر معاوضہ یا ادنیٰ سے ادنیٰ خطاب کے عوض خریدا جا سکتا ہے۔

دوسرا گروہ قوم کو کانگریس کے قدموں میں جھکانے کے لیے اپنی ساری کوشش اور پوری طاقت استعمال کر رہا ہے۔ وہ چند جیکاروں کے عوض قوم کو بھینٹ چڑھانے اور ذاتی شہرت یا نام و نمود کی خاطر مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنانے کے لیے تیار رہے اور اتنا بھی نہیں سوچتا کہ اس کی خود غرضی اور خود پسندی کا نتیجہ ابدی غلامی کی صورت میں نکلنے والا ہے۔ مگر ذاتی غرضیں مجبور کر رہی ہیں کہ قوم کو غلط مشورہ دے کر قصر اسلامی کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا جائے۔

الغرض ہماری قوم کے اکثر تعلیم یافتہ اشخاص ایسے ہیں جو اسلام کی مقدس تعلیم سے قطعاً ناواقف ہیں۔ جو مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کی برکات سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ جو مسلمان کو کمیونزم کی تعلیم دے کر ہندو قومیت میں جذب ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور اسلامی کلچر اور اُن کے پرسنل لا کے تحفظ کو فضول اور لغو قرار دیتے ہوئے مسلمان کو نامسلمان بننے کی دعوت دے رہے ہیں۔

بدقسمتی تو یہ ہے کہ قوم میں ایسے لاکھوں افراد موجود ہیں جو اپنی اغراض کی خاطر قوم سے خیانت کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ اسی قسم کے غداروں نے قلم، زبان اور تلوار کے ذریعہ دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کیے اور خود مسلمان کہلاتے ہوئے مسلمان پر عرصہ حیات تنگ کرنے اور آخیر تباہ و برباد کرنے کی کوششیں کیں۔

- علم الدین

آنے والے انقلاب میں اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتا ہے تو اسے حکومت اور کانگرس کو چھوڑ کر اپنے آپ پر اور خدائے لایزال پر بھروسہ کرنا پڑیگا۔ اس کے لیے قومی تنظیم کی جانب رجوع کیے بغیر اور اجتماعی قوتیں فراہم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر مسلمان مسلمان رہ کر زندہ رہنا چاہتا ہے تو اسے باہمی اختلافات مٹانے پڑینگے۔ اور ایک مرکز پر جمع ہونا پڑیگا۔ لیکن اگر مسلمانوں کا ایک گروہ اپنی امیدوں کو حکومت سے وابستہ رکھیگا اور دوسرا اپنی زندگی کا سہارا کانگرس کو بنائے رکھیگا تو نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلیگا بلکہ مسلمان مٹ کر رہ جائیگا۔

ایک اور امر بھی قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کی دو حیثیتیں ہیں۔ پہلی مسلمان اور دوسری ہندوستانی۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان زعما میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو چکا ہے جو مسلمانوں کو اس امر کی جانب دعوت دے رہا ہے کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں اور پھر مسلمان۔ ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ یہ گروہ یا تو تعلیم اسلامی سے بالکل ناواقف ہے ورنہ منافق ہے جو مسلمانوں کو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے دھوکا دے رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسلمان کے لیے وطن کوئی چیز نہیں ہے ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ساری دنیا ہمارا وطن ہے۔ اگر ہندوستان میں ہم عزت سے رہ سکیں، ہم اپنے کلچر اور قومی روایات کی حفاظت کر سکیں تو بیشک ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ لیکن اگر ہم یہاں آزادی کی سانس لینے کے حقدار نہ سمجھے جائیں تو ہم ہندوستان کو ہرگز اپنا وطن سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ اس لیے پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان کا فلسفہ قطعاً بے معنی، لغو اور گمراہ کن ہے جس کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں ہیں کہ اس فلسفہ کا مبلغ مسلمانوں کو ہندویت میں جذب کر دینا چاہتا ہے۔ اور مسلمانوں کے قومی امتیازات کو مٹا کر انھیں نامسلمان بننے کی دعوت دے رہا ہے۔

سنا گیا ہے کہ باعث احمدیہ کے موجودہ خلیفہ اپنے والد کی تعلیم کے خلاف اپنے پیروؤں کو

قانون شکنی پر آمادہ کرنے والے ہیں چنانچہ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ

"میں جماعت کے نوجوانوں اور بوڑھوں ۔ مردوں اور عورتوں سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ سلسلہ کی عزت و احترام کے لیے انھیں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیئے ۔ ان کا حق ہے کہ مجھ سے مطالبہ کریں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حق ہے ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے ۔ خدا تعالیٰ کا حق ہے کہ مجھ سے مطالبہ کرے ۔ بلکہ میں کہونگا انسانیت کا بھی حق ہے کہ مجھ سے مطالبہ کرے کہ تم کو تو حکومت کے قوانین کی پابندی اور فرمانبرداری کا حکم تھا ۔ پھر تم نے کیوں اس پر عمل نہ کیا ۔ جماعت کی عزت کی حفاظت کے لیے میں جو کچھ کروں وہ جائز ہے ۔ اور اس کے لیے جس قسم کی قربانی کا میں مطالبہ کروں سلسلہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ اُسے پورا کرے ۔ اور جو اس سے دریغ کرے وہ ہرگز احمدی نہیں رہ سکتا ۔

قارئین یہ پڑھ کر ضرور حیران ہوں گے کہ خلیفہ صاحب جماعت کی عزت کی حفاظت کے موہوم خیال کے پیش نظر کدھر جا رہے ہیں ۔ وہ اپنے تمام اصولوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی جماعت کو ایک ایسے امر کی جانب دعوت دے رہے ہیں جس کے خلاف اُن کے والد نے اتنا لٹریچر بہم پہنچایا جو خود انہیں کے قول کے مطابق چالیس الماریوں میں بھی نہ سما سکتا تھا ۔ لیکن آج بیٹا اُن چالیس الماریوں کو نظر انداز کرتا ہوا علیحدہ اور بالکل مخالف طریق اختیار کر رہا ہے ۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی نبی کے خلیفہ کو یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ نبی کی تعلیم کے صریح خلاف تعلیم دے اور کیا شریعت میرزائیہ میں یہ جائز ہے کہ کسی ایسے شخص کو خلیفہ قبول کرلے جو خود نبی کی واضح اور غیر مبہم تعلیم کے خلاف عمل کرنے کی دعوت دے ۔ اُمید ہے کہ علماء اُمت میرزائیہ اپنی پوزیشن پر غور کریں گے ۔

خود خلیفہ صاحب اور آپ کی جماعت کانگریس کے خلاف تھے چنانچہ احمدی لیڈروں نے "ہندو راج کے منصوبے" وغیرہ کئی ضخیم کتابیں لکھ کر ثابت کیا کہ کانگریس کا مقصد ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے لیکن ہم اخبارات میں یہ اطلاع پڑھ کر بیحد حیران ہوئے کہ خلیفہ قادیان کانگریس کے ساتھ تعاون

کرنے کے لیے راستہ صاف کر رہے ہیں اور آجکل ہی گاندھی جی کی بیعت اختیار کرنے والے ہیں۔

اگر یہ خبر صحیح ہے تو طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کانگرس نے اپنے اصولوں کو بدل لیا ہے اور اب اس سے ہندو راج کے قیام کا خطرہ نہیں رہا یا خود خلیفہ صاحب نے ہندو راج کو قبول کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اگر کہا جائے کہ کانگرس نے اپنی اصلاح کر لی ہے تو واقعات اس امر کی بیّن شہادت ہیں کہ یہ قطعًا غلط ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ کانگرس کے خلاف شکایات پیدا ہو رہی ہیں اور جن صوبوں میں کانگرسی حکومتیں قائم ہوئی ہیں ان صوبوں کے مسلمان کانگرس کے ہاتھوں نالاں ہیں۔ ان حالات میں خلیفہ صاحب کا کانگرس کے ساتھ ملنا بتا رہا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مسلمانوں سے بیوفائی کر رہے ہیں۔

ایک طرف تو خلیفہ صاحب کو شکایت ہے کہ مسلمان انھیں خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور انھیں جداگانہ اقلیت قرار دیکر ان سے بے انصافی کر رہے ہیں لیکن دوسری جانب خود خلیفہ صاحب مسلم اکثریت کے نظریہ کے خلاف کانگرس سے ناطہ جوڑ کر مسلمانوں سے قطع تعلق کر رہے ہیں۔

ہم بلاخوف تردید کہتے ہیں کہ اگر خلیفہ صاحب فی الواقع کانگرس سے رشتہ جوڑنے والے ہیں تو وہ ایک ایسی خوفناک غلطی کا ارتکاب کریں گے جس کی تلافی جماعت احمدیہ کبھی نہ کر سکیگی۔ بحالات موجودہ مسلمان کہلانے والی کسی جماعت کا کانگرس میں شامل ہونا مسلمانوں کو دعوت جنگ دینا ہے کیونکہ مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو رہے ہیں اور آج قریبًا تمام اسلامی ہندوستان مسلم لیگ کو اپنی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر چکا ہے۔ پس ان حالات میں جو کوئی کانگرس سے تعاون کریگا مسلمان اس سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے۔

ہاں اب یہ دیکھنا ہے کہ احرار کیا رویہ اختیار کریں گے۔ اگر جماعت احمدیہ کانگرس میں شامل ہو گئی تو احرار کو بحیثیت کانگرس ان سے تعاون کرنا پڑیگا لیکن یہ کونسی بڑی بات ہے۔ اگر احمدی اپنے پچاس سالہ اصولوں کو ذاتی اغراض پر قربان کر سکتے ہیں تو احرار بھی اپنے فائدوں

کے لیے ، احمدیوں کو گلے سے لگانے کے لیے تیار ہوجائیں گے ۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ کانگرس مسلم لیگ کے مطالبات کو درخور اعتنانہ سمجھتی تھی بلکہ مسلم ماس کنٹاکٹ کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر اثر و نفوذ حاصل کرنے کی فکر میں تھی لیکن جونہی مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے کانگرس کے حواس بجا ہو گئے اور اب اسے تسلیم کرنا پڑا کہ مسلم لیگ درحقیقت مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اس سے مصالحت کئے بغیر کانگریس عزت و وقار کے حصول سے قاصر رہیگی ۔ چنانچہ کانگرسی زعماء مسٹر جناح کے در دولت پر پہنچے اور شرائط مصالحت طے ہونے لگیں ۔

اس ایک ہی واقعہ سے یہ حقیقت مبرہن ہو جاتی ہے کہ تنظیم قوائے ملیہ ہی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا واحد ذریعہ ہے ۔ اور وحدت ملی ہی مسلمانوں کے مطالبات کے حصول کی ضامن ہوسکتی ہے ۔ اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انھیں متحد ہونا پڑیگا ۔ اگر مسلمان ہندوستان میں مساویانہ حقوق حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے باہمی اختلافات کو مٹانا ہوگا ۔ ورنہ یاد رہے کہ دشمن مسلمانوں کو مٹانے کے لیے تُلا ہوا ہے اور سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ خود مسلمان کہلانے والے لوگوں میں سے بعض کانگرس کے اغراض مشئومہ کے حصول میں اس کی اعانت کررہے ہیں ۔ اگر مسلمان نے آنکھیں نہ کھولیں اور متحدہ قومیت کی جلد از جلد بنیاد نہ رکھ دی تو انجام نہایت عبرت ناک ہوگا ۔

اسوقت مسلمان کے لیے صرف ایک ہی چارہ ہے کہ وہ مسلم لیگ کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور جوق در جوق اس واحد اسلامی جماعت میں شامل ہوکر ثابت کردیں کہ مسلمان زندہ ہے اور وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ہی تمام اقلیتوں کے حقوق کی نگہداشت کرنا چاہتا ہے ۔ اگر مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور منتشر قوائے کو ایک دفعہ پھر مجتمع کرلیا تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قوم کی کشتی منجدھار سے نکل کر ساحل مراد پر پہنچ سکے گی ۔

بَیَان

(از جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"بلاغ ۱۵ مئی ۱۹۳۸ء میں زیر لفظ "امر" ترجمہ آیت "قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ" غلط لکھا گیا ہے، صحیح اس طرح ہے "کہو کہ میرے پروردگار نے ٹھیک امر فرمایا ہے" (اختر)

"بَغْیٌ" سبقت کرنا یا سبقت لے جانا، حق و باطل کی طرف تجاوز کرنا، اگر باطل کی طرف ہو بغاوت، سرکشی، اگر حق کی طرف ہو تو پسندیدہ امر ہے، کسی شے کی طلب میں بڑھنا،

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الایہ ۴۹/۹ اور اگر ایمانداروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو، پھر اگر ان میں کا ایک دوسرے پر چڑھ آئے تو جو زیادتی کر رہا ہے اس سے لڑو، یہاں تک کہ امر الٰہی کی طرف رجوع ہو، پھر اگر رجوع ہوا تو ان میں صلح کرادو عدل اور انصاف کے ساتھ، اللہ کو انصاف والے پسند ہیں۔

ان آیات میں ان تنازعات کا ذکر ہے جو مسلمانوں میں کسی وجہ سے ہوں، اس کی واضح مثال امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ ہیں، کہ دونوں فریق مسلمان تھے، ان میں حضرت عائشہ صدیقہ نے صلح کرادی اور دونوں جنگ سے رک گئے، ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ایک وقت ایک ہی "خلیفہ" تمام دنیاء اسلام پر حکمران ہو، بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ اپنے اپنے ملک کا انتظام وغیرہ ایک خلیفہ کرے، البتہ تمام خلفاء اسلام میں اتحاد ہونا چاہیئے، اور اگر دو خلفاء میں تنازعہ ہو تو دیگر خلفاء درمیان میں آئیں اور ان کی صلح کرادیں، اور اگر ضرورت ہو تو اس فریق سے جو برسرِ ناحق ہو متفقہ طاقت سے لڑیں اور اس کو راہ راست پر لائیں، غرض یہ ہے کہ کوئی فریق وحدت اسلامی میں رخنہ انداز نہ ہو۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن "ہدایت" ہے تو جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے۔ اگر مسلمان جن کے ہاتھوں میں یہ ہدایت ہے، اس کا فائدہ نہیں اٹھاتے تو نقصان اُن کا اپنا ہے، وہ لوگ جو بظاہر نامسلمان ہیں اور عملاً اس آیت کا فائدہ اٹھا رہے ہیں قرآن کے منشاء کو پورا کر رہے ہیں ان آیات میں تدبر کرنا چاہیئے کہ دو فریق لڑتے ہیں تیسرا فریق ایسا بھی ہونا چاہیئے جو

دونوں کے درمیان صلح کرائے، اور یہ فریق صاحب اثر ہونا چاہیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا اثر تو اس لئے تھا کہ اُم المومنین تھیں اس لیے اُن کے بیٹوں نے ان کا کہا مان لیا۔ اب اگر ایرانیوں اور ترکوں میں جنگ ہو تو کون سمجھائے؟ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کا حل بھی بتا دیا ہے کہ "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۴۲" مومنین کے امور باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ایک "مجلس شوریٰ" ہونی چاہیے جس میں ایک ملک کے نمائندگان جمع ہوں، اور پھر مختلف ممالک اسلامیہ کی "مجالس شوریٰ" کے نمائندگان حسب ضرورت اوقات مقررہ اور مقامات مقررہ پر جمع ہوتے رہیں اور تنازعات یا امور بین الاقوامی کا تصفیہ "بالقسط" کر دیا کریں، یعنی اُن کی غرض امن و صلح ہو، کسی فریق کی رعایت مد نظر نہ ہو۔ ہمارے زمانہ میں دول یورپ نے "لیگ آف نیشنز" کی طرح ڈالی، اس کے اغراض و مقاصد وہی کچھ ہیں جو آیت زیر بحث میں واضح ہیں، اطالیہ نے "حبشہ" پر حملہ کیا، "حبشہ" نے لیگ کی طرف رجوع کیا، لیگ نے "اطالیہ" کی نسبت فیصلہ کیا کہ یہ برسرِ ناحق ہے، لیکن وہ کچھ مضحکہ انگیز باتیں کیں کہ اطالیہ نے کچھ پروا نہ کی، اور "حبشہ" کو مسخر کر ہی لیا۔ "لیگ آف نیشنز" میں تمام دول کے نمائندگان شامل ہیں، اگر وہ چاہتے تو اطالیہ کا ناطقہ بند کر سکتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث پر اُن کا عمل نہیں، اور ہو بھی نہیں سکتا، یہ توقع مومنین سے ہے کہ وہ صلح کی کوشش کریں اور ضرورت ہو تو باغی فریق کا مقابلہ کریں اور اس کو راہ راست پر لائیں۔

مسلمانوں کی حقیقت میں زوال اسی لیے آیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے بعد ان کا عمل اس آیت پر نہ رہا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ عرب یا ترک روئے زمین کے مسلمانوں پر حکومت کریں، عرب عربوں کے لئے اور ترکستان ترکوں کے لیے اور ایران ایرانیوں کے لیے اور افغانستان افغانوں کے لیے ہونا چاہیے اور سچ پوچھو تو حقیقت میں ایسا ہی ہے، البتہ ان میں اخوت اور اتحاد ہونا چاہیے، اگر وہ ایک دوسرے سے بے تعلق نہ ہوں اور اپنے امور مشورہ سے طے کریں تو "ہدایت" پر اُن کا عمل ہو اور وہی اعلیٰ ہوں۔

یہ آیت صرف سلطنتوں کے معاملات کے متعلق نہیں ہے بلکہ عام حالات پر بھی اسی طرح حاوی ہے کہ مسلمانوں کے تنازعات کا تصفیہ اسی طریق سے ہونا چاہیے جیسا کہ اس آیت میں ہدایت ہے، وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۴۲ اور (اہل ایمان) اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ اُن کو دے رکھا ہے اس میں سے ضروریات پر خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو (اولی الامر کے ذریعہ) بدلہ لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے

ور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور کسی پر
ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے تو (اولی الامر اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہیں) ان پر کوئی الزام
نہیں، الزام تو اسی حالت میں ہو سکتا ہے جب وہ لوگوں پر ظلم کریں اور ناحق ملک میں بغاوت
کریں، یہی لوگ ہیں جن کو عذاب دردناک ہوتا ہے۔ البتہ جو مظلوم صبر کرے اور بخش دے تو بلاشبہ
یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

ان آیات میں مجالس شوریٰ اور عدالتوں کے قیام کی ہدایت کی گئی ہے، چونکہ ان کا قیام زر
پیسہ سے ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ ہماری ضروریات میں شامل ہے ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ
کے دیئے ہوئے میں سے اس پر بھی صرف کرو، اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا بیت المال ہر جگہ
ہو، اور امین لوگوں کے ہاتھوں میں اس کا انتظام ہو، عاملین کو اس میں سے تنخواہ ملنی چاہئے۔

اگر کسی شخص کو کسی شخص کے خلاف کوئی جائز شکایت ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، جنہیں
ہم دیوانی اور فوجداری سے تعبیر کرتے ہیں، دونوں صورتوں میں ایسی صورت بھی ہے کہ یہ شخص فریق
مخالف کو معاف کر سکتا ہے جبکہ تنازعہ ذاتی ہو اور اس کا اثر جماعت کے دیگر افراد پر نہ پڑتا ہو ایسی
حالت میں اسے معاف ہی کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسے بہتر بدلہ دیا جائیگا، ورنہ
قصاص مشروع ہے (ملاحظہ ہو لفظ قصاص) ایسے معاملات جو قابل مصالحت ہوں حکومت اس
میں دست اندازی نہیں کرتی اور توقع رکھتی ہے کہ فریقین عدالت سے باہر مصالحت کرلیں گے لیکن
اگر وہ عدالت کی طرف رجوع کریں تو انصاف کا تقاضا ہے کہ ان میں فیصلہ کیا جائے۔ فوجداری مقدمات
بعض قابل راضی نامہ اور ناقابل دست اندازی ہوتے ہیں اور بعض قابل راضی نامہ مگر قابل دست اندازی
ہوتے ہیں، موخر الذکر صورت میں عدالت کی اجازت سے مصالحت ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ہر ایک فرد
پر اس جماعت کا بھی کچھ حق ہوتا ہے جس کی نمائندہ یہ عدالت یا حکومت ہے، اس لیے عدالت یہ دیکھتی
ہے کہ یہ ایسا معاملہ تو نہیں کہ اثر جماعت پر پڑتا ہے، خواہ اس جماعت کے بعض افراد پر بھی پڑتا ہو
جو مستغیث کے لواحقین ہوں، اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ اجازت سے فریقین کی بہتری ہے تو اسے
اجازت بہرحال دینی چاہئے، ورنہ اختیار ہے کہ اجازت نہ دے اور ظالم فریق سے بدلہ لے، اس
اجازت کی درخواست منجانب مستغیث بمنزلہ "شفاعت" ہے۔

مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ اللہ کے حضور کس کی مجال ہے کہ شفاعت کر سکے مگر اسی کی

اجازت سے (ملاحظہ ہو لفظ "شفع")

بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں عدالت یا حکومت خود مدعی ہوتی ہے اور ناقابل راضی نامہ اور قابل دست اندازی ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو لفظ "جرم")

اس میں کچھ شک نہیں کہ قصاص مشروع ہے لیکن مظلوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ عدالت اور حکومت کی موجودگی میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے، اسے حکومت سے نصرت طلب کرنی چاہیئے، اگر وہ خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو ویسا ہی مجرم ہے، بات یہ ہے کہ برائی کا بدلہ برابر کے برائی ہے، یہ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ بدلہ لیتے وقت زیادتی کر بیٹھے اس سے قانون شکنی کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو جائیگا عدالت ان جذبات سے بے تعلق ہوتی ہے جو مظلوم کے دل میں مشتعل ہوتے ہیں اس لئے وہی برابر کا بدلہ دے سکتی ہے۔

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے کوئی نیکی نہیں، اس لیے عدالت بدلہ دیتے وقت خود بری نہیں ہو سکتی، وہ اس الزام سے بری الذمہ ہے، لیکن اگر مظلوم خود بدلے خواہ برابر ہی کا ہو وہ ضرور ضرور ویسی ہی برائی کا مرتکب ہوتا ہے، اگرچہ یہ مشروع ہے لیکن اس کی مذمت میں کچھ کلام نہیں، اگر وہ عدالت کی طرف بھی رجوع نہیں کر سکتا اور خود بدلہ نہیں لے سکتا تو اُسے صبر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اجر دیگا وہ احکم الحاکمین ہے اس کی گرفت سے کوئی کسی جگہ سے نہیں نکل سکتا۔ عدالت اگر انصاف نہ کرے اور دیدہ دانستہ ظلم کرے تو ملک میں بدنظمی لازمی نتیجہ ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ الایہ ۲۳/۲۱	اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوی والوں کی جب عبادت خانہ میں دیوار پھاند کر آئے اور داؤد کے سامنے آئے، تو اُن سے گھبرایا، وہ بولے

مت ڈر ہم دو دعویدار ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو فیصلہ کر ہم میں سچائی کے ساتھ اور دور از کار بات نہ بنا، ہم کو سیدھی راہ پر لگا دے (ایک نے کہا کہ) یہ میرا بھائی ہے، اس کے یہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے یہاں ایک دنبی، پھر کہتا ہے حوالہ کر دے مجھ کو وہ بھی اور مجھ سے زبردستی کرتا ہے بات میں، داؤد نے کہا کہ وہ تیرے ساتھ ظلم کرتا ہے کہ تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملاتا ہے اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر مگر وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایسے تھوڑے آدمی ہوتے ہیں اور داؤد کو خیال گذرا کہ وہ آزمائش میں آگیا ہے، گناہ کا اقرار کیا اپنے رب کے حضور اور گرا جھک کر اور توبہ کی، پھر ہم نے معاف کر دیا اس کا گناہ۔

یہ واقعہ (۲ سیموئیل ۱۲/۲۴) حسب روایت صحف انبیاء اس طرح مذکور ہے کہ "اوریا" نامی ایک شخص کی زوجہ نہایت خوبصورت تھی، داؤد شام کے وقت شاہی محل کی چھت پر ٹہل رہا تھا کہ نگاہ بے محابا ہمسایہ کے مکان پر پڑی اور وہاں اسے غسل کرتے دیکھا، بادشاہ ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور عورت کو اپنے ہاں بلوایا اور اس سے ہم بستر ہوا، اور وہ حاملہ ہو گئی، اس کا خاوند "اوریا" اس وقت بادشاہ کے دشمنوں سے لڑ رہا تھا، جب داؤد کو معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہو گئی ہے تو سپہ سالار کو لکھا کہ "اوریا" کو فوراً بھیجدو، چنانچہ اوریا آیا تو داؤد نے جنگ کے حالات دریافت کرنے کے بعد اُسے کہا کہ اب جاؤ اور اپنے گھر میں آرام کرو، لیکن اوریا شاہی محل کے دروازہ پر سو رہا اور گھر نہ گیا، جب بادشاہ کو صبح معلوم ہوا کہ اوریا اپنی زوجہ کے پاس نہیں گیا تو وجہ دریافت کی، اوریا نے کہا کہ "تابوت سکینہ اور اسرائیل اور یہوداہ تو خیموں میں ہیں (اور مقابلہ میں دشمن ہے) اور سپہ سالار یعوب اور شاہی لشکر کھلے میدان میں خیمہ زن ہیں، کیا میرے لیے زیبا ہے کہ اپنے گھر میں جا کر رنگ رلیاں مچاؤں، قسم ہے تیرے عیش کی میں ایسا نہیں کرونگا"۔ داؤد نے "اوریا" کو ایک خط سپہ سالار کے نام دیا اور اس میں لکھا کہ اوریا کو محاذ میں ایسی جگہ کھڑا کرو جہاں لڑائی کا زور زیادہ ہو اور خود اس سے علیحدہ ہو جاؤ تاکہ وہ وہیں کام آئے"۔ چنانچہ اس کی تعمیل خاطر خواہ ہوئی اور اوریا مارا گیا۔ اس کی زوجہ نے سنا تو ماتم کے ایام جوں توں بسر کئے، اس کے بعد داؤد نے اس سے نکاح کر لیا، اللہ تعالے کا ارشاد ناتن نبی کو ہوا کہ داؤد کے پاس جاؤ، چنانچہ آنحضرتؑ داؤد کے پاس آئے اور کہا کہ اس شہر میں دو آدمی ہیں، ایک مالدار ہے اور دوسرا مفلس قلاش۔ مالدار کے پاس بیشمار گلہ ہے، لیکن مفلس کے پاس صرف ایک دنبی کا بچہ ہے جو اس نے خرید کیا اور اس کی پرورش کرتا رہا اور وہ اس کے بچوں کے ساتھ بڑا ہوتا گیا، یہ بچہ اس کے کھانے سے کھاتا اور اس کے پیالہ سے پیتا اور اُس کے سینے سے لگ کر سوتا اور وہ سمجھتا کہ یہ میری دختر ہے، ایسا ہوا کہ ایک مسافر مالدار کے ہاں آیا۔ اُس نے یہ تو نہ کیا کہ اپنے گلہ سے کوئی بھیڑ ذبح کرتا اور اس کی خاطر و مدارات کرتا۔ اس نے مفلس کی دنبی لی اور مہمان کے لیے ذبح کی"۔ داؤد نے یہ ماجرا سنا تو غصہ بھڑکا اور ناتن کو کہا کہ "زندہ خدا کی قسم، یہ شخص جس نے ایسا ظلم کیا ہے واجب القتل ہے، اسے ضرور چار گنا دنبیاں دینی پڑینگی، کیونکہ اس نے ایسا ظلم کیا ہے اور بے چارہ پر ترس نہ کھایا"۔ ناتن نبی نے کہا کہ "وہ آدمی تو ہی ہے، خداوند خدائے اسرائیل کا ارشاد ہے کہ "میں نے تجھے مسح کر کے بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور ساؤل (طالوت) کے ہاتھ سے تجھے بچایا" اور

تیرے آقا (ساؤل) کا گھر بار اور اس کی ازواج تجھے دیں، اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانہ تجھے دیا، اور اگر یہ کچھ کم تھا تو تجھے اور بھی بہت کچھ دیا، تو نے کس لیے اپنے پروردگار کے حکموں کے خلاف کیا اور اس کے حضور بدی کی، تو نے اوریا کو مروایا، اور اس کی زوجہ کو اپنی زوجہ بنایا اور اوریا کو دشمنوں کی تلوار سے قتل کروایا، اس کا بدلہ یہ ہے کہ تلوار تیرے خاندان سے کبھی جدا نہ ہوگی، کیونکہ تو نے میرے حکموں سے سرتابی کی اور اوریا کی زوجہ کو اپنی زوجہ بنایا، پروردگار یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں تیرے ہی گھر سے تیرے خلاف برائی پیدا کرونگا، تیری آنکھوں کے سامنے تیری ازواج تجھ سے لے کر تیرے ہمسایوں کو دونگا، اور اس سورج کی روشنی میں وہ تیری ازواج سے ہم بستر ہوں گے۔ تو نے تو یہ کام خفیہ کیا ہے، لیکن میں یہ کام روز روشن میں تمام بنی اسرائیل کے روبرو کرونگا" داؤد نے ناتن کو کہا کہ "میں نے ضرور خدا کے حضور گناہ کیا ہے"۔ ناتن نے کہا کہ خدا نے بھی تیرا گناہ معاف کیا تو اب نہ مریگا، لیکن تو نے اپنے عمل سے کفار کو موقعہ دیا ہے کہ وہ خدا کی شان میں کفر بکیں اس لئے بچہ جو پیدا ہوگا زندہ نہیں رہیگا"۔ چنانچہ بچہ پیدا ہوا اور چند روز بیمار رہ کر مر گیا۔ اس کے بعد حضرت داؤد اس عورت کے پاس گئے اور اسے تسلی دی، وہ پھر حاملہ ہوئی اور حضرت سلیمان پیدا ہوئے۔

قرآن کا بیان اس واقعہ سے جیسا کہ صحف انبیاء میں مذکور ہے کچھ مختلف ہے، قرآن میں دو آدمیوں کا مذکور ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ان میں سے ایک ناتن نبی تھے اور وہی وقت بےوقت عبادت خانہ میں جہاں تابوت سکینہ رکھا ہوا تھا آتے جاتے، داؤد ابھی تھوڑے دن ہوئے تھے کہ طالوت کے بعد تخت نشین ہوئے اور یہ واقعہ پیش آیا۔ ناتن عبرانی لفظ ہے اور اس کا مفہوم "عطیہ" ہے یعنی "ہدیہ خدا" یہ واقعہ جیسا کہ صحف انبیاء میں مذکور ہے، بہت کچھ مبالغہ آمیز ہے، بات یہ ہے کہ حضرت داؤد یہوداہ کے قبیلہ سے تھے اور طالوت "بنی یامین" سے تھا۔ داؤد برسر حکومت ہوا تو اس کے خلاف سخت سازش دوسرے قبائل نے کی اور اس کے خاندان اور اس کے خلاف زہریلا مواد قوم میں پھیلا دیا، لیکن سازش کا جال ایسا خفیہ پھیلا ہوا تھا کہ دوست دشمن میں تمیز مشکل تھی، اس لیے حضرت داؤد نے بیت المقدس کی تعمیر کا ارادہ کیا کہ تمام قوم کا ایک قبلہ ہو۔ غرض یہ تھی کہ دشمن اسے قبلہ تسلیم نہ کریگا۔ حضرت داؤد کے بعد حضرت سلیمان تخت نشین ہوئے اور نہایت شان سے حکومت کی لیکن حکومت کے عصا کو گھن لگ چکا تھا اور آپ کی حکومت

کا بود، اپنا ظاہر ہوگیا، دس قبائل نے علانیہ بغاوت کی اور اپنی علیحدہ سلطنت اسرائیلیہ قائم کرلی جس کا دارالحکومت "سامریہ" قرار پایا۔

صحف انبیاء میں حضرت داؤد اور سلیمان کے خلاف ایسی خرافات مذکور ہیں جو کفر کی حد تک پہنچ گئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اختراع انہیں شیاطین کی تھی جو ملک سلیمانؑ میں فساد کا بیج بورہے تھے، جو وقت پر بار آور ہوا، بات صرف اتنی ہے کہ حضرت داؤد نے اوریا کی بیوہ سے نکاح کرلیا، "اوریا" ایک جانباز سپاہی تھا، اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ حضرت داؤد کو محض اوریا کے گھر کی سرپرستی منظور نہ تھی، بلکہ عورت کی خوبصورتی میں بھی کشش تھی، توریت کی ہدایت کے مطابق بادشاہ کو کثرت ازدواج سے منع کیا گیا تھا (استثناء ۱۷/۱۷) اور طالوت کے بعد داؤد وہ بڑا بادشاہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں پیدا ہوا یعنی ابھی بادشاہت کا آغاز ہوا تھا، طالوت نے بھی ایسی ہی بے اعتدالی کی اور داؤد نے بھی شرعی حکم کے خلاف کیا، اب اس روایت کو درایتاً پرکھا جائے تو یہ بات کہ داؤد نے سپہ سالار کو ایسا ورایسا لکھا محض کذب ہے، اتفاقیہ اوریا لڑائی میں کام آیا اور دشمنوں نے ایک فسانہ بنالیا، اور یہاں تک شہرت دی کہ تاریخ میں تاریخی واقعہ بن گیا، بنوہاشم نے بنوامیہ کے خلاف ایسی ہی داستانیں ملک کے طول وعرض میں شائع کیں اور اُن کے فسق وفجور اور سیہ کاریوں کے واقعات ایسے اختراع کیئے کہ تمام مسلمان متنفر ہوگئے، اور اُن کا تخت شام میں اُلٹ دیا، سیاسیات ہمیشہ ایسی اختراع کرتی رہی ہیں، ہمارے زمانہ میں ترکوں کے مظالم کی داستانیں مسیحی دنیا کو برانگیختہ کرنے کے لیے وضع ہوتی رہیں اور ہوتی رہینگی، ایسی باتوں پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔

لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ "تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا" لیکن ایسے واقعات میں "دو سیانہ آب است ویک چچہ دروغ" کا معاملہ ہوتا ہے، حضرت داؤد یا حضرت سلیمان آخر بشر تھے، کچھ فرشتہ نہ تھے اور نہ معصوم عن الخطا تھے، ممکن ہے کہ ان سے کچھ بے اعتدالی ظہور میں آئی ہو اور استغفار و توبہ کی ہو، اللہ تعالےٰ غفور الرحیم ہے

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و بُت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

"بغاوت" جو باطل کی طرف ہو شریعت یا قانون شکنی ہے، اور سرکشی ہے، اور کفر ہے،

اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۱/۱۱	اس بات پر خدا نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنے فضل سے (قرآن) نازل فرمایا، وہ خدا کے نازل کردہ سے کفر بغاوت کرتے ہوئے کرنے لگے۔
قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔ ۱۶/۵	(قوم کے آدمی) کہنے لگے کہ اے مریم تو عجیب شے باندھ لائی ہے اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو برا آدمی نہ تھا اور تیری ماں بھی شریعت سے منحرف نہ تھی۔

اس آیت کا مفہوم بعض مفسرین نے صحیح نہیں سمجھا "فرا" یا "فری" کے معنی "باندھنا" ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ

مَا کَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۱۱/۹	یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور (اس کے مضامین) باندھ سکے۔

اُردو میں بھی محاورہ ہے کہ

ترے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
غلغلۂ اشیائے مضامین مت پوچھ
لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہیں

اسی طرح جھوٹ باندھنا وغیرہ وغیرہ۔ "فریا" کی نسبت امام راغب لکھتا ہے کہ "عجیب" یا "عظیم" یعنی تو عجیب شے لائی ہے اور اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ چونکہ مسیحی عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرتؑ بلا باپ پیدا ہوئے ہیں اور مسلمانوں میں بھی اکثر یہ عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے مفسرین کا ذہن اسی طرف منتقل ہوا کہ قوم نے حضرت مریمؑ کو ملامت کی تیرا باپ برا نہ تھا اور تیری ماں اچھی تھی، پھر تو نے یہ کیا کرتوت کی ہے، اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ لفظ "بغی" کا مفہوم ہر ایک ایسا امر بھی ہے جو خلاف شریعت ہے اس لیے اس میں زنا بھی شامل ہے لیکن نہ تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے اور نہ یہ امر واقعہ ہے، بات اصل میں یہ ہے کہ مسیحؑ کو نبوت لڑکپن میں عطا ہوئی تھی اور غالباً حضرت یحییٰؑ کو بھی، یہ بھی ایک

عجیب بات تھی اس لیے قرآن میں اس امر کا بالخصوص ذکر ہے کہ وہ لوگوں سے "فی المہد" کلام کرے گا یعنی اُس کو لڑکپن میں نبوت عطا ہوگی، کلام سے مراد عامیانہ گفتگو نہیں بلکہ الہامی کلام ہے۔

انجیل مقدس لوقا ۲ - ۴۱/۴۹ میں مذکور ہے کہ مسیحؑ کے والدین ہر سال دستور کے موافق عید فسح کے روز یروشلم میں جاتے، جب آنحضرتؑ بارہ برس کے ہوئے تو وہ یروشلم سے لوٹے مگر لڑکا یروشلم میں رہ گیا، وہ یہ خیال میں رہے کہ لڑکا قافلہ کے ساتھ ہوگا، ایک دن سفر کرتے رہے اور اپنے رشتہ داروں اور جان پہچان والوں میں تلاش کرتے رہے، جب نہ ملا تو پھر یروشلم کو لوٹے، تین دن کے بعد ہیکل میں آ کر دیکھا کہ وہ علماء کے درمیان بیٹھا باتیں کر رہا ہے، ان سے سوال کرتا ہے، اور اُن کی باتیں سنتا ہے، اور وہ اس کی باتوں سے دنگ تھے۔ ماں نے کہا کہ "تو نے ہمیں کیسا پریشان کیا" جواب دیا کہ تم مجھے کیوں تلاش کرتے رہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے آسمانی باپ کے امر پر کام کرنا ہے"۔ مقدس مرقس ۱/۲۲ میں لکھتے ہیں کہ "لوگ اس کی تعلیم سے دنگ تھے کہ وہ علماء کی طرح نہیں بلکہ اپنے اختیار سے تعلیم دیتا تھا"۔ اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ علماء سے جب کبھی کوئی شخص فتوے طلب کرتا تو وہ توریت یا صحف انبیاء یا ائمہ کے اقوال سے استنباط کرتے لیکن مسیحؑ خود اپنی رائے کا اظہار کرتے، وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؑ رسول اور نبی تھے، اور ملہم تھے، اور اس حیثیت سے توریت کے بعض احکام میں ترمیم و تنسیخ سے بھی کام لیا (ملاحظہ ہو لفظ "آیة") چنانچہ "سبت" کی حرمت جو یہود میں مسلم تھی آنحضرتؑ نے برقرار نہیں رکھی، اس پر علماء یہود نے سختی سے اعتراض کیا۔

(متی ۱۲ - ۱/۱۴، مرقس ۲ - ۲۳/۲۸، ۳ - ۱/۵، لوقا ۶ - ۱/۱۰، ۱۴ - ۱/۵، یوحنا ۵ - ۸/۱۸)

غرض مسیحؑ نے دعویٰ نبوت کیا تو علماء یہود نے مریم صدیقہ کو طعنہ دیا کہ تمہارا خاندان تو ہمیشہ احکام شریعت کا پابند رہا، یہ کہاں سے عجوبہ روزگار لائی ہے، اور اگر یہ باز نہ آیا تو تمہیں قوم مردود قرار دیگی "اخت ھارون" کی پھبتی ان مسخروں نے خوب جمائی، حضرت ہارون کی بہن کا نام بھی مریم تھا اور اس نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں دعویٰ نبوت کیا تھا، چنانچہ خدا کا غضب اس پر بھڑکا، اگرچہ حضرت موسیٰؑ نے سفارش بھی کی لیکن اس پر بھی وہ کچھ عرصہ قوم اور مقدس خیمہ سے خارج رہی یعنی مردود قرار دی گئی (گنتی ۱۲/۱۰) مسیحؑ پر بھی یہ الزام تھا کہ وہ شریعت موسوی کا پاس نہیں کرتا، اس لیے دھمکی یہ دی گئی کہ تمہیں قوم سے خارج کر دیا جائیگا۔ صدیقہ نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اسی سے پوچھو یہ کیا کہتا ہے، علماء نے کہا کہ یہ کل کا بچہ ہماری شان نہیں کہ اس سے بات کریں، مسیحؑ نے کہا کہ میں نبی ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ مجھے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا

حکم ہوا ہے جب تک زندہ رہوں۔ مسیح کے جواب سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت زیر بحث تھی، اگر نعوذ باللہ کچھ اور بات ہوتی تو جواب از آسماں اور سوال از ریسماں نہ ہوتا، علماء نے یہ نہیں کہا کہ تیری گود کا بچہ ہم سے کیسے بات کر سکتا ہے بلکہ یہ کہا کہ ہم کیسے بات کریں، وہ خود تو بات کر سکتے تھے خواہ بچہ اُن کو جواب نہ دیتا۔

تعلیمات قرآن

مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اُستاذ تاریخ جامعہ ملیہ دہلی۔ یہ کتاب اس نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت، طباعت اور کاغذ اعلیٰ قیمت دو روپے

بُرھان القرآن

اس میں اُس مباحثہ کی مکمل روئداد ہے جو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مدیر اہلحدیث اور حضرت خواجہ احمد الدین مرحوم کے درمیان ہوا۔ اس میں اہلحدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں قیمت ۸ر

تحقیق قربانی

اس رسالہ میں قریباً ۵۴ کتب یعنی قرآن مجید، توریت شریف، تراجم قرآن، تفاسیر، حدیث، لغت، تاریخ و رسوم، جرائد وغیرہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ مروجہ رسم قربانی از روئے اسلام جائز نہیں قیمت ۲ر

مطالعہ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں

ایک ممتاز گریجوایٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے یہ قابل قدر کتاب لکھی ہے صفحات ۱۰۵ قیمت ۱۲ر

مینیجر بلاغ امرتسر

مواعظ قرآن

(۳۱)

وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ إِنَّ الشِّرْكَ لَ
ظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ
وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۔ وَإِنْ جَاهَدٰكَ
عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ
صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۔
يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ ؕ
إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ
مَرَحًا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ
مِنْ صَوْتِكَ ؕ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۔ (۲۱/۱۱)

(اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا کیونکہ شرک بہت بڑی جہالت اور کور بینی ہے۔ اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر کہ میری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر تجھ پر دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اُن کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو۔ پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر میں تم کو جتلا دونگا جو کچھ تم کرتے تھے۔ بیٹا! اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو۔ پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالےٰ حاضر کرائے گا۔ بیشک اللہ تعالےٰ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے

کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر کہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے، اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بے شک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔

پچھلے وعظ میں حضرت شعیب اور اُن کی تعلیم کا ذکر تھا۔ اس میں حضرت لقمان اور اُن کی تعلیم کا حال ہے۔ حضرت لقمان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یمن یا حبش کے پیغمبر تھے۔ اگر قرآن ان کا ذکر نہ کرتا تو غالباً اور کوئی ذریعہ معلومات ان کے متعلق نہ تھا۔ کم سے کم یہود کو اُن کی کوئی خبر نہ تھی۔ تفسیروں میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہودیوں میں اُن کی پند و نصائح کا ذکر ہوا کرتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی فرمائش پر اس کی خبر دی وہ محض مفسرین کا وہم ہے۔ یہود میں نصائح سلیمان ایک کتاب ضرور ہے مگر اس کا تعلق لقمان سے دور کا بھی نہیں۔ اور یہ بھی صحیح نہیں کہ حضرت لقمان حضرت داؤد کے ہم عصر تھے۔

شرک کی ممانعت پہلی تعلیم ہے جو تقریباً ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو دی ہے۔ مگر مشکل سے دنیا میں کوئی ایسی قوم پائی جاتی ہے جو اس مرض میں مبتلا نہ ہو۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ موجودات عالم پر غور کرنے کے بعد اور ذہن کو سلسلہ لامتناہی سے ہٹا کر جب ہم ایک ہستی کا اقرار کرتے ہیں تو جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے ہم اس اقرار کے ساتھ کہ وہ ایک نامعلوم قوت ہے جس کے ہاتھ میں ہماری زندگی اور موت ہے اُس کو لازمی طور سے یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ وہ فرد و یکتا ہے۔ دوئی پھر سلسلہ متناہی چھیڑ کر ہماری عقل کو گم کر دیتا ہے۔ لہذا اقرار توحید تو لازمی نتیجہ ہے خدا کے وجود کو ماننے کا اور کسی قوت نے خدا کی ہستی کو مان کر اس کا مثل یا ثانی پیدا نہیں کیا ہے کہ یہ منطق و خیال کے رو سے مہمل سی بات ہے۔ اس لئے شرک درحقیقت یہ نہیں ہے کہ خدا کی طرح ایک اور خدا بھی ہے۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی قوت انسانی میں خدائی قوت کا اعتراف کیا جائے اور اس شخص کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے گویا ہماری جزا و سزا۔ موت و زندگی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے کسی انسان کو انسانیت سے بالا درجہ دینا یہی شرک ہے۔ کیونکہ انسان میں تمام وہ عیوب اور خصائص موجود ہیں جو خود ہم میں ہیں اور اس سے بڑھ کر اور جہالت کیا ہوگی کہ ہم اپنے جیسے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں اور جب اُس کی قبر بنے تو اس پر اپنا

ما تھا رگڑیں اور اس کی امداد طلب کریں باوجودیکہ ہمارا دل اس کا بھی اقرار کرتا ہو کہ یہ ہستی ایک بالاتر ہستی کے تابع ہے۔ اگر دنیا میں کسی کی عزت کی جا سکتی ہے تو وہ ماں باپ یا معلم روحانی کی ہو سکتی ہے لقمان نے معلم روحانی سے گزر کر کے ماں باپ کی اطاعت پر زیادہ زور دیا ہے۔ مگر یہ اطاعت اسی قدر ہو جس قدر کہ انھوں نے اپنے وعظ میں واضح کر دیا۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم۔ اس کے بعد آپ نے وہ اخلاقی تعلیم دی ہے جو بالترتیب یوں ہے

۱۔ اچھے کاموں کی نصیحت لوگوں کو کرو اور بُرے کاموں سے منع کرو۔
۲۔ جو مصیبت تم پر پڑے اس پر صبر کیا کرو کہ صبر کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔
۳۔ لوگوں کو ذلیل سمجھ کر ان کی طرف سے اپنا مُنہ مت پھیر لیا کرو۔
۴۔ زمین پر اترا کر مست چلو کہ خدا کو متکبر اور اکڑفوں قسم کے لوگ ناپسند ہیں۔
۵۔ اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کرو۔
۶۔ اپنی آواز کو پست کرو اور گدھوں کی طرح چیخا چلایا مت کرو۔
۷۔ نماز پڑھو یہ جان کر کہ جس کے لیے نماز پڑھتے ہو وہ تمہارے ... ذرا ذرا کاموں سے واقف ہے

ان پند و نصائح میں کوئی ناممکن العمل بات نہیں ہے۔ لیکن دنیا کے امن و آسائش اور دماغی اور روحانی فرحت کے لیے اس سے زیادہ سہل الحصول نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ حق گو

اشتات

(محمد اقبال صابری)

زبان :- زبان کی ایک ادنیٰ سی جنبش بسا اوقات قوموں کی تقدیر پلٹ دیتی ہے ——
لنکا سے عراق جانے والے تاجروں کو سندھ کے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ، وہ راجہ داہر کے دربار میں فریاد لے کر حاضر ہوئے۔ راجہ نے کہا ، جاؤ! مجھے کوئی پروا نہیں۔ حجاج بن یوسف تک بات پہونچی ، تو اُس نے طیش میں آکر محمد بن قاسم کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا —— میں اکثر سوچتا ہوں ، اگر راجہ داہر کی زبان نے یہ غلطی نہ کی ہوتی ، تو ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کی ہزار سالہ عزت و سلطنت کی داستان سے غالباً محروم رہتی۔

ایک اور واقعہ سُن لیجئے۔ فرخ سیر بیمار ہوا ، انگلستان کے ایک ڈاکٹر (ہملٹن) کے علاج سے اُسے شفا حاصل ہوئی۔ ارشاد ہوا ، کیا انعام چاہتے ہو؟

"بمبئی ، کراچی اور سورت میں ہمیں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت عطا فرمائیے"۔

"جاؤ ، منظور ہے"!

زبان نے ایک آدھ سیکنڈ میں یہ الفاظ ادا کر دیے ہوں گے ، لیکن ہندوستان کی تقدیر ڈیڑھ سو برس سے انگریزوں کے قدموں تلے پامال ہو رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مصیبت زبان کے ساتھ لازم کی گئی ہے"۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی ، مجھے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیے جس سے جنت حاصل کر سکوں۔ فرمایا ، جس نے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ، وہ جنتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی کبھی اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا ، اے ابن خطاب! آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا ، اس زبان کا ستیاناس ہو کہ مجھے اکثر شرمندہ کرتی ہے۔

جو شخص اپنی زبان پر نگرانی رکھ سکتا ہے ، یقیناً وہ دنیا کے بہترین انسانوں میں شامل ہونے کے لائق ہے۔

خیالات :- انسان کا دماغ کسی حال میں بھی بیکار نہیں رہ سکتا۔ ہم کھاتے پیتے ، چلتے پھرتے

اور اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے ہی رہتے ہیں۔ یہ ایک فطری عادت ہے اور فی نفسہا جتنی اہم ہے، اتنی ہی ہم نے اس کی طرف سے غفلت اختیار کر رکھی ہے۔ غالباً فی صدی ۹۹ لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہ سوچتے کیا رہتے ہیں؟ حالانکہ اگر اُن کو اس طرف متوجہ کیا جائے، وہ تو اپنے خیالات کی نوعیت کو ضرور محسوس کریں گے۔

جس طرح ہم نے زبان کو آزاد چھوڑ دیا ہے، اسی طرح ہمارے خیالات بھی مطلق العنان ہیں۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے قائد اور مدبر گذرے ہیں، وہ اپنے ذہنی خیالات پر نگرانی رکھنے ہی کے باعث کامیاب ہوئے۔

مجھے ایک انگریز حکیم کا یہ قول بہت پسند آیا "خیالات سے عمل پیدا ہوتا ہے، عمل سے عادت بنتی ہے، عادت سے کیریکٹر تعمیر ہوتا ہے اور کیریکٹر ہی ہماری قسمت ہے۔ پس خیالات سے ہر وقت خبردار رہو"!

نیت اور خیال کے ایک ہی معنی ہیں۔ دل سے اچھے خیالات کا پیدا کرنا اور بُرے خیالات پر احتساب کرنا فی الحقیقتہ ایک بنیادی نیکی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسلام نے خیال (یعنی نیت) اور عمل کو ایک ہی درخت کی دو شاخیں قرار دیا ہے۔ اگر آپ کے خیالات مبارک ہیں، تو اعمال بھی نیک ہو سکتے ہیں، اور اگر خیالات اچھے نہیں، تو اعمال کسی بھی صورت میں اچھے نہیں ہو سکتے۔ انما الاعمال بالنیات —— خدا ہماری صورتوں کو نہیں دیکھتا، ہمارے دلوں کو دیکھتا ہے اور ہماری قلبی کیفیات ہی کے مطابق ہمیں اپنے ظاہری اعمال کی جزا و سزا ملتی ہے۔ ہم میں سے بے شمار لوگ ایسے ہیں، جو اپنے عمل سے بُرائی کا موقعہ نہیں پاتے، تو کم از کم بُرا سوچنے ہی میں مصروف رہتے ہیں۔ کاش وہ اس گناہِ بے لذت کے انجام پر نظر کر سکیں۔

کیا خیالات کی اصلاح ممکن ہے؟ کیوں نہیں! اگر آپ کی سوسائٹی بُری ہے، تو اُسے چھوڑ کر دوسری سوسائٹی میں چلے جائیے۔ مطالعہ کی کتابیں پاکیزہ نہیں، تو انھیں بدل دیجیے۔ آپ کی صحت خراب ہے، تو اسے بہتر بنانے کی کوشش کیجیے۔ آپ کی روزانہ زندگی کا پروگرام باقاعدہ نہیں، تو اسے ایک نظام اور ضابطے کی حدود میں لے آئیے۔ آپ کے خیالات خود بخود اصلاح پذیر ہوتے چلے جائیں گے۔

رات کو بستر پہ لیٹتے ہی اپنے دل سے پہلا سوال یہ کیجیے "آج تم نے کون کون سے بُرے

خیالات پیدا کیے ہیں؟" جن فضول اور بے ہودہ باتوں کو آپ بھول چکے ہیں، اُنھیں دوبارہ حافظے میں لانے کی کوشش نہ کیجیے، لیکن جو باتیں یاد رہ گئی ہیں، اُن پر ضمیر کو ملامت کیجیے۔ چند روز کی مشق سے آپ کا سینہ بُرے خیالات کی نشو ونما سے پاک ہو جائے گا۔

۱۰ **آدابِ معاشرت**: ایک مرتبہ مجھے ایک مولوی صاحب کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ صرف ۳۶ گھنٹے کے قیام میں اُنھوں نے حسب ذیل اخلاق و آداب کا نمونہ پیش فرمایا:

۱۔ الماری سے میرا آئنہ اور کنگھی نکالی اور اپنے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو سنوارا۔

۲۔ میں مطالعہ میں مصروف تھا، اُنھوں نے ہاتھ بڑھا کر رسالہ لے لیا اور انگلی کو زبان سے لگا لگا کر ورق گردانی شروع کر دی۔

۳۔ میں تحریری کام میں مصروف تھا، اس اثناء میں مولوی صاحب مجھے بار بار مخاطب کرتے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھاتے رہے۔

۴۔ دو ایک مرتبہ میرے مذہبی خیالات پر بحث کرنے کی کوشش کی۔

۵۔ باوجود اس کے کہ یہ پہلی ملاقات تھی اور باوجود اس بات کے کہ میں اُنھیں "آپ" کہہ کر مخاطب کرتا تھا، اُنھوں نے دورانِ گفتگو میں مجھے دو تین مرتبہ "تمہیں" یا "تم" کہہ کر مخاطب کیا۔

۶۔ میز پر میرا ایک پرائیویٹ خط پڑا تھا، حضرت نے اسے بلا اجازت پڑھنا شروع کر دیا

۷۔ شام کو نہانے کے لیے باہر گئے، تو استعمال کے لیے میرا تولیہ ساتھ لے لیا۔

مولوی صاحب کا یہ "اسوۂ حسنہ" دیکھ دیکھ کر میرا دل جل گیا۔ روانگی سے بیس منٹ پہلے میں نے اُن سے پوچھا،

"مولانا! آپ کی تعلیم کیا ہے؟"

"مولوی فاضل، فاضل دیوبند اور رسال ہی میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان بھی پاس کر چکا ہوں"

"اس ساری تعلیم میں آپ کا کتنا وقت اور روپیہ صرف ہوا؟"

"گیارہ برس سمجھیے اور اخراجات کا مجھے کوئی اندازہ نہیں"

"لیکن اس کے باوجود کچھ نہ کچھ کسر رہ گئی۔ ذرا تشریف رکھیے، میں وضاحت کیے دیتا ہوں"

یہ کہکر میں نے الماری سے کنگھی نکالی اور پتھر سے اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ رسالہ اُٹھایا اور اُسے دیا سلائی دکھا دی۔ اب تولیے کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ مولوی صاحب نے میرا ہاتھ روک لیا اور پکار اُٹھے:

"اُف! آپ یہ کیا کرتے ہیں، دماغ تو صحیح ہے نا آپ کا؟"

"آپ نے قرآن بھی پڑھا، حدیث بھی پڑھی، فقہ، سیرت اور اخلاق کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا، لیکن اتنی کدوکاوش کے باوجود آپ آداب مجلس سے آگاہ نہ ہوئے۔ میں چاہتا ہوں، آپ کو اس شعبے کی "عملی تعلیم" دے دوں۔ شاید کسی وقت کام آئے"

"خدا کے لیے آپ مجھے عملی تعلیم نہ دیجئے۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں، زبانی طور پر سمجھا دیجیے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے ایک ایک لفظ پر عمل کروں گا"

"دیکھیے مولانا! ایسی چیزیں جو کسی شخص کے بدن کے ساتھ برتنے میں آتی ہیں، ہرگز استعمال نہ کرنی چاہئیں۔ کوئی شخص مطالعہ کر رہا ہو، اُس کے ہاتھ سے کتاب نہ لینی چاہیئے، کسی شخص کے مشاغل میں خواہ مخواہ دخل نہیں دینا چاہیئے۔ کسی شخص کا پرائیویٹ خط نہیں پڑھنا چاہیے اور جو شخص آپ کو ادب کے ساتھ مخاطب کرے، وہ بھی ویسی ہی عزت کے ساتھ بلائے جانے کا مستحق ہے"

"بہت بہتر! میں پوری ندامت اور شرمندگی کے ساتھ آپ سے معافی چاہتا ہوں"...

یہ کہہ کر وہ مجھ سے رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد کبھی ملاقات کا موقعہ نہیں ملا لیکن میرے دل کی آواز نے مجھے ہمیشہ یہ یقین دلایا ہے کہ میرے معزز مہمان نے میرے اس طرز عمل سے ضرور سبق حاصل کیا ہوگا۔

توکل:۔ دنیا کا سفر بہت مشکل ہے اور دنیا کا مسافر فطرتاً ایک ایسی امداد کا، ایک ایسے سہارے کا آرزومند ہے، جو اس دشوار گذار راستے میں ٹھنڈے پانی اور سایہ دار درخت کا کام دے سکے۔ میرے نزدیک اسی خواہش کا دوسرا نام توکل ہے۔

جس طرح ایک عارضی سفر میں سراب کو پانی کا دریا سمجھ لیا جاتا ہے، بعینہٖ زندگی کے مستقل سفر میں بھی اکثر اوقات ہماری نگاہیں ہمیں فریب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ روحانیت کے زوال اور مادیت کے فروغ نے ہمارے دل و دماغ کو حقیقتاً ایک بہت بڑے سراب میں گرفتار کر رکھا ہے ہم دنیا کے مادی علائق پر، فانی رشتوں پر اعتماد، توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہمیں ہر روز شکر یہ

نصیب ہوتی ہے، ہر روز ذلت اٹھانی پڑتی ہے، ہر روز ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں، لیکن انسانیت کی بدنصیبی ملاحظہ ہو کہ پھر دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور منزلِ مقصود کا صراطِ مستقیم اختیار کرنے کے بجائے مایوسی کی تنگ ڈنڈیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

آپ، بھائیوں کی اعانت پر بھروسہ رکھتے ہیں، حالانکہ برادرانِ یوسفؑ نے اس بھروسے کا خاتمہ کر دیا ہے۔ آپ باپ سے امداد چاہتے ہیں، حالانکہ سیدنا ابراہیمؑ کے والد کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ آپ نے اولاد پر بڑی بڑی اُمیدیں باندھ رکھی ہیں حالانکہ نوحؑ کا بیٹا سامنے پہاڑ کی چوٹی پر نظر آرہا ہے۔ آپ ماں کی شفقت کے سامنے کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتے، حالانکہ شوپن ہار کی عیش پسند ماں اپنے بیٹے کا فلسفہ یاس خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کر رہی ہے!

ایک عرب حکیم نے کہا ہے، الاقارب کالعقارب، رشتہ دار بچھو ہیں۔ میں اکثر سوچتا ہوں، اگر رشتہ دار بچھو ہیں تو دوسرے لوگ اژدہوں سے کیا کم ہوں گے؟ اسی عرب حکیم نے بتایا ہے، انما المرٔ بصدیقہ، انسان تو اپنے سچے دوست کے ساتھ ہے۔ یہ درست ہے، لیکن دوست کو دشمن بنتے کیا دیر لگتی ہے؟ فانی دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ جس طرح دولت اور جدائی کو دوام حاصل نہیں، اسی طرح محبت اور دوستی کو بھی قرار نہیں۔ بتائیے، آپ کس دلیل سے اپنے دوستوں پر توکل رکھنے میں حق بجانب ہیں؟

آپ کہیں گے، نہ تمام بھائی برادرانِ یوسفؑ ایسے غدار ہوتے ہیں اور نہ سارے باپ، ابراہیمؑ کے والد کی طرح بے شفقت۔ پسرِ نوحؑ کی طرح ساری دنیا کے بیٹے سرکش نہیں اور والدۂ شوپنہار کی طرح ساری دنیا کی مائیں خود غرض نہیں! دوستوں میں بھی چند بے وفا ہوتے ہیں اور کچھ وفادار۔ اس معمولی سے استثناء سے ہم ساری دنیا کی طرف سے کیوں مایوس ہو جائیں؟ آپ سچ فرماتے ہیں مگر یہ تو بتائیے، آپ ایسی جگہ توکل ہی کیوں رکھتے ہیں، جہاں "استثناء" کے مصائب بھی موجود ہیں۔

اچھا ایک اور بات! فرض کیجیے، زید آپ کا دوست ہے، ایسا دوست، جس کے خلوص میں ہمدردی میں نہ آپ کو شبہ ہے نہ مجھے کلام۔ آپ کسی تکلیف میں مبتلا ہو کر امداد کے خواہاں ہوتے ہیں مگر ادھر یہ حالت ہے کہ وہ بے چارہ حقیقتاً آپ کی مدد کرنے کے قابل ہی نہیں، غور کیجیے اس مقام پر آپ کے توکل کا کیا انجام ہوگا؟

میں نے آپ کو ماں باپ، اولاد، بہن بھائیوں، دوستوں اور رشتہ داروں کے توکل سے

مایوس کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب میں آپ کو ایک بشارت سنانا چاہتا ہوں، ایسی بشارت جو میں نے خود تجربے کے بعد حاصل کی ہے ـــ آپ دو ہی چیزوں پر توکل کیجیے، ایک اپنی کوششوں پر دوسرے خدا تعالے کے فضل و احسان پر! امر اول کے متعلق ارشاد الٰہی ہے، لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (انسان کو اس کی سعی و کوشش ہی کام آئے گی) امر دوم کی سند بھی ملاحظہ فرمائیے، وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (جو اللہ پر بھروسہ رکھے تو وہ اسے کافی ہے)

تکبر:۔ دنیا صرف نیکی کو پسند نہیں کرتی، برائیوں کو بھی شرف قبول بخشتی ہے۔ سچائی، پرہیزگاری، خدمت خلق اور عبادت کے ساتھ ساتھ جھوٹ، بداخلاقی، خودغرضی اور ریاکاری کا سکہ بھی ہمیشہ سے چلتا آیا ہے۔ حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی قیامت تک جاری رہیگی۔

لیکن دنیا بھر کی برائیوں میں تکبر ہی، ایک ایسی برائی ہے جسے کسی زمانے یا ملک کی سوسائٹی نے کبھی پسند نہیں کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس عالمگیر نفرت کے باوجود اسے فروغ کیوں کر حاصل ہو گیا؟ اس حیرت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اہل تکبر بھی کسی دوسرے متکبر کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دو شراب خوار سر جوڑ کر بیٹھ سکتے ہیں، دو ریاکار اکٹھے رہ کر گذارہ کر سکتے ہیں، دو بدمعاش اتحاد کے ساتھ بسر کر سکتے ہیں، دو خودغرض ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، یہ سب کچھ ممکن ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ دو متکبر بھی ایک دوسرے کے شریک حال ہو سکیں۔

تکبر، دولت سے پیدا ہوتا ہے یا علم سے۔ وہ شخص بڑا ہی سعادت مند ہے، جو دولت مند یا عالم ہونے کے باوجود حلیم و سلیم ہو ـــ لیکن جو شخص علم و دولت دونوں چیزوں سے محروم ہوتے ہوئے بھی متکبر ہے، تو ایسا شخص یقیناً دماغ کی کسی ناقابل علاج بیماری میں مبتلا ہے۔

سب سے پہلا گناہ، جس پر خدا کے عتاب کا ظہور ہوا، تکبر ہی تھا، جو ابلیس سے سرزد ہوا۔

بعض مرتبہ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص حقیقتہً متکبر نہیں ہوتا، لیکن ہم اپنی غلط بینی سے اُسے متکبر سمجھ لیتے ہیں۔ اس غلط فہمی کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں۔ ایک صورت میں ہم خود متکبر ہوتے ہیں اور اپنے ہی خدوخال کو اس کے سلوک بالمثل کے آئینے میں دیکھ کر جھلا اٹھتے ہیں۔ دوسری صورت میں ہم اس کی خودداری کو تکبر کا درجہ دے دیتے ہیں۔ مثلاً زید کی مثال، وہ ضرورت کے وقت کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا، کسی "بڑے آدمی" کو جھک کر سلام نہیں کرتا، کسی کی خوشامد نہیں کرتا، کسی کا تحکم اور رعب برداشت نہیں کرتا، کسی کا احسان قبول نہیں کرتا ـــ ہماری سوسائٹی میں ایسے

خود دارانہ اوصاف کا قحط ہے، اس لیے ہم بڑی آسانی سے یہ فتویٰ دے دیتے ہیں کہ زید متکبر ہے۔

خود داری اور تکبر میں کیا فرق ہے؟ اپنی عزت اور وقار قائم رکھنا خود داری ہے۔ دوسروں کو حقیر و ذلیل خیال کرنا تکبر ہے۔ فرق واضح ہے، لیکن بہت کم لوگوں نے اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

تکبر روحانی بیماریوں میں سب سے بڑی بیماری ہے۔ علاج بالضد یہاں کام نہیں دے سکتا۔ علاج بالمثل کے طور پر تکبر کا علاج صرف تکبر ہے، لیکن صحیح اخلاقی جرات کے بغیر یہ طریق کار بھی مفید ثابت نہیں ہو سکے گا، بلکہ تصادم کا اندیشہ ہے۔

ایک واقعہ یاد آ گیا۔ پنجاب کے ایک بہت بڑے "مولانا" جن کے تکبر کا میں خود تجربہ کر چکا ہوں حکیم الشعراء حضرت طغرائی مرحوم کے واقف کاروں میں تھے۔ ایک روز حکیم صاحب مرحوم بعض معززدوستوں کے ساتھ اپنے مطب میں بیٹھے تھے کہ مولانا موصوف کا ادھر سے گذر ہوا، حکیم صاحب کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

"فیروز! تو آجکل کہاں ہوتا ہے؟ کبھی نظر ہی نہیں آیا"

طغرائی مرحوم ایک معزز اور خود دار انسان تھے، پھر دوسرے شرفاء کی موجودگی میں یہ توہین کس طرح برداشت کرتے؟ بے ساختہ بول اٹھے،

"بھئی، مجھے تو فرصت نہیں ملتی، تو ہی کبھی آتے جاتے مل جایا کر!"

کہتے ہیں طغرائی مرحوم پہلے شخص تھے جنہوں نے "مولانا" کے تکبر کو شکست دی، اس کے بعد جب کبھی ملاقات ہوتی، انہیں "آپ" کے لفظ ہی سے مخاطب کیا جاتا۔

بائیکاٹ بھی ایک موثر تدبیر ہے۔ متکبر آدمی کے ساتھ نہ صرف راہ و رسم چھوڑ دی جائے بلکہ علیک سلیک تک گوارا نہ کیجئے۔ خود بخود راہ راست پر آ جائے گا۔

بعض مرتبہ قدرت ایسے لوگوں کو خود سزا دیتی ہے۔ زمانہ بڑے بڑے متکبروں کے حواس درست کر چکا ہے ——— لیکن بعض لوگوں میں غضب کا تکبر پایا جاتا ہے۔ رسی جل جاتی ہے۔ لیکن اس کا بل نہیں نکلتا۔ خدا ہم سب کو اس لعنت سے محفوظ رکھے۔

قربانی

(علامہ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

مسئلہ قربانی کے متعلق مئی ۳۸ء کے "بلاغ" میں شمس العلماء حافظ محب الحق صاحب کی تحریر دیکھنے میں آئی۔ اُنھوں نے مروجہ قربانی کو جو ہر مقام پر مسلمان عید اضحیٰ کے بعد کرتے ہیں، سورہ اِنَّا اَعْطَیْنٰا سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کے معنی یہ ہیں کہ عید کی نماز ادا کر اور قربانی کر۔ موصوف کا یہ بھی دعوے ہے کہ اس حکم کے مخاطب ظاہرا رسول ہیں، مگر حقیقتاً قوم مخاطب ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی مفہوم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا اور یہی قوم نے سمجھا، مگر ان باتوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے، جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ صَلِّ کے معنی بقرعید کی نماز پڑھ اور انحر کے معنی قربانی کر، دونوں غلط ہیں۔ صَلِّ کے معنی ہیں صرف نماز پڑھ اور انحر کے معنی ہیں اونٹ کو حلال کر۔ نحر کا لفظ صرف اونٹ کے حلال کرنے کے لیے عربی زبان میں ہے، کسی اور جانور کے حلال کرنے کو ذبح کہتے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ کس دلیل سے حافظ صاحب نے صَلِّ کے لفظ سے بقرعید کی نماز نکالی اور انحر سے قربانی۔ یہ تو اپنا خیال ہوا، قرآن کا بیان نہ ہوا۔ اس آیت کا مفہوم جو آج تک اُمت نے سمجھا ہے، وہ یہی ہے کہ اے نبیؐ چونکہ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کی، اس لیے اس کے شکریہ میں اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور اونٹ ذبح کر کے غرباء و مساکین کو کھلا۔ اس کو نہ بقرعید کی نماز سے واسطہ نہ قربانی سے۔

۲۔ سورۂ کوثر میں تین آیتیں ہیں۔ ہم نے تجھ کو کوثر عطا کی۔ یہ پہلی آیت ہے اور نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُمت میں سے ہر شخص کو کوثر نہیں ملی ہے۔ تیسری آیت ہے کہ تیرا بدخواہ مقطوع النسل ہے۔ یہ بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُمت میں سے ہر شخص کا بدخواہ مقطوع النسل نہیں ہے۔ اس لیے بیچ کی دوسری آیت کو سیاق و سباق کے خلاف تمام اُمت کے لیے قرار دینا قرآن کو مسخ کرنا ہے۔ یہ بھی نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور عطیۂ کوثر کا شکر بجا لانے کا اُنھیں کو حکم دیا گیا ہے۔

۳- آیت میں صلوٰۃ اور نحر دونوں کا لفظ مطلق ہے۔ کس دلیل سے صلوٰۃ کو عید اضحیٰ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور نحر کو ایام تشریق کی قربانی کے ساتھ؟ پھر یہ کہ زمان تو مقید ہو یعنی صرف قربانی کے تین دن اور مکان مطلق یعنی جہاں چاہیں ذبح کریں؟ مجھے اس فہم پر نہایت حیرت ہے! اور حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ نحر میں جو اونٹ کے لیے مخصوص ہے، ہر جانور کا ذبح کرنا شامل سمجھا جائے؟ اس سے تو قرآنی الفاظ کا کوئی وقار ہی باقی نہیں رہتا اور معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالےٰ کہنا کچھ چاہتا ہے اور کہتا کچھ ہے۔

۴- سورہ إِنَّا أَعْطَيْنَا مکہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت تک عید و بقرعید کیا جمعہ کی نماز تک بھی نہیں تھی۔ قربانی کا تو ذکر ہی کیا۔ پھر اس سے بقرعید کی نماز اور قربانی کیونکر نکل سکتی ہے؟

۵- اس آیت کا یہ مفہوم کہ عید اضحیٰ کی نماز پڑھ اور قربانی کر، نہ رسول علیہ السلام نے سمجھا نہ اُمت نے سمجھا، بلکہ اضاحی کا ثبوت وہ حدیثوں سے پیش کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے ان حدیثوں کی تائید میں اس آیت کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہو لیکن اس کا یہ مفہوم نہ اب ہے نہ پہلے تھا۔

آخر میں، میں عرض کرتا ہوں کہ یہ راستہ نہایت خطرناک ہے کہ قرآن کریم کو مروجہ رسوم کی حمایت کا آلہ بنایا جائے۔ مسلم کی شان یہی ہے کہ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے کی کوشش کرے

شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

سراج

اسلامی نظام

(علامہ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

قرآن کریم نے ملتِ اسلامیہ کا نظام وحدتِ اطاعت پر رکھا ہے۔ یعنی اُس کو سوائے اللہ کے کسی دوسرے کا مطیع نہیں بنایا۔

إِنِ[1] الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا[2] إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۴۰/۱۲)

کسی کا فرمان نہیں سوائے اللہ کے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم سوائے اس کے کسی کے بندے نہ بنو۔ یہی سیدھا دین مگر اکثر آدمی نہیں جانتے۔

وہی بلا شرکت غیرے اصلی حاکم اور مطاع ہے۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (۲۶/۱۸)　　اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔

اُس نے بندوں کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی ہدایت اور اُن کی عقلوں کو صحیح راستہ پر لگانے اور اپنی رضامندی اور نارضامندی کے اعمال کو واضح کرنے کے لیے ایک ناقابلِ تغیر و تبدل کتاب اور مکمل دستور العمل قرآن کریم کو اُتار دیا تاکہ اس کے مطابق عمل کر کے لوگ اس کی خالص بندگی کی سعادت حاصل کریں اور دنیا جہاں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۱۵۵/۶)

اور یہ کتاب جس کو ہم نے اُتارا ہے مبارک ہے۔ اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ اُمید ہے کہ تم پر رحم کیا جائیگا

اللہ کی اطاعت کے معنی یہی ہیں کہ اُس کی کتاب کی پیروی کی جائے۔

---

[1] ہر ایک آیت کے آخر میں اوپر آیت کا شمارہ ہے، نیچے سورۃ کا۔

[2] اُردو میں اس لفظ کا ترجمہ "پوجنے" کے ساتھ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے ذہن صرف شرعی عبادات کی طرف جاتا ہے حالانکہ قرآن کی متعدد آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدیت کا مفہوم انسان کی زندگی کے تمام اعمال پر حاوی ہے خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی اس کی توضیح کسی مناسب موقع پر کرونگا۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اس کے معنی محکومیت کے ہیں یعنی مسلمان سوائے اللہ کے کسی کا محکوم نہیں۔ آیت کا یہ ٹکڑا کہ "اکثر آدمی نہیں جانتے" بہت توجہ کے قابل ہے کیونکہ مدتہائے دراز سے اشخاص پرستی کی وجہ سے آج یہ حقیقت خود حاملین قرآن کے ذہنوں سے بھی محو ہو چکی ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۴)

کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کو حاکم بناؤں حالانکہ اللہ تو وہ ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اُتاری ہے

اس کتاب کے سوا کسی دوسرے کی پیروی ممنوع ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (۷/۳)

اُسی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اُتارا گیا ہے اور اُس کے سوا دوسرے آقاؤں کی پیروی نہ کرو۔

چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت نجات کا ذریعہ سمجھ کر کی ہے وہ قیامت میں جب نتیجہ برعکس دیکھیں گے تو چلا کر کہیں گے :۔

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (۳۳/۶۸)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنے رئیسوں اور بزرگوں کی اطاعت کی سو اُنھوں نے ہم کو گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! اُن کو دگنا عذاب دے اور اُن پر بڑی لعنت کر۔

رسالت :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں :۔

(۱) پیغمبری ۔ یعنی پیغام الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا۔

(۲) امامت ۔ یعنی اُمت کا انتظام، اس کی شیرازہ بندی، اُن کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہات، جنگ و صلح وغیرہ اجتماعی اُمور میں اُن کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم کی گئی۔

پہلی حیثیت یعنی پیغمبری کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے مشورہ لینے کا حکم نہ تھا بلکہ فریضۂ تبلیغ اللہ کی طرف سے آپ کے ذمہ لازم کر دیا گیا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۵/۶۷)

اے رسول جو تجھ پر اُتارا گیا ہے اُس کو پہنچا دے اور اگر تو نے نہ کیا تو اللہ کے پیغام کی تبلیغ نہیں کی۔

لیکن بحیثیت امام لوگوں سے مشورہ لینے کے لیے مامور تھے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (۳/۱۵۹)

اور امر (حکومت) میں اُن سے مشورہ لیا کرو۔[۱]

---

[۱] شاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ نیز دوسری آیت وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ دونوں میں ھم کی ضمیر کا مرجع افرادِ امت ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اُمت کے معتمد علیہ اکابر کی جماعت مرکز کی مشیر ہوگی۔

یہ امامتِ کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی و صلاح و فلاح کے لیے تمام ہوئی قیامت تک مستمر ہے[1] جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے ہمیشہ رہنی چاہیئے۔ قرآن میں جو احکام رسول کی اطاعت کے لیے ہیں وہ آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لیے ہیں جس میں آپ کے خلفاء بھی داخل ہیں۔

یہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے:۔

وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۴/۸۰)، اور جو رسول کی اطاعت کریگا اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

خلفاء رسول کی اطاعت اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت ہے۔ چنانچہ مرکز[2] کے لیے یہی لفظ قرآن نے استعمال کیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ (۸/۲۰)، اے مومنو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اُس سے منہ نہ موڑو جس حال میں کہ تم سُن رہے ہو۔

اس آیت میں "عنہ" کی ضمیر مفرد ہے جس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ "اللہ و رسول" دونوں سے ایک ہی شے مراد ہے یعنی مرکز۔ ورنہ قاعدہ کے مطابق "عنہما" ہونا چاہیئے تھا۔ اور "جس حال میں کہ تم سُن رہے ہو" کی قید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اطاعت بالمشافہ ہے اور عربی میں اطاعت کے معنی ہی ہیں زندہ کی فرمانبرداری۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (۸/۲۴)، اے مومنو! اللہ و رسول کی بات مانو جب وہ تم کو ایسے کام کے لیے بلائے جس میں تمہاری زندگی ہو۔

یہاں بھی "دَعَا" کا صیغہ مفرد ہی اللہ و رسول دونوں کے لیے مستعمل ہوا ہے اور یہ حکم بھی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے جو آپ کے تمام زندہ خلفاء پر مشتمل ہے۔

---

[1] چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس سلسلہ کو خلافت کے نام سے قائم رکھا مگر افسوس ہے کہ متغلبین نے اس کو تیس سال سے زیادہ چلنے نہ دیا۔

[2] خلیفہ یا امام کا لفظ تاریخی لحاظ سے اس قدر بگڑ چکا ہے کہ صحیح مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اس وجہ سے میں نے مرکز کا لفظ اختیار کیا ہے۔ رسول یا اس کے جانشین امام کی حیثیت سے اللہ ہی کے احکام نافذ کرینگے اس لیے مرکز کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

جنگ احد میں ہزیمت اُٹھانے کے بعد دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ غنیم کے تعاقب میں نکلیں۔ یہ حکم چونکہ بحیثیت امام کے تھا اس لیے قرآن میں "اللہ و رسول" دونوں کا حکم کہا گیا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ (۳/۱۷۲) — جنہوں نے حکم مانا اللہ و رسول کا اپنے زخم اُٹھانے کے بعد۔

اسی طرح حج اکبر کے دن مشرکوں سے برأت کا اعلان جو مرکز اسلام کی طرف سے ہوا وہ "اللہ و رسول" دونوں کے نام سے ہوا۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ (۹/۳) — اور اعلان ہے اللہ اور اُس کے رسول کی جانب سے لوگوں کی طرف حج اکبر کے دن کہ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بری ہے۔

باغیوں اور ڈاکوؤں کو جو مرکز کے مجرم ہیں "اللہ و رسول" دونوں کا محارب قرار دیا گیا۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا الآیہ (۵/۳۳) — جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اُن کی سزا یہی ہے کہ مار ڈالے جائیں الخ

ان مجرموں کی یہی سزا ہمیشہ کے لیے ہے۔ کچھ عہد رسالت ہی تک محدود نہ تھی۔

الغرض بیسیوں آیات ہیں جن میں "اللہ و رسول" کا لفظ مرکز کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اجتماعی لحاظ سے مرکز کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

دستور العمل: جس طرح اُمت اسلامیہ کی انفرادی زندگی کی اصلاح کے لیے قرآن اُتارا گیا ہے اسی طرح اس کی اجتماعی زندگی کا بھی دستور العمل وہی ہے۔ وہ ایسی کامل کتاب ہے کہ ہر زمان و مکان اور ہر ماحول میں افراد کی ہدایت اور ملت کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اسی لیے جہاں ہر شخص کو ہدایت کی گئی ہے کہ قرآن کی پیروی کرے وہاں مرکز کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ قرآن ہی کے مطابق لوگوں کے درمیان حکومت کرے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (۴/۱۰۵) — ہم نے تیرے اوپر حق کے ساتھ کتاب اُتاری ہے کہ جو کچھ اللہ تجھ کو سجھائے اُس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کر۔

قرآن کے سوا کسی دوسرے کی طرف رُخ کرنے کی ممانعت کی گئی۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (۵/۴۸) — اور اُن کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اُتارا ہے اور اس حق کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کے پیچھے نہ چل۔

شدید تاکید کی گئی کہ مرکز کو قرآنی تعلیمات سے ذرا بھی غفلت روا نہیں ہے اور نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ اس پر کاربند رہنا چاہیے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (۵/۴)

اور یہ کہ تو فیصلے کر اُن کے درمیان اسی کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اُن کی خواہشوں کے پیچھے نہ چل اور احتیاط رکھ کہ اللہ کے اُتارے ہوئے کسی حکم سے وہ تجھ کو ہٹا کر فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

یہاں تک کہ یہ وعید بھی کی گئی۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۶/۴)

اور جو اللہ کے اُتارے ہوئے کے مطابق حکم نہ دیں گے وہ فاسق ہیں۔

فریضۂ اُمت:- اسلام کے معنی ہی اطاعت کے ہیں اُمت اسلامیہ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ و رسول یعنی مرکز کی مطیع رہے

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۵۲/۲۴)

کہہ دے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اگر تم روگردانی کروگے تو اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے اور تمہاری ذمہ داری تمہارے اوپر ہے اور جو تم اس کی اطاعت کروگے تو سیدھے راستے پر رہوگے۔

مرکز کے وفادار رہو اور اُس سے غداری اور مفوضہ فریضہ میں خیانت کاری نہ کرو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۸/۲۷)

اے مومنو! اللہ و رسول سے غداری اور جانتے ہوئے اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو۔

مرکز ہی کی اطاعت کامیابی کا ذریعہ ہے

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۱/۲۴)

مومنوں کا قول جب وہ اللہ و رسول کی طرف بلائے جائیں کہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے بس یہی ہے کہ کہہ دیں کہ ہم نے سُنا اور مانا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

مرکز کے احکام سے سرتابی کرنے والے سب سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ

جو لوگ اللہ اور رسول سے مخالفت کریں گے وہ

فِی الْاَذَلِّیْنَ (پ۲۸) سب سے زیادہ ذلیل لوگوں میں سے ہوں گے۔

مرکز کا حکم قطعی اور آخری ہے۔ کسی مسلمان کو نہ اس کے انکار کا حق ہے نہ اس کا کہیں مرافعہ ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ۲۲) کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو اپنے معاملہ میں اختیار باقی نہیں رہتا جبکہ اللہ و رسول کسی امر کا فیصلہ کر دے۔

یعنی مرکز ہر دینی و دنیاوی امر میں آخری اور بالاترین اختیار ہے جس کی اطاعت کے سوا مسلم کے لیے کوئی چارہ نہیں اور جس کی نافرمانی گمراہی ہے۔

اطاعت:- یہ پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن سوائے اللہ کے کسی دوسرے کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا یہاں تک کہ والدین کا بھی جہاں جہاں ذکر کیا ہے اُن کے ساتھ سلوک اور احسان ہی کی وصیت فرمائی ہے اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے۔ دینی اطاعت خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی صرف اکیلے اللہ کی ہے۔ انفرادی لحاظ سے قرآن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اجتماعی لحاظ سے مرکز کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں موجود تھے اُن کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد امامت کبریٰ پر آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے جن کا فریضہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے مطابق احکام نافذ کریں اور اُمت کے منتخب افراد کو مشاورت کے لیے ساتھ رکھیں۔ یہ احکام قطعی اور حتمی ہوں گے جن سے سرتابی کرنے والا اللہ اور رسول کا دشمن ہوگا۔

الغرض دین اسلام محض ایک کتابی مذہب نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک مکمل عملی نظام ہے جو بدقسمتی سے مدتہائے دراز سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کھویا گیا ہے اور اسی باعث سے وہ غارت ہوئے ہیں۔ کیونکہ کسی قوم کی زندگی جب تک کہ اس کا زندہ مرکز نہ ہو سخت دشوار ہے۔

اجتماعی نظام کی پوری شکل اس آیت میں ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (پ۵) اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو امراء ہوں اُن کی اطاعت کرو۔ اگر کسی بات میں تم تنازعہ کر بیٹھو تو اُس کو اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ۔

یعنی اصل مطاع اللہ ہے، اس کی اجتماعی اطاعت ہوگی رسول یعنی مرکز یا مرکز کے مقرر کیے ہوئے اور اختیار دیے ہوئے مسلم امراء کے ذریعہ سے۔ ان امراء کا کوئی فیصلہ یا حکم اگر مسلمانوں کو قرآن کے خلاف معلوم ہو تو اُس میں اُن کو امراء کے ساتھ منازعت کا حق حاصل ہے۔ اس قسم کے نزاعی امور میں مرکز کی طرف

رجوع کرنا ہوگا جو ان کا فوراً قطعی فیصلہ کر دیگا۔

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ملت کا سارا اجتماعی اختیار مرکز کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کی طرف سے ہر شعبہ کے امراء کا تقرر ہوگا۔ مثلاً امراء ملک، امراء فوج، امراء عدل، امراء حج و ائمہ صلوۃ و تعلیم و ارشاد وغیرہ۔ نیز اس کا یہ بھی فریضہ ہوگا کہ افراد ملت اور امراء ملت کے تنازعات کو مٹاتا رہے اور ان میں باہم کسی قسم کا اختلاف و افتراق پیدا نہ ہونے دے۔ اس انتظامی سلسلہ سے امت کا کوئی فرد باہر نہیں نکل سکتا۔

اس نظام میں ارباب علم و عقل کو فکر کی پوری حریت اور اجتہاد کی مکمل آزادی کے علاوہ قرآن نے مدارج عالیہ کی سربلندی بھی عطا کی ہے لیکن اُن کو مطاع یا متبوع نہیں قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق و اجتہاد کے نتائج امت کے لیے اسی وقت حجت ہوں گے جب مرکز سے مسلم ہو کر اُس کو ملیں گے۔ اسی طرح واعظوں کو وعظ اور مرشدوں کو رہنمائی کی اسی وقت اجازت ہوگی جب وہ مرکز کا پروانہ رکھتے ہوں گے۔

آخر میں پھر تصریح کر دیتا ہوں کہ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں مرکز کو اللہ و رسول کہتا ہوں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی لحاظ سے مرکز ہی کی اطاعت کو قرآن اللہ و رسول کی اطاعت قرار دیتا ہے بشرطیکہ مرکز قرآن کے مطابق ہو۔

اللہ و رسول:- میں قرآن کی تشریح کا خود قرآن ہی سے قائل ہوں۔ اسی بناء پر اللہ و رسول کا یہ مفہوم کہ اس سے مراد مرکز یعنی امام وقت ہے چند آیات سے واضح کیا ہے جو اہل بصیرت کے لیے کافی ہیں اور اگر ضرورت داعی ہوئی تو اور بھی متعدد آیات سے تفصیل پیش کرنے کی گنجائش ہے۔ مگر عام اہل اسلام قرآنی الفاظ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال کی بھی سند چاہتے ہیں اور مدتہائے دراز سے اس کے خوگر ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کی تسکین خاطر کے واسطے چند ائمہ تفسیر کے اقوال بھی نقل کیے دیتا ہوں جنہوں نے اللہ و رسول کے معنی امام وقت ہی کے لکھے ہیں۔

امام ابن جریر طبری سورہ انفال کی پہلی آیت "قل الانفال للہ والرسول" کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا فیصلہ یہ لکھتے ہیں۔

"واولی ہذہ الاقوال بالصواب فی معنی الانفال قول من قال ہی زیادات یزیدہا الامام بعض الجیش او جمیعہم"

انفال کے معنی کے متعلق ان تمام اقوال میں سے قرین صواب ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ اضافے ہیں جو امام وقت بعض یا کل فوج کے لیے کرتا ہے۔

یہاں انفال کے معنی سے مجھے بحث نہیں۔ مدعا صرف یہ ہے کہ اللہ و رسول کی تفسیر اُنھوں نے امام وقت لکھی ہے

امام رازی نے آیت ۳۳ یعنی انما جزآء الذین یحاربون اللہ ورسولہ کے تحت میں امام ابوحنیفہ کا یہ تو نقل کیا ہے :۔

"قال ابوحنیفۃ اذا قتل و اخذ المال فالامام مخیر فیہ بین ثلاثۃ اشیاء"

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ اگر باغی یا ڈاکو نے قتل بھی کیا ہے اور مال بھی لیا ہے تو امام کو اختیار ہے کہ تینوں سزاؤں (قتل، قطع اور صلب) میں سے جو سزا چاہے اس کو دے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی الدر المنثور میں یہ روایت درج کرتے ہیں۔

"عن سعید بن المسیب والحسن والضحاک قالوا الامام مخیر فی المحارب یصنع بہ ما یشاء"

سعید بن مسیب، حسن بصری اور ضحاک نے کہا ہے کہ محارب کے معاملہ میں امام کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔
یہی امام محی السنۃ بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے اور فتح البیان میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم لکھتے ہیں۔

"قال ابن عباس وسعید بن المسیب ومجاہد وعطاء والحسن البصری وابراہیم النخعی والضحاک وابوثور من شہر السلاح فی قبۃ الاسلام واخاف السبیل ثم ظفر بہ وقدر علیہ فامام المسلمین فیہ بالخیار"

حضرت ابن عباس، سعید بن المسیب، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ضحاک اور ابوثور نے کہا کہ جس نے اسلامی محروسہ میں ہتھیار اٹھایا اور راستوں کو پرخطر کر دیا، پھر وہ گرفت میں آیا اور پکڑا گیا اس کے بارے میں مسلمانوں کے امام کو اختیار ہے (جو چاہے سزا دے)

ان اقوال سے دو باتیں ظاہر ہو گئیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ و رسول سے مراد امام وقت ہے اور دوسری یہ کہ یہ احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا زندگی تک محدود نہیں تھے بلکہ دائمی ہیں۔ اور یہی دو باتیں میں نے آیات سے واضح کی ہیں۔ (جاری ہے)

بلاغ :۔ مضمون بالا پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار اہل حدیث میں چند اعتراضات وارد کیے ہیں۔ "بلاغ" کی آئندہ اشاعت میں خود علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کے قلم سے ایک پرمغز اور مدلل مقالہ ان اعتراضات کے جواب میں شائع ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ۔

تبصرہ

(از خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

ابن مریمؑ ــــ خان بہادر حاجی رحیم بخش صاحب ایم اے پنشنر ڈسٹرکٹ وسشن جج کی تالیف ہے۔ مسیحؑ کی ولادت و حیات و ممات و معجزات و آمد ثانی ایک ایسا موضوع ہے جس پر عقلی و نقلی بحث تحصیل حاصل ہے، یہ عقیدہ کہ مسیحؑ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی اور آنحضرتؐ تا حال فوت نہیں ہوئے اور زندہ کسی آسمان پر بجسد عنصری موجود ہیں اور کسی وقت زمین پر نازل ہوں گے مسیحی دنیا کا عقیدہ ہے، جو مسیحؑ کو اسی بنا پر اُلوہیت کا درجہ دیتی ہے، خان بہادر ممدوح اسی عقیدہ کی تائید "ابن مریم" میں فرما رہے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں میں اکثریت کا عقیدہ یہی کچھ ہے کہ مسیحؑ کی ولادت اعجازی تھی اور یہ کہ وہ اب تک زندہ آسمان پر موجود ہیں اور کسی وقت زمین پر نازل ہوں گے۔ اس عقیدہ کی بنا بعض احادیث ہیں اور اس عقیدہ کے حامی بعض قرآنی آیات کی تفسیر انہی احادیث کی روشنی میں کرتے ہیں اور یہی کچھ خان بہادر ممدوح نے کیا ہے۔

توقع تو یہ تھی کہ تعلیم یافتہ حضرات خانقاہ سے مدرسہ کی طرف آئیں گے لیکن خان بہادر ممدوح نے رجعت قہقری فرمائی اور مدرسہ سے خانقاہ کی طرف رجوع کیا

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ہماری مسجدوں کے بگڑے ہوئے ملاّ اکثر یہی کہتے رہے کہ یہ انگریزی سکولوں اور کالجوں کے فارغ التحصیل طلباء اسلام سے بالکل بیگانہ ہیں، امید ہے کہ "ابن مریم" کے مطالعہ کے بعد اُن کی رائے بدل جائیگی' وہ ایک اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدہ دار کو اپنا ہم خیال اور ہم عقیدہ اس حد تک پائیں گے کہ علوم و حکمت جدیدہ کا اثر ذرہ برابر اُن کے دل و دماغ پر نہیں ہوا۔

افسوس ہے کہ ہمیں خان بہادر ممدوح سے کسی امر میں اتفاق نہیں، ہماری تحقیق یہ ہے کہ مسیحؑ ایسے ہی بشر رسول تھے جیسے آنجنابؐ اور رسول کریمؐ سے پیشتر بشر رسول گذرے۔ خود خان بہادر ممدوح نے حسب ذیل آیات کا حوالہ دیا ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ   مسیح ابن مریم تو ایک رسول ہی ہیں اور ان سے پیشتر

قَبْلِهِ الرُّسُلُ
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

اور محمد تو ایک رسول ہیں، اور ان سے پہلے بہت رسول ہو چکے ہیں بہت رسول ہو گذرے ہیں۔

خان بہادر کا استدلال ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ آیت اول الذکر میں واضح کیا گیا ہے کہ مسیح سے پیشتر جو رسول گذرے وہ تو فوت ہو گئے "مِنْ قَبْلِهِ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح خود زندہ ہیں، پہلے تو گذر گئے اور یہ تو بفضلہ جیتے جاگتے موجود ہیں، موخر الذکر آیت سے بھی یہی کچھ استدلال ہو سکتا تھا کہ رسول کریم سے پیشتر تمام رسل گذر گئے اور آنحضرت زندہ سلامت موجود ہیں، لیکن خان بہادر ممدوح کا استدلال یہ ہے کہ اول الذکر آیت سے تو یہ امر پایہ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ مسیح زندہ ہیں۔ اس لئے موخر الذکر آیت میں وہ مستثنیٰ ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

خان بہادر کا استدلال لاجواب ہے۔ اگرچہ آنجناب نے اپنے ما فی الضمیر کو واضح نہیں کیا لیکن اس میں کیا قباحت ہے کہ یہ کمی ہم پوری کر دیں۔ دونوں آیات رسول کریمؐ پر نازل ہوئیں، یعنی مسیحؑ سے قریباً چھ سو برس بعد۔ اگر مسیحؑ فوت ہو گئے ہوتے تو رسول کریمؐ پر واضح کیا جاتا کہ مسیح رسول ہی ہے، اور ایسا ہی رسول ہے جیسے ان سے پہلے تھے کوئی انوکھا رسول نہیں، وہ مر گئے اور یہ بھی مر چکا، لیکن چونکہ ایسی صراحت آیت زیر بحث میں موجود نہیں اس لیے نتیجہ واضح ہے کہ مسیح زندہ ہیں، مماثلت رسالت میں ہے نہ کہ حیات و ممات میں۔ قرآن میں آیت زیر بحث کے آگے یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسیحؑ اور آن کی والدہ صدیقہ دونوں کھانا کھاتے تھے، ارشاد الٰہی ہے کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ
فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ
وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (ﷲ)

اور تجھ سے پہلے ہم نے یہی بشر رسول ہی بھیجے جن کو وحی کی گئی تو (اے مخاطب) اگر تجھے معلوم نہ ہو تو اہل الذکر سے پوچھ لے اور ہم نے اُن کو ایسے "جسد" نہیں دیے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور زندہ رہیں۔

ان آیات میں اصل اصول واضح کیا گیا ہے کہ "جسد" کا قیام طعام سے ہے اور ہر ایک بشر رسول جسد عنصری کے ساتھ طعام کھاتا رہا اور "جسد" ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ یعنی عمر طبعی سے بڑھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ "بلاغ" میں "بیان" کے تحت لفظ "جسد" پر کافی بحث کی گئی ہے

وہاں ملاحظہ ہو) آیت زیر بحث میں صاف صاف الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ نہ صرف مسیحؑ بلکہ اُن کی والدہ طعام کھاتے تھے، جسد عنصری کا قیام اسی سے ہے اس لیے دونوں عمر طبعی سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے تھے، مریم صدیقہ کا بالخصوص مذکور اس لیے کیا گیا ہے کہ مسیحی عقیدہ یہ بھی ہے کہ صدیقہ والدہ خداوند ہے، (Mother of God)۔ نقل کفر کفر نباشد۔

اگر مسیح بجسد عنصری آسمان پر موجود ہیں تو اُن کی خوراک بھی عنصری ارضی ہونی چاہیئے تاکہ وہ قائم رہے، اور یہ محال ہے، ارشاد الٰہی ہے کہ

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴿۱۷/۳﴾	تجھ سے پہلے ہم نے کسی بشر کے لیے ہمیشہ جیتا رہنا نہیں بنایا پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائیں گے، ہر ایک نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

ان تمام آیات سے حیات و ممات ارضی ہی واضح ہوتی ہے، حیات آسمانی کا اس سے کچھ تعلق نہیں، خان بہادر ممدوح بھی یہی کچھ سمجھتے ہیں کہ مسیحؑ ملائکہ کے ساتھ آسمان پر رہتے ہیں

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

خان بہادر ممدوح دو اور آیات سے بھی مسیحؑ کی آسمانی زندگی پر بجسد عنصری استدلال کرتے ہیں

"وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (۱۶/۵)	(مسیحؑ نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور نبی ہوں اور مجھے کتاب ملی ہے اور) مجھے حکم ہوا

ہے کہ جب تک زندہ ہوں نماز پڑھتا رہوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ﴿۷/۴﴾	(مسیحؑ سے سوال ہوگا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے تیری والدہ کو پوجا کریں تو عرض کریں گے کہ میں

نے ایسا نہیں کہا اور نہ کبھی میری ایسی خواہش نفسانی تھی) اور جب تک میں ان میں رہا اس امر کا شاہد رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو تو اُن کے حالات کا واقف ہے (اس کے بعد میں تو بے خبر ہوں کہ وہ کیا کرتے رہے)

صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ تو آسمان پر بھی ہو سکتی ہے اور زکوٰۃ تو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے، آسمان پر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ فرشتے تو مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں ——— لیکن "مَا دُمْتُ حَيًّا" کی تشریح اس طرح نہیں ہو سکتی، اس سے ارضی زندگی ہی مراد ہے جیسا کہ

دوسری آیت میں "مَا دُمْتُ فِیْهِمْ" کا مفہوم ہے۔

قرآن مجید کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسانی پیدائش وحیات وممات وحشر سب کچھ اسی ارض پر ہوگا۔ کسی آیت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ کسی بشر کے لیے آسمانوں میں بھی رہائش وطعام وموت و حشر کا سامان رکھا ہے — ہم نے صرف صاحب ممدوح کے حوالجات پر بحث کی ہے ورنہ قرآن مجید تو آیات بینات بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت وفات پا چکے ہیں اور آمد ثانی کا تو کہیں مذکور ہی نہیں۔

"بلاغ" میں ہم نے "بیان" کے تحت لفظ "قرآن" کی تشریح کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ جب قرآن اہل کتاب کو مخاطب فرماتا ہے تو آیات کتاب کا حوالہ انہی الفاظ یا اُن کے مفہوم کو عربی میں انہی الفاظ میں واضح کرتا ہے جن میں وہ مذکور ہیں یا روایت ہوئے ہیں، یہ تمام آیات متشابہات ہیں کیونکہ قرآن میں دہرائی گئی ہیں، اور اس لیے "مثانی" سے موسوم ہیں، قرآن خود کتاب محکمات ہے اور متشابہات کی تشریح محکمات سے فرماتا ہے، ولادت مسیح کے متعلق جو کچھ حسب روایات مقدس متی ولوقا وغیرہما مذکور انجیل میں ہے اس کا حوالہ قرآن میں بھی ہے اور یہ مسلمات نصاریٰ ہیں، اور ان سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حوالہ جات بالکل صحیح ہیں، اب دیکھنا ہے کہ قرآن محکمات سے اُن کی تصدیق کس طرح فرماتا ہے۔ ان حوالہ جات میں الفاظ "روح" اور "ملائکہ" اور "رب" شرح طلب ہیں۔ خان بہادر ممدوح نے تقلیداً روح کا ترجمہ فرشتہ کیا ہے، اور یہ غلط اور قطعاً غلط ترجمہ ہے، اوّل تو ایک ہی زبان میں دو الفاظ بالکل ہم معنی نہیں ہوتے اس لیے ان کے مفہوم میں کچھ نہ کچھ فرق ہوگا، دوسرے "روح" قرآن میں ملائکہ سے علیحدہ بیان ہوا ہے، روح مخدوم اور ملائکہ خادم ہیں، ارشاد الٰہی ہے کہ

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۱۵/۳

(انسانی تخلیق[1] طین سے شروع ہو کر نطفہ وعلقہ ومضغہ واستخوان وگوشت وپوست کے بعد) اس کے نفس کے

---

[1] لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الآیۃ ۱۵/۲

" وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ الآیۃ ۲۱/۱۴

" وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۹۱/۱ " اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ الآیۃ ۸۲/۱

" خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۱۸/۵

تک ہو جائے، اور میں اپنی روح سے اس میں نفخ کروں تو (اے فرشتو) تم سب اس کے لیے سجدہ میں گر پڑو،

روح اور ملائکہ کی تشریح "بیان" کے تحت لفظ "جبریل" میں کی گئی ہے، وہاں ملاحظہ ہو،

اس لفظ کے تحت ولادت مسیحؑ پر بھی بحث کی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں کلمہ اور روح اور رسول کا مفہوم ایک ہی شے کے ارتقائی درجات پر ہوتا ہے،

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۚ — مسیح عیسیٰ ابن مریم تو یہی کچھ ہے کہ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو مریم کی طرف ڈالا گیا اور اس کی طرف سے روح ہے۔

"کلمات" کائنات، وہ کائنات کی ہر ایک شے کے حقائق ہیں جو غیر محدود ہیں (۱۸/۱۲، ۳۱/۲۷) بلحاظ کلمہ مسیحؑ کو دیگر اشیاء کائنات میں کچھ امتیاز حاصل نہیں ہے، بلحاظ "روح" آنحضرت کو دیگر انسانوں میں کچھ امتیاز حاصل نہیں کیونکہ روح کا اطلاق ہر ایک انسان پر ہوتا ہے (۱۵/۲۹)، بلحاظ رسول اللہ عام انسانوں میں اُن کا درجہ بلند ہے، لیکن بلحاظ رسول رسولوں سے ممیز نہیں ہیں۔ (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) — روح جب ہوائے نفس سے پاک ہو تو "روح القدس" سے تعبیر ہوتی ہے، اور مسیحؑ اور دیگر رسل میں سے ایسے ہی تھے، لیکن "روح القدس" کے علاوہ رسول کریم پر "الروح الامین" کا اطلاق ہوتا ہے، (ملاحظہ ہو لفظ جبریل)

بات اصل میں یہ ہے کہ خان بہادر ممدوح کے دماغ میں تقلیداً تخلیق آدم کا قصہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اُن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مٹی سے پیدا اس کے سوا کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کا پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح کا نفخ ہوا اور وہ جیتا جاگتا بشر بن گیا۔ مٹی سے پتلا بنانا تو توریت اور قرآن میں کہیں مذکور نہیں، معلوم نہیں یہ پتلا کہاں سے لیا گیا، ہر ایک شے کی پیدائش مٹی سے ہوتی ہے، لیکن پتلے بنتے تو آج تک کسی نے نہیں دیکھے، اور نہ خدا دکھا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کا مذکور قرآن میں کرتے ہوئے مشاہدہ کی طرف توجہ دلاتا ہے، اور اسی سے حشر و نشر پر استدلال کیا گیا ہے، اس موضوع پر مفصل بحث ہم بلاغ کے صفحات پر کر چکے ہیں۔ انسانی پیدائش علق سے ہوتی ہے اور علق جنین سے پیدا ہوتا ہے دنیا میں کوئی آدم ایسا نہیں گذرا جس کا بُت پہلے بنایا گیا ہے اور پھر یک لخت وہ نفخ روح سے جاندار بن گیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس واحدہ سے ترقی کرتا ہوا انسان بنا ہے، یہ قافلہ اختلاف کے

تحت زن و مرد میں امتیاز پیدا ہوا (سورہ نساء) یہ آیات آلٰہیہ ہیں جو قوم ان میں عقل و فکر سے کام لیتی ہے وہ "خلیفۃ اللہ فی الارض" ہے اور جو انھیں معجزات سے تعبیر کرتی ہے وہ مغلوب و مقہور ہے کہ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

عیسیٰ کی مثل اللہ کے نزدیک آدم کی مثل جیسی ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا

اس آیت میں عیسیٰ مجرد بیان ہوا ہے اور یہ قرآن کی بے نظیر بلاغت ہے کہ اس نام کے ساتھ مسیح اور رسول اللہ کے القاب استعمال نہیں ہوئے، مفہوم یہ ہے کہ عیسیٰ ایک بشر ہی تھا (قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ) اور کسی اور قسم کا بشر نہ تھا بلکہ ایسا ہی تھا جیسا کہ بشر ہیں اور ان سب کی اصل مٹی ہے --- خان بہادر ممدوح نے "كُنْ فَيَكُوْنُ" کا مفہوم تقلیداً غلط سمجھا ہے،

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

جب ہم کسی شے کا ارادہ کرلیں تو ہمارا ارشاد ہوتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔

"اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"

جب کوئی مقصد اللہ ٹھہرا لیتا ہے تو اس کا ارشاد یہی کچھ ہے کہ فرمایا ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔

کن فیکون کا عمل تو آفرینش سے اب بھی ہو رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ اور اللہ تعالےٰ مشاہدہ کرا رہا ہے کہ کسی شے یا امر کا ہونا یک لخت نہیں ہوتا بلکہ بتدریج ارتقائی صورت میں ہوتا ہے، اور مناسب اسباب کے ساتھ ہوتا ہے جو اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ ارتقا ادنےٰ درجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کسی وقت کچھ نہ تھا، اللہ تعالےٰ نے "طین" یا مٹی پیدا کی اور یہ بھی یک لخت نہیں بنی۔ لاکھوں سالوں کے بعد کرہ ارض کی صورت اختیار کی، پھر جمادات سے نباتات اور پھر حیوانات پیدا ہوئے اور حیوانات میں انسان ممتاز درجہ رکھتا ہے، یہ غلط ہے کہ کبھی انسان یک لخت موجودہ صورت میں بن گیا، ہر ایک شے اور انسان طبقاً عن طبق ارتقائی منازل طے کر رہا ہے اور کرتا رہیگا، کائنات اور انسان کی پیدائش سے جو مقصد ہے وہ پورا ہو رہا ہے، اگرچہ خالق کے علم میں وہ پہلے ہی سے ہے لیکن اس کا ظہور اسی طرح ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ قرآن عظیم میں بار بار مشاہدہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بار بار ہدایت تذکر و تدبر و تفکر کی گئی ہے، جو قوم اس پر عمل نہیں کرتی، وہ چوپایوں بلکہ ان سے بھی گئی گذری ہے۔

لفظ "رب" کا اطلاق انسانوں پر بھی ہوتا ہے، حضرت یوسف فرعون مصر کو اسی لفظ

سے تعبیر کرتے ہیں، یہودی اپنے امام اور سردار کاہن کو "ربی" کہتے اور رب تک کہتے ہیں، مریم صدیقہ حضرت زکریا کی کفالت میں تھیں جب ملائکہ نے بشارت ولادت مسیحؑ دی، اس نے حضرت زکریاؑ کو جو امام کاہن بھی تھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا کہ "رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ" بولی مجھے لڑکا کیسے ہوگا کہ کسی بشر نے مجھے چھوا تک نہیں، حضرت مریم کو بھی معلوم تھا کہ بلا مس بشر بچہ پیدا نہیں ہوا کرتا، اس وقت تو صدیقہ کو اتنا ہی کہا کہ "کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ" اللہ تعالیٰ جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے اسی طرح کرتا ہے (جس طرح مشاہدہ ہو رہا ہے) اس کے بعد ایک متقی آدمی سے صدیقہ کا نکاح کر دیا، یہ متقی جانتا تھا کہ صدیقہ ہیکل کی نذر ہو چکی ہے اس لیے اس سے مقاربت جائز نہیں ہے۔ اس "نذر" کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ بنی اسرائیل سے وعدہ برکت یہ ہوا تھا کہ اُن کے زمین اور "رحم" کے پھل میں فراوانی ہوگی، اس لیے ہر ایک اسرائیلی عورت جو بانجھ ہوتی سمجھتی کہ وہ برکت سے محروم ہے، اس لیے نذر مانتی کہ اس کے رحم کے کھولنے والا بچہ خدا کی نذر ہوگا۔ چنانچہ سموئیل نبی اس کی واضح مثال ہیں، اسی طرح صدیقہ کی والدہ نے نذر مانی تھی، جو بچہ پیدا ہوتا وہ تمام عمر مجرد رہتا، مردوں میں تو اس کی مثالیں ہیں لیکن غالباً صدیقہ کی مثال پہلی ہے، بانجھ عورت کا خیال تو یہ ہوتا کہ خدا لڑکا دیگا، لیکن یہاں لڑکی پیدا ہوئی، اور حضرت زکریا بھی جانتے تھے کہ لڑکی کا تمام عمر مجرد رہنا کارے دارد، صدیقہ شکل و صورت میں حُسن رکھتی تھیں اور متولیان ہیکل کی نظریں بھی ادھر اُٹھتی تھیں، چنانچہ اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پھل بھی دے جایا کرتے، سادہ لوح صدیقہ سمجھتی کہ لوگ خدا واسطے اُنھیں دیتے ہیں اور یہ خدا واسطے مجھے دیتے ہیں، لیکن حضرت زکریا بہت پریشان ہوتے، ابتدا میں وہ متقی راستباز آدمی صدیقہ سے علیحدہ ہی رہا لیکن حضرت زکریاؑ نے اس کا وہم دور کر دیا تو وہ صدیقہ کے پاس آیا، چنانچہ سورہ مریم میں اس کا مذکور انہی لفظوں میں ہے جیسا کہ روایات مقدس متی و لوقا وغیرہا میں ہے۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ "روح" ملائکہ سے علیحدہ شے ہے اس لیے "فَاَرْسَلْنَآ رُوْحَنَا" میں روح کا ترجمہ فرشتہ قطعاً غلط ہے، روح جب متمثل ہو تو بشر ہی ہوگا، اس لیے اس کی تشریح بھی کی گئی ہے کہ وہ "بَشَرًا سَوِیًّا" تھا۔ حضرت مریم اور وہ ابتدا میں یہی سمجھتے رہے کہ نکاح محض رسمی ہے، اس لیے صدیقہ نے کہا کہ اگرچہ تو ایک متقی آدمی ہے اور اس لیے مجھے اُمید نہیں ہو سکتی کہ تو کوئی ایسی حرکت کریگا جو خلاف شریعت ہو اور تو

جانتا ہے کہ میں رحمان کی پناہ میں ہوں یعنی مقدسہ ہوں اور تجھ سے بھی مقاربت جائز نہیں، اس نے جواب دیا کہ خیال تو میرا بھی یہی تھا، لیکن میں تو حسب ارشاد ربی زکریا تیرے پاس آیا ہوں کہ تجھے پاکیزہ لڑکا دوں۔ سادہ لوح صدیقہ اب بھی نہ سمجھی اور کہا کہ بھلا لڑکا کیسے ہوگا کہ کسی بشر نے مجھے مس نہیں کیا یعنی ایسے شخص نے جو شوہر ہو اور میں ایسی بھی نہیں کہ خلاف شریعت خود کسی سے مس کرواتی۔ مقدسہ کا خیال تھا کہ کسی بشر کا مس کرنا یا کروانا شریعت سے بغاوت ہے۔ غور کرنا چاہیئے کہ ملائکہ نے بشارت ولادت مسیحؑ دی تھی، اور ملائکہ کا اتنا ہی کام ہے، لیکن یہ شخص بیٹا دینے آیا تھا، بہرحال صدیقہ اس سے حاملہ ہوگئی، متولیان ہیکل نے طوفان برپا کر دیا کہ زکریاؑ نے مقدسہ کو بیاہ دیا، اور مولود کو ناجائز سمجھا۔

انجیل میں مذکور ہے کہ جب والدہ و یوسف لڑکے کو لے کر ہیکل میں آئے تو چونکہ ہجوم بہت تھا اس لیے لڑکا گم ہوگیا۔ اِدھر اُدھر بہت تلاش کی نہ ملا۔ آخر ہیکل میں بزرگوں کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا اور وہ سب اس کی باتوں سے دنگ تھے، یہی وہ واقعہ ہے جس کا مذکور قرآن میں ہے، ان مسخروں نے پھبتی بھی خوب جمائی جب صدیقہ کو مخاطب کر کے کہا لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا۔ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا" یعنی یہ اعجوبہ روزگار لائی ہے، اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو برا آدمی نہ تھا اور تیری ماں بھی احکام شریعت سے سرتابی نہ کرتی تھی ـــــ حضرت ہارون کی بہن کا نام بھی مریم تھا، مریم نے کسی خانگی معاملہ پر خفا ہو کر دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ کیا موسیٰ ہی ایک نبی ہے جس سے خدا ہمکلام ہوتا ہے ہم بھی ہیں، اس پر اُسے یہ سزا ملی کہ مقدس خیمہ میں کچھ عرصہ کے لیے داخلہ کا حکم بند ہوگیا اور قوم سے علیحدہ کی گئی۔ ان لوگوں نے بھی یہی اشارہ کیا کہ یہ لڑکا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور احکام شریعت کو اہمیت نہیں دیتا حالانکہ تمہارا خاندان کبھی ایسا نہ تھا، اس لیے اگر اسے منع نہ کیا گیا تو قوم سے علیحدہ کیے جاؤ گے، صدیقہ نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اسی سے پوچھو تو انھوں نے کہا کہ واہ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش کل کا چھوکرا، بھلا ہماری شان ہے کہ اس سے بحث کریں۔ ان لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ بچہ جسے گود میں لیے ہوئے ہو بھلا ہم سے کلام کس طرح کریگا مسیحؑ نے جو کچھ جواب دیا وہ انہی سوالوں کے متعلق ہو سکتا ہے جو معرض بحث میں تھے۔ یعنی دعویٰ نبوت، اگر صدیقہ پر الزام بدکاری ہوتا تو سوال از آسمان و جواب از ریسمان نہ ہوتا،

خان بہادر ممدوح نے "ابن مریمؑ" میں اور بھی بہت سی باتیں لکھی ہیں، اور اگر ہر ایک پر تبصرہ کیا جائے تو اتنا ہی ایک اور رسالہ مرتب ہو جائیگا۔ ہم خان بہادر ممدوح اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو "بلاغ" کے صفحات کی طرف توجہ دلاتے ہیں "مد بیان" کے تحت ان سب باتوں پر کافی بحث کی گئی ہے۔

خاتم النبیین

حضرت خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن حکیم کے زبردست دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے آخری نبی ہیں۔ اب ان کے بعد دنیا کو کسی نئے یا پرانے اصلی یا بروزی نبی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ۵ کے ٹکٹ بھیج کر ایک نسخہ طلب کریں۔

مینیجر بلاغ امرتسر

سہو ہو جانا ممکن ہے اور اس میں کچھ تعجب نہیں مگر آخر الامر حق ہی ہے [illegible] حق دائمی ہے۔ حق فی نفسہٖ غلط نہیں ہو سکتا ہے۔ ہاں انسانی کوششوں میں سہو و نسیان اور خطا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا)

(۵۰) قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝ کہہ اگر میں غلطی کر جاؤں تو سوائے اس کے نہیں کہ اس بھول کا ضرر میری جان پر ہے اور اگر ٹھیک راہ پر چلوں تو یہ اس کی طفیل سے ہے جو وحی کرتا ہے میری طرف میرا رب (صحیفۂ فطرت اور صحیح علوم سے روشنی نظر آ جائے یا وحی الٰہی آ کر انسان کی آنکھیں کھول دے دونوں طرح اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے۔ بشروں کا بھول جانا یقینی ہے۔ اس میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص نہیں۔ رسول پیغامبر ہوتے ہیں نہ کہ خدا کی طرح بے غلط۔ جب تک بشریت ساتھ لگی ہوئی ہے، بھول ہوگی خواہ کم ہو یا زیادہ۔ بس ہر وقت خدا تعالیٰ سے سیدھے راستے کی دعا مانگنا ضروری ہے کیونکہ) تحقیق وہ (اللہ تعالیٰ ہی) سننے والا (اور) قریب (ترین) ہے۔

حساب آمد و خرچ اُمت مسلمہ امرتسر

(۲۷ اپریل تا ۲۸ مئی ۱۹۳۸ء)

آمد بلاغ

میاں مہر بخش صاحب چاندیوالہ	. ـــ . ـــ ۱
پروفیسر آسد ایم۔ اے	. ـــ . ـــ ۲
معرفت مستری تاج الدین	. ـــ . ـــ ۲
امیر محمد صدیق صاحب لاہور	. ـــ . ـــ ۴
شیخ منہاج الدین صاحب پشاور	. ـــ ۳ ـــ ۲
سردار محمد اکرم خاں صاحب راولپنڈی	. ـــ ۳ ـــ ۲
جناب محمد اکبر خان صاحب جموں	. ـــ ۳ ـــ ۲

عمارت فنڈ

ڈاکٹر میر حبیب شاہ صاحب	. ـــ . ـــ ۱۶۰

فروخت کتب

. ـــ ۱۵ ـــ .

رکنیت فنڈ

. ـــ ۱۰ ـــ .

جلسہ فنڈ

محترم علی احمد خاں صاحب ہاشمی بی اے	. ـــ . ـــ ۱۰

قرآن میں ہے، ان مسخروں نے پھبتی بھی خوب جمائی جب صدیقہ کو مخاطب کرکے کہا لقد جئتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ یَآ اُخْتَ ھٰرُوْنَ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا "یعنی یہ اعجوبہ روزگار لائی ہے، اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو بُرا آدمی نہ تھا اور تیری ماں بھی احکام شریعت سے سرتابی نہ کرتی تھی ـــــ حضرت ہارون کی بہن کا نام بھی مریم تھا، مریم نے کسی خانگی معاملہ پر خفا ہوکر دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ کیا موسیٰ ہی ایک نبی ہے جس سے خدا ہمکلام ہوتا ہے ہم بھی ہیں، اس پر اُسے یہ سزا ملی کہ مقدس خیمہ میں کچھ عرصہ کے لیے داخلہ کا حکم بند ہوگیا اور قوم سے علیحدہ کی گئی۔ ان لوگوں نے بھی یہی اشارہ کیا کہ یہ لڑکا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور احکام شریعت کو اہمیت نہیں دیتا حالانکہ تمہارا خاندان کبھی ایسا نہ تھا، اس لیے اگر اسے منع نہ کیا گیا تو قوم سے علیحدہ کیے جاؤ گے، صدیقہ نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے اسی سے پوچھو تو انھوں نے کہا کہ واہ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش کل کا چھوکرا، بھلا ہماری شان ہے کہ اس سے بحث کریں۔ ان لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ بچہ جسے گود میں لیے ہوئے ہو بھلا ہم سے کلام کس طرح کریگا مسیح نے جو کچھ جواب دیا وہ انہی سوالوں کے متعلق ہو سکتا ہے جو معرض بحث میں تھے۔ یعنی دعویٰ نبوت، اگر صدیقہ پر الزام بدکاری ہوتا تو سوال از آسمان و جواب از ریسماں نہ ہوتا،

مزدوروں کو مزدوری ملتی ہے۔ مجھے بھی وہیں سے سب کچھ عنایت ہوتا ہے۔ ایسے مالک پر افترا کرنا حد درجے کی نافرمانی ہے)

(۴۸) قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ کہہ میرا رب جو ہے ڈالتا ہے حق ۔

(اور) وہ غیبوں کا جاننے والا ہے (نظریات میں شبہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دلائل دے دے کر تسکین کے سامان مہیا فرماتا ہے۔ ان دلائل سے رسول کریم کو بہت بڑا فائدہ ملا۔ آپ کی طرح اتنی بڑی کامیابی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ سب کو اس حق سے مستفیض و مستفید ہونا چاہیئے۔ فرمایا)

(۴۹) قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ۝ کہہ دے حق آگیا

(دلیل یہ دی) اور باطل نہ ابتدا کر سکتا ہے اور نہ اعادہ ہی کر سکتا ہے (حق کے سمجھنے میں غلطی ہو جانا ممکن ہے اور اس میں کچھ تعجب نہیں مگر آخرالامر حق ہی ہمیں راستی پر لاتا ہے حق دائمی ہے۔ حق فی نفسہ غلط نہیں ہو سکتا ہے۔ ہاں انسانی کوششوں میں سہو و نسیان اور خطا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا)

(۵۰) قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ۝ کہہ اگر میں غلطی کر جاؤں تو سوائے اس کے نہیں کہ اس بھول کا ضرر میری جان پر ہے اور اگر ٹھیک راہ پر چلوں تو یہ اس کی طفیل سے ہے جو وحی کرتا ہے میری طرف میرا رب (صحیفۂ فطرت اور صحیح علوم سے روشنی نظر آجائے یا وحی الٰہی آکر انسان کی آنکھیں کھول دے دونوں طرح اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے۔ بشروں کا بھول جانا یقینی ہے۔ اس میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص نہیں۔ رسول پیغامبر ہوتے ہیں نہ کہ خدا کی طرح بے غلط۔ جب تک بشریت ساتھ لگی ہوئی ہے، بھول ہوگی خواہ کم ہو یا زیادہ۔ بس ہر وقت خدا تعالیٰ سے سیدھے راستے کی دعا مانگنا ضروری ہے کیونکہ) تحقیق وہ (اللہ تعالیٰ ہی) سننے والا (اور) قریب (ترین) ہے۔

(۵۱) وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍۙ

(روح اور نسمہ کا تعلق پیدا کرنے والا وہی ایک ہے۔ مادے کی طرح وہ خدا الگ الگ نہیں ہے اور اس کے حصے نہیں ہو سکتے۔ جس طرح عقل میں بہت کچھ آجاتا ہے اور عقل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نہیں دیکھتی۔ اسی طرح اس عقلِ کل میں تمام کائنات موجود ہے اس کے احاطہ سے کچھ بھی باہر نہیں۔ ایسے خدا سے بے پروا ہو کر نافرمان بننا بہت بُرے نتائج کا موجب ہوتا ہے۔ منکرینِ توحید کو اس عالم میں سوائے سخت عذاب کے اور کیا پھل ملا؟ اور پھر کوئی مددگار اُنھوں نے نہ پایا۔ پھر جب دوسرے عالم میں پہونچے تو تمام پردے اُٹھ گئے۔ آنکھیں کھلیں اور نظر تیز ہو گئی اس لیے بڑی پریشانی کا سامنا ہوا۔ اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے) اور اگر تو دیکھتا (تو غور کرے یا چشم بصیرت سے دیکھے کہ) جب (اس عالم میں پہنچکر) گھبراتے ہیں (اور بھاگنا چاہتے ہیں) پس بھاگ نہیں سکے اور پاس ہی پکڑے گئے (اس عالم میں ایمان لانے کا موقعہ جاتا رہا۔ یہ موقعہ دنیا میں تھا۔ مگر اُنھوں نے اس موقعے کو شرارتوں، ظلم وستم اور فساد میں گنوا دیا۔ اب ایمان لانا بے فائدہ ہے۔ جب اُنھوں نے یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھا تو لگے بے سود چلانے)

(۵۲) وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۚ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍۚ

اور بولے ہم اس (توحید) کے ساتھ ایمان لائے (ایمان لانا تو اس عالم کا منظور تھا۔ لیکن اس دنیا اور آخرت کے درمیان بڑا فاصلہ ہے) اور (وہاں یعنی آخرت میں) کہاں سے ہے اُن کے لیے پالینا (اس ایمان کا) ایک دُور جگہ (یعنی دنیا) سے (اُن کو دنیا میں ایمان لانا چاہیئے تھا اور وہ دنیا میں ایمان تو نہیں لائے ہاں آخرت میں عذاب دیکھکر ایمان لے آئے ہیں۔ اب وہ لوگ دنیا میں جو آخرت سے نہایت دور ہے کس طرح جاکر دوبارہ ایمان لا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں)

(۵۳) وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُۚ وَ يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ اور تحقیق ناقدردان تھے اس (توحید) کے پہلے (دنیا میں)

اور وہ اَن دیکھی چیز پر دور ہی سے (دنیا سے) ہاتھ مارا کرتے تھے (یعنی گپ لگاتے تھے بلکہ مذاق اُڑایا کرتے تھے)

(۵۴) وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝ (ان کے گمان کا نتیجہ کیا ہوا؟ وہ یہ کہ خوشی اور آرام سے دور کئے گئے اور اُن کی خواہشیں اور اُمنگیں اور چاؤ سب مٹ گئے) اور رکاوٹ ڈالی گئی ان میں اور اُن کی خواہشوں میں (مثلاً یہ خواہش کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم کفارہ اور شفاعت یا رشتہ داری کے سبب باغوں وغیرہ کے وارث ہوں گے۔ ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ غرض بہت بُری طرح اُن کی اُمنگیں پائمال ہوئیں اور وہی سلوک اُن کے ساتھ ہوا) جیسا ان جیسوں کے ساتھ پہلے کیا گیا ہے (زمانہ ماضی میں کئی گمراہ گن گذر گئے اور کئی گذر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ شروع سے چلا آرہا ہے اور جس طرح یہ لوگ شک میں ہیں اسی طرح پہلے لوگ بھی انھیں کی طرح شفیعوں پر ناز کرتے تھے یا سرے سے قیامت کے منکر تھے) تحقیق وہ لوگ بھی قلق ڈالنے والے شک میں تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ فاطر

مضمون نظم و ربط

قرآن مجید تین چیزوں کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اوّل ایمان باللہ یعنی توحید باری تعالیٰ
دوم اعمال صالح۔ سوم قیامۃ یعنی خدا کی جناب میں حاضری اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا۔ اس
لیے اس نازک گھڑی کا خیال ہمیشہ دل میں رکھو۔ ان تین باتوں کو ذہن میں رکھکر گناہ کی
جرئت نہیں ہوتی۔ صرف یہ کہہ دینا کہ خدا غفور رحیم ہے اس لئے ہم جو کریں گے وہ معاف
کردے گا، پرلے درجے کی سرکشی اور نادانی ہے اور صداقت کا مذاق اڑانا ہے۔ حقیقی
اور متصرف صرف اللہ پاک ہے۔ اسے وحدہٗ لاشریک ماننا اور اس کے دربار میں حاضری
کا یقین رکھکر اعمال صالح کرنا، نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ زبانی بھروسہ اور بلا عمل توکل
محض گمراہی اور خسارہ ہے۔

پہلی سورۃ میں بھی توحید کا مضمون تھا۔ اس میں داؤدؑ اور سلیمانؑ وغیرہ کے نمونے
پیش کئے گئے ہیں اور موحدین کے قابل رشک انجام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ موجودہ
سورۃ میں بھی اسی مضمون پر رنگا رنگ طریق سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس سورۃ کے پانچ رکوع ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ فرشتے اور رسل اور ملائکہ صرف ذرائع ہیں اُن کو خدا کی طرح نہ مانا جائے۔ متصرف حقیقی
صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ اصل ہادی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ وہی دل کی بیماریوں کو اپنی مہربانی سے دور کرکے
حق کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کے سوائے نہ کوئی حق کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے اور نہ کسی
چیز کا مالک ہے۔

۳۔ اگرچہ انسان کو ایک حد تک اختیار ملا ہوا ہے مگر وہ اپنی بساط سے بڑھکر کچھ نہیں
کرسکتا۔ ہاں نیکی کرنے کی کوشش اور برائی سے بچنا چاہئے۔ اس سے بہت بڑا فائدہ ہے۔
۴۔ اتحاد بہت خوبی والی چیز ہے۔ اللہ کے ماننے والے سب ایک ہوجاؤ اور امر متفقہ
(توحید) پر اکٹھے رہو۔ فرقہ بندی میں ایک دوسرے کو کافر نہ کہو۔

۵۔ بردباری اور حلم کا نیک انجام واضح فرمایا اور تنبیہہ کی کہ مغرور و متکبر نہ بننا۔

ترجمہ وتشریح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ (شروع) ساتھ نام اللہ کے جو رحمان ورحیم ہے۔

(۱) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ (کفار و سرکش لوگ اپنے اعمال بد کی سزا پاتے ہیں اور وہ سب کے سب اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ حق تعالےٰ کے حضور میں حق ظاہر ہو جاتا ہے اور باطل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا) سب (سچی) تعریفیں اللہ (کامل مطلق ذات) کے واسطے ہیں (اکیلا وہی واجب ہے، باقی سب محض ممکنات ہیں ممکن کبھی بھی واجب نہیں بنیگا۔ مثلاً یہ ممکن ہے کہ انبیاء سے اللہ تعالےٰ وحی بھی چھین لے۔ اور اُن کے دلوں پر مہر کردے۔ خود انبیاء کی زبان سے اقرار کرایا جاتا ہے کہ اگر اللہ جل جلالہٗ ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ہلاک کردے یا ہم پر رحم فرمائے تو اے ناقدر دانو تم بتاؤ کہ سرکشی اور کفران نعمت کرکے کس طرح بچ سکتے ہو؟ جبکہ نیک و بد یکساں اللہ تعالےٰ کے قبضے میں ہیں تو سرکش اور ناقدردان تو اور بھی خطرے میں ہوئے۔ پس خدا کی ناقدری بہت بڑی چیز ہے۔ کیونکہ اُس نے ہمارے لیے آرام و آسائش کے لاتعداد سامان بنائے اور وہ ہر وقت ہماری بہتری کرتا ہے۔ وہی ہمارا مربی ہے۔ وہی ہمارا خالق ہے۔ تمام کائنات اسی کی مخلوق ہے اور) وہ نئے سرے سے (بغیر کسی نمونے اور مواد کے) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ (آسمانوں اور زمین کے وجود پر انسانی زندگی منحصر ہے۔ زندگی پیدا کرکے اس زندگی کو جاری رکھنے کے لیے سامان بھی اللہ پاک ہی نے پیدا کئے ہیں اور ان سامانوں پر وہ از خود حکمران ہے اور وہی خدا ہر قسم کے ذرائع کو پیدا کرنے والا ہے یعنی) بنانے والا ہے فرشتوں کو بطور رسولوں کے۔ دو دو۔ تین تین اور چار چار جہتوں[۵] والے (اللہ تعالےٰ فوق الفطرت متصرف ہے۔ ملائکہ اس کے

۵؎ جنحہ ۔ میلان ۔ جھکاؤ۔

اجنحۃ (جناح واحد) (۱) بمعنی جہت یا طرف (مثلاً فوج کے اطراف اور یمین و یسار وغیرہ)

[illegible] م مطلق ہیں۔ ملائکہ دو دو۔ تین تین۔ چار چار بلکہ ہزارہا اور لکھوکہا
[illegible] ت اطراف یا بازو رکھتے ہیں۔ صرف چار پر ہی ختم نہیں جیسا کہ فرمایا کہ) جو چاہتا ہے پیدائش میں زیادہ کرتا رہتا ہے (ملائکہ محض ذرائع ہیں جن سے اللہ پاک کام لیتا ہے اور مختارِ مطلق اور صاحب ارادہ صرف وہی ایک ہے۔ جب وہ ارادہ فرماتا ہے تو یہ ذرائع اس کے حکم کو مِن وعَن انجام دیتے اور ذرات کو اللہ تعالیٰ کے عین حکم کے مطابق توڑتے اور جوڑتے ہیں وھم بامرہٖ یعملون۔۔۔۔۔

اللہ پاک نیند یا اونگھ اور تکان سے پاک ہے۔ وہ ہر دم نئی نئی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ۔ وہ صناعِ حکیم اپنے کام کی تکمیل میں کسی کا محتاج نہیں) یقیناً وہ اللہ (اکیلا ہی) جو چاہے اس (کے پورا کرنے) کی طاقت رکھتا ہے (ہاں اللہ پاک خود واسطہ نہیں بنتا لیکن اپنی پوری قدرت وطاقت اور وسائط سے کام لیتا ہے اور حکماً کام لیتا ہے۔ لہذا اسباب و ذرائع قابلِ تعریف نہیں کیونکہ وہ تو کٹھ پتلی ہیں۔ تعریف کے لائق تو اللہ پاک ہے جو متصرف حقیقی ہے)

(۲) مَا یَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمۡسِكۡ فَلَا مُرۡسِلَ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ○ (ملائکہ بحکم خدا موسیٰ عیسےٰ محمد سلام علیہم پر وحی لے کر آتے تھے۔ از خود نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ خود نیچر کا پرزہ بن کر کام نہیں کرتا بلکہ غلاموں سے کام لیتا ہے اور جب وہ کوئی فیصلہ دے دیتا ہے تو اس کے بعد کوئی اس کے مقابلہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا اور کسی کے لیے چون وچرا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۷

— جہتوں والے یعنی ایک جہت سے حاصل کر کے دوسری جہت یا جہات میں پہنچانے والے۔

(۲) بمعنی بازو۔ یعنی ذریعہ جس سے ہر قسم کے کام کئے جاتے ہیں۔

(۳) بمعنی پر۔ یہ سرعت سیر پر دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجالانے میں فرشتے کوئی تاخیر یا سستی نہیں کرتے فرشتوں اور اُن کے پروں اور بازوؤں یا اُن کے اطراف کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب اس کارخانۂ قدرت کے صرف ایک ذرے کی حقیقت کو بڑے بڑے دماغ نہیں پہنچ سکے تو اس کے خالق لطیف وخبیر کی حقیقت کو وہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہو سکے گا کیونکہ "واجب" کی حقیقت کو ممکن کبھی بھی نہیں پا سکتا فللہ الحمد

کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فرمایا) اللہ کسی انسان کے واسطے جو رحمت کھول دے تو اس (رحمت) کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس کو (اللہ پاک) روک لیوے تو اُسے کوئی بھیجنے والا نہیں۔ اس (اللہ تعالیٰ) کے بعد (ہاں قبل از فیصلہ کوشش کی گنجائش ہے مگر بعد از فیصلہ کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے، آخرت میں کسی کو یارائے دم زدن نہیں ہے، ہاں خدا سے اذن ملنے پر بندے خدائی فیصلے کی تصدیق کر سکتے ہیں یعنی یہ کہ یہ فیصلہ بے شک حق اور بالکل ٹھیک اور صحیح ہے۔ زبردست اور معقول فیصلے میں دخل کو راہ نہیں۔ خدا کے فیصلے بے غلط ہوا کرتے ہیں کیونکہ) وہی اصل غلبے والا اور اصل حکمت والا ہے (وہ جس کو نفع یا ضرر دے اُس کو کون مزاحم ہو سکتا ہے؟ اس کے حکیمانہ افعال میں دخل دینا پرلے درجے کی حماقت ہے جبکہ کسی شخص کو اپنے اندر کی اشیاء کا صحیح علم نہیں تو دوسروں کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے؟ صرف ذاتِ خداوندی ہی بندوں کے لیے کافی ہے جس نے اس کے سوائے کسی اور کو پکارا وہ ظالم بن گیا۔ پکارنے کے لائق صرف وہی ایک خدا ہے جو ہمارے حالات کو جانتا ہے اور اُن سے مناسب نتائج نکالتا ہے۔ بندوں کو اس کی نعمتوں کی قدر کرنا اور اُنھیں برمحل استعمال کرنا چاہئے۔ کیا ایسی واضح بات سے انکار کرنا بُرا نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے!)

(۳) يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ

اے آدمیو! اللہ کی نعمت جو تم پر (شروع سے ہے) اسے یاد کرو (کیسے پیدائش ہو رہی ہے) کیا اللہ کے سوائے کوئی اور بھی خالق ہے (جو اعلیٰ درجے کا صناع اور حکیم ہو اور پھر وہی ہے) جو رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے (وہ کیا مہربان اور روزی رسان ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے اور تمام اسباب اسی مسبب کے حکم کے تابع ہیں اور تمام کام بلا شرکت احدے نہایت احسن طریق سے ہو رہے ہیں۔ بارشوں ہواؤں، سبزیوں اور لاتعداد اشیاء میں کیسا تعلق پیدا کیا ہے! ایسے رحیم و کریم سے مُنہ پھیرنا ظلم عظیم ہے۔ اس کے انعامات ظاہر و باطن بے شمار و لاتعداد ہیں۔ اس لیے صرف اسی کی پرستش کرنی چاہئے اور) اس کے سوائے کوئی لائقِ بندگی نہیں (اس

کارکن اور عباد ہیں اور محکوم مطلق ہیں۔ ملائکہ دو دو۔ تین تین۔ چار چار بلکہ ہزارہا اور لکھوکہا اور اَن گنت اطراف یا بازو رکھتے ہیں۔ صرف چار پر ہی ختم نہیں جیسا کہ فرمایا کہ) جو چاہتا ہے پیدائش میں زیادہ کرتا رہتا ہے (ملائکہ محض ذرائع ہیں جن سے اللہ پاک کام لیتا ہے اور مختارِ مطلق اور صاحب ارادہ صرف وہی ایک ہے۔ جب وہ ارادہ فرماتا ہے تو یہ ذرائع اس کے حکم کو مِن وعَن انجام دیتے اور ذرات کو اللہ تعالیٰ کے عین حکم کے مطابق توڑتے اور جوڑتے ہیں وھم بامرہٖ یعملون۔۔۔۔

اللہ پاک نیند یا اونگھ اور تکان سے پاک ہے۔ وہ ہردم نئی نئی چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ۔ وہ صناعِ حکیم اپنے کام کی تکمیل میں کسی کا محتاج نہیں) یقیناً وہ اللہ (اکیلا ہی) جو چاہے اس (کے پورا کرنے) کی طاقت رکھتا ہے (ہاں اللہ پاک خود واسطہ نہیں بنتا لیکن اپنی پوری قدرت وطاقت اور وسائط سے کام لیتا ہے اور حکماً کام لیتا ہے۔ لہٰذا اسباب وذرائع قابل تعریف نہیں کیونکہ وہ تو کٹھ پتلی ہیں۔ تعریف کے لائق تو اللہ پاک ہے جو متصرف حقیقی ہے)

(۲) مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (ملائکہ بحکم خدا موسیٰ عیسیٰ محمد سلام علیہم پر وحی لے کر آتے تھے۔ از خود نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ خود نیچر کا پرزہ بن کر کام نہیں کرتا بلکہ غلاموں سے کام لیتا ہے اور جب وہ کوئی فیصلہ دے دیتا ہے تو اس کے بعد کوئی اس کے مقابلہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا اور کسی کے لیے چون وچرا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۷

—— جہتوں والے یعنی ایک جہت سے حاصل کر کے دوسری جہت یا جہات میں پہنچانے والے۔

(۲) بمعنی بازو۔ یعنی ذریعہ جس سے ہر قسم کے کام کئے جاتے ہیں۔

(۳) بمعنی پر۔ یہ سرعت سیر پر دلالت کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجالانے میں فرشتے کوئی تاخیر یا سستی نہیں کرتے فرشتوں اور اُن کے پروں اور بازوؤں یا اُن کے اطراف کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب اس کارخانۂ قدرت کے صرف ایک ذرے کی حقیقت کو بڑے بڑے دماغ نہیں پہنچ سکے تو اس کے خالق لطیف وخبیر کی حقیقت کو وہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہو سکے گا کیونکہ "واجب" کی حقیقت کو ممکن کبھی بھی نہیں پا سکتا فللّٰہ الحمد

کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فرمایا) اللہ کسی انسان کے واسطے جو رحمت کھول دے تو
اس (رحمت) کو کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس کو (اللہ پاک) روک رکھے تو اُسے
کوئی بھیجنے والا نہیں۔ اس (اللہ تعالیٰ) کے بعد (ہاں قبل از فیصلہ کوشش کی گنجائش
ہے مگر بعد از فیصلہ کوئی اختیار باقی نہیں رہتا ہے، آخرت میں کسی کو یارائے دم زدن
نہیں ہے، ہاں خدا سے اذن ملنے پر بندے خدائی فیصلے کی تصدیق کر سکتے ہیں یعنی یہ کہ
یہ فیصلہ بے شک حق اور بالکل ٹھیک اور صحیح ہے۔ زبردست اور معقول فیصلے میں دخل
کوراہ نہیں۔ خدا کے فیصلے بے غلط ہوا کرتے ہیں کیونکہ) وہی اصل غلبے والا اور اصل
حکمت والا ہے (وہ جس کو نفع یا ضرر دے اُس کو کون مزاحم ہو سکتا ہے؟ اس کے حکیمانہ
افعال میں دخل دینا پرلے درجے کی حماقت ہے جبکہ کسی شخص کو اپنے اندر کی اشیاء کا
صحیح علم نہیں تو دوسروں کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے؟ صرف ذاتِ خداوندی ہی بندوں
کے لیے کافی ہے جس نے اس کے سوائے کسی اور کو پکارا وہ ظالم بن گیا۔ پکارنے کے لائق
صرف وہی ایک خدا ہے جو ہمارے حالات کو جانتا ہے اور اُن سے مناسب نتائج نکالتا
ہے۔ بندوں کو اس کی نعمتوں کی قدر کرنا اور اُنھیں برمحل استعمال کرنا چاہیئے۔ کیا
ایسی واضح بات سے انکار کرنا بُرا نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے!)

(۳) يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ
غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ

اے آدمیو! اللہ کی نعمت جو تم پر (شروع سے ہے) اسے یاد کرو (کیسے پیدائش
ہو رہی ہے) کیا اللہ کے سوائے کوئی اور بھی خالق ہے (جو اعلیٰ درجے کا صناع اور
حکیم ہو اور پھر وہی ہے) جو رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے (وہ کیا مہربان
اور روزی رسان ہے۔ وہ حاکم مطلق ہے اور تمام اسباب اسی مسبب کے حکم کے تابع
ہیں اور تمام کام بلاشرکت احدے نہایت احسن طریق سے ہو رہے ہیں۔ بارشوں
ہواؤں، سبزیوں اور لاتعداد اشیاء میں کیسا تعلق پیدا کیا ہے! ایسے رحیم و کریم سے
مُنہ پھیرنا ظلم عظیم ہے۔ اس کے انعامات ظاہر و باطن بے شمار و لاتعداد ہیں۔ اس لیے
صرف اسی کی پرستش کرنی چاہیئے اور) اس کے سوائے کوئی لائق بندگی نہیں (اس

کے ارادے کو کون ٹال سکتا ہے ؟ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی ؟ غور و فکر کرو اور عقل کو ہاتھ سے نہ دو) پھر کدھر سے پھیرے جاتے ہو ؟ (جان بوجھ کر اندھا بننا کسی طرح سے بھی مستحسن نہیں ۔ غافل مت بنو ، شکرانِ نعمت کی عادت رکھو ۔ ان نعمتوں کے عطا کرنے میں کوئی اور حصہ دار نہیں ہے ۔ تم کدہر کو لوٹائے جاتے ہو ؟ تمام انبیاء صرف خدا کی پوجا کرانے آئے ۔ سب صلحا کا یہی مقصد حیات ہے ۔ حق میں سب واحد تھے ۔ اصل چیز توحید ہے ، باقی باتیں لوگوں نے خود بخود باعث تنازع بنائی ہوئی ہیں اور اصل کو فرع اور فرع کو اصل قرار دیتے ہیں ۔ اصل چیز صرف قرآن مجید ہے جو حفاظتِ خداوندی سے چلا آیا ہے مگر صادقین کو جھٹلانا مکذبین کی سنت چلی آرہی ہے ۔ یہ لوگ مصلحین کی ذات کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ سچ پوچھو تو اُن کی لائی ہوئی تعلیم کو جھٹلاتے ہیں ۔ انبیاء علیہم السلام کا جھٹلانا خدا کی تکذیب کرنا ہے اسی لیے فرمایا)

(۴) وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ اور اگر یہ تجھے (اے رسولؐ) جھٹلا دیں تو بالتحقیق (یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ) جھٹلائے گئے تجھ سے پہلے رسل بھی (مگر یہ کدہر جائیں گے ؟ نتیجہ تو ہم ہی نکالتے ہیں ۔ ہمارے ہی پاس ہر ایک حاضر ہوتا ہے ۔ ہم سے بھاگ کر کہاں چھپیں گے ؟) اور اللہ (کامل مطلق) کی طرف ہے لوٹنا ہر کام کا (وہی ہر کام کا نتیجہ نکالتا ہے اور وہی مناسب بدلہ دیتا رہتا ہے ۔ لوگو ! غفلت کے پردے ہٹاؤ ۔ عقل سے کام لو ۔ شرارت سے باز آؤ اور ضد کو چھوڑ دو ۔ یہ وقت ضرور آتا ہے اور ذرے ذرے کا حساب ہوتا ہے ۔ ابھی موقعہ ہے اپنی اصلاح کر لو)

(۵) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ اے لوگو ! یقیناً اللہ کا (یہ) وعدہ صحیح ہے (کیوں دھوکے میں آئے ہوئے ہو ؟) پس تمہیں دُنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور (اس کے فریب میں نہ آؤ اور اس دنیا کو ہی سب کچھ نہ سمجھ بیٹھو ۔ بھول میں مت رہو ۔ ہوشیار ہو جاؤ اور دل کے کان کھول کر سنو کہ) نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں اللہ

کے بارے میں وسوسے ڈالنے والا (شیطان)۔

(۶) اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ (اور شیطان کی پوزیشن سمجھ لو کہ کیا ہے) تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے (وہ تمہارا دوست اور خیرخواہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تو بس پھر تمہیں کیا کرنا چاہیئے؟ صرف یہی کہ) تم بھی اس (شیطان) کو دشمن پکڑو (نہ کہ رفیق۔ اس کا کام بھی ذہن نشین کر لو۔ اس کا کام) صرف یہی ہے کہ وہ بلاتا ہے اپنی جماعت کو (یعنی اپنے یاروں اور دوستوں کو اپنی طرف ترغیب و دعوت دیتا ہے) تاکہ وہ جہنمی بن جائیں۔ (اور اگر کوئی اس کی دعوت کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اسے دوزخ میں علاج اور اصلاح کے لیے بھیجتا ہے نہ کہ انتقام کے رنگ میں۔ بس جہنم کی تکالیف سے بچنے کا واحد ذریعہ شیطان سے دشمنی اور توحید سے پکی محبت کرنا ہے۔ پس سن لو کہ)

(۷) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ؕ جنہوں نے خدا (کی نعمتوں) کی ناقدری کی اُن کے واسطے سخت عذاب (یعنی تکلیف دہ علاج) ہے (اور جہنم کے شفاخانے سے وہ ایسے سدھار کر نکالے جاتے ہیں کہ اگر اُنھیں دوبارہ موقعہ دیا جائے تو ایسے کام پھر کبھی بھی نہ کریں۔ موقعہ تو ملنے سے رہا شکر ہے کہ مرض جاتا رہا۔ یہ تو ہوا شریروں اور نافرمانوں کا ذکر۔ اب نیکوکاروں اور مصلحین کا انجام سنو۔ فرمایا) اور جو ایماندار اور صلاحیت والے کام کرنے والے ہیں اُن کے لئے بخشش اور بڑا ہی اجر ہے۔

رکوع دوم (۸) اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ؕ (اصل ذکر یعنے توحید الٰہی قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور ہے اور توحید ایک بے بدل حقیقت ہے اور ہمیشہ ایک

ہی رہیگی۔ ہاں دوسرے علوم ترقی کرتے جائیں گے، مگر افسوس ہے کہ لوگ اپنی خواہشات
کے زیر اثر، فطری باتوں کا انکار کر رہے ہیں اور میزان سے کام نہیں لیتے۔ اپنے مذہب
کو ایک نگاہ سے اور دوسرے مذاہب کو اور نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ
"ہر کہ بر خود نہ پسندی بدیگراں مپسند" مگر شرارت اور جذبات سے دوسروں کے ساتھ
وہ وہ کیا جارہا ہے جو نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اسی لیے اصلیت کو گم کیا جاتا ہے اور خدا
کے بے غلط کلام اور توحید جیسی واضح اور روشن شئے سے بسبب دوسروں کی ضد کے
مُنہ پھیرا جاتا ہے۔ یہ لوگ لمبی لمبی عمریں پانے کے باوجود بھی حق کی طرف نہیں آتے
اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ (کیا پھر وہ شخص جس کے لیے زینت دی گئی اس کے
بُرے عمل کو پس وہ اس (برائی) کو نیک جان لے) تو ایسے جہل مرکب کا کیا علاج
ہو سکتا ہے؟ اس کا بدیہی نتیجہ ضلالت ہے۔ برے اعمال کا انجام نقصان و خسران ہے
پھر اس نقصان کو نفع تصور کرنا اور اُسے اچھا سمجھنا اور بھی بُرا ہے۔ حقیقت میں جو
کام بُرا ہے اُس پر پھولنا اور مست رہنا سخت نالائقی ہے۔ برائی کرنا اور اس پر خوش
ہونا حد درجہ کا قابلِ نفرت فعل ہے۔ ایسے لوگوں میں بُرے درخت کی طرح
یہ برائی بڑھتی ہی جائیگی۔ اسی طرح جو شخص نیکی کرے اور اس پر شکر و صبر کا اضافہ
کرتا رہے تو وہ بھی ترقی پاتی رہیگی۔ ایک طرف مرض بڑھتا ہے تو دوسری طرف
خوبی بڑھتی ہے۔ بتاؤ ایسا باریک بین دلوں پر نگاہ رکھنے والا سوائے خدا کے اور کو
ہو سکتا ہے؟ اور کون ہے؟ جو مناسب نتائج نکالتا ہے۔ نیکی کے بیج سے بدی پیدا
کرتا اور بدی کو نیکی قرار نہیں دیتا۔ یہ کام صرف اسی خدائے قدوس حکیم مطلق کا
اسی لیے فرمایا) پس تحقیق اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو اپنی حکمت کاملہ کے مطابق (چا
ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو حکیمانہ رنگ میں) چاہتا ہے (پس جس کو نجات
طلب ہے وہ میری طرف جھکے۔ اے رسول! تو اُن کی حالت پر افسوس کرتا ہے
تو اُن کو جبراً ایمان دیگا یا کیا تو میرا مقابلہ کریگا؟ قانون شکن پر ہماری دفعات
بخود لگ جاتی ہیں۔ ہمارے سوائے کسی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ تو صرف
پیغام پہنچانے والا ہے۔ جہنمیوں کے متعلق تجھ سے سوال نہ ہوگا۔ تو اُن پر داروغہ
... سب کو ...

طرف ہی لوٹنا ہے۔ ہم ایک ایک سے حساب لے لیتے ہیں۔ ہم کو ذرے ذرے کا صحیح علم ہے اور ہمارے معاملات میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں، ہم جسے جس لائق دیکھتے ہیں اس سے وہی برتاؤ کرتے ہیں۔ ہم اپنے بندوں پر مہربان ہیں اور کون ایسا مہربان ہوسکتا ہے؟ اس لئے دخل در معقولات نہ کرو اور غم نہ کھاؤ پس نہ جاتی رہے جان تیری ان پر حسرتیں کرتے کرتے تحقیق اللہ علم رکھتا ہے اس کا جو وہ کرتے ہیں (اللہ! اللہ!! مصلحین کو ناقدر دانوں کا بھی درد ہے۔ مگر جب وہ شریر خود اپنی اصلاح نہ کریں تو کیا ہوسکتا ہے؟ برائی کرنا اور اس پر اڑے رہنا اور ہر جگہ جذبات سے کام لینا، ناصحین و مشفقین کو دشمن جاننا اور اُلٹے اُن پر آوازے کسنا اور اُن کے خلاف غلط پروپیگنڈا کرنا' تیسرے درجے کے مریضوں کا کام ہے۔ ایسے لوگوں کا مرض گھٹنے سے رہا اور اُنھیں جبراً روکنا خدا کا قانون نہیں۔ لہذا وہ اس قابل نہیں ہیں کہ سیدھے راستے پر آجائیں۔ اُن کا علاج ضروری ہے۔ اُن کی کرتوتوں کو جاننے والا اُن کو خوب درست کرلیتا ہے۔ کام خواہ بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں مگر ہوتے قواعد کے ماتحت ہیں۔ مثلاً شراب بدمست کردیتی ہے، جوش میں آکر لوگ خون کردیتے ہیں۔ یا کوئی غنی مفلس یا مفلس تونگر ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ سامانوں کی بدولت ہوتا ہے۔ مگر جائز یا ناجائز استعمال پر انعامات اور سزائیں ضرور ملتی ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ خدا ظالموں کو گمراہ کرتا یا بھلا دیتا ہے۔ یہ تمام سلسلہ کائنات قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔ ظالم لوگ کیوں انکار کرتے ہیں۔ اُنھیں چاہئے کہ آسمان و زمین کے عالیشان اور حکیمانہ تعلقات پر غور کریں۔ ہر چیز کیسی نتیجہ خیز ہے۔ بدی کرکے تم ضرور جہنم کے تکلیف دہ علاج سے سنوارے جاتے ہو خدا کی ہستی کے دلائل بیشمار ہیں۔ نیند اور موت بھی ایک دلیل ہے۔ کن کن دلائل کا انکار کرتے جاؤ گے؟)

(۹) وَاللّٰهُ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

اور اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے (یعنی مناسب مواقع پر) اسے پورا اور

سلہ ریاح بصیغہ جمع رحمت کی ہواؤں پر آتا ہے اور ریح بصیغہ واحد عذاب و تکالیف کے مواقع پر۔

علم ہے کہ فلاں جگہ یہ ضرورت ہے اور فلاں جگہ یہ ہونا چاہیئے وغیرہ۔ غرضیکہ تمام کام ضرورت کے مطابق ہو رہے ہیں) پس وہ (ہوائیں) اٹھاتی ہیں بادلوں کو۔ پھر اس (بادل) کو ہم نے چلا دیا مردہ شہر کی طرف، پس پھر ہم نے زندہ کر دیا بذریعہ اس (پانی) کے زمین کو بعد اس کی موت کے (جب یہ کام ہمیشہ دیکھتے آتے ہو، تو اس سے اپنی واپسی کے متعلق سبق حاصل کر کے عبرت پکڑو۔ جب ایک کڑاکا ہوگا تو بیدار ہو جاؤ گے)۔ اسی طرح ہے زندہ کرنا ایسے واضح دلائل سے منہ موڑنا پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے اور اگر کہو کہ ہم دولت مند اور عزت والے ہیں وہاں بھی ہماری عزت ہوگی تو یہ بھی غلط ہے۔ مال و دولت سے جائز کام لینے والا ہی فلاح پاتا ہے۔ مال و متاع خدا تعالےٰ کے احسانات میں سے ہے پس ان سے فرمان الٰہی کے مطابق کام لو۔ تمہیں ان سب کا حساب دینا ہوگا۔ تم کس عزت پر بھولے ہوئے ہو؟)

(۱۰) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ۝

جو شخص عزت کا ارادہ کرتا ہے پس (اسے یاد رہے کہ) عزت ساری اللہ کے واسطے ہے (اسی کے فرمان پر کاربند ہونا، اسی کی غلامی اور بندگی کرنا اصلی عزت ہے۔ پاک کلمات بولو۔ اوروں کو بھی نیک نصیحت کرو۔ دنیا میں خوبی والے کام کر کے نیک نمونہ بنو۔ بہتر باتوں کی اشاعت کرو۔ نیکدلی سے کام کرو نہ کہ منافقانہ رنگ میں یعنی دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ، جس طرح منافقین لفظ "رسول اللہ" تو منہ سے کہہ لیتے تھے لیکن دلوں میں آپ کی رسالت سے بیزار تھے۔ ایسا رویہ بہت ہی برا ہے۔ تم اگر عزت کے خواہاں ہو تو اللہ تعالےٰ کے احکام کے پابند ہو جاؤ اور اسی سے ترقیات مانگو۔ ہر مانگنے والے کو خدا تعالیٰ ہی کے حضور سے جو کچھ مانگا ہو وہ ملتا ہے۔ اپنے اندر طلب پیدا کرو اور خلاء کو دعا سے پورا کرو اور نیک دعا مانگو اسی (خدا) کی طرف پاک کلمات (درجہ قبولیت پاتے) ہیں اعمال بلند ہوتے

اور نیک اعمال (ان کلمات کو اور) اونچا کرتے ہیں (بشرطیکہ یہ کلمات دل سے ادا کئے جائیں خالی بہروپ نہ ہوں۔ پس پاک کلمات اور عمل صالح عزت کا اصل موجب ہیں اور یہی اصل خوبی ہے مگر ظاہر داری اور چال بازی میں کوئی خوبی نہیں۔ جس کا ظاہر و باطن یکساں نہیں وہی بڑا بھاری مجرم ہے جو عمل بد کرتا ہے اور چالیں چلتا ہے اس کا داؤ فنا ہونے اور مٹ جانے والا ہے اور وہ ہرگز پھل لانے والا نہیں۔ توحید سے منہ موڑ کر سب کام بگڑ جاتے ہیں) اور وہ لوگ جو برائیوں کے واسطے چالیں کرتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر ہی تباہ ہو جائیگا (اُن کی مرادیں کبھی بھی پوری نہ ہونگی۔ ایسے زبردست اور حکیم خدا کے خلاف چال چلنا عذاب کو دعوت دینا ہے۔ اس کی مہربانیوں کو کون گن سکتا ہے؟ پیدائش، زندگی، آرام اور خوراک اور تمام چیزیں اسی کے قبضہ میں ہیں، پھر کدھر کو بہکے جاتے ہو؟)

(۱۱) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ إِلَّا فِي كِتٰبٍ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○

اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے (پیدا کر رہا ہے) پھر تمہیں جوڑے بنایا (مٹی سے خوراک پیدا کی۔ پھر نطفہ بنایا پھر مضغہ مخلقہ وغیرہ وغیرہ۔ نر و مادہ ہونا۔ کئی ایک تغیرات کے بعد تکمیل پانا کوئی معمولی سی بات نہیں۔ اس میں بڑی کاریگری اور بڑی حکمت کو دخل ہے۔ یہ تغیرات پہلے جوڑے میں بھی آئے گو مدت دراز میں آئے۔ ایسا خبردار خالق اور دوربین مالک کب بھلائے جانے کے قابل ہے؟ دیکھو اس کا علم حقیقی اور ذاتی!) اور نہیں اُٹھاتی کوئی عورت حمل اور نہیں جنتی ہے مگر اس (خدا) کے علم سے (یہ کام اس کے علم کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو جس کے لئے چاہتا ہے، اُسے دیتا ہے، کسی اور کو اس میں دخل نہیں ہے، جس کو چاہے لڑکے دے اور جسے چاہے لڑکیاں دے یا دونوں قسم کی اولاد دے یا کچھ نہ دے۔ سب ہماری مشیت پر موقوف ہے اور ہماری رضا ہے، جسے چاہیں لمبی عمر دیں۔

اور جتنے چاہیں چھوٹی عمر دیں) اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو اور نہ اُس کی عمر سے
کمی کی جاتی ہے مگر وہ بیچ کتاب (قواعدِ صحیفۂ فطرت اور مطابق قانون) کے (اور یہ
ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ کچھ کام معین ہیں کچھ غیر معین ہیں۔ یہ معمولی سی بات ہے اور اس میں
کچھ بھی مشکل نہیں)، یقیناً خدا پر ایسا کرنا آسان ہے (ایک ایک ذرہ سے اس کی عنایات
اور رحمتیں ٹپک رہی ہیں مگر حضرت انسان بھی پرلے درجے کا ناقدر دان ہے اور بسبب
ضد اور شرارت کے بدیہیات کے انکار سے بھی نہیں رُکتا۔ وہ مالک حقیقی اور خالق اکبر
ہماری تمام ضروریات کو پورا کر رہا ہے، اُس نے کس قدر سامان ہمارے واسطے مہیا کئے
ہیں؟ مگر ناشکری کی بھی حد ہو گئی کہ فیض بھی اُٹھا رہے ہیں اور ڈھٹائی بھی دکھا رہے
ہیں۔ دیکھو ہمارے فوائد کے واسطے کیا کیا کچھ بنایا گیا ہے۔ ایک ہی زمین ہے مگر اس میں
دو طرح کے سمندر[1] بنائے ہیں جن کا پانی مختلف ہے)

(۱۲)، وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَ
هَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً
تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ اور نہیں ہیں دو سمندر ایک جیسے یہ (ایک) میٹھا بہت
شیریں ہے حلق سے آسانی سے) اتر جاتا ہے پانی اس کا، اور یہ (دوسرا ہوتا ہے کھاری
کڑوا) اور سینہ جلانے والا۔ مگر وہ خدا تم کو دونوں سے بیشمار فوائد پہنچاتا رہتا ہے) اور
تم ہر ایک سے کھاتے ہو تازہ گوشت اور نکالتے ہو تم زیور (جس کو تم پہنتے ہو اور بیویوں
کو پہناتے ہو اور ان اشیاء کی تجارت کر کے بہت سا منافع حاصل کرتے ہو۔ کون حرام
کر سکتا ہے اُن زینتوں کو جو اللہ نے اپنے بندوں کے واسطے بنائی ہیں؟ یہ اشیاء دنیا
کے گوشے گوشے میں پہنچتی ہیں اور تاجر اُن سے حسب موقع فائدہ اُٹھاتے ہیں، ان چیزوں
کو کنارے پر لانے کا ذریعہ کشتیاں ہیں۔ چنانچہ فرمایا) اور دیکھتا ہے تو کہ کشتیاں
بیچ اس کے (یعنی سمندر کے) پھاڑتی جاتی ہیں (پانی میں ہلکی چیز تیرتی ہے۔ اگر کشتیاں

[1] خشکی سے سمندر تین گنا زیادہ ہے۔

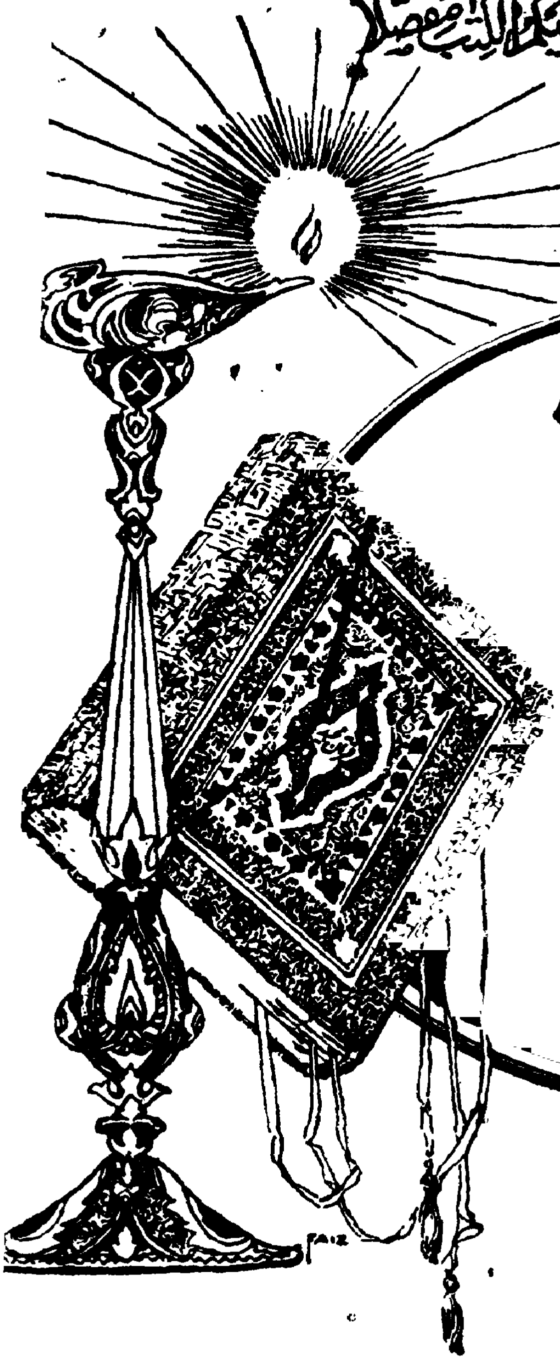
اندازے اور علم کے مطابق بنائی جائیں تو ضرور مفید ثابت ہوتی ہیں۔ اور کشتیاں اس لیے
بنائی جاتی ہیں) تاکہ اس (اللہ تعالیٰ) کے فضل کو تم تلاش کرو اور تاکہ (ان افضال کو
حاصل کرکے) تم اس خدا کا دل وجان سے شکر کرو (جس نے یہ اشیاء مہیا فرمائی ہیں
اس کی دی ہوئی اشیاء کی تجارت کرو اور لوگوں کی بھلائی کے کام کرو نہ کہ ضرر اور تکالیف
کی ٹھان لو اور ایسا نہ کرو کہ ان نعمتوں کی ناقدر دانی سے خود تو عذاب میں پھنس جاؤ اور
دوسروں کو نقصان پہنچا دو۔ خود بھی آرام حاصل کرو اور دوسروں کو بھی ہمت کرکے آرام
پہنچانے کی سر توڑ کوشش کرو۔ دیکھو اس رحمان نے تمہارے لیے بلا استحقاق آرام کے
کیسے کیسے سامان تیار کیے ہیں۔ یہ سامان حساب سے باہر اور بے اندازہ ہیں۔ اور اللہ
پاک نے ہر چیز کو انسان کی خدمت میں لگا دیا ہے۔ تمہارے فائدے کے لیے دن رات
سورج اور چاند حساب سے چلائے جا رہے ہیں۔ یہ تقسیم کار کس قدر عالیشان ہے۔ اگر
ہمیشہ دن یا رات ہی رہے تو کتنی تکالیف کا سامنا ہو؟ یہ تغیرات اور رنگا رنگی تمہارے
ہی آرام کے لیے ہے۔ اللہ پاک کی یہ نہایت مہربانی ہے کہ اس نے دن تجارت اور
محنت اور دوسرے نیک کاموں کے لیے بنایا جس میں ہم قدرے آرام یا نیند بھی کر لیتے
ہیں ہزوم) اور رات نیند کے لیے بنائی اور اگر رات کو اٹھ کر قدرے عبادت بھی کی جائے
تو اور زائد فوائد ملتے ہیں)

(۱۳) يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ
الْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَ
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (وہی خدا
تو ہے جو)
رات کو دن میں لے آتا ہے اور دن کو رات میں لے آتا ہے اور کام میں لگا دیا اس
(خدا) نے سورج کو اور چاند کو (بھی) ہر ایک چلتا ہے (باقاعدہ) حساب سے (اپنی
اپنی لائن پر چل رہے ہیں۔ ایک دوسرے پر سبقت نہیں کر سکتا۔ سورج نظام شمسی
کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔ یہ پھلوں وغیرہ کو پختہ کرتا اور دوسرے بیشمار فوائد بھی اپنے
بنانے والے کے حکم سے مجبوراً دیتا ہے۔ اس کی اپنی ذات محض بے بس ہے۔ ساری

تعریف اس کے بنانے والے کے لیے ہے اور اس کے لیے کوئی بھی تعریف زیبا نہیں اور
چاند سے اشیاء میں میٹھا پن آتا ہے۔ یہ بھی مجبور و مسخر ہے اور غلام کی طرح کام میں لگا
ہوا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ سب کے آقا ایک خدا کے سامنے عاجز بنیں اور غلاموں کے
غلام اور عباد کے عباد نہ بنیں۔ ہم سب کا ایک ہی مالک ہے۔ سورج دیوتا یا سوم ناتھ
یعنی چاند دیوتا وغیرہ محض ڈھکوسلے ہیں۔ یہ چیزیں تو اُس متصرف حقیقی کے صحیح ترین
اور بے غلط اندازوں سے ذرہ بھر باہر نہیں جا سکتیں۔ ایک حد تک مختار انسان اگر
ان بالکل بے اختیار چیزوں کی پوجا کرے تو یہ اس کے لیے صد ہزار شرم کا مقام اور
ڈوب مرنے کی جگہ ہے! انسان کو چاہیئے کہ اس منتظم حقیقی کی چوکھٹ کے بغیر کسی جگہ
بھی نہ جھکے ورنہ ناقدر دانوں کی فہرست میں آکر طرح طرح کے عذابوں میں پھنس جائیگا
تمام انتظامات اس کامل مطلق کے لیے ہیں۔ ان میں کسی اور کو ذرہ بھر دخل بھی قطعاً
نہیں۔ ایسا کامل واکمل) یہی تمہارا اللہ تمہاری ربوبیت کرنے والا (ہے) واسطے اسی
راکیلے خدا رب العالمین مالک مطلق) کے بادشاہی (ذرہ ذرہ کی ملکیت) ہے اپنی
حاجات اسی سے مانگو اور اسی کو واحد مالک سمجھو۔ سوا اس کے کوئی دوسرا نہیں) اور
(اے ناقدر دان لوگو!) جن کو تم اس (خدا) کے سوائے پکارتے ہو (اُن کی حیثیت اور قدر و
منزلت تو یہ ہے کہ) وہ تو ایک کھجور (کی گٹھلی) کے چھلکے کے (بھی) مالک نہیں ہیں۔
رہاں تم نے اپنے چاؤ سے اُن کے نام رکھ لیے ہوئے ہیں مثلاً لات جو اللہ کا مونث
ہے اور منات جو منان کا مونث ہے اور عزیٰ جو عزیز کا مونث ہے یہ لفظ
ظالموں کے بنائے ہوئے ہیں۔ خدائے واحد "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" ان رشتوں سے
پاک ہے۔ اتنا بڑا کارخانہ بحکم خدا بے غلط طریق پر چل رہا ہے اور سب کام اندازوں
سے ہو رہے ہیں۔ بتاؤ اے ناقدر دانو! کہ تمہارے بنائے ہوئے معبودوں کو بھی اس
میں کچھ دخل ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ بھی تمہاری طرح محتاج ہیں۔ محتاجوں سے مانگنا
لغتی کا کام ہے۔ اتنے واضح دلائل سنکر بھی غور نہیں کرتے تو حیف ہے۔ کدھر
بہکے جا رہے ہو؟ تمہارے مزعومہ معبود کیا سنیں گے اور کیا قبول کریں گے؟)

(۱۴) اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا

أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلا



بلاغ

اُمّتِ مسلمہ امرتسر

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

بلاغ

ایڈیٹر: (ڈاکٹر چوہدری) علیمُ الدین۔

نمبر ۹	ستمبر ۱۹۳۸ء	جلد ۱۵

فہرستِ مضامین

نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر چوہدری علیمُ الدین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر اُمتِ مسلمہ امرتسر سے شائع ہُوا

سالانہ تین روپے — فی پرچہ چار آنے

انفرادی اور

پیش پیدا کرتا ہے

تھوڑے ہی دنوں

ں بنا

ں کو اس:

ے

ہی مکان کے سامنے

بناؤں، لیکن تو جتنا

کے اوزار بنانے اور

کرنے کے دستے ہیں، تختے سازی

کی تمام قوتیں ٹوٹ جائیں گی ، اس کے جسم ورو ں

... ہزیمت کے آہنگ غلبہ پالیں گے۔ لیکن وہ اُمید جو اُس نے اپنے دل میں بسائی ... سینے میں مدتوں سے پرورش پاتا چلا آیا تھا، وہ عمل جس نے اس کے ... حرام کر رکھا تھا کبھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے گا۔ اس کی زندگی ختم ہو ... نہ ہوگی۔

... ہے، اس کا گذارہ نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی نوع کی امداد ... غور کیجئے، تو قدرت نے اُسے اتنی صلاحیت ہی عطا نہیں کی کہ وہ ... نفس واحد مہیا کر سکے۔ وہ کسی ایک فن ہی میں کمال حاصل کر سکتا ... کامیاب جولاہا، ایک پختہ مشق موچی، ایک عمدہ کاشت کار یا ایک ... لیکن اگر وہ یہ چاہے کہ وہ ان تمام پیشوں کو سنبھال سکے، تو یہ ... زندگی صد درجے کی ناکام زندگی قرار پائے گی۔

... انسانی تمدن میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ نہ قدرت کے دوسرے مخلوقات ... و سما کے مظاہر پر غور کیجیے۔ چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، آگ ... عناصر کے اشتراک و تعاون سے فطرت کا یہ عظیم الشان کارخانہ چل رہا ... تمام اپنی اپنی ذات میں بظاہر بے نیاز معلوم ہوتے ہیں، لیکن ... سب کو ایک دوسرے پر مدار و انحصار رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ... سکتا، اگر اُسے آفتاب کی شعاعوں سے محروم کر دیا جائے اور اسی ... جانے سے کرۂ ارضی کے بے شمار معلوم و نامعلوم منافع کا خاتمہ ... مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قدرت نے یہ تمام مظاہر ... آموزی کے لیے ایک بہترین درس گاہ قائم کر دی ہے۔ اس سلسلے کی ... اولاد آدم کو اعضائے قدرت کے باہمی ربط و ضبط اور اشتراک و تعاون کو ... زندگی بھی مولانا ... ات کی بنیادوں پر قائم کرنی چاہیے۔

شذرات

(صابری)

انفرادی اور اجتماعی اعمال و مساعی کا فرق سمجھیے۔ آپ ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں، ایک شخص اینٹیں مہیا کرتا ہے، دوسرا لکڑی کا سامان، تیسرا لوہے کی چیزیں، چند ایک مزدور، معمار اور کاریگر مل کر تھوڑے ہی دنوں کے اندر اندر ایک اچھی خاصی عمارت آپ کے سامنے کھڑی کر دیں گے۔

مثال معمولی ہے، اتنی معمولی اور عام کہ آپ اس کے کسی پہلو پر غور و فکر کی ضرورت تک بھی محسوس نہیں کرتے، لیکن میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ اسے ایک معمولی بات نہ سمجھیے۔ یہ مکان، جو بادی التفریس، ایک ہی دو ہفتوں میں تیار ہوا ہے، دراصل مدتوں پہلے زیر تعمیر تھا اور اب کہیں صدہا برس کی متفقہ سعی و استقلال اور فکر و تعامل کے بعد مکمل ہو رہا ہے۔ پشت ہائے پشت کے تجربے نے ایک شخص کو اس قابل بنایا کہ وہ اینٹیں تیار کر سکے، ایک شخص کو اس قابل بنایا کہ وہ دیواریں کھڑی کر سکے، ایک شخص کو اس قابل بنایا کہ وہ لکڑی یا لوہے کا سامان بنا سکے، پھر یہ لوگ فرداً فرداً نہیں، سب کے سب ایک جگہ جمع ہو کر ہی اس لائق ہو سکتے ہیں کہ وہ کسی عمارت کا آغاز کر سکیں، ان میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں، جو بلا شرکتِ دیگرے اس مہم کو سرانجام دینے کی قوت و قابلیت کا مالک ہو سکے۔

زید ــــ جنگل کا باسی، تمدنی زندگی کے فطری اصول و قواعد سے ناآشنا ــــ اُسے ایک روز اسی مکان کے سامنے سے گذرنے کا اتفاق ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے، میں بھی ایک ایسا ہی مکان بناؤں، لیکن تن تنہا، مزدوروں، معماروں اور کاریگروں کی امداد و اعانت سے بے نیاز ہو کر ــــ کیا آپ سمجھتے ہیں، وہ اپنے عزم و ارادہ میں کامیاب ہو جائے گا؟ لوہے کے حصول، اس کے اوزار بنانے اور استعمال کرنے کے تجربے ہیں، درختوں کی کاشت اور ان کی لکڑی کا سامان تیار کرنے کے دھندے ہیں، خشت سازی اور معماری کا فن حاصل کرنے کی کد و کاوش ہیں، اس کے دل و دماغ کی تمام قوتیں ٹوٹ جائیں گی، اس کے جسم و روح کا توازن ضائع ہو جائے گا، اس کے

اعضاء وقویٰ پر شکست و ہزیمت کے آثار غلبہ پالیں گے، لیکن وہ اُمید جو اُس نے اپنے دل میں بسائی تھی، وہ ارادہ جو اس کے سینے میں مدتوں سے پرورش پاتا چلا آیا تھا، وہ عمل جس نے اس کے امن وراحت اور خواب وخور کو حرام کر رکھا تھا، کبھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے گا۔ اس کی زندگی ختم ہو جائے گی، لیکن اس کی آرزو پوری نہ ہو گی۔

فطرۃً انسان مدنی الطبع ہے، اس کا گذارہ نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی نوع کی امداد وتعاون سے وابستہ نہ ہو اور اگر غور کیجئے، تو قدرت نے اُسے اتنی صلاحیت ہی عطا نہیں کی کہ وہ اپنی کسی ایک ضرورت زندگی کو، بہ نفس واحد مہیا کر سکے۔ وہ کسی ایک فن ہی میں کمال حاصل کر سکتا ہے، یعنی زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب جولاہا، ایک پختہ مشق موچی، ایک عمدہ کاشت کار یا ایک سلیقہ مند تاجر بن سکتا ہے، لیکن اگر وہ یہ چاہے کہ وہ ان تمام پیشوں کو سنبھال سکے، تو یہ ناممکن ہے۔ ایسے شخص کی زندگی حد درجے کی ناکام زندگی قرار پائے گی۔

انفرادیت کا اصول، نہ انسانی تمدن میں کامیاب ہو سکتا ہے، نہ قدرت کے دوسرے مخلوقات میں ——— نظامِ ارض وسما کے مظاہر پر غور کیجیے۔ چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، آگ اور پانی کتنے ہی اجرام وعناصر کے اشتراک وتعاون سے فطرت کا یہ عظیم الشان کارخانہ چل رہا ہے۔ نیچر کے یہ سارے اعضاء اپنی اپنی ذات میں بظاہر بے نیاز معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ ان سب کو ایک دوسرے پہ مدار و انحصار رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ مثلاً چاند روشنی نہیں دے سکتا، اگر اُسے آفتاب کی شعاعوں سے محروم کر دیا جائے اور اسی طرح چاندنی کے معدوم ہو جانے سے کرۂ ارضی کے بے شمار معلوم ونامعلوم منافع کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اسی ایک مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قدرت نے یہ تمام مظاہر پیدا کر کے درحقیقت ہماری سبق آموزی کے لیے ایک بہترین درس گاہ قائم کر دی ہے۔ اس سلسلے کی اہم ترین تعلیم یہ ہے کہ اولادِ آدم کو اعضائے قدرت کے باہمی ربط وضبط اور اشتراک وتعاون کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی بھی موالات ومواسات کی بنیادوں پر قائم کرنی چاہیے۔

طوعاً وکرہاً صحیفۂ فطرت کی اس تعلیم پر، بڑی حد تک عمل ہوتا چلا آیا ہے، شخصی حالات کو چھوڑ کر بین الاقوامی تعلقات تک میں اسی فطری جذبے، اسی قدرتی طریقِ کار کی تقلید و اتباع کا رجحان کام کر رہا ہے، بلکہ جُوں جُوں دنیا کی تہذیب و تمدن پرنشوو ارتقا کا رنگ گہرا ہوتا جا رہا ہے، آبادی بڑھ رہی ہے، ضروریات کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ مختلف اقوام و ملل کے باہمی علائق و روابط بھی ناگزیر طور سے پھیلتے جا رہے ہیں ——— اگر آج تمام ممالک کی باہمی تجارت مبادلۂ اجناس اور دوسرے بین الاقوامی تعلقات کا خاتمہ ہو جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا ایک مرتبہ پھر قرونِ مظلمہ کی تاریکیوں میں ڈوب جائے، انسان ایک مرتبہ پھر اُس دشوار گذار راستے کی طرف لوٹ جائے، جسے اُس نے بڑی دقتوں کے بعد قطع کیا ہے اور دورِ حاضرہ کی تمام آسائشوں سے محروم ہو کر، عہدِ قدیم کی مشکل اور بے کیف و سرور زندگی کا نئے سرے سے آغاز کرے ——— پھر اسے معلوم ہو کہ دنیا کے تمدنی اور معاشری تعلقات اس کے لیے کس حد تک لابدی اور ناگزیر حیثیت رکھتے ہیں!

قرآن حکیم نے صدہا برس پیشتر ہی سے "انفرادیت" کو نظر انداز کر کے "اجتماعیت" کے اصول و لوازم پر زور دیا ہے۔ اس کی نگاہوں میں انفرادی اعمال و مساعی کی، شخصی عروج و کمال کی، ذاتی عزم و ہیجان کی صرف اتنی ہی وقعت ہو سکتی ہے، جتنی سورج کے سامنے ایک ٹمٹماتے ہوئے دیے کی - اسی لیے اس کے ارشادات و احکام میں نہ صرف مخاطب "جماعت" کو کیا گیا ہے، بلکہ اس کے کثیر اوامر و ہدایات پر کماحقہ عمل بھی محض اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب تمام کے تمام اہل ایمان منظم و متحد طور پر انقیاد و تسلیم کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ قیامِ صلوٰۃ کا مدعا اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا، جب تک ہم سب کے سب اکٹھے ہو کر نماز نہ پڑھیں زکوٰۃ کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک انفاقِ زر کی کوئی اجتماعی صورت پیدا نہ کی جائے۔ روزہ فاقہ کشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اگر ہم مجموعی حیثیت سے، اُس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔ حجِ کعبہ کی راہ میں تمام مالی اور جسمانی تکلیفیں بے سود ہیں، اگر ہم مقررہ دنوں میں وہاں جمع ہو کر، تمام دنیائے اسلام کے فوائد و مقاصد پر غور و فکر نہ کریں۔ یہی حال قرآن کے دوسرے اوامر و نواہی کا ہے۔ خداوند حکیم نے اپنے احکام کو صرف "اجتماعیت" سے متعلق بلکہ مختص کر کے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ اگر ہم اعلا د

عظمت کی زندگی بسر کرنے کے متمنی ہوں، تو اس کے لیے جمہوری اور جماعتی تعامل و تعاون کے بغیر کوئی چارہ نہیں، یہ فطرت کا ایک اٹل قانون ہے، اور جو بھی جماعت اس قانون سے بغاوت کرے گی، اس کی قومی قوت و حیات کا نیست و نابود ہو جانا ناگزیر ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم قرآن پاک نے ہمارے قومی استقلال و استحکام کے لیے، ہماری ملی ضروریات و مشکلات کے حل کے لیے، ہمارے جماعتی اور معاشرتی نظام کے قیام و قرار کے لیے کتنا محکم اصول ہمارے سامنے پیش کر دیا تھا، قرن اول کے مسلمانوں نے اس ارشادِ خداوندی پر عمل کر کے عزت و شوکت، اور فوز و فلاح کے جو بلند ترین مناصب حاصل کیے، اُن کی تاریخ اگر ایک طرف عہدِ حاضر کی غیر مسلم اقوام کے لیے تقلید و اتباع کا موجب ہے: تو دوسری طرف ہم مسلمانوں کے لیے عبرت و ندامت کا پیغام لیے ہوئے ہے۔ افسوس ہے، "انفرادیت" کا وہ تخیل، جس کا خاتمہ اوّل مسلمانوں کا "مرہونِ منت" ہے، بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے اس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ اُمرائے اسلام کی بے راہ روی اور علمائے اسلام کی نفس پرستی کا دردناک، اور مہلک نتیجہ یہ تھا کہ انفرادیت کا بھوت فرقہ پرستی کے بُت کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ اسلام، ایک سیدھا سادہ دین ائمہ کرام اور صوفیائے عظام کے اسماء و سلاسل یعنی حنفیت، مالکیت، شافعیت اور حنبلیت وغیرہ کے علاوہ شریعت، حقیقت، طریقت اور معرفت کی تقسیم در تقسیم میں گم ہو کر رہ گیا۔ کئی جماعتیں، کئی گروہ، اور کئی فرقے قائم ہو گئے، نہایت ہی حقیر و بے حقیقت فروعی اختلافات کو سامنے رکھ کر، ہر فرقے اور جماعت نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ تعمیر کی، اور ان اختلافات کو اتنی اہمیت دے دی کہ خدا کے اُس مقدس گھر میں، جو نہ صرف اتحادِ اسلامی کا، بلکہ وحدتِ انسانی کا داعی تھا، الگ الگ نماز پڑھنے کے لیے چار مصلّے بھی بچھا دیے گئے۔

خدا کی تقدیر پوری ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی مسلسل اور متواتر نافرمانیوں کی سزا پائی، ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا، اُن کی قومیں ضائع ہو گئیں، اُن کی سلطانیوں کا خاتمہ ہو گیا، اُن کی عزت و آزادی کے پرچم سرنگوں ہو گئے، اور آج یہ حالت ہے کہ دنیا کی ذلیل سے ذلیل قومیں بھی، نہیں نفرت و حقارت کے الفاظ سے یاد کیے بغیر نہیں رہتیں۔ ان کی پس ماندگی اور رُسوائی کو دیکھ کر اسلیم سے سلیم دل بھی یہ باور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ یہ اسی قوم کے اخلاف ہیں، جو صرف پچاس سال کے اندر اندر نصف کائناتِ ارضی پر حکمران ہو گئی تھی!

آج دین کی سب سے بڑی خدمت اعشق توحید کا آخری اُسوہ حسنہ اور اتباع قرآن کا پہلا اثر ونشان، صرف اسی ایک چیز سے نظر آنا چاہیے کہ مسلمانوں کے دماغ، فرقہ بندی کے جراثیم سے پاک کیے جائیں، اُن کے سینے اختلاف ونفاق کی کدورت سے صاف کیے جائیں، اُن کی روح وضمیر سے بغض وتعصب کی زہریلی آلائشیں دُور کی جائیں، دیکھو! مسلمانوں پر کتنا نازک زمانہ آچکا ہے، اتنا نازک زمانہ، کہ اس سے زیادہ دردناک وقت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ——— اُمتِ مسلمہ امرتسر بڑے ہی درد وخلوص کے ساتھ، ملتِ اسلامیہ کی اس خوفناک مصیبت کی منادی کرنے کی اجازت چاہتی ہے۔ اے افتراق وشقاق کی وادیوں میں بھٹکنے والے مسلمانو! آؤ، ہم سب جمع ہوکر اپنی بے بسی پر آنسو بہائیں، اے بغض وعداوت کی پگ ڈنڈیوں پر لڑھکنے والے مسلمانو! آؤ، خدا کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چل کر عزت وسعادت کی منزل میں پناہ حاصل کریں۔ اے نفس پرست اور خود غرض علماء کے حلقہ بگوش مسلمانو! آؤ، من دون اللہ کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر خدائے رحمٰن ورحیم کی وسیع وعظیم سلطنت میں بسیرا کریں۔

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا	آؤ! ایک بات کی طرف، جو ہم میں، تم میں برابر ہے (یعنی یہ)
وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ	کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی
بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ	(اپنا مالک اور) رب نہ سمجھے۔

اس سلسلے میں اُمتِ مسلمہ نے پنجاب کے بڑے سے بڑے علماء اسلام کو دعوت دی ہے کہ وہ فروع واصول کے امتیاز واہمیت کو سامنے رکھ کر، یکم و ۲ راکتوبر ۱۹۳۳ء کو منعقد ہونے والے اجتماع میں شرکت فرمائیں اور اپنی فکر ورائے اور خلوص ودیانت کی رہنمائی میں مسلمانوں کو اُن کی موجودہ مصائب وآلام سے نجات دلانے کی عملی تجویزوں کا خاکہ تیار کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تباہیوں اور گمراہیوں کا بڑا سبب راہنماؤں کا کسی ایک بات پر جمع نہ ہوسکنا ہے جس قافلے کے رہبر کسی ایک راہ پر چلنے کے لیے متفق نہ ہوسکیں، اس کا لُٹ جانا اور مٹ جانا یقینی ہے۔ ایسے نازک وقت میں آگاہ دل لوگوں کا غیر اصولی اختلافات میں اُلجھے رہنا اور اظہارِ حقیقت سے زبان کو بند رکھنا ایک ایسی خطرناک غلطی ہے، جس کی تلافی شاید کبھی نہ ہوسکے۔ ان خطرات کے پیشِ نظر علما نے مذکور کی تشریف آوری نہایت ضروری ہے۔ ہم بھی آرزوؤں کے ساتھ متوقع ہیں کہ وہ ہماری مخلصانہ دعوت قبول فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں گے۔

"بلاغ" کی اس اشاعت کے ساتھ، جلسے کے متعلق ہماری ایک سال کی چیخ پکار اور ندا و صدا[1] کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا، اب احباب اُمّت اور معاونین "بلاغ" کا فرض ادا ہونے کا وقت آ چکا ہے ——— روپیہ بھیجیے کہ اس کے بغیر دنیا کا کوئی کام سرانجام نہیں پا سکتا،
تمام احباب کا فرض ہے کہ وہ اپنے سالانہ جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ایثار و قربانی کی طرف متوجہ ہوں، جس دوست میں ایک آنے کی استطاعت ہو، وہ ایک آنہ بھیجے۔ جسے ایک روپے کا مقدور ہو، وہ ایک روپیہ ارسال کرے؛ خدمت اور نیکی کی مقدار، ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو، اس کا اجر بہرحال ملے گا۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ———
احباب کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ خود تشریف لائیں، دوستوں کو شرکت کی ترغیب دلائیں اور جلسے کو پچھلے سال سے بھی بڑھ کر مفید و کامیاب بنانے کی عملی کوشش کریں۔ باہر سے آنے حضرات ۱۰ ستمبر تک، ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر، سکرٹری صاحب جلسہ سب کمیٹی اُمّت مسلمہ امرتسر کی خدمت میں، اپنی تشریف آوری کی اطلاع دے دیں، تاکہ اُن کے قیام و طعام کے تمام انتظامات قبل از وقت مکمل کر لیے جائیں۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

سب سے بڑی بات

تمام وہ دوست جو زمین پر قرآن کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اُن پر فرض ہے کہ اکتوبر کی پہلی اور دوسری تاریخ کو خدا کے لیے وقف کر دیں۔ اور اُمّت مسلمہ امرتسر کے سالانہ اجلاس میں شریک ہو کر اپنے دردِ ملّی کا ثبوت دیں۔ تعاونوا علی البرّ والتقوٰی۔

---

[1] کوشش کی جائے گی کہ اکتوبر ۱۹۳۸ء کا بلاغ، ۲۵ ستمبر تک شائع کر دیا جائے۔ تاکہ تمام احباب کو جلسے سے چند روز پہلے پروگرام کی تفصیل معلوم ہو سکے۔

آج دین کی سب سے بڑی خدمت، عشق توحید کا آخری اُسوہ حسنہ اور اتباع قرآن کا پہلا اثر و نشان، صرف اسی ایک چیز سے نظر آنا چاہیے کہ مسلمانوں کے دماغ، فرقہ بندی کے جراثیم سے پاک کیے جائیں، اُن کے سینے اختلاف و نفاق کی کدورت سے صاف کیے جائیں، اُن کی روح و ضمیر سے بغض و تعصب کی زہریلی آلائشیں دُور کی جائیں، دیکھو! مسلمانوں پر کتنا نازک زمانہ آچکا ہے، اتنا نازک زمانہ، کہ اس سے زیادہ دردناک وقت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ——— اُمّتِ مسلمہ امرتسر بڑے ہی درد و خلوص کے ساتھ، ملّتِ اسلامیہ کی اس خوفناک مصیبت کی منادی کرنے کی اجازت چاہتی ہے۔ اے افتراق و شقاق کی وادیوں میں بھٹکنے والے مسلمانو! آؤ، ہم سب جمع ہو کر اپنی بے بسی پر آنسو بہائیں، اے بغض و عداوت کی پگ ڈنڈیوں پر لڑ کھڑاتے والے مسلمانو! آؤ، خدا کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چل کر عزت و سعادت کی منزل میں پناہ حاصل کریں۔ اے نفس پرست اور خود غرض علماء کے حلقہ بگوش مسلمانو! آؤ، من دون اللہ کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر خدائے رحمٰن و رحیم کی وسیع و عظیم سلطنت میں بسیرا کریں۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ

آؤ! ایک بات کی طرف، جو ہم میں، تم میں برابر ہے (یعنی یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا مالک اور) رب نہ سمجھے۔

اس سلسلے میں اُمّتِ مسلمہ نے پنجاب کے بڑے بڑے علماء اسلام کو دعوت دی ہے کہ وہ فروع و اصول کے امتیاز و اہمیت کو سامنے رکھ کر، یکم و ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو منعقد ہونے والے اجتماع میں شرکت فرمائیں اور اپنی فکر و رائے اور خلوص و دیانت کی رہنمائی میں مسلمانوں کو اُن کی موجودہ مصائب و آلام سے نجات دلانے کی عملی تجویزوں کا خاکہ تیار کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تباہیوں اور گمراہیوں کا بڑا سبب راہ نماؤں کا کسی ایک بات پر جمع نہ ہو سکنا ہے جس قافلے کے رہبر کسی ایک راہ پر چلنے کے لیے متفق نہ ہو سکیں، اس کا لُٹ جانا اور مٹ جانا یقینی ہے۔ ایسے نازک وقت میں آگاہ دل لوگوں کا غیر اصولی اختلافات میں اُلجھے رہنا اور اظہارِ حقیقت سے زبان کو بند رکھنا ایک ایسی خطرناک غلطی ہے، جس کی تلافی شاید کبھی نہ ہو سکے۔ ان خطرات کے پیشِ نظر علمائے مذکور کی تشریف آوری نہایت ضروری ہے۔ ہم بھی آرزوؤں کے ساتھ متوقع ہیں کہ وہ ہماری مخلصانہ دعوت قبول فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں گے۔

"بلاغ" کی اس اشاعت کے ساتھ، جلسے کے متعلق ہماری ایک سال کی چیخ پکار اور ندا و صدا[1] کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا، اب احباب اُمّت اور معاونین "بلاغ" کا فرض ادا ہونے کا وقت آچکا ہے ——— روپیہ بھیجیے کہ اس کے بغیر دنیا کا کوئی کام سرانجام نہیں پا سکتا، تمام احباب کا فرض ہے کہ وہ اپنے سالانہ جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ایثار و قربانی کی طرف متوجہ ہوں، جس دوست میں ایک آنے کی استطاعت ہو، وہ ایک آنہ بھیجے۔ جسے ایک روپے کا مقدور ہو، وہ ایک روپیہ ارسال کرے، خدمت اور نیکی کی مقدار، ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو، اس کا اجر بہرحال ملے گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ———

احباب کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ خود تشریف لائیں، دوستوں کو شرکت کی ترغیب دلائیں اور جلسے کو پچھلے سال سے بھی بڑھ کر مفید و کامیاب بنانے کی عملی کوشش کریں۔ باہر سے آنے حضرات ۲۰ ستمبر تک ۱۱ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر، سکرٹری صاحب جلسہ سب کمیٹی "اُمّت مُسلمہ امرتسر" کی خدمت میں، اپنی تشریف آوری کی اطلاع دے دیں، تاکہ اُن کے قیام و طعام کے تمام انتظامات قبل از وقت مکمل کرلیے جائیں۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

سب سے بڑی بات

تمام وُہ دوست جو زمین پر قرآن کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اُن پر فرض ہے کہ اکتوبر کی پہلی اور دوسری تاریخ کو خدا کے لیے وقف کردیں۔ اور اُمّت مُسلمہ امرتسر کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوکر اپنے دردِ ملی کا ثبوت دیں۔ تعاونوا علی البرّ والتقویٰ۔

---

[1] کوشش کی جائے گی کہ اکتوبر ۱۹۳۳ء کا بلاغ، ۲۵ ستمبر تک شائع کردیا جائے۔ تاکہ تمام احباب کو جلسے سے چند روز پہلے پروگرام کی تفصیل معلوم ہوسکے۔

عنوان نہیں

واعظِ شہر[1] کہ لوگ اُس کو مَلَک کہتے ہیں / رائے میری بھی یہی ہے کہ وہ انسان نہیں

چشتی و قادری و مالکی و اہلِ حدیث / تو سبھی کچھ ہے، مگر ایک مُسلمان نہیں

چشمِ نرگس، لبِ لعلیں، تنِ سیمیں اے شوخ / تجھ میں ہر چیز ہے موجود، مگر جان نہیں

فقہ و تفسیر و روایات، کلام و عرفاں، / تیرے سینے میں سب اسرار ہیں، قرآن نہیں

فلسفہ داں، متصوّف، علما، اہلِ کمال، / قافلے میں ہیں سبھی، کوئی شُتربان نہیں

اپنے انجام سے ہے مُسلمِ ہندی جاہل / اس جہاں میں کہ نباتات[2] بھی نادان نہیں

قوم کا درد بہت ہے تیری تقریروں میں / تیرے دل میں مگر اللہ کا ایمان نہیں

رہ گئے جسم فقط، کھینچ لی افرنگ نے جاں / اب وہ تازی نہیں، وہ تُرک وہ افغان نہیں

ہے مری نظم سے ظاہر مری بے نظمیِ طبع
کوئی مطلع نہیں، مقطع نہیں، عنوان نہیں

(راہی)

---

[1] اس شعر کا مضمون فارسی سے ماخوذ ہے۔
[2] قرآن نے صدیوں پہلے کہہ دیا تھا، کل قد علم صلوٰتہ وتسبیحہ۔

اسلامی نظام

(حضرت علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ)

(۲)

عنوان بالا سے "بلاغ" کے جون نمبر میں علامہ اسلم جیراجپوری کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس پر بعض حلقوں کی طرف سے اعتراضات کیے گئے۔ جون کے جامعہ میں ان اعتراضات کے جوابات شائع ہوئے ہیں، جنہیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ (بلاغ)

(۱)

س: تم کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں، ایک پیغمبری جس کے ذریعہ سے قرآن ملا، دوسری امامت یعنی ملت کی مرکزیت، جو آپ کی ذات سے قائم ہوئی۔ اتباع قرآن کی شرعی حیثیت مسلم ہے، مگر مرکز تو ایک دنیوی ادارہ ہے۔ اگر نہ ہو، جیسا کہ آج کل ہے، تو اس سے مسلمانوں کے اسلام میں کیا خرابی آتی ہے؟

ج: بلا مرکز کے ملت کے مقاصد متعین نہیں ہوتے اور نہ اس میں اجتماعی عمل صالح کی حرکت پیدا ہوتی ہے، بلکہ وہ بیابان کے ریگ کے ذروں کی طرح منتشر رہتی ہے، جو ہر ہوا اور آندھی کے ساتھ جدھر کی بھی ہو، اڑتی رہتی ہے۔ قرآن امت کا ایمان ہے اور مرکز اس کا اجتماعی عمل۔

قرآن میں اللہ و رسول و اولوالامر کی اطاعت کے احکام جو مسلمانوں کو دیئے گئے ہیں، وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ مرکز کی حیثیت بھی شرعی ہے اور وہ محض دنیوی ادارہ نہیں ہے۔ ملت امام کے بغیر ایسی ہی ہے جیسے جسم سر کے بغیر، جس کا انجام ہلاکت ہے۔

(۲)

س: اللہ و رسول و اولوالامر کی اطاعت بلا مرکز کے بھی اس طرح ہو سکتی ہے کہ قرآن و سنت و علماء کی اطاعت کی جائے، جیسی کہ آج کل ہم کر رہے ہیں۔

ج: اور اس کی سزا بھی بھگت رہے ہیں کہ باوجود اپنی کثرت تعداد کے اور باوجود عالم میں اپنی زبردست جغرافی حیثیت کے اور باوجود اس کے کہ اسلام میں تمام تر جہاد اور جنگ آور قومیں داخل ہیں، جن کے پس پشت

عظیم الشان تاریخیں ہیں، پھر بھی دوسروں سے کمزور اور ذلیل و خوار ہیں، بلکہ اُمت کا بیشتر حصہ شرک اور کفر کا محکوم اور غلام ہے، جو اسلام کا جزءِ صالح نہیں کہا جا سکتا۔ یہ نتیجہ ہے زندہ مرکز نہ ہونے کا۔ اللہ و رسول کی اطاعت کے لیے قرآن و حدیث کو لے لیا کہ جس طرح چاہیں، اُن پر عمل کریں یا نہ بھی عمل کریں، تو اطاعت کا مطالبہ کرنے والا کون ہے؟ رہے علماء، تو ان کا حلقۂ اثر محدود ہوتا ہے، جس سے مرکزیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ علاوہ بریں وہ خود آپس کی مخالفتوں کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق میں مبتلا رہتے ہیں اور امت میں اور زیادہ تفریق و انتشار کا موجب ہوتے ہیں۔ اللہ و رسول کی اطاعت صرف زندہ امام ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے، جو ضروریاتِ زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن کی روشنی میں اُمت کو اجتماعی مقاصد کی طرف لے چلے۔

(۳)

س: تم نے اللہ و رسول کا مفہوم امامِ وقت ثابت کیا ہے، لیکن علماء اس کے معنے کتاب و سُنت کے سمجھتے ہیں۔ کیا اللہ کے لیے یہ آسان نہ تھا کہ وہ ان دو لفظوں کی بجائے صرف ایک لفظ امام کہہ دیتا تاکہ یہ غلط فہمی نہ ہوتی؟

ج: قرآنی الفاظ مقصود کے مطابق ہوتے ہیں۔ صرف امام کا لفظ کہنے سے اسلامی مرکز کا صحیح مفہوم نہیں ادا ہو سکتا تھا، کیوں کہ امام کہتے ہیں پیشرو اور راہبر کو، خواہ کسی قسم کا ہو۔ لغوی معنی کے لحاظ سے آج ہٹلر بھی جرمن قوم کا امام ہے، لیکن اللہ کو بیان کرنا مقصود ہے اُس امام کا، جو قرآنی احکام کو نافذ کرنے والا، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب، امت کا چلانے والا ہو۔ یہ مفہوم صرف اللہ و رسول ہی کے لفظ سے ادا ہو سکتا تھا، جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسی کی اطاعت، اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔

(۴)

س: پھر بھی یہ بات حل طلب رہی کہ علماء نے اللہ و رسول سے مرکزِ ملت کیوں نہ سمجھا؟

ج: مَیں نے اپنے مضمون میں ایسے مفسروں کے نام لکھے ہیں، جنہوں نے اللہ و رسول سے امامِ وقت ہی سمجھا ہے۔ بے شک عرصۂ دراز سے استبداد کے تسلط اور جامد تقلید نے علماء کے زاویۂ نگاہ بدل دیے ہیں۔ وہ دین اسی کو سمجھتے ہیں کہ کتاب و سُنت بلکہ ائمہ کی فقہ پر عمل کرتے رہیں، حالانکہ اس سے اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہو سکتی۔ حیاتِ ملی کے لیے قرآن کے ساتھ زندہ امام کی اطاعت بھی ضروری ہے۔

(۵)

ایک سُنی مولانا نے کہا کہ کیا ضمانت ہے کہ امامِ وقت غلطی نہ کرے گا؟

ج : کیا آپ کے عقیدہ کے مطابق حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما معصوم تھے؟ اگر نہیں تھے، تو ان کو خلیفۂ رسول بناتے وقت یہ سوال اُمت نے کیوں نہیں اٹھایا؟

مگر یہ جواب الزامی ہے تحقیقی جواب یہ ہے کہ غلط اور صحیح کے جو معنی عرف عام میں ہیں کہ جو حقیقت کے خلاف ہو، وہ غلط ہے اور جو حقیقت کے مطابق ہو، وہ صحیح ہے، وہ نظام حکومت اور قانون عدالت میں نہیں۔ یہاں غلط وہ ہے، جو بے ضابطہ ہو اور صحیح وہ ہے جو باضابطہ ہو۔ ہمارے اصولیین نے بھی یہی لکھا ہے کہ قاضی اگر کسی مقدمہ کا فیصلہ اسلامی قوانین و ضوابط کے مطابق کر دے، تو چاہے وہ حقیقت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، شرعاً نافذ ہوگا، بلکہ بعض نے تو کہا ہے کہ "القضاء نافذ شرعاً و دیانۃً" یعنی، نہ صرف شرعاً بلکہ اللہ کے نزدیک بھی۔

ظاہر ہے کہ امام، امت کا قابل ترین فرد یا بہترین شخصوں میں سے ایک ہوگا جس کے ساتھ قرآن کی روشنی اور مشورہ کے لیے منتخب جماعت بھی ہوگی۔ پھر ساری امت کے ارباب علم و عقل بھی اصلاح کا خیال رکھیں گے۔ ان سب کے ہوتے بے ضابطگی تو ہو ہی نہیں سکتی اور عرفی غلطی کا بھی خطرہ کم رہ جاتا ہے۔

علاوہ بریں غلطی سے اس قدر خوف کیوں ہے؟ فطرت نے اس کو انسان کی سرشت میں اس واسطے رکھا ہے کہ وہ زیادہ چوکنا، ہوشیار اور خبردار رہے، اس لیے وہ انسان کی ترقی میں معاون ہے اور قصداً نہ ہو، تو اس سے جس قدر نقصان ہو جاتا ہے، بعض حالتوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچتا ہے، اور غلطیاں کر کر کے ہی لوگ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

(۶)

ایک شیعہ بزرگ نے فرمایا کہ مسئلہ امامت میں تم اسی نقطہ پر آ گئے، جو ہماری جماعت کا ہے، مگر واضح نہیں ہوا کہ امام منصوص ہونا چاہیئے، جیسا کہ شیعہ کا عقیدہ ہے، یا جمہوری، جیسا کہ سُنّی کہتے ہیں؟

ج : میں کسی فرقہ بندی کا قائل نہیں میں نے جو کچھ لکھا ہے، بلا خیال شیعہ یا سُنّی کے خالص قرآنی تعلیم کو لکھا ہے میں یہی سمجھ سکا ہوں کہ قرآن جو تمام مسلمانوں کی دینی کتاب ہے اور سب کے سب بلا استثناء اس پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی روشنی میں حسب اقتضائے زمانہ و ضرورت ملت کو چلائے اور اُن سے اطاعت لینے کے لیے زندہ امام ناگزیر ہے اور بلا اس کے اُمت کی اجتماعی زندگی کی کوئی صورت نہیں۔

رہا امام منصوص کا عقیدہ، تو اس کا ثبوت قرآن سے نہیں ملتا۔ اس لیے میں، امام متفق علیہ کا قائل ہوں یعنی جس پر جمہور امت اتفاق کرلے۔ شرط یہی ہے کہ وہ قرآن کا تابع ہو اور شوریٰ سے کام کرے۔

(۷)

انہوں نے پھر سوال کیا کہ متغلب بھی امام ہو سکتا ہے؟ اور خلفاء بنی اُمیہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

ج: میں کہہ چکا ہوں کہ امام وہ ہے، جو قرآن اور امت کے شوریٰ کے مطابق کام کرے۔ تغلب بھی امت کی شرکت ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے متغلب بھی امام ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ملت کا اس پر اتفاق ہو جائے۔

خلفاء بنی اُمیہ میں استبداد تھا اور وہ مسلمانوں کے بیت المال کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے، اس لیے وہ دُنیوی بادشاہ تھے، نہ کہ امام، بجز حضرت عمر بن عبد العزیز کے۔

(۸)

س: کیا ایک زمانہ میں کئی امام ہو سکتے ہیں؟

ج: ہرگز نہیں، کیوں کہ یہ قرآن کے خلاف ہے، نیز اس سے ملت کی وحدت فنا ہو جائے گی۔ ہاں، امام وقت کے ماتحت مختلف اقوام و ممالک میں ہزاروں امام بیک وقت ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآنی اصطلاح کے مطابق اولوالامر ہو جائیں گے۔

(۹)

س: موجودہ زمانہ میں، امامت نصب کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

ج: آج کل ملت کا صرف ۱/۴ حصہ آزاد ہے اور ۳/۴ غیروں کا محکوم۔ نصب امام آزاد مسلم قوموں کا فریضہ ہے، اور خوشی کی بات ہے کہ ان کا رُخ بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرکز قائم کریں۔

(۱۰)

س: ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس صیغہ میں کیا کرنا چاہیے اور امام نہ رکھنے کی وجہ سے تم ہم کو مسلمان بھی سمجھتے ہو یا نہیں؟

ج: یہ تو ظاہر ہے کہ ہم محکوم ہیں اور ہمارے اوپر وہ قوانین نافذ ہیں، جو حکمران قوم نے بنائے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم یہی کر سکتے ہیں کہ باہمی اختلافات کو چھوڑ کر قرآن کی طرف آئیں اور وحدت عمل پیدا کریں، اور چاہے ہم میں کتنی ہی جماعتیں اور جمعیتیں ہوں، لیکن ایک مرکزی انجمن جو آئین کے ماتحت ہو، متفقہ طور پر تمام ملت کے لیے ضروری ہے، جس کا رُکن ہر ہندی مسلم کو ہونا چاہیے۔ ملت کے اس باہمی ربط سے آئندہ کے لیے راستے کھلیں گے۔

باقی رہا ہندوستان کے مسلمانوں کے اسلام یا کفر کا سوال، تو میں اس قسم کے فتووں کو ناروا جرأت

سمجھتا ہوں ۔ میرے نزدیک یہاں جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے ، وہ مسلمان ہے اور جو نہ کہے ، وہ نہیں ہے ۔ میں خود بھی ہندوستان ہی کی ، اپنے آپ کو مسلمان کہنے والی جماعت کا فرد ہوں ، جو سب کا حال ہے ، وہی میرا حال ہے ۔

وَمَا اَنَا اِلَّا مِنْ غَزِیَّۃَ ، اِنْ غَوَتْ
غَوَیْتُ ، وَاِنْ تَرْشُدْ غَزِیَّۃُ اَرْشُدٖ

مطبوعاتِ اُمّتِ مُسلمہ

اسلام اور حریت ومساوات

اس موضوع پر جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے اور جناب میرزا بشیر الدین محمود قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ ۔ قابلِ مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے ۔ قیمت ۸؍ علاوہ محصول ڈاک ۔

تعلیمات قرآن

مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری ۔ یہ بے نظیر کتاب اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے ۔ کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے "تعلیماتِ قرآن" اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے ۔ آج تک کسی زبان میں قرآن حکیم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ۔ حجم ۲۲۸ صفحات ۔ تقطیع بڑی ۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ قیمت دو روپے علاوہ محصول ڈاک ۔

بُرہان القرآن

یہ کتاب اُن تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب مدیر اہلحدیث اور حضرت خواجہ احمد دین صاحب کے درمیان ہوئے ۔ اس میں اہلحدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کر دیا گیا ہے ۔ کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں ، اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں ۔ قیمت ۸؍ علاوہ محصول ڈاک ۔

مطالعہ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں

ایک ممتاز گریجوایٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے ، وہ اس قابلِ قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ صفحات ۱۷۵ کے قریب ۔ قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک ۔ پتہ : مینیجر بلاغ ، امرتسر

بلاغ امرتسر

قربانی سے

(جون ۱۹۳۵ئہ کی اشاعت میں) اعتراضات لیے ہیں۔ میں بحث و مباحثہ کو تو مکروہ جانتا ہوں، مگر چونکہ یہ سورۂ کوثر کے متعلق اور قرآن مجید کی ایک سورہ کی تحقیق ہے، جو بغایت ضروری ہے، تاکہ بندے حکم ربانی کی تعمیل کر سکیں، اس لیے باوجود کہ آنکھ کی روشنی اور ضعفِ پیری اجازت نہ دیتا تھا، مگر کچھ خاموشی کے بعد مجھے کچھ لکھنے کا فیصلہ کرنا ہی پڑا۔ اگر مولانا سے میں اتفاق کرتا، تو اس کے تسلیم میں میں پس و پیش نہ کرتا، کیوں کہ میں مسلمان ہوں، حق کے آگے سر جھکانے والا۔ حق جان کر اختلاف کرنا تو اسلام سے نکل جانا ہے، وَکذّب بالصدق اذ جاءہ میں داخل۔

مولانا کے اعتراضات سے چند امور تحقیق طلب ہو گئے:

(۱) سورۂ کوثر کے مورد تو رسول ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم) مگر اس کے مامور رسول ہیں، یا سارے مسلمان؟

(۲) کوثر کے معنی کیا ہیں؟

(۳) سورۂ کوثر میں فَصَلِّ خدا کس نماز کو فرماتا ہے؟

(۴) نحر کیا صرف اونٹ کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں، یا اونٹ گائے سب کو؟

(۵) نحر کا حکم حج کی قربانی کی نسبت تو ہے نہیں، جیسا کہ مولانا نے بھی فرمایا ہے کہ یہ حکم خاص رسول کو ہے تو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تعمیل کب کی اور کس طرح کی؟ شکریہ کی نماز تو اکیلے میں بھی ہو سکتی ہے، مگر قربانی تو بالاعلان ہوئی ہوگی کہ یہ حوض کوثر کے عطیہ کا شکریہ ہے؟

(۶) کیا قرآن مجید کو ظنیات سے پابند یا محدود کرنے سے ہدایت قطعی رہے گی، یا ظنی ہو جائے گی؟

(۷) قرآن کی تفسیر قرآن ہی کرتا ہے، اس کے مولانا بھی غالباً قائل ہیں، پھر کوثر کی تفسیر قرآن ہی سے مولانا فرمائیں، تو بہتر ہو کہ کوثر کے معنی حوض کوثر کے ہیں؟

حل طلب نمبر (۱) کا حل

(۱) قرآن مجید کی یہ روش ہے کہ احکام و ہدایات کے مخاطب بظاہر رسولؐ ہیں، مگر حقیقت میں اس کے ستا

...ا مورمیں۔ مثلاً یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء الخ خدا نے رسول کو مخاطب
...ے مسلمانوں کو۔ فاعرض عمن تولی عن ذکرنا، یا فاصبران وعد اللہ حق
...بک الخ یا یا ایھا النبی جاھد الکفار۔ اسی طرح یا ایھا الذین امنوا۔ اس کا
...تاکل کے مسلمانوں کو بھی ہے، اگرچہ ماضی کا صیغہ امنوا استعمال ہو رہا ہے اور جہاں جہاں خاص
...اطب ہیں، وہاں تخصیص فرمادی ہے۔ جیسے نافلۃ لک یا خالصۃ لک من دون المؤمنین۔
...سی طرح خاص عورتوں کے اوامر و نواہی میں ازواج نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سب داخل ہیں، اور جہاں مخصوص ہیں
وہاں خاص کردیا ہے، جیسے یا نساء النبی۔ اور بعض جگہ طرز کلام خود ظاہر کردیتا ہے، ورنہ بالعموم ایسا ہی ہے
کہ مخاطب رسول ہیں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور مقصود عام ہے۔

(۲) اعطیناک الکوثر میں کوثر کے معنی اگر وہ لیے جائیں، جو مولانا فرماتے ہیں، یعنی حوض کوثر،
تو حوض کوثر پر قبضہ تو قیامت کے بعد ہوگا اور خدا نے اعطینا فرمایا تو یہ ہبہ ہُوا اور ہبہ میں قبضہ ضرور ہے۔
بغیر قبضہ کے ہبہ نہیں۔ اس لیے کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں، جو عربی زبان ہے۔ (لسان العرب اور امام
رازی رح کی تفسیر ملاحظہ ہو)۔ اکثر زبان دان اساتذہ نے یہی معنی لیے ہیں، جو میں نے لکھے ہیں، اور حوض کوثر
کا معنی، تو احبار پرستوں نے لیا ہے۔ دوسرے قرآن عربی زبان میں نازل ہُوا ہے، جو قوم کی زبان تھی۔ خاص
زبان میں نازل نہیں ہوا ہے، اگر حدیث جمع نہ ہوتی تو سورۂ کوثر تشنۂ معنی رہ جاتی۔

(۳) فصل سے کونسی نماز خاص رسول سے مطلوب ہے؟ اگر حوض کوثر کے شکریہ کی نماز مطلوب ہے،
تو کیا شکریہ قبل از انعام ہے؟

اگر کوثر کے معنی خیر کثیر کہئیے، جب تو صاف ہے کہ رسول ؐ کو بالخصوص اور مسلمانوں کو بالعموم خدا نے
نعمتوں سے مالامال کیا ہے کہ اتممت علیکم نعمتی۔ اس کا شکریہ بہ تخاطب رسول مطلوب ہے،
روحانی و مالی۔ اتممت علیکم میں رسول بھی داخل ہیں اگرچہ کُمْ کی ضمیر کہہ رہی ہے کہ مخاطب اُس زمانہ
کے مسلمان ہیں۔

(۴) نحر، اونٹ کے ذبح کرنے کو بھی کہتے ہیں، مگر صرف اونٹ کے ذبح کرنے کو نہیں کہتے، جیسا کہ
لسان العرب نے لکھا ہے، نحر البُدنات اور بُدن میں اونٹ گائے سب داخل ہیں۔

(۵) اگر یہ حکم خاص رسول صلعم کو ہوتا، تو رسول صلعم خاص کرکے عطیہ حوض کوثر کے شکریہ کی قربانی ادا
فرماتے، مگر ایسا نہ کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے مخاطب رسول ہیں اور حکم عام مسلمانوں کو ہے۔

جیسا کہ عمل متواترہ سے ثابت ہے کہ ہر فرقہ کے مسلمان عید اضحیٰ کی قربانی کرتے ہیں اور کرتے چلے آرہے ہیں۔

ہی سے دسویں ذی الحجہ کو یوم النحر بھی کہتے ہیں (لسان العرب) یہی آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا اور اس کی تعمیل فرمائی اور اسی کی تعمیل سارے مسلمان کرتے چلے آرہے ہیں۔ تفسیر امام رازی ملاحظہ ہو کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہی سمجھا اور فرمایا کہ سورۃ کوثر میں عید اضحیٰ کی نماز و قربانی کا حکم ہے۔ صرف میں نے ہی نہ سمجھا، بلکہ ایک بڑے امام نے بھی یہی سمجھا، جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے نماز ہے، اس کے بعد قربانی ہے۔ اسی پر متواتراً قوم کا عمل ہے۔ اس عمل متواتر سے بھی صاف ثابت ہے کہ آں حضرتؐ نے یہی سمجھا، اسی پر عمل کیا، اور اسی پر قوم عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ ایک جگہ نہیں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سب کے سب دو رکعت پڑھ کے قربانی کرتے ہیں۔

(۶) اگر کوثر کے معنی حوض کوثر کے لیے جائیں، تو قرآن مجید کو ظنیات سے پابند کرنا ہوگا اور قرآن کی تعمیم کو تخصیص کرنا ہوگا جس کا کوئی مجاز نہیں اور ایسا کرنے سے قرآن ظنی ہو جائے گا، اور اس کی قطعیت ہی کھو جائے گی ظنیات البتہ قرآن کے پابند ہیں۔ اس کے علاوہ اعطینا ماضی کا صیغہ ہے اور حوض کوثر مستقبل میں عطا ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا جو دے چکا، اس کو فرمارہا ہے۔

(۷) قرآن مجید کی تفسیر قرآن ہی سے کرنا چاہیے۔ ثم ان علینا بیانہ جس کے غالباً مولانا بھی قائل ہیں، اس لیے کوئی آیت پیش کرنی چاہیے، جو کوثر کی تفسیر کردے کہ اس سے خدا نے حوض کوثر مراد لیا ہے، مگر مجھے سارے قرآن میں کہیں حوض کوثر کا پتہ نہ لگا، بلکہ شاید کوثر کا لفظ بھی قرآن میں اس سورہ کے سوائے کہیں ہے نہیں۔

انا اعطیناک الکوثر ان شانئک ھو الابتر کا جواب ہے، یعنی دشمن جو کہتے ہیں کہ تم تباہ ہوگئے، نہیں ہرگز نہیں، تباہ یا مقطوع النسل تو وہ ہوں گے۔ تم کو تو خدا نے بہتیری نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ من جملہ ان کے دیکھ لو کہ دشمن کا تو نام و نشان بھی مٹ گیا اور آج اسلامی دنیا سارے جہان میں پھیلی ہوئی ہے۔

یہ تو حل طلب امور کے متعلق میں نے اپنا ناچیز خیال ظاہر کیا، اس کے علاوہ میرا خیال یہ ہے، جیسا کہ میں نے شرعۃ الحق میں قرآن کی آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ دین خدا کے نزدیک ایک ہی ہے، اسلام ہی۔ یہی دین سب پیغمبروں کو دیا گیا۔ سارے پیغمبر مسلمان تھے، سب کی شریعت ایک تھی، شرع لکم من الدین الخ چوں کہ شریعت بر بنائے فطرت ہے، اس لیے نہ فطرت بدلتی ہے، نہ شریعت بدلتی ہے۔

بہتیری آیتیں شرعۃ الحق میں دی ہوئی ہیں، دوہرانا طوالت طلب ہے۔ غرض یہ ہے کہ قربانی کا حکم ساری قوموں کو بذریعہ سارے رسولوں کے دیا گیا ——— قرآن کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

ایک قربانی تو حج کی ہے، لیذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (سورہ حج) قربانی کے ایام معلوم میں یعنی حج کے دنوں میں چارپایاں مویشی کے ذبح کے وقت جو خدا نے اُن کو دیے ہیں، اُن پر خدا کا نام لیں۔ اس میں بھی اونٹ کی قید نہیں۔ یہ قربانی تو حاجیوں پر فرض ہوئی۔ اس کے بعد کی آیت میں خدا دوسری قربانی کو بتا رہا ہے، جو غیر حاجیوں پر ہے اور ہر مسلمان پر جو قدرت رکھتا ہو۔ خدا نے فرمایا، لکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام ہم نے ہر ایک اُمت پر قربانی لازم کردی ہے، تاکہ جو چارپائے مویشی رزق بنا کر خدا نے اُن کو دیے ہیں، اُن کے ذبح کے وقت اُن پر خدا کا نام لیں۔ پہلے حج کی قربانی کو بتایا، پھر اس قربانی کو۔

جب یہ قربانی ہر اُمت پر فرض تھی، تو اسی کو خدا نے مسلمانوں پر فرض کردیا۔ ما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین للناس ما نزل الیھم کے اصول پر خدا نے فرمایا، انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر، یعنی ہم نے تم کو اتنی ساری نعمتیں دیں کہ تم پر نعمت تمام کردی، تو تم سب سے زیادہ مستحق اس ادائے شکر کے ہو۔ چوں کہ لوگوں نے قربانی میں شرک کو داخل کردیا تھا، اس لیے لربک فرما کر اُس کی صحت کردی۔ رسول علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اس فرض کو جب ادا کر سکے تو عید اضحیٰ کی صورت میں ادا کیا کہ پہلے نماز شکر کی پڑھ لی، تو قربانی شکریہ کی ادائی، روحانی و مالی دونوں۔ میں نے صل کے معنی نماز عید اضحیٰ نہیں لکھا ہے۔ صلِ کے معنی نماز پڑھو میں نے لکھا ہے ——— یہ اتہام ہے، ممنوع قرآنی۔ ہاں نماز کے بعد قربانی چوں کہ عید اضحیٰ میں ہوتی ہے، اس لیے اس صلوٰۃ سے وہی اضحیٰ کی صلوٰۃ سمجھی جائے گی۔ یہ صلوٰۃ کے معنی لغوی نہیں ہوئے۔

ہاں توریت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ محرف توریت میں تلاش کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید جو مھیمنا علیہ ہے، اس کا شاہد ہے۔

خدا نے فرمایا، واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ الخ (اور یاد کرو جب کہ موسیٰ نے قوم سے کہا کہ خدا تم کو گائے کی قربانی کا حکم دیتا ہے۔ سورۂ بقر آٹھواں رکوع ملاحظہ ہو) یہ حکم سن کر قوم نے حسب عادت کرید نا شروع کیا کہ گائے کیسی ہو۔ تو خدا نے فرمایا کہ وہ گائے یا بیل نہ تو بوڑھا ہو، نہ بچھڑا، بلکہ درمیان کا یعنی جوان ہو۔ رنگ زرد ہو۔ اس کو واضح کردیا کہ خوش رنگ ہو کہ لوگوں کو اس کا رنگ خوش نما معلوم ہو۔ اور وہ کام میں لگا ہوا نہ ہو۔ نہ زمین جوتتا ہو، نہ کھیت میں پانی پٹاتا ہو، نہ اس میں

کسی طرح کا داغ ہو۔ بقر میں گائے بیل دونوں داخل ہیں، مگر گائے چوں کہ نہ زمین جوتتی نہ پانی پلاتی ہے، اس لیے صاف ہوگیا کہ خدا کا مطلب گائے کی قربانی سے ہے۔ اسی لیے ساری ضمیر مونث کی استعمال ہوئی مثلاً ماھی، انھا بقرۃ، مالونھا، صفرا، فذبحوھا، یہی صفات تو ہیں جو عید اضحیٰ کی قربانی کے لیے درکار ہیں اور ان ہی باتوں کا خیال قربانی کرنے والوں کو کرنا چاہیے۔ خیرات اور قربانی تو بہتر ہی چیز کی کرنی چاہیے، جو پسندیدہ ہو "سڑی گائے برہمن کو دان" اسلام میں نہیں ہے۔

اس کے بعد اس مذبوحہ قربانی کے اعضا سے کام لے کر خدا نے اپنی ایک خاص قدرت کا اظہار فرمایا ہے، جو دوسرے رکوع میں اس کے بعد بیان ہوا ہے۔ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اس قدرت کے اظہار کے لیے ہم نے گائے کی قربانی کا حکم دیا ہے، کیوں کہ یہ حکم قوم کو دیا گیا۔ حکم قومی ہے شخصی نہیں[1]۔ ولکل امۃ جعلنا منسکا الخ جو آیت اوپر دی گئی ہے، اس آیت کے رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی چار پائے مویشی کی قربانی فرض تھی، مگر اس آیت میں آپ کو گائے کی قربانی کا حکم خاص کر کے اس لیے دیا گیا کہ سامری نے گئو پوجا کی رسم ایجاد کی تھی۔ اس کا یہ علاج تھا، جیسا کہ ہندوستان میں دیکھا جا رہا ہے۔ اسی بنا پر لوگوں نے عید اضحیٰ کو بقر عید کہنا شروع کر دیا، جو بہت زیادہ رائج ہوگیا اور اسی لیے دسویں ذی الحجہ کو یوم النحر بھی کہتے ہیں۔ (لسان العرب) اس لغت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نحر اونٹ ہی کی قربانی کو نہیں کہتے، عید اضحیٰ یعنی یوم النحر میں اونٹ ہی قربانی نہیں کیا جاتا، بلکہ بَھِيْمَةُ الْاَنْعَامِ، چار پائے مویشی۔

میں نے آیت اوپر دے دی ہے کہ ہر امت پر قربانی فرض تھی، لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا الخ تا کہ خدا نے جو انہیں رزق چار پائے مویشی کی دی ہے، اس کے شکریہ میں چار پائے مویشی کی قربانی کیا کریں، تو کیا مسلمان اس سے بری کیے گئے۔ اگر بری نہ کیے گئے، تو قربانی کی پھر کونسی آیت سورۂ کوثر کے سوا نازل کی؟ کیوں کہ حج کی قربانی تو رکن حج ہے اور مخصوص حاجیوں پر ہے، ساری امت پر نہیں۔ اگر اس سورۃ کو مکی ظنی کو قطعی سمجھ کر مان بھی لیں، تو کیا ہوا؟ جب مجبوری نہ رہی ہوگی، اس وقت اس کی تعمیل ہوئی ہوگی، کیونکہ مجبور ماخوذ نہیں۔ پھر یہ عید اضحیٰ کی قربانی کس سن سے جاری ہوئی۔ اس کی مجھے تحقیق نہیں اور نہ اب تحقیق کا سن رہا۔ میں اس کو نہ سمجھ سکا کہ احکام ربانی میں کیا زمان و مکان کی قید لازمی ہے کہ روزہ رمضان کے مہینہ میں رکھو، تو فلاں جگہ ہی میں رکھو۔

---

[1] اس کے سوائے میرے نزدیک گائے کی قربانی کو قتل نفس سے جو دوسرے رکوع میں ہے، کوئی تعلق نہیں۔ لوگوں نے غلط سمجھا ہے اور ضمیر فاضربوہ ببعضھا کو غلط پھیر لیا ہے۔

کیا مکان کی قید ضروری ہے کہ قربانی کی نسبت جگہ کی تلاش ہے؟

آخر میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مجھ پر جو یہ حملہ کیا گیا ہے کہ میں نے قرآن کو مروجہ رسوم کی حمایت کا آلۂ کار بنایا ہے۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ میری ساری تصنیفیں اس کی شاہد ہیں۔ حمایتِ رسوم نہ میری فطرت میں، نہ میرے مسلک میں، نہ میری نیت میں۔ ہاں، اختراع اور نئی نئی باتوں سے نہ میں شہرت کا طالب۔ نہ فرقہ بندی میں اضافہ کر کے فرقہ بنانے والا ہوں اور نہ حکومت اور ہندوؤں کے دباؤ یا محبت یا ربط یا استفادہ کے خیال سے کسی حکمِ ربانی یا حقوق انسانی سے دست بردار ہونے کو جائز اور محمود سمجھتا ہوں، کیونکہ فرقہ شکنی میرا مسلک ہے، مگر نیا فرقہ قائم کر کے نہیں بلکہ اسلام میں جو لوگوں نے بغیًا بینھم کا مظہر بن کر اسلام خالص کو مسخ کر دیا ہے، اس کی اصلاح کر کے اور آمیزشوں سے اسلام کو پاک کر کے۔

خیر میرا وقت تو پورا ہو چکا اور اس دنیا میں مجھے جو کرنا تھا وہ کر چکا۔ اب احباب کو اجازت ہے، وہ خوشی سے مجھے برا بھلا کہیں اور اپنی مغرورانہ روش سے اور اختراع و جدت پیدا کر کے نئے فرقہ کی بنیا دقائم کرتے رہیں، نام و نمود کے شیدا ہوں، مجھے اس کے متعلق اب کچھ لکھنا اور تُوتُو مَیں مَیں میں پڑنا نہیں ہے۔ چلتے چلتے اتنا کہہ دیتا ہوں۔

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جا است

زیادہ کچھ لکھنا اور تحریر کو طول دینا بوجوہات فضول ہے۔

بلاغ: افسوس ہے، اس مضمون کا بیشتر حصہ صرف اس وہم پر مبنی ہے کہ مولانا اسلم نے اپنے مضمون "قربانی" (بلاغ جون ۳۸ء) میں کوثر کے معنی "حوض" مراد لیے ہیں۔ دراں حالیکہ مولانا نے یہ معنی کہیں نہیں لکھے۔ اگر سید صاحب کو یہ غلط فہمی نہ ہوئی ہوتی، تو مضمون بالا کی روش کچھ اور ہوتی۔ بہتر ہو کہ سید صاحب، مولانا موصوف کے مضمون کو ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں اور اگر اس کے مطالعہ ثانی سے اُن کی رائے تبدیل ہو سکے، تو ہم اُن کی فکر و تحقیق کو کماحقہٗ سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اللہ کی نعمتیں

فاذکروا آلاء اللہ لعلکم تفلحون ؏

(پس اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ)

خدا نے ہمیں دیں بڑی نعمتیں
ہمیں چاہیے شکر اُس کا کریں

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ہر وقت ذکر کرنا چاہیے۔ نعوذ باللہ اس لیے نہیں کہ کسی کے سامنے بڑائی کے دکھائیں، بلکہ اس لیے کہ اس منعم حقیقی کی تعریف کریں اور اپنے فقیر ہونے کا اقرار۔ مبلغین اور مصلحین کے واسطے انعاماتِ الٰہی کا تذکرہ بے حد ضروری ہے، تاکہ لوگوں پر یہ بات واضح کر دیں کہ ہمیں تم سے کوئی توقع نہیں اور نہ کوئی اجر ہی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل سے سب کچھ عطا کر رکھا ہے۔ ہم جو کچھ تمہیں سُناتے ہیں، خالص خدا کی خاطر سناتے ہیں ــــــ "اما بنعمۃ ربک فحدث" کا فرمان اسی حکمت کی بنا پر ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دل سے، و عمل سے شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ شکر یعنی قدر دانی سے اللہ کے انعامات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ولئن شکرتم لازیدنکم (اور اگر تم قدر کرو گے تو میں (خدا) تمہیں اور دُوں گا)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھے، وہ اس کے سوائے کسی اَور سے نہیں ڈرے گا۔ بنی اسرائیل خدا کے خوف سے عاری تھے، بلکہ غیر خدا سے ڈرتے تھے اور یہ اس لیے تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے انعامات کو بھول چکے تھے۔ مسلمان بھائیو! تم بھی اللہ کی نعمتوں کو یاد کیا کرو، پھر تمہیں غیر اللہ کا کوئی خوف نہ ہوگا۔

اللہ کی نعمتیں اس قدر اَن گنت ہیں کہ اُن کا احاطہ کرنا ہمارے لیے قطعاً ناممکن ہے: "ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا"، تاہم جتنی نعمتوں کا ذکر اور اُن نعمتوں کے عطا کرنے والے کا جس قدر شکر کیا جائے وہی غنیمت ہے۔

ذیل میں اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو یاد کیا گیا ہے، جو سورۃ "الرحمٰن" میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالے

نے اس سورۃ مبارکہ میں اپنے انعامات جتلائے ہیں۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ ہم ان نعمتوں کی کیا قدر کر رہے ہیں۔ وہ انعامات یہ ہیں:

الرحمٰن ہی ہے، جو اپنی بے مثال رحمت سے تمام کی تمام نعمتیں بخشتا ہے۔ وہ "ابتداءً رحمت کے بنیادی سامانوں کو پیدا کرنے والا اور بغیر کسی مقدم حق کے انسان کے لیے رحمت کے سامان تیار کرنے والا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ صحیفۂ فطرت کو حق کے مطابق نہ بناتا اور اس میں حق کے نشان نہ رکھتا۔ تو انسان حق سے خالی رہتا۔ بلکہ حق کے مطابق تیار نہ ہونے سے خود بھی وجود نہ پاتا۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ سورج اور چاند نہ بناتا، زمین و آسمان پیدا نہ کرتا اور سانس لینے، کھانے پینے اور آرام پانے کے سامان نہ دیتا، تو انسان کا وجود و قیام محال ہوتا"[1]

"رحمٰن کی سب سے مقدم رحمت[2] قرآن ہے، جس کا علم رحمٰن نے صحیفۂ فطرت میں رکھا ہے اور اس کو فطری نشان بنایا ہے[3]"

اللہ تعالیٰ نے قرآن یعنی فطری فضا کو پیدا کر کے انسان (جن و انس) کو بنایا۔ اس سے قبل وہ شئی مذکور ہی نہ تھا، کسی شئی کو عدم سے وجود میں لانا رحمٰن ہی کی رحمت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ گویائی بھی بخشی یعنی "تشریح و تفصیل کرنے کی طاقت دی" انسان کے لیے سورج اور چاند بنائے۔ اُن کی گرمی اور روشنی، ان کا حساب سے چلنا اور ہر وقت کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور ان میں رس کا پیدا ہونا، یہ سب خدا تعالیٰ کے کتنے بڑے انعامات ہیں! پودے اور درخت، دانے اور پھل سے بھرپور ہو کر سربسجود ہیں اور ان کے خوشے اور گچھے زمین کے قریب ہو گئے ہیں۔

نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ہر طرف بلند کیا اور اس میں میزان (یعنی ترازو) رکھ دی۔ کارخانۂ قدرت میں ہر کام اندازے سے ہو رہا ہے"۔ صرف سورج اور چاند ہی حساب کے مطابق نہیں چلتے، بلکہ اس آسمان میں تمام سیارے

---

[1] بیان للنّاس منزل ہفتم صفحہ ۱۵۰، ۵۰۔

[2] "رحمت" بڑی سے بڑی نعمت ہے۔

[3] "عَلَّمَ" کے معنی ہیں، سکھایا، یا نشان بنایا۔ قرآن، لوح محفوظ یا کتاب مکنون میں، انسان کی پیدائش سے پہلے ہی موجود ہے۔ اسی کے مطابق خدا تعالیٰ نے آسمان و زمین کو بالحق پیدا کیا اور پھر اسی فطرت اللہ کے مطابق انسان کو بنایا"
(بیان للنّاس منزل ہفتم صفحہ ۱۵)

اور دیگر اشیاء، میزان ہی کے ساتھ چلتی ہیں"

قدرت کی باضابطگی، انسان کی حرکات و سکنات کو باقاعدہ بنا دیتی ہے، تاکہ لوگ بے قاعدگی سے بچ جائیں اور اندازہ لگانے میں، افراط و تفریط سے کام نہ لیں اور انصاف کو مدّنظر رکھیں۔ اگر ستارے اور سیارے، سورج اور چاند، دن اور رات، ہوائیں اور بارشیں، پھل اور اناج اپنے، اپنے مقررہ اوقات چھوڑ دیں، تو انسان کے سب کے سب کام تہ و بالا ہو جائیں، بلکہ خود انسان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔

باری تعالےٰ نے زمین خلقت کے لیے بنائی۔ اس میں ہر قسم کے خوش ذائقہ میوے اور غلاف والی کھجوریں موجود ہیں۔ اناج اور غلّے کی کثرت ہے، دل لبھانے والی خوشبو دار بوٹیاں، پھل اور پھول دنیا کے چپے چپے میں پائے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! قسم قسم کی خوشبو سے دل و دماغ کس قدر معطر ہو رہے ہیں!

باری تعالیٰ (عزّ اسمہٗ) نے دو طرح کے انسان بنائے۔ ایک وہ جو بُردباری اور نرمی کے خوگر ہیں اور دوسرے وہ جو شراروں کی طرح جوشیلے ہیں۔ ہر دو قسم کے گروہ اپنی اپنی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ اس جدّوجہد میں دونو فریق روز بہ روز ترقی کر رہے ہیں۔ اگر کش مکش حیات، دنیا سے مفقود ہو جائے، تو تمام انسان (جن و انس) مُردے ہو کر رہ جائیں۔ زندگی کا راز سعی و کوشش ہی میں نہاں ہے۔

تمام کائنات کی تربیت اللہ تعالیٰ ہی کر رہا ہے، خواہ اُس کی مخلوق مغرب میں ہو یا مشرق میں، شمال میں ہو، یا جنوب میں، اگر ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حصہ دار ہوتا، تو مخلوقات مطلق ترقی نہ پاتی، بلکہ فوری تنزل کا دَور دَورہ ہو جاتا۔

قدرت کے عجائبات دیکھو۔ دو سمندر ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اُن میں کوئی مادّی حد موجود نہیں۔ بایں ہمہ دونوں کے پانی کے ذائقوں میں فرق ہے اور دونوں کی پیداوار ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک سے موتی نکلتے ہیں، تو دوسرے سے مونگے[۵] قربان جائیں پیدا کرنے والے کے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین

سمندروں میں اونچے اونچے بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں اور لوگ اُن سے طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے ذریعے بّری و بحری نعمتیں انسان تک دنیا کے کونے کونے میں پہنچ رہی ہیں۔ اس دنیا میں انسان عمر بھر محنت میں لگا رہتا ہے (لقد خلقنا الانسان فی کبد)۔ اس مشقت کی زندگی کے بعد وہ عالم آخرت کی طرف رحلت کرتا ہے اور دنیا کی تکالیف و محن سے خلاصی پاتا ہے۔ اس لئے موت بھی ایک عالی شان نعمت

[۵] "مثلاً خلیج فارس سے موتی اور ہندوستان کے مغربی ساحل سے مونگے آتے ہیں اور یہ دونوں سمندر ملے ہوئے ہیں۔
(بیان للناس منزل ہفتم صفحہ ۷۵)

ہے۔ سچ ہے:

نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا؟

فانی چیز کے لیے فنا ہونا ہی زیبا ہے اور جو باقی رہنے والا ہو، اُسے باقی رہنا ہی سجتا ہے پس اللہ بزرگ و برتر ہی ہمیشہ رہے گا ——— فللہ الحمد۔

کس قدر خوش قسمتی کی بات ہے کہ باقی رہنے والا صرف وہ ربّ ہے جس کے ساتھ تمام مخلوقات کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ ہر کوئی اُسی کا سوالی ہے اور وہ ہر وقت مخلوق ہی کی بھلائی کے کاموں میں لگا ہوا ہے اور کبھی نہیں تھکتا۔ اس خالق ارض و سماء کے سوا ہمارا کوئی رازق نہیں (یا ایھا الناس اذکروا نعمۃ اللہ علیکم؛ ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض؟ لا الٰہ الا ھو، فانی تؤفکون؟)

ربِّ رحمٰن جن و انس کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ رب کا اپنے بندے کی طرف توجہ کرنا اور اسے علم و ہدایت دینا کتنی بڑی نعمت ہے!

اے جن و انس کی جماعت! زمین اور آسمان کے اندرون کا مطالعہ کرو اور دلیل و برہان کے ساتھ اس کی گہرائیوں تک پہنچ جاؤ۔ تمہاری عقل تو آسمان اور زمین کے اندرون تک پہنچ سکتی ہے لیکن جسمانی طور پر وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہاں پر آگ کے شعلوں اور پگھلے ہوئے تانبے سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن پر انسان غالب نہیں آ سکتا۔ پس علم و عقل سے ان میں چھپی ہوئی اشیاء سے فائدے حاصل کرو۔

زلزلے بھی رحمان کی رحمت اور نعمت ہیں کہ زمین کی کئی مدفون چیزیں باہر آجاتی ہیں اور ان سے لاکھوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جس وقت آسمانی عناصر میں ہل چل مچتی ہے، تو یہ زمین بھی (جو آسمان ہی کا ایک حصہ ہے) متزلزل ہو جاتی ہے، آتش فشاں پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔ ان پہاڑوں سے آسمان کی طرف شعلے اُٹھتے ہیں۔ فضا میں ہر طرف سُرخ سُرخ دھواں نظر آتا ہے۔ غرض کہ حشر برپا ہو جاتا ہے اور کئی بستیاں آن کی آن میں تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ان بستیوں کی قیامت اُسی وقت قائم ہو جاتی ہے۔ اس وقت جن و انس سے بیانات نہیں لیے جاتے، کیوں کہ ان میں سے جو مجرم ہوتے ہیں، اُن پر اُن کی سیہ کاریوں کے نشانات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ پس جہنم ان روحانی مریضوں کو ماتھے کے بالوں اور پیروں سے جکڑ لیتی ہے۔ پھر یہ بیمار جہنم کے دارالعلاج میں داخل کر دیے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ لوگ روحانی شفاخانے کے وجود کے منکر تھے، لیکن اب اس شفاخانہ کو نعمت سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ضرورت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ وہ دیکھو! شفاخانۂ جہنم کی جلتی ہوئی دواؤں سے اپنا علاج کرا رہے ہیں اور مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔

سیہ رُو تو واصل جہنم ہوئے۔ اب نیکو کاروں کا حال سُنو:

پروردگار سے ڈرنے والے اعلیٰ درجے کے جنتی ہیں۔ اُن کے لیے دو عظیم الشان جنت ہیں۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے پودے اور پیڑ ہیں۔ ان میں دو چشمے جاری ہیں۔ اور ہر ہر میوے سے دو دو قسمیں ہیں جنتی لوگ مخملیں بچھونوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ پھل اور میوے اتنے قریب ہیں کہ فرش پر بیٹھے بیٹھے توڑ لو اور مزے سے کھاؤ۔ انہیں بچھونوں پر جنتیوں کی وُہ باعصمت بی بیاں بیٹھی ہیں، جو باوجود ہر قسم کی آزادی کے غیروں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کی، نیک مردوں اور عورتوں کو کثیف جسم سے پاک کر کے لطیف جسم عطا کیا اور ان جنتی شوہروں اور جنتی بی بیوں کو باہم ملا دیا۔ ان کی اس ملاقات سے پہلے کسی جن یا انس نے اُن کو چھوا نہیں۔ جنتی عورتیں ہیرے اور موتی کی مانند چمکتی ہیں —— یقیناً نیکی کا بدلہ ہمیشہ نیک ہوتا ہے۔

خدا کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اس سے نیچے دو جنت اَور ہیں۔ ان میں گھنے گھنے درخت ہیں۔ دو چشمے بھی پھوٹ رہے ہیں۔ ان میں ہر قسم کے میوے اور بالخصوص کھجور اور انار ہیں۔ وہاں نیک عمل خوش شکل بی بیاں ہیں، جو حیا کی وجہ سے خیموں سے باہر نہیں نکلتیں۔ اپنے جنتی شوہروں کے پاس پہنچنے سے پہلے کسی جن و انس نے ان کو بھی نہیں چھوا۔ وہ اس جنت کے سبز قالینوں اور خوبصورت عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھی ہیں۔

اب بتاؤ پروردگارِ عالم کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ (فبایّ آلآء ربکما تکذّبان) ان نعمتوں کو نعمتیں سمجھنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ منعم خود تو بے نیاز ہے، تم ہی حاجت مند ہو۔

الحاصل ان بے انت اور اَن گِنت نعمتوں کا عطا کرنے والا پروردگار بڑی برکت والا ہے، وُہ بڑے رُعب والا ہے اور وُہی اکیلا اپنے بندوں کا محسن ہے۔		(علم الدین)

وام مارگ

خطرناک آلات کے فنونِ لطیفہ

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے۔ امرتسری)

(۲)

بیکس" یعنی شراب کا دیوتا علم الالسنہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اہلِ یورپ بالخصوص یونانی، رومی، اہلِ ایران اور ہندوستان کے آریا ایک ہی نسل سے ہیں اور کسی نامعلوم زمانے میں اُن کے بزرگ ایک ہی جگہ بود و باش رکھتے تھے۔ محققین اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ ان کا مرکزی قیام کہاں تھا۔ پنڈت بال گنگا دھر تلک کی رائے ہے، جسے اب بحرِ منجمد شمالی کہتے ہیں، یہی مقام آریا نسل کا ابتدائی وطن ہے۔ چوں کہ ہر دس ہزار سال کے بعد کرۂ ارض پر موسمی انقلاب وارد ہوتا ہے، اس لیے اُن ایام میں دائرہ منجمد شمالی منطقہ معتدلہ ہوگا۔ محققین یورپ کی رائے ہے کہ وسط ایشیا اصلی مقام ہے۔ ہماری رائے ہے کہ کوہ قاف کے جنوبی حصۂ کوہستانی اور میدانی علاقہ میں آریا کا مرکزی مقام ہونا چاہیے۔ اپنے مرکزی مقام میں آریا بزرگ جس مذہب سے واقف تھے، اُس کا سُراغ ویدوں اور ژند اوستا اور یونانی اور رومی اساطیر الاصنام میں ضرور ملے گا۔ ویدوں کے مطالعے سے جن دیوتاؤں اور اُن کے اوصاف کا پتہ چلتا ہے، وُہی کچھ یونانی دیوتاؤں کی کیفیت ہے، جو "ہومر" کی نظموں میں محفوظ ہے۔ یونانی دیوتا "ڈائی ین سی ایس" (DIONY SI-US) جس کا دوسرا مشہور نام "بکیس" (BACCHUS) ہے، ہندوستان کے مہادیو کے بہت مشابہ ہے۔ یونانی "مائی تھولوجی" میں یہ خوبصورت نوجوان انگور اور خمر کا دیوتا ہے، یونانی رب الارباب "ضیاء" (ZEUS) کا بیٹا ہے اور اس کی زوجہ "شمل" (SEMELE) کے بطن سے پیدا ہُوا۔ رب الارباب کی پہلی زوجہ "حری" (HERA) نے شمل سے کہا، رب الارباب کے حضور التجا کرو، اُسی جلال کے ساتھ تم پر بھی جلوہ افروز ہو، جس جلال کے ساتھ "حری" پر نمودار ہُوا تھا۔ "حری" بھیس بدل کر شمل کے پاس آئی تھی، اس لیے سادہ لوح شمل چکمہ میں آگئی۔ رب الارباب بادلِ ناخواستہ رعد و برق میں گرجتے اور چمکتے جلوہ افروز ہوئے اور شمل کے تن بدن سے

شعلے بھڑکنے لگے۔ اس لیے بچہ کی ولادت پیش از وقت ہوئی۔ رب الارباب بچے کو اٹھا کر لے گئے اور اپنے پوسلے میں رکھا، یہاں تک کہ بچہ پورے دنوں کا ہوگیا۔ اس کے بعد "بیکس" کی پرورش حوران کوہ "ننسیا" نے کی، اور حوروں کو پرورش کے انعام میں ستاروں میں جگہ ملی۔ جب مولود بالغ ہوگیا، تو "حری" کا "سوتیا ڈاہ" پھر بروئے کار آیا اور "بیکس" کو دیوانہ بنا دیا۔ عالم وحشت میں وہ روئے زمین پر پھرتا رہا۔ پہلے مصر میں آیا، پھر شام اور یہاں سے ایشیا کے دیگر ممالک میں گشت لگاتا رہا۔ ان ممالک کے باشندوں کو انگور کی کاشت سکھائی اور تہذیب و تمدن سے آشنا کیا، اس تمام سفر میں زیادہ تر مشہور وہ ہے، جو ہندوستان میں سیر و سیاحت کی مہم ہے، یہاں یہ کئی سال رہا۔ یورپ میں واپسی کے وقت "لائی کرگس" شاہ "ایڈونہ" سے بُری طرح پیش آیا۔ پھر یہ "تھیبی" میں آیا اور یہاں کی عورتوں کو مجبور کیا کہ "چیترن" پہاڑ پر اس کی "ہولی" کا تیوہار منائیں۔ "پینتھی اس" اس کی پوجا کے خلاف تھا۔ اس لیے اس پر عبرت انگیز عذاب نازل کیا۔ اس دیوتا کے کارنامے بے شمار ہیں، جن کا تذکرہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس کی اولاد بھی بکثرت ہوئی، لیکن وہ عورت جس نے اس کے دل پر قبضہ کیا "آرڈنی" ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ محققین کا اس امر پر اتفاق ہے، اس کی پوجا یونانی ابتدائی ایام میں نہیں پائی جاتی اور یونانی ابتدائی مذہب میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ "ہومر" میں اعلیٰ درجہ کے دیوتاؤں میں اس کی جگہ نہیں۔ "ہومر" میں اتنا ہی مذکور ہے کہ یہ دیوتا لوگوں کو شراب کشید کرنے کا طریقہ بتلاتا ہے۔ جوں جوں انگور کی کاشت میں توسیع ہوتی گئی "بیکس" کی پوجا بھی عام ہوتی گئی۔ سکندر اعظم جب ہندوستان سے واپس گیا تو ہندوستان میں اس دیوتا کا تیوہار زور شور سے منایا جاتا اور اس میں تمام مخرب اخلاق باتیں اعلانیہ ہوتیں۔ یہ دیوتا قوت تناسل اور فطرت کی بدمستی کا مظہر ہے، جس طرح انگور کو پارسی میں "دختِ رز" کہتے ہیں، اسی طرح شراب کو یونانی میں "ڈائی نی سی ایس" کا ثمر کہتے۔ یونانی "ڈراما" کی ابتدائی رونق اسی دیوتا کی مرہون منت ہے اور اس لیے اسے تھیٹروں کا محافظ دیوتا کہتے۔ اس کے ہمراہ اس کی گوپیاں بھی رہتیں، جن کے اسماء "کلاسیکل ڈکشنری" میں درج ہیں۔

"بیکس" اور "سوم" کی مشابہت | جب "ڈائی نی سی ایس" ہندوستان سے واپس لوٹا، تو کوہ "ٹموس" پر اس کا تیوہار منایا گیا اور "لیڈیا" میں اسے دراز ریش اور لمبے لبادہ میں دکھایا گیا اور اسے ہندوستانی "بیکس" سے موسوم کیا گیا۔ کسی حد تک ویدوں کا دیوتا "سوم"[1] اس یونانی دیوتا کے مشابہ ہے۔ تاحال متحقق نہیں ہو سکا

[1] "سوم" چندر دیوتا ہے اور "سوم رس" سے مراد شراب ہے، جس کا استعمال آریا ہند میں ہوتا۔ "سوم وار" اور "مون ڈے" یعنی چاند کا دن ہم معنی الفاظ ہیں۔ "سوم ناتھ" چندر دیوتا کی مورتی تھی، جسے سلطان محمود غزنوی نے توڑا۔ کہتے ہیں کہ یہ دراصل "لنگم" تھا، جسے روزانہ گنگا جل سے غسل دیا جاتا۔

یکن مشابہت حیرت انگیز ہے۔ یونانی دیوتا "ہرمیس" کی طرح یہ تناسل کا دیوتا ہے اور اس لیے یہ بری بہن "
ں کا دائمی ساتھی ہے۔ نہ صرف "مسٹریز" اسرار، یا وہ رسوم مذہب جو خفیہ ادا کی جاتیں ہیں، بلکہ دیہاتی
ملوں میں اس کا نشان جو "لنگا" تھا، علانیہ دکھایا جاتا، اس کا بت طبقہ حیوانات میں سے "بیل" تھا۔ اس
شکل وصورت سے نوجوانی مگر نسوانی نزاکت کا اظہار ہوتا، نیز ریش دار اور عمر رسیدہ بھی فن لطیفہ میں ظاہر
کیا گیا ہے اور شیر خوار بچہ بھی۔ چوں کہ یہ دو دفعہ پیدا ہوا، اس لیے اسے "دوجنمی" بھی کہتے۔ اسے "ہرمیس"
شکل وصورت میں بھی ظاہر کیا جاتا تھا اور نشان ایک "ستون" تھا جس کے سر پہ اس کا سر دکھایا جاتا۔
لی کے جنوب میں یونانی آبادی میں اس کی پوجا عام تھی اور یہاں سے اٹلی کے دیگر حصص میں شائع ہوئی۔
انچہ "سوفکیز" اس کی نسبت لکھتا ہے، یہ دیوتا تمام اٹلی پر حکومت کرتا ہے۔ ۴۹۵ قبل از مسیح سیرز دیوتا کے
ساتھ اس کا مندر "روم" میں تعمیر کیا گیا، لیکن "مسٹریز" جو اس دیوتا کی پوجا میں منعقد کی جاتیں "سینیٹ"
(SANATE) نے موقوف کردیں۔ یہ واقعہ ۱۸۶ قبل از مسیح کا ہے۔

ان حالات سے جو میں نے انسائیکلو پیڈیا اور کلاسیکل ڈکشنری میں مطالعہ کیے، اتنا واضح ہوگیا کہ آریا
رگوں کے ابتدائی مذہب میں خواہ وہ ویدوں میں ہو، یا اساطیر یونان میں "شیو" اور "ڈائنی سیس" کو وہ درجہ
اصل نہیں، جو ہندوستان میں اب اور یونان میں اشاعت مسیحیت سے پیشتر تھا، یہ واضح نہیں ہوتا کہ ہندوستان
ں یونان سے یا یونان میں ہندوستان سے اس کی پوجا اور نشان پرستش "لنگا" اور "بیل" گیا۔ لیکن مشابہت
حیرت انگیز ہے۔ "لیڈیا" میں بالخصوص اس کا خطاب "ہندوستانی" خاص توجہ کے لائق ہے اور سکندر اعظم کے

۵ "ہرمیس" (HERMES) رومی اسے "مرکری" کہتے۔ یہ بھی رب الارباب ضیاء کا بیٹا ہے۔ ایک اور دیوی کے بطن سے پیدا ہوا۔
پیدا ہوتے ہی یہ حضرت اپنے فطری اوصاف ظاہر کرنے لگے اور گہوارہ سے کھسک کر دیوتا "ریوبو" کے "بیل" چرالائے۔ جب
واپس لوٹے، تو اپنی غار میں ایک کچھوا دیکھا۔ اس کی پشت پر "تار" کھینچ دیں، اور اس طرح "لائر" جو ایک ساز موسیقی
ساگر "کے مشابہ ہوتا ہے، تیار کر دیا اور بجانے لگا۔ "ریوبو" کو بذریعہ کشف معلوم ہوگیا کہ چور کون ہے۔ پیکن
اس کی ماں "مایا" نے بچے کو گہوارہ میں لیٹا ہوا دکھا دیا۔ "ریوبو" بچے کو رب الارباب کے پاس لے گیا، جس نے اسے
مجبور کیا کہ بیل واپس کرو، لیکن جب ریوبو نے اس کا ساز سنا، تو خوش ہو کر بیل اسے دے دیے اور اس کا دوست
بن گیا۔ ضیاء نے اسے اپنا نقیب بنایا اور عموماً دیوتاؤں کا کام یہ کرتا رہا۔ یہ نہایت دانشمند، چالاک دیوتا ہے
موسیقی کے سازوں نے ایجاد کیے اور دروغ بافی میں ید طولیٰ رکھتا ہے، لڑوانا اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔
بحیثیت نقیب فصاحت کا دیوتا یہی ہے۔ "نارد منی" اسے بہت ملتا جلتا ہے۔

وقت سے یونان میں اس کا تیوہار اسی شان سے منایا جاتا ہے جس طرح ہندوستان میں "ہولی"۔ اس لیے یہ اہم ترین قیاس ہے کہ یونانیوں نے اپنے بھائیوں آریا ہندوؤں سے اس کی پوجا اور تیوہار کا منانا سیکھا، لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ویدوں کے دیوتاؤں اگنی، رودر اور سوم کے اوصاف میں اس دیوتا کی جھلک نظر آتی ہے اور اس لیے اس کی پوجا بہ سہولت ہندوستان میں شائع ہو گئی اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ یونانی "مسٹریز" کی طرح بعض رسوم مذہب ایسی تھیں جو خفیہ ادا ہوتی تھیں، چوں کہ "شیو" پوجا میں اعتقاداً اور عملاً ایسی حرکات سرزد ہوتیں، جو اخلاق کے سراسر منافی ہیں، اس لیے حکومت روم نے حکماً اس بے حیائی کو روک دیا۔

لنگا اور بیل کی پرستش مصر میں | ہندوستانی "شیو" اور یونانی "بیکس" کا نشان "لنگا" اور "بیل" ہیں۔ حیرت ہے کہ مصر میں بھی بیل اور گائے کی پوجا عام تھی، اگرچہ مصری ہندیوں کی طرح گائے بیل کا اس درجہ احترام نہیں کرتے تھے، لیکن ویسے کچھ کم احترام نہ تھا۔ "ہیروڈوٹس" مؤرخ جو ۴۸۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا، جب مصر آیا، تو دیکھا کہ مصری دیوتا اور دیویاں یونانی دیوتاؤں کی طرح ہیں اور ان کی پوجا بھی ویسی ہی ہوتی ہے، البتہ نام مختلف ہیں جس طرح ہندی اور یونانی دیوتاؤں کے نام مختلف ہیں، لیکن اوصاف ایک ہی ہیں۔ ہندوستانی اور یونانی "سری ہورتی" یا "سری آؤ" جس سے "سیتی شکیشہ" ماخوذ ہے، مصری "ستی سوتی" [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ دیوتا [illegible]

شراب کو یونانی میں [illegible]

اور اس لیے اسے بھیڑوں کا محافظ [illegible]

ڈکشنری" میں درج ہیں۔

"بیکس" اور "سوم" کی مشابہت | جب "ڈائی نی سی ایس" ہندوستان [illegible] اس کا تیوہار منایا گیا اور "لیڈیا" میں اسے دراز ریش اور لمبے لبادہ میں دکھایا گیا اور [illegible] سے موسوم کیا گیا۔ کسی حد تک ویدوں کا دیوتا "سوم"[1] اس یونانی دیوتا کے مشابہ [illegible]

[1] "سوم" چندر دیوتا ہے اور "سوم رس" مراد شراب ہے جس کا استعمال آریا ہندو [illegible] یعنی چاند کا دن ہم معنی الفاظ ہیں۔ "سوم ناتھ" چندر دیوتا کی مورتی تھی، جیسے [illegible] "لنگا" تھا، جسے روزانہ گنگا جل سے غسل دیا جاتا۔

ن کا بیان میری زبان پر ہرگز نہ آئے گا میں ان سے خوب واقف ہوں۔ البتہ ان کا بیان اس حد تک کروں گا، جہاں تک تقویٰ اجازت دے گا۔ امید ہے کہ دیوتا مجھ سے خفا نہ ہوں گے۔ یہ امر اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ "مسٹریز" کا وہ حصہ جو ہیروڈوٹس، پلوٹارک اور دیگر یونانی محققین کو علماء مصر نے بتایا، محدود ہی تھا۔ ان کا اہم حصہ تو خود عام مصری پوجاریوں کو بھی معلوم نہ تھا اور ان کا علم سوائے چند نفوس کے کسی کو نہ تھا۔ اس لیے یہ ہمیشہ راز سربستہ ہی رہا۔ حیرت ہے کہ رازداری یونان اور ہندوستان میں بھی تھی۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یہ راز کی باتیں ضرور ایسی ہی تھیں کہ اگر عوام پر اس کا افشا ہوتا، تو مذہب کا پول کھل جاتا۔ قرآن، علماء یہود کو ملامت کرتا ہے "کہ اکثر دینی باتیں چھپاتے ہیں" اور یہ کہ بعض باتیں ایسی ہیں کہ وضع خود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں۔" خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:

روز آدینہ برسرِ منبر　　گشت شبلیؒ برائے خطبہ سوار
از توحیدِ ایزدی آغاز　　کہ یکے است چہ دہ چہ صد چہ ہزار
آں جا جنیدؒ حاضر بود　　گفت اے پاک باز تا در دکار
چہ من با تو گفتہ ام بہ نہفت　　تو عیانش ہمی کنی زنہار
ت ہیہات اے یگانہ عصر　　سخن مشرکانہ را بگذار
ہم وہی شنوم　　نیست در دہر غیر من دیار

جمعہ کے روز شبلی منبر پر خطبہ کے لیے چڑھا اور توحید پر تقریر اس طرح شروع کی کہ وہ ذات واحد ہے خواہ اسے دس کہو یا سو یا ہزار۔ اس مجلس وعظ میں حضرت جنیدؒ جو شبلیؒ کے مرشد ہیں، موجود تھے، فرمانے لگے، جو باتیں میں نے تجھ سے چھپا کر کہیں، تو انہیں فاش کرتا ہے۔ ایسا نہ ہونا چاہیے۔ شبلیؒ نے جواب دیا، "فرق ہے [illegible]" مشرکوں کی سی باتیں بتاتے ہیں۔ بات یہ ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] طرح ذہن نشین کرنا

مصری اور ہندی رسوم کی مماثلت | ہیرڈوٹس نے مصری آئین و قوانین، رسم و رواج اور مذہب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "ہندوازم" سے حیرت انگیز مماثلت ہے۔ اہلِ مصر میں وہی تین ذاتوں کی تقسیم تھی، جو ہندوؤں میں اب بھی ہے۔ اسی طرح اعلےٰ و ادنیٰ کا امتیاز تھا۔ پیدائش کے وقت "جنم پتری" لکھی جاتی۔ ہہوُرت کے پابند تھے۔ کوئی مرتا، تو لواحقین "بھدرا" کراتے اور راجہ فوت ہوتا تو تمام رعایا بھدرا کراتی۔ بعض تاریخی واقعات ہندی افسانوں کے مطابق ہیں۔ ہیرڈوٹس لکھتا ہے کہ یونان میں بھی ذاتوں کا امتیاز مصریوں کی طرح ہے، لیکن یہ کہنا مشکل ہے، کہ آیا یونانیوں نے مصریوں سے، یا مصریوں نے یونانیوں سے سیکھا۔ تمام غیر یونانی اقوام اہلِ صنعت و حرفت و تجارت کو نیچ ہی سمجھتے ہیں اور جنگ جُوجاعت کو معزز خیال کرتے ہیں۔ اور یہی خیالات اور عقاید اہلِ مصر و یونان کے ہیں، لیکن "بیکس" کی پوجا تو اہلِ یونان نے مصریوں سے اڑائی، کیوں کہ ابتدا میں یونانی مذہب میں اس کا دخل نہ تھا۔

مصری بیل پوجا کی تفصیلات | بیل پوجا مصر میں مصر کے دوسرے خاندان فراعنہ سے شروع ہوئی ہے یہ دو بیل تھے، ان کے یونانی نام "ایپس" (APIS) اور "منیوس" (MNEVIS) تھے۔ مصری کتبوں میں "ایپس" کا نام "خفی" (HAPI) لکھا ہے، جس کے معنی پوشیدہ، خفیہ ہیں اور یہ نام اس لیے تجویز کیا گیا تھا کہ وہ عام قسم کا بیل نہ تھا۔ بیلوں میں سے اُسے ڈھونڈھ کر نکالا جاتا، اس کے جسم پر خاص خاص نشانات تھے۔ مصری کتبوں میں جو تصویری خط اور اس خط میں جو تصویری خط کا اختصار ہے "خفی" کو "رب الارباب" "فتاح" (کھولنے والا) کا دوسرا "جنم" لکھا ہے (اور اس طرح "یونانی" "ڈایونی سی اس" اور "ہندؤں" کے تین دیوتاؤں کی طرح دوجنمی ہے) یہ دو بیل بہ ظاہر سورج اور چاند کو تعبیر کرتے ہیں۔ "خفی" کنواری گائے کے پیٹ سے پیدا ہوُا اور کنواری کو حمل چاند کی کرن یا بجلی سے ٹھیر گیا تھا۔ کتبوں میں خفی کی والدہ، خفی کے احترام میں شامل ہے اور اس کا نام "عصر" (OSOR) ہے۔ یہ ایک دیوی ہے، جس کی مورتی کا سر گائے کا ہے۔ یونانی "خفی" کو "اوسی رس" (OSIRIS) کی صورت سمجھتے ہیں اور یہ روایت ہے کہ "اوسی رس" بیل کی شکل میں نمودار ہوُا اور اس کی نسل بیلوں میں چلی۔ یہ بیل پوجا کی ابتدا ہے۔ مصری کتبوں میں "اوسی رس" اور "خفی"

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۹) یہ ہے کہ فہمِ انسانی اب بالغ ہو چکا ہے اور اس لیے قرآن نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص راہ راست پر چلتا ہے علیٰ بصیرت چلے اور جو شخص گمراہ ہے، دیدہ دانستہ گمراہ ہو، یہ تقاضائے عقل و فکر ہے۔ قرونِ اولیٰ میں عوام کالانعام کے عقاید اور اعمال سے مذہب کا صحیح فہم حاصل نہیں ہو سکتا، قرآن میں رسولِ کریم کی بعثت سے پیشتر زمانے کو "ایامِ جاہلیت" اور تاریخ میں "ازمنۂ تاریک" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس پر مفصل بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے صرف انہی عہد کا ذکر کیا جاتا ہے

ایک ہی دیوتا کے نام ہیں، اور مرکب نام "خفی عصر" (HAPI-OSOR) لکھا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق خفی اوسی رس کا اوتار ہے، جس نے بیل سے جنم لیا، لیکن کتبوں میں "خفی" کو فتاح کا بیٹا مقدس گائے کے بطن سے ظاہر کیا گیا ہے، لیکن بعض کتبوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کا کوئی باپ نہ تھا۔ بظاہر اس کی روحانی اور مادی فطرت کو متضاد خیالات میں ظاہر کیا گیا ہے" (انسائیکلو پیڈیا زیر لفظ "HOPIS")

"ہیرو ڈوٹس" خفی یا مقدس بیل کی ولادت، وفات اور تمام رسوم کا جو اس تقریب پر منائی جاتیں، مفصل تذکرہ لکھتا ہے اور یہی کچھ انسائیکلو پیڈیا میں بھی دیگر مورخین کے حوالے سے لکھا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "خفی" ایک خاص رنگ روپ کا بیل تھا۔ اس کا رنگ سیاہ، ماتھے پر سفید "ترسول" (مثلث نما سفید تلک) پشت پر بالوں کی بناوٹ عقاب کی سی تھی اور زبان کے نیچے "فتاح" کا نشان اور دائیں پہلو پر ہلال جب خفی فوت ہو جاتا، جس کی مدت عمر پچیس سال تھی، تو پوجاریوں کو نئے بچھڑے کی جس کی شناخت نشانات مذکورہ سے ہوتی، تلاش رہتی اور جب تک بچھڑا اس رنگ روپ کا نہ ملتا، گھر گھر ماتم برپا رہتا اور اگر پچیس سال سے پیشتر بیل مرجاتا، تو اس کو نہایت شان و احترام سے دفن کیا جاتا۔ چنانچہ مصری کتبوں میں جو "ممفس" (MEIMPHIS) سے دستیاب ہوئے ہیں، ان تمام مقدس بیلوں کی تاریخ ولادت اور وفات کندہ ہے، جس کی فہرست انسائیکلو پیڈیا میں دی گئی ہے اور اگر پچیس سال پورے ہو جاتے تو پجاریوں کی روایات کے مطابق بیل خود بخود ایک چاہ میں اپنے آپ کو گرا دیتا، جو بیل کی طرح "خفی" تھا، کیوں کہ بقول ہیرو ڈوٹس کسی شخص کو اس چاہ کا پتہ نہیں۔ جب بچھڑا مل جاتا، تو ایک مکان میں اسے چار ماہ تک رکھا جاتا اور دودھ سے اس کی پرورش ہوتی۔ اس کے بعد جب وہ بڑا ہو جاتا، تو مقدس پوجاری اور شی جلوس بنا کر اسے جہاز میں لاتے اور "ممفس" کے مندر میں جو "خفی" موسوم تھا، داخل کرتے۔ اس مندر میں کشادہ صحن اور مسقف مقامات اور حوض تھے جس میں وہ کھلا پھرتا اور پانی پیتا۔ "ڈائی ڈورس" لکھتا ہے کہ پہلے اس کو "نیلو پلس" میں لاتے اور اس جگہ اس کو چالیس روز رکھتے اور اس کے بعد ممفس میں بذریعہ جہاز لاتے۔ پہلے چالیس روز صرف عورتیں برہنہ ہو کر اس کے درشن کرتیں، جس طرح طیور کی بولیوں اور دیگر حیوانات کی حرکات سے فال لیتے ہیں، اسی طرح "خفی" کی ہر ایک حرکت سے کچھ نہ کچھ نیک و بد کی آئندہ خبریں معلوم کی جاتیں۔ اس کی سالگرہ منائی جاتی اور سات روز تک جشن منایا جاتا۔ آخری "خفی" رومی شہنشاہ جولین ثانی (۳۶۲ء) کے عہد میں تھا، و راس پر "خفی" کا خاتمہ ہو گیا، اس کے بعد مصر میں پھر "خفی" پیدا نہیں ہوا۔

یونان میں ایک حکیم "ملیمپس" (MELAMPUS) نامی گذرا ہے، اس شخص نے یونان میں "بیکس"

کی پوجا کو رواج دیا۔ ہیرڈوٹس لکھتا ہے۔ مصر میں اس کا تیوہار اس طرح منایا جاتا کہ یونان میں تو "لنگا" کا جلوس نکلتا، مگر مصر میں مورتیاں ہوتیں، جن کو عورتیں تاروں سے باندھ کر دیہہ بہ دیہہ لے جاتیں۔ آگے آگے باجا بجتا اور عورتیں اس کی شان میں گیت گاتیں۔ ویسے یونانی اور مصری رسوم پوجا کے متعلق ایک ہی ہیں۔ حکیم مذکور نے "بکیس" کی پوجا اہلِ فینقہ سے سیکھی اور انہوں نے اہلِ مصر سے۔ ہیرڈوٹس مصری "میلوں" کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ ان میں سے ایک جو "بوباسیٹ" (BUBASTIS) میں ہوتا، مشہور تھا۔ دریا میں زن و مرد بے شمار کشتیوں میں سوار ہو کر راگ رنگ کے ساتھ نکلتے اور جب کبھی کسی بستی کے سامنے گذرتے، جو دریا کے کنارے آباد ہیں، تو کنارے پر اتر آتے۔ عورتیں تو گاتیں اور ساز بجاتیں اور کچھ ان میں سے ان بستیوں کی عورتوں کو بلند آہنگی سے نہایت گندے الفاظ میں بلاتیں۔ کچھ رقص کرتیں اور کچھ برہنہ ہو کر ناچتیں۔ اس طرح وہ "بوباسیٹ" میں پہنچ جاتے اور یہاں میلا ہوتا۔ "یگ" کیا جاتا اور اتنی شراب پیتے کہ تمام سال کی کسر نکالتے۔ صرف زن و مرد کی تعداد بچوں کو چھوڑ کر اس میلے میں سات لاکھ ہو جاتی۔ "سائیس" (SAIS) میں میلہ چراغاں ہوتا، (جیسے ہندوستان میں دیوالی ہے) یہ رات کے وقت ہوتا۔

مصری دیوتاؤں کے نام بلاشبہ عربی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مصری، عرب سے اس جگہ آئے تھے۔ "مصر" خود عربی لفظ ہے، لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ آیا دیوتا پرستی مصری عرب سے لائے یا مصر میں اختراع کی۔ فینقی عربی نژاد تھے، شام اور عراق میں بھی سامی نسل تھی اور ان کی اصنام پرستی کے حالات ہمیں معلوم ہیں۔

"وام مارگ" ایران میں مصر سے ہم ایران میں آتے ہیں، جو آریا قوم کا ویسا ہی ملک ہے، جیسا ہندوستان اور دونوں میں قرابت قریبہ ہے۔

میرزا محسن فانی کشمیری نے دبستان مذاہب میں اہلِ ایران کے مذاہب پر جیسا کہ اُن مذاہب کے پیرووں سے سنا مفصل لکھا ہے۔ اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ایران میں کسی ایسے دیوتا کی پوجا نہیں ہوتی تھی جیسا کہ ہندوستان میں "شیو" اور یونان میں "بکیس" ہے۔ مظاہر قدرت بالخصوص "سورج" اور "اگنی" کی پوجا ایران میں خاص تھی، لیکن مخرب اخلاق طریقہ عبادت کا پتہ نہیں چلتا۔ ممکن ہے، میرزا محسن سے ان لوگوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بھی بیان کی ہوں اور چوں کہ فحش رسوم "مسٹریز" کے پردہ میں ادا ہوتیں اس لئے ممکن ہے، میرزا فانی اس سے آگاہ نہ ہوں۔ لیکن جہاں تک چھان بین کی گئی ہے، اہلِ ایران اپنے اخلاق کی بلندی پر جتنا بھی ناز کریں بجا ہے۔ یونانی یوں تو تہذیب و تمدن کے مجسمہ سمجھے جاتے ہیں، لیکن رومی ان سے بہتر تھے کہ حکام نے ان حیا سوز رسوم کو روم میں بند کر دیا۔ مصر بھی تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، لیکن جناب خفی

نے ان کی جو کچھ پردہ دری کی ہے، وہ یونانی اور ہندوستانی بے حیائی سے کم نہیں۔

شہنشاہ قیاد کے عہد میں "مزدکی" مذہب کا رواج ہوا اور یہی بدنما دھبہ ہے، جو ایران کے دامن پر ہے، لیکن جس رنگ میں "مزدکی" لوگوں نے میرزا فانی کو اپنا مذہب دکھایا، وہ اصلی رنگ نظر نہیں آتا۔ بہر حال میرزا فانی کہتا ہے۔ مزدک "حکیم تھا اور مذہب زردشت کا پیرو تھا۔ اس کی "دیسامز" اصل پاستانی فارسی میں ہے جو میرزا فانی کو مزدکیوں نے دکھائی اور اس کا ترجمہ مروجہ فارسی میں بھی دکھایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ "اشتراکیت" اس حکیم کا فلسفہ تھا۔ اس کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ تمام تنازعات اور فتنہ و فساد کی جڑ زر اور زن ہیں، اور ان کی غیر مساوی اور ناواجب تقسیم سبب جنگ و جدل ہے۔ عورتوں کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے، یہ انتہائی ظلم ہے کہ ایک خوب صورت عورت ہو اور اس کا خاوند بدصورت ہو۔ اسی طرح عورت بدصورت ہو اور خاوند خوب صورت۔ چاہیے کہ بدصورت خاوند اپنی خوب صورت زوجہ کو چند روز اس خوب صورت مرد کے پاس بھیج دے، جو بدصورت عورت کا خاوند ہے اور اپنی بدصورت زوجہ اس بدصورت مرد کے ہاں اس عرصہ کے لیے رکھے۔ "وام مارگ" کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ ان لوگوں کا وقتاً فوقتاً اجتماع ایک جگہ ہوتا ہے اور زن و مرد خوب شراب نوشی کے بعد بدمست ہو کر برہنہ ہو جاتے ہیں اور اپنے کپڑے ایک برتن میں ڈال دیتے ہیں، جس مرد کا کرتہ جس عورت کے کرتے کے ساتھ نکلتا ہے، وہ دونوں داد بے حیائی دیتے ہیں۔ اسی طرح تمام زن و مرد غیر ازواج سے تمتع کرتے ہیں، چونکہ اس مذہب کے حالات پردۂ راز میں ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ کوئی واقف حالات ان کا پول کھولے۔ "نیوگ" بھی ایسی ہی حیا سوز رسم ہے، لیکن اس کی تہ میں یہ فلسفہ ہے کہ اولاد ضرور ہو اور بہترین اولاد ہو، جس طرح نسل کشی کے لیے بہترین "سانڈ" ہوتے ہیں، اسی طرح ایسے آدمی بھی ہونے چاہییں۔ بہر حال ابتدائی مذاہب خواہ وہ ویدوں میں تھا، یا یونانی اساطیر پر مبنی مذاہب بے ہودگیوں سے پاک نظر آتے ہیں۔ یہ سیاہ کاریاں فلسفہ کا کرشمہ ہیں، جو بعد ازاں مفکرین کے دل و دماغ کو تاریک کرتا رہا۔

میرزا محسن فانی یہ بھی لکھتا ہے کہ اس کے دوستوں میں سے مزدکی "فرہاد" (اسلامی نام محمد سعید) "شراب" (اسلامی نام شیر محمد) اور آئین ہوش (اسلامی نام محمد عاقل) مزدک مذہب کے خوب ماہر تھے۔ ان کا بیان ہے کہ اب کوئی مزدکی گبری جامہ میں نہیں ہے، سب نے اسلامی لباس پہن رکھا ہے، اور وہ ان مزدک مذہب کے معتقدین مسلمانوں میں فتنہ برپا کر رہے ہیں۔ یہ امر بھی طرح ذہن نشین کر لینا

چاہیے کہ عموماً ایرانی مسلمانی لباس میں تاحال اپنے معتقدات کی حفاظت کر رہے ہیں۔ خلافت عباسیہ میں ان لوگوں کو "زندیق" کہنے، جو "ژند" سے مشتق ہے، "ژند زبان ہے" "اوستا" کی، اس لیے پارسیوں کی مقدس کتاب کا نام "ژنداوستا" مشہور رہے۔ تمام رسوم اور مذاہب جو قرآنی دین اسلام کے خلاف ہیں، اسی سرزمین سے مسلمانوں میں داخل ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کے لباس میں ان لوگوں نے "زندقہ" رائج کیا۔

آخری لفظ آخر میں مسلمانوں کو ایک نصیحت کرتا ہوں کہ "تھیٹر، سینما، ڈرامے، اور ایسے ہی تفریح وتعیش سے قطعاً پرہیز کریں اور یاد رکھیں کہ یہ سب خطرناک آلات" "وام مارگ" کے ہیں۔

حساب آمد وخرچ اُمّتِ مسلمہ امرتسر

۲۸ر جولائی سے ۲۸ر اگست ۱۹۳۸ء تک

فضل الدین صاحب امرتسر	۔	۰	۱
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	۔	۰	۳
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن بی اے	۔	۰	۱۰
مولنا سید محب الحق صاحب عظیم آبادی	۔	۳	۳
اتواری صاحب بیرم پور	۔	۔	۲
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۔	۔	۲
میاں دین محمد صاحب کنی یاف	۔	۔	۳
چودھری خیر الدین صاحب	۔	۰	۳۰
مولانا سید کشفی شاہ صاحب رنگون	۔	۳	۳
رازی صاحب	۔	۰	۱
میاں فہیلی	۔	۰	۱
میاں مہر بخش صاحب چاندالہ	۔	۔	۱
رکنیت فنڈ وماہانہ چندے	۔	۴	۲
فروخت کتب	۔	۱۳	۱

جلسہ فنڈ			
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	۰	۰	۱۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۰	۰	۱۰
میزان آمدن	۰	۷	۸۴
سابقہ بقایا	۶	۴	۳۳۰
میزان کل	۶	۱۱	۴۱۴
مصارف			
اخراجات مقدمہ	۰	۴	۴۸
مصارف "بلاغ"	۰	۷	۵۳
کتب خانہ	۳	۸	۰
میزان	۳	۳	۱۰۲
بقایا موجود	۳	۸	۳۱۲

عارفِ رُوم کی صُحبت میں چند لمحے

فطرت صافی فطرتِ انسانی میں تمام علم پنہاں رکھے گئے ہیں جن سے رُوح میں اشیائے پوشیدہ کا معاینہ ہوتا ہے، جیسا کہ شفاف پانی کی تہ میں سنگ ریزے، ٹھیکرے وغیرہ اور اُس کی سطح کی تمام چیزیں بس صاف نظر آتی ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی تعلیم و علاج کے پانی کی فطرت میں عکس اشیا کی استعداد رکھی ہے، لیکن جب پانی میں مٹی یا دوسرے رنگ مل جائیں، تو وہ اپنی اس خاصیت سے محروم ہو جاتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء مبعوث فرمائے، اُس صاف اور کثیر پانی کی طرح، تاکہ ہر رنگین، مکدر اور قلیل پانی جو اس میں شامل ہو جائے، اپنے عارضی رنگ اور کدورت سے رہائی پائے۔ پھر جب اپنے آپ کو صاف دیکھے، تو اُسے اپنی اصلی صفائی یاد آ جائے، وہ یقین سے جان لے کہ سب رنگ اور کدورتیں عارضی تھیں، اُسے اِن عوارض سے پہلی حالت یاد آ جائے اور پکار اُٹھے، هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (یہ وہی ہے جو اس سے قبل ہمیں رزق مل چکا ہے)۔

انبیاء و عوام پس انبیاء و اولیاء صرف پہلی حالت کو یاد دلانے والے ہوتے ہیں، ایسا نہیں ہوتا کہ انسانی فطرت میں کوئی نئی چیز داخل کریں ـــــ اب ہر مکدر پانی جس نے اس بڑے پانی کو پہچان کر سمجھ لیا کہ وہ اسی کی جنس سے ہے، اسی کا جزو ہے، اُس میں شامل ہو جائے گا، لیکن وہ مکدر پانی جس نے اس بڑے پانی کو نہ پہچانا اور اس کو غیر جنس جانا، مختلف رنگوں اور کدورتوں کی پناہ میں رہنا پسند کرے گا تاکہ سمندر میں نہ مل سکے۔ حدیث میں ہے، فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف (جس روح نے اس سے موانست کی، وہ اُس سے مل گئی اور جس نے اُس سے بیگانگی اختیار کی، وہ الگ ہو گئی) اور اس آیت کا مطلب سمجھو کہ لقد جاءکم رسول من انفسکم (تمہارے پاس رسول تمہیں میں سے آیا) یعنی بڑا پانی چھوٹے پانی کی جنس سے ہے، اُن کی فطرت و اصلیت میں کوئی فرق نہیں، اپنی جنس کو نہ پہچاننا، پانی کا قصور نہیں، بلکہ بُری صحبت (زنگ و کدورت وغیرہ) کا اثر ہے جس طرح غایت آمیزش کی وجہ سے مٹی کھانے والا نہیں سمجھ سکتا کہ مٹی کی خواہش میری طبیعت میں ہے، یا اس مرض میں جو طبیعت سے مل گئی ہے۔

جواب ہر سوال | مولانا کی خدمت میں عرض کیا گیا، فلاں شخص آپ کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ دیدار حقیقی کا وقت نہیں ہے، کیونکہ وہ جس چیز کو اِس وقت دیدار سمجھتا ہے، وہ دیدار نہیں بلکہ "نقاب دیدار" ہے۔ اسی طرح تمام آرزوئیں، محبتیں اور شفقتیں جو آباؤ اجداد، اخوان و احباب، ارض و سماوات، باغات و محلات، علوم و اعمال اور سامان خورد و نوش کے متعلق لوگ رکھتے ہیں، یہ سب چیزیں "نقاب" ہیں۔ جب اس جہان سے گذر جائیں گے اور جمالِ حقیقت کو ان نقابوں کے بغیر دیکھیں گے، تو جان لیں گے کہ یہ سب پردے تھے۔ ان کا مطلوب اصل میں صرف "ایک چیز" تھی، پس سب مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ دلوں کی تمام الجھنوں اور سوالوں کا "ایک جواب" سنیں گے اور سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ "جواب حق" ایسا نہیں ہے کہ ہر مشکل کا الگ الگ حل اور ہر سوال کا جدا جدا جواب دینا پڑے، بلکہ ایک ہی جواب سے تمام سوال ایک ہی دفعہ معلوم ہو جائیں گے اور مشکلیں حل ہو جائیں۔

مثال | جس طرح موسم سرما میں ہر شخص سردی سے بچنے کے لیے کپڑے میں یا پوستین میں، یا حمام میں یا کسی گرم غار میں پناہ چاہتا ہے اور اسی طرح تمام نباتات، درخت، گھاس وغیرہ سردی کی سمیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ پھر جب بہار آتی ہے، ان سب کا جواب ظہور فرما ہوتا ہے۔ تمام مخلوقات (احیا و اموات، نبات وغیرہ) کے مختلف سوال ایک ہی دفعہ حل ہو جاتے ہیں اور وہ تمام اسباب رفع ہو جاتے ہیں اور سب لوگ باہر نکل آتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ تکلیف کا موجب کیا تھا۔

مصلحت نقاب | اللہ تعالیٰ نے یہ تمام پردے اس مصلحت سے پیدا کیے ہیں کہ اگر جمالِ حق بے نقاب جلوہ گر ہو جائے، ہم تاب نہیں لا سکیں گے، اور بہرہ مند نہیں ہو سکیں گے۔ پس ان نقابوں کی وساطت سے مدد اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ کیا تم اس سورج کو نہیں دیکھتے کہ ہم اس کی روشنی میں چلتے ہیں، دیکھتے ہیں، نیک و بد کی تمیز کرتے ہیں، اس سے گرمی حاصل کرتے ہیں، درخت اور باغ بارآور ہوتے ہیں، کچے اور ترش پھل اس کی حرارت سے پختہ اور شیریں ہوتے ہیں، سونے، چاندی، لعل اور یاقوت کی کانیں اس کی تاثیر سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر یہ سورج جس سے درمیانی واسطوں کی مدد سے اتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں، قریب تر آجائے، تو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، بلکہ تمام عالم و مخلوقات جل کر فنا ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جب پہاڑ پر باحجاب ظہور فرماتا ہے، تو اس کو سبزہ و گل سے آرائش بخشتا ہے اور جب بے حجاب تجلی کرتا ہے اس کو ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ کر دیتا ہے۔ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا (جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی، تو اُسے چُور چُور کر دیا)۔

ایک شخص نے سوال کیا، آخر موسم سرما میں بھی وہی سورج ہوتا ہے؛ مولانا نے جواباً کہا، یہاں حمل[۵۱] کہنے سے ہماری غرض صرف مثال ہے، لیکن وہاں نہ حمل ہے نہ جمل[۵۲]۔ مثل[۵۳] اور مثال میں فرق ہے۔ ہرچند کہ عقل کوشش سے کسی چیز کا ادراک نہیں کرسکتی، لیکن کوشش کو ترک بھی نہیں کرسکتی۔ اگر اپنی کوشش کو چھوڑ دے، تو وہ عقل نہیں۔ عقل وہ ہے جو ہمیشہ رات، دن اللہ تعالیٰ کو پالینے کی کوشش میں مضطرب اور بے قرار رہے، اگرچہ وہ (جل ذکرہ) پایا نہ جاسکے، کیوں کہ اس کا پالینا محال ہے۔ عقل پروانے کی طرح ہے اور معشوق شمع کی مانند۔ اگرچہ پروانہ شمع سے لپٹتا ہے، جلتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے، لیکن پروانہ کہتے ہی اسی کو ہیں جو جلنے کے لیے تیار رہے اور شمع سے دُور نہ رہ سکے۔ اگر پروانے کی طرح کوئی اور حیوان ہو، جو شمع کی دوری برداشت کرسکے اور اس سے لپٹ جانے کے لیے بے قرار نہ ہو؛ وہ پروانہ نہیں اور اگر پروانہ نور شمع سے لپٹ جائے اور نہ جلے تو وہ بھی شمع نہیں۔ پس آدمی نورِ حق کے بغیر رہ سکے اور اس کے حصول کی کوشش نہ کرے، تو وہ آدمی نہیں اور اگر حق کا ادراک کرسکے، تو وہ حق نہیں۔ آدمی وہی ہے، جو کوشش کو ترک نہ کرسکے، جلالِ خداوندی کے انوار کے گرد طواف کرتا رہے اور اس طلب میں بے آرام و بے قرار رہے اور حق وہ ہے کہ آدمی کو جلا دے اور نیست کردے اور کسی عقل کی گرفت میں نہ آسکے۔ حق حرف و آواز سے پاک ہے، اس کا کلام حرف و آواز کا محتاج نہیں، لیکن وہ اپنی بات جس حرف و آواز اور زبان میں چاہے، نازل فرماتا ہے۔ جیسا کہ راستوں اور کارواں سراؤں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ حوض پر پتھر کا مرد یا پرندہ بنا دیتے ہیں، جس کے مُنہ سے پانی جاری ہوتا ہے اور حوض میں گرتا ہے۔ سب عقل مند جانتے ہیں کہ وہ پانی پتھر کے پرندے کے مُنہ سے نہیں آتا، بلکہ کسی دوسری جگہ سے آرہا ہے۔ اگر تم آدمی کو پہچاننا چاہو، تو اس کو گفتگو پر مائل کرو۔ اس کی گفت و گو سے تم اس کو سمجھ لوگے۔ اگر وہ چالاک ہوگا اور کسی نے اس کو بتا دیا ہوگا کہ فلاں شخص تمہیں گفت و گو کے ذریعے پہچاننا چاہتا ہے، تو وہ بات چیت میں محتاط رہے گا، تاکہ اُس کا عیب و خطا ظاہر نہ ہو۔

صفائی باطن | شیخ رازی رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کے حلقے میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک مرید کو بھونی ہوئی سری کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ شیخ نے اشارہ کیا، فلاں شخص کے لیے بھُونی ہوئی سری لاؤ۔ مریدوں نے کہا، آپ نے کس طرح دریافت کرلیا کہ وہ بھُونی ہوئی سری چاہتا ہے؟ شیخ نے جواب دیا، تیس سال سے میرا "چاہنا" ختم ہوچکا ہے۔ میں اپنے آپ کو ہر طرح کے "چاہنے" سے پاک کرچکا ہوں اور میں

[۵۱] حمل۔ برج اوّل، مقام آفتاب در ابتدائے بہار　[۵۲] جمل۔ حساب اعداد حروف ابجد　[۵۳] مثل تمام صفات میں مساوی ہوتی ہے، مثال کا تمام صفات میں مساوی ہونا شرط نہیں ہے۔ (مترجم)

[۵۴] گفتمش ذرہ بہ خورشید رسد؟ گفت محال　گفتمش کوشش من در طلبش؟ گفت رواست　(غالب)

بے نقش آئینے کی طرح بالکل سادہ ہو چکا ہوں جب بھوُلی ہوئی سہری میرے خیال میں آئی اور مجھے اس کی طلب پیدا ہوئی، تو مَیں نے سمجھا کہ وہ فلاں شخص کی خواہش ہے" اس لیے کہ آئینہ (اپنی ذات میں) بے نقش ہے۔ اگر آئینے میں کوئی نقش نظر آئے، اُسے نقش غیر سمجھنا چاہیے۔

حکایت | ایک بچے نے جنگل میں اپنی ماں سے کہا کہ مجھ کو اندھیری رات میں ایک کالے رنگ کا جسم دیو کی طرح نظر آتا ہے۔ اُس سے بہت ڈرتا ہُوں۔ ماں نے کہا، نہ ڈر! جب تو اس شکل کو دیکھے، اس پر دلیرانہ حملہ کر۔ ظاہر ہو جائے گا کہ تیرا خیال ہے یا حقیقت۔ بچے نے کہا، اے ماں! اگر اس دیو کی ماں نے ایسی ہی نصیحت کی ہو، تو مَیں کیا کروں؟ اگر اس کی ماں نے اس کو یہ کہا ہو کہ چُپ رہنا، تاکہ ظاہر نہ ہو جاؤ، تو مَیں اسے کس طرح پہچانوُں؟ ماں نے کہا، تم بھی اس کے سامنے چُپ رہنا اور صبر کرنا۔ ممکن ہے کہ کوئی بات اس کے مُنہ سے نکل جائے اور اگر نہ نکلے، ہو سکتا ہے کہ تیری زبان سے کوئی کلمہ بے ساختہ نکل جائے۔ بغیر قصد و ارادہ کے جوبات یا خیال تیرے دل میں پیدا ہوگا، اس بات یا خیال سے اس دیو سیاہ کی حقیقت سمجھ لینا، کیونکہ تم اس وقت اس سے متاثر ہوگے۔ وہ خیال جو تمہارے دل میں پیدا ہوُا ہے، اسی کا عکس ہوگا۔

عشقِ لامکاں | مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو اولیا اور عاشقانِ الٰہی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ عالم بے مثال کے ساتھ ...... کس طرح عشق بازی کرتے ہیں۔ وہاں سے کس طرح تائیدیں و قوت حاصل کرتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں؟ حالاں آنکہ وہ عالم بے صورت، بے مکان اور بے نشا ہے۔ یہ معترض لوگ جب کسی شخص کو دوست رکھتے ہیں اور اس سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ آخر یہ مدد اس کے لطف، احسان، علم، ذکر، فکر سے اور اس کے غم و شادی سے حاصل کرتے ہیں، یہ سب چیزیں لامکانی ہیں اور وہ دم بہ دم ان معانی سے مستفید و متاثر ہوتے ہیں لیکن متعجب نہیں ہوتے اور اس سے تعجب کرتے ہیں کہ عاشقِ الٰہی عالم لامکاں سے کس طرح مسرور رہتے ہیں اور کس طرح مدد حاصل کرتے ہیں!

عُرس نظام الاولیاءؒ

خواجہ نظام الاولیا کا عُرس سر پر آگیا
اِک طالب راہ ہدیٰ نے اپنے مرشد سے کہا
حضرت نوازش کیجیے حضرت اجازت دیجیے
ساماں سفر کا لیجیے پھر دیکھیے جو کوئی جیے
شیخ خرد آگاہ نے دانائے اِلّا اللہ نے
فرمایا" ایسی چاہ نے اس جذبۂ گمراہ نے
اقوام کو رسوا کیا بے دین و غافل کر دیا
عُرسوں میں بدعت کے سوا اے بے خبر ہوتا ہے کیا؟"

لیکن اُسے اصرار تھا، وہ خوگرِ تکرار تھا،
بہرِ سفر تیار تھا رُکنا اسے دشوار تھا
حضرت سے پوچھا کچھ پیام کوئی سخن ہو یا سلام
گر ہو کسی صاحب کے نام فرمائیں حاضر ہے غلام

شیخ خرد ور نے کہا ہے اِک ہمارا آشنا
پیرِ بزرگ و باصفا، اس راہ میں گر مِل گیا
پہچان لینا خوب اُسے تنہائی ہے مرغوب اُسے
تجرید ہے مطلوب اُسے دے دینا یہ مکتوب اُسے

اس سے طلب کرنا جواب   واضح جواب باصواب
روئے حقیقت بے نقاب   جس سے ہو مثل آفتاب

راہی روانہ ہو گیا،   اُس کو زمانہ ہو گیا
ماضی فسانہ ہو گیا   عیش مغانہ ہو گیا
کرتے ہوئے قطع سفر   آئے مسافر اپنے گھر
اور وُہ مرید نامہ بر   بھی پیشِ شیخ نکتہ ور
حاضر ہُوا آداب سے   جو حال گذرے سب کہے
پھر شیخ فرمانے لگے   "وہ پیر سالک بھی ملے؟"
کی عرض" اے روشن گہر!   دہلی سے کتنے کوس اِدھر
وہ پیر مرد آئے نظر   پُہنچا غلامِ نامہ بر

نامے کو کھولا اور پڑھا   پڑھ کر دل اُن کا دُکھ گیا
کچھ پشتِ نامہ پر لکھا   اور لکھ کے واپس کر دیا
شیخ بزرگ و محترم   خط پڑھ چکے باچشمِ نم
بولا مرید" اے محتشم!   کیا حال ہے اس میں رقم؟"
اِک آہ کھینچی شیخ نے   اور رو کے فرمانے لگے
"وہ پیر جو تجھ کو ملے   خواجہ نظام الدینؒ تھے
میرا یہ استفسار تھا   "ہے آپ کی تربت پہ کیا
یہ شرک و امر ناروا   کیوں کر پسند اس کو کیا؟
نادان ہیں یہ زائریں،   کیوں آپ انہیں مانع نہیں؟

لکھتے ہیں شیخ العارفیں — مجھ کو جواب از روئے دیں
عُرسوں سے گھبرایا ہوں میں — رسموں سے شرمایا ہوں میں
تُربت سے بھاگ آیا ہوں میں — طاعت بجا لایا ہوں میں
مَیں واقفِ اسرار ہوں — آزردۂ مزمار ہوں
قوّال سے بے زار ہوں — پر موت سے ناچار ہوں
تو زندگی سے ہم سخن — مَیں موت سے تن در کفن
تو زندہ دل، مَیں خستہ تن — کچھ ہوش کر ناداں نہ بن!
تو اک مُرید با یقیں — کو منع کر سکتا نہیں
اور یہ ہجومِ زائریں، — رُک سکتا ہے مجھ سے کہیں؟
قبروں کے سجّادہ نشیں، — مرقد فروشانِ زمیں
باطل سے رُک سکتے نہیں — ملتا ہے رزق اُن کو یہیں
امکان بھر تبلیغ کر — وقتِ حضر، حینِ سفر
کر صرف زر، علم و ہنر — اور مُلکِ ہستی سے گذر
مانے نہ مانے یہ جہاں — تجھ کو نہیں رہنا یہاں
ربِّ زمین و آسماں، — ہوگا معین و مستعاں

سُن کر یہ ساری داستاں — رویا مُرید نوجواں
توحید کا پایا نشاں — حق ہوگیا اُس پر عیاں
دل بول اُٹھا، اللہ بس
اللہ بس باقی ہوس!

(غیر مطبوعہ)

گداز نماز

جواں سال لڑکی کے لیے مناسب بر کی تلاش میں مجھے جتنا وقت اور روپیہ صرف کرنا پڑا اور جو زحمت اٹھانا پڑی، اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو افلاس کے ساتھ فکر و ذہانت کی جانکاہ برکت سے بھی بہرہ یاب ہوا اور اس پر ایسے واقعات گذر چکے ہوں۔ آخر ایک نیم پسندیدہ لڑکے پر قانع ہونا پڑا، نکاح کے بعد ایک سال کے اندر اندر تنومند اور نوخیز لڑکا مبتلائے دق ہو کر شکار اجل ہوا۔ میرے لیے دنیا پھر ویسی ہی تاریک تھی اور پہلے سے زیادہ مصائب کا سامنا۔ اس حادثہ سے چند ماہ بعد مرحوم کی یادگار ایک بہت حسین و دلکش بچہ پیدا ہوا، نوعمر بیوہ نے بچے کی پرورش میں اتنی دلچسپی لی کہ آئندہ نکاح کا ارادہ قطعاً ترک کر دیا۔ اس سے بچے کے ننھیال اور ددھیال دونو کو کچھ سکون سا حاصل ہوگیا۔ چند ماہ کی عمر کو پہنچ کر بچہ بیمار ہوا، سحر، منتر، علاج، صدقہ وخیرات وغیرہ ہر کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ مرحوم باپ کی نشانی نے بدنصیب ماں کو پوری طرح نامراد چھوڑ کر اپنے مالک کی مرضی کو پورا کیا۔ مجھے شام کے بعد اطلاع پہنچی، چند عزیزوں سمیت سٹیشن پر پہونچا، ۴۴ میل کا سفر طے کیا۔ رات کے ۱۱ بجے کا عمل تھا، جب ہم اس کربلا میں پہونچے، جہاں ایک معصوم کی نعش ابدی نیند سو رہی تھی، اس کے گرد ہندوستانی رسموں کی پابند عورتیں ہمدردی کے لباس میں تہی آغوش مصیبت زدہ ماں کو تسلی دینے کے بجائے رلا رلا کر مارنے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر میرا رواں رواں رو رہا تھا، مگر میں نے جی کڑا کر کے، ان رونے والیوں میں ایک مختصر وعظ کیا، جس سے ان کا رونا دھونا بند ہوگیا۔ رات کی باقی ماندہ ساعتیں گذاریں، میں نماز فجر سے بہت پہلے مسجد وزیر خاں میں چلا گیا، آخر جماعت شروع ہوئی، امام نے پہلی ہی رکعت میں اپنے نہایت مؤثر اور خوش آئند لہجے میں آیاتِ ذیل تلاوت کیں:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ	جب اللہ نے کہا، اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں
ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ	سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا دو معبود بنالو؟
اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قَالَ سُبْحٰنَكَ	اس نے جواب دیا (اے اللہ!) تو پاک ہے۔ میرے

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۚ
اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۚ تَعْلَمُ مَا
فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۚ مَا قُلْتُ لَهُمْ
اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ
وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا
دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ
اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ
فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ
فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ
اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ

لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا تھا، تو تو اُسے جان چکا ہوگا۔ جو کچھ میرے جی میں ہے، تو جانتا ہے اور جو کچھ تیرے جی میں ہے میں نہیں جانتا۔ بلاشبہ تو ہی غیبوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان کو نہیں کہا، مگر جس بات کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور میں اُن پر اُس وقت تک گواہ تھا، جب تک میں اُن میں رہا۔ جب تو نے مجھ کو فوت کرلیا تو (اس کے بعد) تو ہی اُن پر نگران تھا اور تو ہر شے پر حاضر (و ناظر) ہے۔ اگر تو انہیں عذاب کرے تو بلاشبہ تو ہی اصلی عزت والا اور اصلی حکمت کا مالک ہے اللہ نے فرمایا، یہ ایسا دن ہے، جس میں راستی والوں کو اُن کی راستی نفع دیتی ہے"

میرا دل گذشتہ صدمات کی یاد کے ساتھ اس سانحۂ مرگ کے اثر سے بغایت رقیق ہو رہا تھا، مجھے تمام دنیا ہیچ و بے قیمت نظر آ رہی تھی۔ میرے سامنے سب طاقتیں اور سب دانائیاں مجبور اور اپاہج تھیں۔ میں خدا کی عظیم طاقت کا نہایت چھوٹا سا کرشمہ دیکھ کر ابھی پوری طرح فارغ نہیں ہوا تھا کہ میرے کان میں گویا آسمان سے آواز آئی، اے حقیر و فرومایہ انسان تو کیا، تیری ہستی کیا؟ تیری آرزوئیں اور مرادیں کیا؟ ہماری بارگاہ عظمت و جلال میں دنیا و آخرت میں آبرو پانے والے[1] عظیم الشان نبیوں کا یہ حال ہے کہ ہماری مرضیات کے سامنے چون و چرا نہیں کرسکتے، دم نہیں مار سکتے۔ امام کے منہ سے الفاظ نکلتے جا رہے تھے، میرے گداز و رقت میں اضافہ ہو رہا تھا، میں پورے ضبط و اخفا کی کوشش کے ساتھ رو رہا تھا۔ خوش قسمتی سے سرما کا موسم تھا، میں لوئی اوڑھے ہوئے تھا۔ جس سے میری وارفتگی کا پردہ رہ گیا، لوگ فراغت پا کر چلے گئے اور میں تنہا داورِ محشر کے حضور مترحم و ملتجی بیٹھا رہا، میرے دل کی دھڑکن اور آنکھوں کے آنسو ختم نہیں ہوتے تھے۔ میں کہہ رہا تھا۔ انت تعلم ما فی نفسی وانی لا اعلم ما فی نفسک۔ تو میرے رگ و ریشہ اور وہم و خیال تک سے واقف ہے

[1] وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ۔

میں تیرے اسرار اور خفایا سے کورا ہوں، جاہل ہوں)۔۔۔۔۔ آیتیں ہم ہر روز پڑھتے ہیں، لیکن سمجھتے اسی وقت ہیں، جب ان کے معانی ہم پر کسی حد تک وارد ہو جائیں ۔۔۔۔۔۔ میں اس وقت سمجھ رہا تھا کہ سیدنا مسیح نہیں، میں ایک عاجز و درماندہ انسان پیش گاہ عزت و جبروت میں لے جایا گیا ہوں، مالک یوم الدین کے سامنے کھڑا کیا گیا ہوں، میرے ساتھ کوئی عزیز ہے نہ وکیل۔ میری پنڈلیاں کانپ رہی ہیں، بدن پر رعشہ ہے، آواز آتی ہے ۔ ۔ ۔ لرزتے ہوئے ہاتھ ایک دوسرے سے متصل ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے ہیں۔ ہونٹوں سے بڑبڑاتے ہوئے ۔ ۔ ۔ الحاح و لجاجت کی مکمل تصویر پیش کر رہے ہیں ۔ ۔ ۔ حالت ملزم مسیح کا ۔ ۔ ۔ اس پاک نفس اس نے ۔ ۔ ۔ دو ایک باتیں کہہ دیں، مگر میں کہ سراپا گناہ ہوں، یکسر عصیاں ہوں، کس طرح نظر اٹھاؤں؟ کیوں کر زبان کھولوں؟

یا لیتنی کنت ترابا، ہائے کاش کہ مادر نمی زاد، خدا کے بھیجے رسول کی زبان سے سب سے پہلے تقدیس و پاکی کا کلمہ نکلا تھا (قال سبحٰنك) اس کے بعد اس نے اپنی پوزیشن یہ کہہ کر صاف کی کہ میں ناحق بات کہنے کا عادی نہ تھا (مالیس لی بحق) لیکن میں جس کی زندگی کا ہر دن اور دن کی ہر ساعت ناحق گوئی اور ناحق کاری کی شاہد تھی۔ کیوں کر یہ کلمہ زبان پر لا سکتا تھا؛ پھر اس ذات کے سامنے جس کے متعلق اسی آیت کا اگلا حصہ میری زبان کو حلق سے نکال لینے پر تیار تھا۔ (ان کنت قلتہ فقد علمتہ)[1] اور (انك انت علام الغیوب)[2] اس نے اپنی کارگذاری نہایت ادب سے گوش گذار کر دی (ماقلت لھم الا ما امرتنی بہ الخ) "اے پاک ذات! میں نے تیرے ارشاد سے سرمو تجاوز نہیں کیا، میں نے تیری توحید و الوہیت کے سوا کوئی بات نہیں کہی، میں اُن پر نگران رہا، جب تک میں ان میں رہا۔ وفات کے بعد کا مجھے کوئی علم نہیں، پھر تو ہی نگران ہے، اور میں ان باتوں سے تیرے علم میں کوئی اضافہ تو کر نہیں رہا، کیونکہ تو ہر چیز پر ہر وقت حاضر ہے"۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ کہا جا چکا، مگر وہ پاک رسول جس کو ایک دنیا اپنا کفارہ تسلیم کیے ہوئے ہے، اپنے اندر سفارش کی کوئی جرأت نہیں پاتا، بلکہ منشائے خداوندی کو بھانپ کر نہایت ادب سے عرض کرتا ہے کہ "اگر آپ انہیں مبتلائے عذاب کریں، تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں، آپ کو کون روک سکتا ہے؟" عذاب کی بات بہ لحاظ اقتضائے حالت مقدم کی۔ پھر کہا "اور اگر آپ

---

[1] مسیح فرماتے ہیں، اگر میں نے کوئی ناحق بات کہی تو وہ تیرے علم سے پوشیدہ نہ ہوگی۔

[2] تو یقیناً تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔

انہیں معاف کردیں، تو یہ بھی ممکن ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپ ابدی غلبہ و حکمت کے مالک ہیں" یہاں محل و موقع کی مناسبت سے عزیز و حکیم کہا۔ غفور ورحیم نہ کہا، کیوں کہ بندہ کو خدا ماننے والا غفران و رحمت کا مستحق نہیں، بلکہ غلبہ و حکمت کے تحت سزا کا مستوجب ہے،——

——پھر فرمایا، یہ جزائے اعمال کا وقت ایسا وقت ہے، جس میں صرف اہلِ صدق کو ان کا اپنا صدق ہی نفع دے سکتا ہے۔ کوئی شفاعت، کفارہ اور دوستی کام نہیں آتی، امام اپنے فرائض کی منزلیں طے کر رہا تھا اور میں انہیں آیات کے مطالب میں کھویا ہوا تھا، نماز ختم ہوئی لوگ چلے گئے، مَیں تنہا اُس جگہ رہ گیا، جہاں[1] جنتموٗنَ فرادیٰ کا تصور میرے سامنے تھا——

لیکن غافل انسان کی رگِ تضرع کو بیدار کرنے کے لیے ایسے ستمرہ حوادث کی تکرار و تجارب ضروری ہے۔ اسی دن شام کو ایک صاحبِ ثروت پروفیسر کے ہاں نمازِ مغرب کا اتفاق ہوا۔ مَیں امام تھا اور وہ مقتدی۔ اس بات کو کئی برس گذر گئے، مجھے یاد نہیں، مَیں نے کن آیتوں کی قرأت کی، لیکن اتنا یاد ہے کہ محترم مقتدی اس وقت اپنے روحانی سوز و تاثر کو چھپا نہیں سکے۔ مجھ پر کئی دن تک یہ حالت طاری رہی، آخر بتدریج اس کا اثر کم ہوتا گیا۔ آج مَیں اس حال کو تحریر کے قوی حافظہ کے سپرد کرتا ہُوں۔ مَیں کچھ عرصہ بعد نہیں ہُوں گا، میرا یہ تاثر قائم رہے گا۔ ممکن ہے، کوئی طالبِ راہ اس سے کبھی گھڑی بھر کے لیے متاثر ہو جائے۔

نوشتہ بماند سیہ بر سفید   نویسندہ را نیست باقی امید
مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم   حوالت با خدا کردیم و رفتیم   (راہی)

نہایت ضروری اطلاع

اُمتِ مسلمہ امرت سر کا دوسرا سالانہ جلسہ یکم و ۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو منعقد ہو رہا ہے۔ احباب کو تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ (۱) اپنی اوّلین فرصت میں حسبِ توفیق مالی امداد بھیجیں۔ (۲) اپنے احباب میں شرکتِ جلسہ کی تحریک کریں۔ (۳) ۲۰ ستمبر سے پہلے پہلے سکرٹری جلسہ سب کمیٹی اُمتِ مسلمہ امرت سر کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع دے دیں۔

ناظم اُمتِ مسلمہ۔ امرت سر

[1] قیامت میں کوئی کسی کے ساتھ نہ ہوگا۔

اطلاعات

"بلاغ" کا سرورق پچھلے سال، دفتر اُمّت کے ایک کارکن کی غلطی سے، پکو آرٹ پریس لاہور کے بجائے فوٹو آرٹ پریس لاہور سے چھپ گیا تھا۔ کئی ماہ تک اسی پریس کا چھپا ہوا ٹائیٹل استعمال ہوتا رہا، لیکن اب گذشتہ دو ماہ سے، حکومت نے "بلاغ" کے ایڈیٹر پرنٹر اور پبلشر ڈاکٹر چوہدری علم الدین صاحب کے خلاف پریس ایکٹ کے ماتحت مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ دفتر اُمّت کی مالی حالت جہاں پہلے ہی بہت کمزور ہے، وہاں اس نئی مصیبت سے ہماری پریشانیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت تک تقریباً پچاس روپے کی رقم، مقدمے کے اخراجات میں اٹھ چکی ہے، اور نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ کیا حالات پیش آنے والے ہیں۔ ہم خدائے پاک سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ابتلا و آزمائش کی کٹھن مشکلات سے بچائے اور احباب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ لفظاً نہیں، بلکہ عملاً ہمارا ہاتھ بٹا کر، دردمندی اور غمخواری کا ثبوت دیں۔ "بلاغ" اور اس کے متعلقات کے اچھے بُرے حالات کا حق تنہا مقامی احباب ہی پر عاید نہیں ہوتا، بلکہ بیرون جات کے تمام حامیانِ قرآن اور دردمندانِ اُمّت بھی شریکِ حال رہنے چاہئیں۔ "مقدمہ فنڈ" قائم کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے توقع ہے کہ جہاں وہ اپنی تمام شخصی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں، وہاں اس قومی ضرورت کی طرف بھی متوجہ ہو کر شکرگذاری کا موقع دیں۔

گذشتہ اشاعت میں، قارئین "بلاغ" کو تفسیر بیان للناس کی منزل دوم و ششم کی طباعت کی توجہ دلائی گئی تھی۔ گذشتہ دنوں ادارہ اُمّت کے ایک قدیم صاحب خیر بزرگ، دفتر اُمّت میں تشریف لائے اور ہمیں یہ اعلان کرنے کی اجازت عطا فرمائی کہ آپ منزلِ دوم کے مصارفِ طباعت میں چالیس روپے کی امداد عطا فرمائیں گے۔ اُمید ہے کہ بزرگ موصوف کی یہ مسابقت، اس سلسلے میں خیر و برکت کی موجب ہوگی۔ وُہ تمام اصحاب، جو عرصہ سے جلد دوئم کے لیے اصرار کر رہے تھے، انہیں چاہیے کہ اپنی اولین فرصت میں کتاب کی قیمت پیشگی ارسال فرما دیں، تاکہ لکھائی چھپائی کا کام سہولت اور اطمینان کے ساتھ سرانجام پا سکے۔ قیمت کے علاوہ عطیات کا ہر حال میں خیر مقدم کیا

ئے گا۔ اور آئندہ اشاعت سے، تفسیر فنڈ کی آمدنی کی باقاعدہ فہرست کا آغاز بھی کردیا جائے گا۔

یکم و دوم اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اُمّتِ مسلمہ امرت سر کا سالانہ جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ برادرانِ اُمّت کا فرض ہے، اس جلسے میں خود تشریف لائیں اور اپنے اعزہ و احباب کو بھی شمولیت کی ترغیب دلائیں۔
(۱) تشریف لانے والے اصحاب اپنی تشریف آوری کی اطلاع ۲۰ ستمبر سے پہلے پہلے دفترِ اُمّت کو بھیج دیں (۳) بلاغ کی آئندہ اشاعت میں پروگرام چھاپ دیا جائے گا (۴) جن احباب کی خدمت ں جلسے کے پوسٹر بھیجے جائیں، وہ براہِ کرم اُنہیں اپنے اپنے شہروں میں چسپاں کرادیں۔ (۵) مقررین حضرات اپنی تقریروں کے عنوانات اور اپنی تشریف آوری کے اوقات سے اطلاع دے کر شکرگذاری کا موقعہ دیں (۶) مصارفِ جلسہ کے لیے اس وقت تک میاں محمد امین الدین صاحب ہور، میاں مہر بخش صاحب چغتائی بٹوں اور میاں علی احمد خاں صاحب داشمن بی اے کی طرف سے دس دس روپے کی رقم موصول ہوچکی ہے۔
اس کے علاوہ خواجہ عبدالحفیظ صاحب اور محترمہ اُمّ معید نے مہمانوں کے لیے ایک ب وقت کے کھانے کا مکمل انتظام اپنے ذمّے لیا ہے۔

(سیکرٹری جلسہ سب کمیٹی اُمّت مسلمہ امرت سر)

نکتہ جیبات

کسی قوم کی زندگی کا راز اس کے اجتماعات کی کامیابی میں مضمر ہے
ے فرزندانِ اسلام! اُٹھو، اور اپنے عزم و ولولہ کو خدا کے حضور پیش
کرو۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔

مئی ۱۹۳۸ء کی مطبوعاتِ جامعہ

بیوہ منشی پریم چند آں جہانی نے ایک بیوہ کے حالات دردناک پیرایہ میں لکھے ہیں۔ ایک بیوہ کی ترغیبات، اس کی الجھنوں امداد سے حاصل کرنے کی کوششوں کو بہترین طریقہ سے پیش کیا ہے۔ ضمناً یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک بیوہ کو کیسی زندگی بسر کرنا چاہیے۔ قیمت مجلد عہ

بنی اسرائیل کا چاند مصنفہ رائڈر ہیگرڈ، مترجمہ عبدالمجید حیرت بی اے علیگ۔ فرعون کا دورِ حکومت، شاہزادہ سیتی ولی عہد سلطنت کی انصاف و عدل کے لیے معزولی، عبرانیوں پر مظالم، ایک عبرانی لڑکی میراپی کے حیرت انگیز کارنامے، مصر پر خدا کے بنی اسرائیل کی طرف سے پے در پے مختلف قسم کی وبائیں۔ بنی اسرائیل کی آزادی، فرعون کی معہ لشکر غرقابی، سیتی و میراپی کے تعلقات کی دلگداز داستان۔ قیمت مجلد عا

ضرب الامثال از خواجہ محمد عبدالمجید دہلوی۔ یہ ۸۰ ضرب الامثال کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایسے ضرب الامثال ہیں جو قصہ طلب ہیں اور جن کا مفہوم قصہ بیان کئے بغیر کما حقہٗ سمجھ میں نہیں آتا، اب تک اردو زبان میں ایسی کتاب نہیں شائع ہوئی۔ قیمت ۸ر

دلی کی دو سو برس کی تاریخ یہ اردو اکاڈمی کا ایک مقالہ ہے، اس میں تمام تر دہلی کے نابود شدہ اور موجودہ آثار سے بحث کی گئی ہے۔ ان کا اسلامی اور ہندی فنون سے ربط اور ارتقائے فنون میں ان کی جگہ اور قدر و قیمت دکھائی گئی ہے۔ قیمت ۵ر

عقاب از رقیہ ریحانہ، یہ چار چھوٹے قصوں کا مجموعہ ہے۔ قدا ابو خان کی بکری کو تو دیکھو، یہ بھی غلام رہنا پسند نہیں کرتی۔ لڑتے لڑتے مرجاتی ہے۔ لیکن غلامی کے زنجیر میں بندھا رہنا گوارا نہیں کرتی۔ قیمت ۴ر

چنبیلی یہ چھوٹے بچوں کے لیے آسان زبان میں ایک دلچسپ کہانی ہے۔ قیمت ۲ر

مکتبہ جامعہ

دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ

سورۂ یٰسین

مضمون اور نظم و ربط۔

مضمون | پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حکمت بھرے قرآن کو دلیل کے طور پر پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ قرآن کسی بندے کا کلام نہیں ہو سکتا۔[۱] یہ تو حکیم مطلق خدا کا کلام ہے۔ لہٰذا اس پُرحکمت قرآن کا لانے والا جھوٹا دعویٰ نہیں کر رہا بلکہ سچ مچ اللہ پاک کا رسول ہے اور دوسرے سچے رسولوں کی طرح سیدھی

---

[۱] سب کے سب لوگ وحی کے لحاظ سے قرآن مجید کے متبع ہو جاؤ اور غیر وحی امور میں ہر عقل مند کے زرّیں و معقول اقوال کو مانو، لیکن یہ یاد رہے کہ اقوالِ انسانی کو ہرگز ہرگز بے بدل اور بے غلط وحی سے کوئی نسبت نہیں۔ این الثریا من الثریٰ؟ قولِ بشر اور وحی الٰہی کو ہم مرتبہ کہنا شرک اور ظلم عظیم ہے۔ دوسرے نیک بندوں کی طرح نبی علیہ السلام کے بھی اقوال زرّیں اور قابلِ عمل ہیں، مگر وہ وحی ہرگز نہیں ہیں۔ وحی اور غیر وحی میں خدا تعالیٰ نے فرق واضح کر دیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی یہی رَٹ لگائے جائے کہ "بخاری و مسلم کتاب اللہ میں داخل ہیں" تو اس کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وُہی صحیح فیصلے دینے والا ہے۔

قرآن مجید کو البلاغ المبین کا نام دیا گیا ہے۔ "مبین" اُسے کہتے ہیں، جو ایک شے کو صاف صاف بیان کر دے جس میں نہ اینچ پیچ ہو اور نہ مروڑ تروڑ۔ صحیفۂ فطرت کو بھی کتاب مبین کا لقب عطا فرمایا ہے۔ اس میں بھی کوئی کجی نہیں ہے۔ قرآن مجید اور صحیفۂ فطرت کو اللہ پاک نے کئی جگہ ایک ہی نام سے یاد کیا ہے۔ اوّل الذکر خدا کا کلام ہے اور موخر الذکر خدا کا کام۔ دو تو ایک ہی مصنف کی تصنیف ہیں، اور آپس میں کلّی مطابقت رکھتی ہیں۔ پس وحی اور عقل انسانی میں تمیز کرو۔ دونو کو گڈمڈ نہ کرو۔ خدائی اور انسانی کلام کو ایک درجہ دینا صریح شرک ہے۔ عدت کے انتظار اور اخراجات وغیرہ سے بچنے کے لیے بیوی کو ماں کہہ دینا مُفتیٔ حقیقی کے سامنے ناجائز قرار دیا گیا۔ بارگاہِ ایزدی نے رسول ؐ کے قول کے مقابلے پر ایک عورت کی فریاد یا بات قبول فرمائی۔ اور بالحق یہ فیصلہ دیا کہ یہ تو طلاق ہی نہیں ہے، یہ تو اُن مکّاروں کا فریب ہے جو بیوی کو ماں کہہ دیتے ہیں، اُن کے لیے لازم ہے کہ فوراً رجوع کریں اور تائب ہوں۔ اگر چند سے اڑے رہے تو ان کو جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ الحاصل خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی اور کی بات فرمانِ خدا کی طرح قابل عمل نہیں۔ انسان کوشش کر کے بُرائیوں سے بچے اور نیک بننا سیکھے۔ بُرائی میں کسی خلافِ حق، کسی بڑے سے بڑے انسان، حتیٰ کہ نبی کی بات بھی نہیں مانی جا سکتی۔

راہ پر ہے۔ صراطِ مستقیم کی یہ تعلیم بہت زبردست اور بہت رحم والے خدا کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ اس تعلیم سے خدائے رحیم کا یہ مقصد رہے کہ غافل لوگوں کو بیدار کرے۔ قرآن مجید سے سخت دل اشرار کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ فائدہ حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں، جو دل سے خداتعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ بدکاروں کا انجام بُرا ہے اور نیکوں کے لیے نیک بدلہ ہے۔

دوسرے رکوع میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قریش کی طرح زمانۂ ماضی میں بھی لوگ خداتعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلاتے اور انہیں قسم قسم کی تکلیفیں دیتے رہے ہیں اور جو کوئی ہدایت کو قبول کرلیتا، اس کے دشمن ہوجاتے، بلکہ بسا اوقات اسے موت کے گھاٹ اُتار دیتے لیکن یہ یاد رہے کہ ایمان پر مرنے والے کو فوراً جنت میں داخل کردیا جاتا ہے اور مکذبین ہلاک کرکے خدا کے دربار میں پیش کیے جاتے ہیں اور اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ اُٹھاتے ہیں۔

تیسرے رکوع میں قدرتی اور تاریخی نشانات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ خداتعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں ہیں لہٰذا اس کا شکر کرو اور اپنے گذشتہ و موجودہ اعمالِ بد کو چھوڑ کر اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ مگر کافر ہیں کہ ان پر کوئی اثر نہیں۔ خدا کی پکڑ سے بھی نہیں ڈرتے۔ بلکہ عذابِ الٰہی کو دعوت دیتے ہیں۔ عذابِ الٰہی بغیر اطلاع کے اُن کو اچانک آ لیتا ہے۔ پھر نہ گھر لوٹنے کی فرصت ملتی ہے اور نہ وصیت کرنا ہی نصیب ہوتا ہے۔ ہاں یہ حامیانِ کفر و تعصب آپس میں لڑتے ہوئے اس جہانِ فانی سے بے آبرو رخصت ہوتے ہیں۔

چوتھے رکوع میں اُن لوگوں کی پیشی کا بیان ہے جو اس عذابِ ناگہانی کی وجہ سے اچانک موت کا شکار ہوئے۔ عذاب کو دیکھ کر کافر اب معترف ہوتے ہیں، لیکن اس وقت تو گذشتہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا اور سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ ہاں جو نیک لوگ ان اشرار کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے لقمۂ اجل ہوئے، اُن کے لیے خوشی۔ عزت اور سلامتی ہے۔ مجرم الگ نظر آرہے ہیں۔ یہ شیطان کے چیلے جہنم میں داخل کردیے گئے ہیں۔

پانچویں رکوع میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ انسان زیادہ عمر پاکر بھی عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے خدا کے عذاب سے ڈرو اور دانائی کے معلم قرآن کو مان لو۔ لیکن ضدی کب ضد چھوڑتے ہیں؟ کبھی قرآن کو جادو کہتے ہیں اور کبھی شعر کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو روشن قرآن ہے، مگر جن کے دل مُردہ ہوں...

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۵۹) رسولِ کریم ؐ کو حکم ہے کہ یونس ؑ کی طرح نہ بننا، ان کی غلطی کا اتباع نہ کرنا۔ آں جناب ؐ کو حکم ہے کہ "فبھدٰھم اقتدہ" یہ نہیں کہا کہ "رسولوں کی اقتداء کر" بلکہ یہ فرمایا کہ "رسولوں کی ہدایت کی اقتداء کر" ہدایت کی اقتداء، وحی کی اطاعت ہے۔ وحی الٰہی لغزش اور خطا سے پاک ہے۔ لیکن یونس ؑ نبی سے لغزش ہوئی لہٰذا اس کے اتباع سے روکا گیا۔ اھدنا الصراط المستقیم ربنا تقبل دعاء۔

ہیں، انہیں کیونکر احساس ہوگا؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں جتلاتا ہے۔ باوجود ان انعامات کے مشرک لوگ معبود گھڑتے ہیں۔ دوسری زندگی اور جزا و سزا کا انکار کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی اصلیت کو بھول چکے ہیں۔ وہ کچھ نہ تھے اور خدا نے پھر انہیں وجود میں لایا۔ وہی خالق اکبر دوبارہ انہیں زندہ کردے گا ہر چیز اس کی ملکیت ہے اس لیے وہ جو چاہے اور جو چاہے کرسکتا ہے۔

نظم و ربط اس سے پہلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ باوجود ان بے بدل حقائق کے، مشرک برابر رسولوں کو جھٹلاتے اور شیطان کے مرید بن کر حق پرستوں کو ستاتے اور خدا کی توحید کی سرتوڑ مخالفت کر رہے ہیں۔

سورۃ یٰس میں بھی یہی بیان ہے۔ سب سے پہلے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول کے پیش کیا ہے۔ پھر یہ بتلایا ہے کہ صرف قریش ہی آں جناب کو نہیں جھٹلا رہے۔ بلکہ آں سرور سے پہلے بھی لوگوں نے رسولوں کا ٹھٹھا اڑایا اور ان کی تکذیب کی۔ سورۃ فاطر کی طرح اس سورت میں بھی ساتھ ساتھ آیاتِ الٰہی اور عجائباتِ قدرت کا ذکر ہے۔

پھر دونو سورتوں میں مکذبین کے عذاب اور مصدقین کے نیک اجر کا بیان ہے۔ پہلا گروہ جہنم رسید ہوتا ہے اور دوسرا گروہ دائمی امن اور راحت کی زندگی پاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ کے بے حد رحم والا (اور) ہمیشہ رحم کرنے والا۔

(۱) یٰسٓ ۝ یا اور س دونوں حروف ہی ہیں، اُن کو بطور بیج کے پیش کیا ہے۔ اس بیج کے اندر ایک درخت پنہاں ہے، لیکن انسانی آنکھ اُسے نہیں دیکھ سکتی۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ہی مہربانی فرما کر اس بیج سے درخت نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اور ان حروف کی یوں تشریح فرمائی ہے:

(۲) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ قرآن حکمت والے کی (گواہی یا) قسم ہے۔

(۳) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ کہ تحقیق تُو (اے محمدؐ) ضرور (سچے) رسولوں میں سے (ایک رسول) ہے (اور وحی کا پیرو ہے، تو کوئی انوکھا رسول نہیں ہے۔ قرآن مجید کو حکمت کے سبب سے خدا کا کلام مانا گیا ہے، لہٰذا محمد رسول سچ مچ اللہ تعالیٰ کے پیغام لانے والے ہیں

راہ پر ہے۔ صراطِ مستقیم کی یہ تعلیم بہت زبردست اور بہت رحم والے خدا کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ اس تعلیم خدائے رحیم کا یہ مقصد ہے کہ غافل لوگوں کو بیدار کرے۔ قرآن مجید سے سخت دل اشرار کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ فائدہ حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں، جو دل سے خداتعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ بدکاروں کا انجام برا ہے اور نیکوں کے لیے نیک بدلہ ہے۔

دوسرے رکوع میں یہ بیان فرمایا ہے کہ قریش کی طرح زمانۂ ماضی میں بھی لوگ خداتعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلاتے اور انہیں قسم قسم کی تکلیفیں دیتے رہے ہیں اور جو کوئی ہدایت کو قبول کرلیتا، اس کے دشمن ہو جاتے، بلکہ بسا اوقات اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایمان پر مرنے والے کو فوراً جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے اور معاندین و مکذبین ہلاک کر کے خدا کے دربار میں پیش کیے جاتے ہیں اور اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ اٹھاتے ہیں۔

تیسرے رکوع میں قدرتی اور تاریخی نشانات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ خداتعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں ہیں۔ لہٰذا اس کا شکر کرو اور اپنے گذشتہ و موجودہ اعمالِ بد کو چھوڑ کر اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ مگر کافر ہیں کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ خدا کی پکڑ سے بھی نہیں ڈرتے۔ بلکہ عذابِ الٰہی کو دعوت دیتے ہیں۔ عذابِ الٰہی بغیر اطلاع کے ان کو اچانک آ دباتا ہے۔ پھر نہ گھر لوٹنے کی فرصت ملتی ہے اور نہ وصیت کرنا ہی نصیب ہوتا ہے۔ ہاں یہ حامیانِ کفر و تعصب آپس میں لڑتے ہوئے اس جہانِ فانی سے سپردِ رخصت ہوتے ہیں۔

چوتھے رکوع میں ان لوگوں کی پیشی کا بیان ہے جو اس عذابِ ناگہانی کی وجہ سے اچانک موت کا شکار ہو گئے۔ عذاب کو دیکھ کر کافر اب معترف ہوئے ہیں، لیکن اس وقت تو گذشتہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا اور سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ ہاں جو نیک لوگ ان اشرار کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے لقمۂ اجل ہوئے، ان کے لیے خوشی۔ عزت اور سلامتی ہے۔ مجرم الگ نظر آ رہے ہیں۔ یہ شیطان کے چیلے جہنم میں داخل کر دیے گئے ہیں۔

پانچویں رکوع میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ انسان زیادہ عمر پا کر بھی عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے خدا کے عذاب سے ڈرو اور دانائی کے معلم قرآن کو مان لو۔ لیکن ضدی کب ضد چھوڑتے ہیں؟ کبھی قرآن کو سحر کہتے ہیں اور کبھی شعر کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو روشن قرآن ہے، مگر جن کے دل مردہ ہو چکے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۵۹) رسولِ کریمؐ تک کو حکم ہے کہ یونسؑ کی طرح نہ بننا، ان کی غلطی کا اتباع نہ کرنا۔ آں جنابؐ کو یہ حکم ہے کہ "فبھداھم اقتدہ" یہ نہیں کہا کہ "رسولوں کی اقتداء کر" بلکہ یہ فرمایا کہ "رسولوں کی ہدایت کی اقتداء کر" ہدایت کی اقتداء، وحی کی اطاعت ہے۔ وحی الٰہی لغزش اور خطا سے پاک ہے۔ لیکن یونسؑ نبی سے لغزش ہوئی۔ لہٰذا اس کے اتباع سے روکا گیا۔ اھدنا الصراط المستقیم ربنا تقبل دعاء۔

ہیں، انہیں کیونکر احساس ہوگا؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں جتلاتا ہے۔ باوجود ان انعامات کے، مشرک لوگ معبود گھڑتے ہیں، دوسری زندگی اور جزا و سزا کا انکار کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی اصلیت کو بھول چکے ہیں۔ وہ کچھ نہ تھے اور خلاق و علیم نے انہیں وجود میں لایا۔ وہی خالق اکبر دوبارہ انہیں زندہ کرے گا۔ ہر چیز اس کی ملکیت ہے اس لیے وہ جو چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔

نظم و ربط اس سے پہلی سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ باوجود ان بے بدل حقائق کے، مشرک برابر رسولوں کو جھٹلاتے اور شیطان کے مرید بن کر حق پرستوں کو ستاتے اور خدا کی توحید کی سرتوڑ مخالفت کر رہے ہیں۔

سورۃ یٰسٓ میں بھی یہی بیان ہے۔ سب سے پہلے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول کے پیش کیا ہے۔ پھر یہ بتلایا ہے کہ صرف قریش ہی آں جناب کو نہیں جھٹلا رہے۔ بلکہ آں سرور سے پہلے بھی لوگوں نے رسولوں کا ٹھٹھا اڑایا اور ان کی تکذیب کی۔ سورۂ فاطر کی طرح اس سورت میں بھی ساتھ ساتھ آیاتِ الٰہی اور نشانیاتِ قدرت کا ذکر ہے۔

پھر دونوں سورتوں میں مکذبین کے عذاب اور مصدقین کے نیک اجر کا بیان ہے۔ پہلا گروہ جہنم رسید ہوتا ہے اور دوسرا گروہ دائمی امن اور راحت کی زندگی پاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ کے بے حد رحم والا (اور) ہمیشہ رحم کرنے والا۔

(۱) يٰسٓ ۝ یاؔ اور سؔ دونوں حروف ہی ہیں، ان کو بطور بیج کے پیش کیا ہے۔ اس بیج کے اندر ایک درخت پنہاں ہے، لیکن انسانی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود ہی مہربانی فرما کر اس بیج سے درخت نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اور ان حروف کی یوں تشریح فرمائی ہے:

(۲) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ قرآن حکمت والے کی (گواہی یا) قسم ہے۔

(۳) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ کہ تحقیق تو (اے محمدؐ) ضرور (سچے) رسولوں میں سے (ایک رسول) ہے (اور وحی کا پیرو ہے) تو کوئی انوکھا رسول نہیں ہے۔ قرآن مجید کو حکمت کے سبب سے خدا کا کلام مانا گیا ہے۔ لہٰذا محمد رسول سچ مچ اللہ تعالیٰ کے پیغام لانے والے ہیں

اور یہ پُرحکمت پیغام بشری طاقت سے ارفع واعلیٰ ہے نیز جس رسول کی صداقت پر کلامِ الٰہی مُہر تصدیق ثبت کرے، وہ واقعی سچا رسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن جب نازل ہوا، تو اُس وقت جاہلیت کا دَور دَورہ تھا۔ پُرحکمت قرآن نے روشن دلائل پیش کیے۔ یہی کتاب مبین کو نبی کریم لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، اپنا کچھ نہیں منواتے تھے، صرف ربّ العلمین کا بچار بننے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپؐ تعلیم کے پیرو تھے۔ اس تعلیم میں نہ شامل ہے اور نہ حصہ دار نوحؑ وابراہیمؑ اور تمام انبیاء والا اسلام سب کا دین ہے اور وُہی محمد رسول کا دین تھا، نہ کہ ایئت وبابیت اور احمدیت وغیرہ والا خودساختہ دین۔ وحی الٰہی میں اختلاف کو دخل نہیں، انسانی کلام میں یقیناً اختلاف کثیر ہوتا ہے۔ یہی ایک زبردست معیار وحی اور غیر وحی میں تمیز کرنے کا ہے، مگر لوگ اندھی تقلید میں آنکھیں بند کر کے ہر رطب ویابس اور حق وناحق کو یکساں تصور کر رہے ہیں اور نیک مشورہ دینے والوں کو عجیب عجیب ناموں سے یاد کر رہے ہیں، یہ سنّت ظالمین ہمیشہ سے جاری ہے، جس کے حملہ سے کوئی سچ کہنے والا آج تک نہیں بچا، مگر آخر میں ہمیشہ حق ہی کو غلبہ رہا، اور باطل تھوڑی دیر کے لیے اپنا سحر دکھا کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ یہ دائمی سنّت اللہ ہر زمانہ میں باطل کو شکست فاش دیتی رہی ہے۔

سب ادیان ایک ہی دین ہیں، مگر لوگوں نے دین حق میں اپنے خودساختہ عقائد کو داخل کر لیا آخرکار خدا کی حفاظت میں قرآن مجید اکمل اور ممتاز اور تمام ادیان کا نچوڑ ہمیں ملا، جس میں باطل کو کسی طرف سے داخل ہونے کی راہ نہیں مل سکتی، یہ کتاب عین فطرت کے مطابق ہے، خلافِ فطرت باتوں کا نام قرآن مجید "بدعت" رکھتا ہے، مگر لوگوں نے اَور چیزوں کا نام بدعت رکھ لیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا تھا کہ بیمار دلوں کا علاج کیا جائے، اسی لیے رؤف ورحیم خدا نے قرآن مجید بھیجا۔ قرآن مجید نور ہے، جس کو کھُلم کھُلا پہونچا دینے کا آپ کو حکم تھا اور آپ نے بغیر کسی بخل کے حرف بحرف پہونچا دیا۔ اس کے بعد باقی عقلی تفسیریں عقلی درجہ رکھتی ہیں اور انسانی کوششیں ہیں۔ ان کو وحی کا درجہ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ خدائی تفسیر قرآن مجید ہی میں آگئی ہے، اس کو باہر تلاش کرنا قرآن مجید کا بطلان کرنا ہے۔ وحی والی تفسیر خود کتاب نے کر دی ہے، یہ بندوں پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ چنانچہ آں حضرتؐ آیات سُنا سُنا کر مسائل کو قرآن مجید سے بیان کیا کرتے تھے۔ آپؐ بندوں کی صف میں تھے اور سابقین میں سے تھے، ان کو خدائی صف میں بٹھانا صریح شرک ہے۔ انبیاء کوششیں اور جدوجہد کر کے نیکیوں میں بڑھتے، اور بہت بڑے نیک بندے بنتے تھے، اور بندے ہی رہتے

تھے، نہ کہ (معاذ اللہ) خدا ہو جاتے، یا اس کے بیٹے بن جاتے تھے۔ تمام رسول صراطِ مستقیم ہی کی تعلیم لے کر آئے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کا اعلان کیا اور بندوں میں حریت و مساوات پیدا کرنے کی تاکید کی اور شیطان کے اتباع سے منع فرمایا۔ بس یہ تھی سیدھی راہ، اس پر آپ بھی تھے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۴) عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ اوپر سیدھے راستہ کے ہے (آپ صراطِ مستقیم پر تھے، نہ کہ خود صراطِ مستقیم تھے۔ صراطِ مستقیم قرآن مجید ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر ہمارے واسطے اتارا)

(۵) تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ اتارنا عزت والے رحم والے کا۔

(۶) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

تاکہ ڈرائے تو (نافرمانی کی عقوبت سے اس) قوم کو جن کے آباؤ اجداد (ایک مدت دراز یعنے جناب اسمٰعیلؑ کے بعد سے اب تک) نہیں ڈرائے گئے۔ پس وہ (لمبا عرصہ گذر جانے کے سبب سے اصلی تعلیم سے) بے خبر ہیں (اس پر طرّہ یہ کہ اہلِ کتاب بھی ان کو کوئی بات پوری نہ بتاتے اور حق بات تو یہ ہے کہ وہ اہلِ کتاب خود بھی حقیقت سے بے خبر تھے اور روایات کے سمندر میں غرق تھے اور قریش کو ان کی یہی تعلیم پہونچی ہوئی تھی کہ تمہاری ہدایت مومنین کی تعلیم سے بہت بہتر ہے، اسی پر ڈٹے رہو۔ غرض کچھ تو ناقص اور غلط تعلیم اور کچھ ضد و شرارت کی وجہ سے وہ لوگ اپنی بدعادات کو اچھا سمجھتے اور انہیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے فرمایا):

(۷) لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

البتہ تحقیق بات حق ہو گئی ان کی اکثریت پر، پس وہ ایمان نہیں لاتے (بسبب اپنی شرارتوں اور عناد کے یعنی تکالیف اور عذاب کے مستحق بن گئے ہیں۔ لہٰذا اُن کی کرتوتوں کے سبب سے)

(۸) اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیے۔ پس وہ (ان کی) ٹھوڑیوں تک ہیں پس وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے سر (بسبب ان کی ضد او تکبر کے) اونچے کر دیے گئے ہیں۔

(اور اب مطلقاً نیچے نہیں ہو سکتے) اور (بسبب کی اندھی تقلید ضد اور جہالت کے)

(۹) وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ہم نے ایک دیوار ان کے آگے اور ایک دیوار اُن کے پیچھے بنادی ہے (حق سے اعراض کرنے کی۔ کو یہ قدرتی سزا مل گئی اور یوں ہدایت کے تمام راستے اُن کے لیے مسدود ہو گئے) پس ہم نے کو (اوپر سے بھی) ڈھانکا (ظلمٰتٌ بعضُها فوقَ بعض) پس وہ (بسبب اپنے اعمال بد کے اصلی ہدایت یعنی قرآن مجید اور فطری روشنی یعنی عقل وخرد سے محروم ہو گئے ہیں اور اس کتاب مبین کی کھلی اور روشن تعلیم کو دل کی آنکھوں سے) نہیں دیکھتے ہیں اور (جب مرض اس حد تک پہنچ جائے کہ مریض بجائے علاج کے بدپرہیزی پر اتر آئے تو ایسے وقت میں حکیمانہ مشورہ دینا اور عقل کی بات کہنا یا نہ کہنا ایک جیسا ہوتا ہے۔ کیونکہ مریض ضد کی وجہ سے ہر بات کا اُلٹ ہی کرتا ہے۔ پس ان قیدی لوگوں میں سے اکثروں کی حالت زبون تھی۔ ہاں اگر یہ لوگ خود کوشش کرکے ان بلاؤں کے اندھیروں سے نکلنا چاہیں، تو رحمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ اُن کو روشنی میں لے آئے، مگر جب وہ ظالم یعنی ظلم پر اڑے ہوئے ہیں تو وہ اور بھی ظلمت کی طرف ہی بڑھتے جاتے ہیں اور قانونِ خداوندی جبراً انہیں نیک نہیں بناتا، مگر خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے کو دولت ایمان مل جاتی ہے اور وہ بخشش و انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اس ضد اور تعصب کے ہوتے ہوئے)

(۱۰) وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

خواہ تو اُنہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے اُن کے لیے ایک سا ہی ہے۔ یہ لوگ (اس حالت میں) ایمان نہیں لانے کے۔

(۱۱) إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝ سوائے اس کے نہیں کہ تو اُسے ڈراتا ہے جو نصیحت کے پیچھے چلتا ہے اور (بلا استحقاق مہربانی کرنے والے) بے حد رحم والے (خدا) سے

غائبانہ ڈرتا ہے پس (جو شخص خدا تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا ہے) اسے خوشخبری دے بخشش اور عزت والے اجر کی (ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، ہم ہی ہر ایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دیتے ہیں، یہ ہمارا دائمی قانون ہے کہ ہم کسی شے کو ضائع نہیں کرتے، ہمارے سامنے پیش ہو کر ہر ایک نفس اپنی کمائی کا پھل پا لیتا ہے۔ چنانچہ)

(۱۲) اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۟ تحقیق مُردوں کو (بھی) ہم (ضائع نہیں کرتے اور نہ مدت مدید تک انہیں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیتے ہیں بلکہ مرنے کے ساتھ ہی انہیں) زندہ کرتے چلے آئے ہیں اور (انہیں ان کے اعمال کا صحیح بدلہ دینے کے لیے ان کے سب عمل) لکھتے آئے ہیں جو (عمل) آگے بھیجے انہوں نے اور جو (بدعات وغیرہ) وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں، یہ اور سب باتیں ہم روشن اعمال نامے میں (یعنی صحیفۂ فطرت میں) محفوظ رکھے رہتے ہیں تاکہ ان کی کرتوتوں کو ان کے سامنے رکھ دیا جائے اور انہیں انکار کی گنجائش نہ رہے۔ عین ضرورت کے موقعوں پر خداوند کریم اپنی کمال مہربانی سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا رہا۔ کوئی سلیم القلب ایمان لاتا رہا، ورنہ سرکشی اور غرور و تکبر وغیرہ سے توحید کا مقابلہ ظالموں کی طرف سے ہمیشہ ہوتا رہا۔ قریش لاف زنی کیا کرتے تھے کہ اگر ہمیں کوئی ہدایت نامہ ملے تو ہم کسی ایک قوم سے بہتری میں پیچھے نہ رہیں، مگر جب نذیر آیا تو انہوں نے ڈٹ کر حق کی مخالفت کی اور ان کے وہ بڑے بڑے دعوے پادر ہوا ثابت ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایک تاریخی مثال بیان کر کے انہیں بتلایا کہ انبیاء کو سرکشوں کی طرف سے کیا جواب ملتا رہا اور پھر شریروں کا انجام کیا ہوا اور نیک عمل کس مقام پر پہنچا۔ چنانچہ ارشاد ہے)

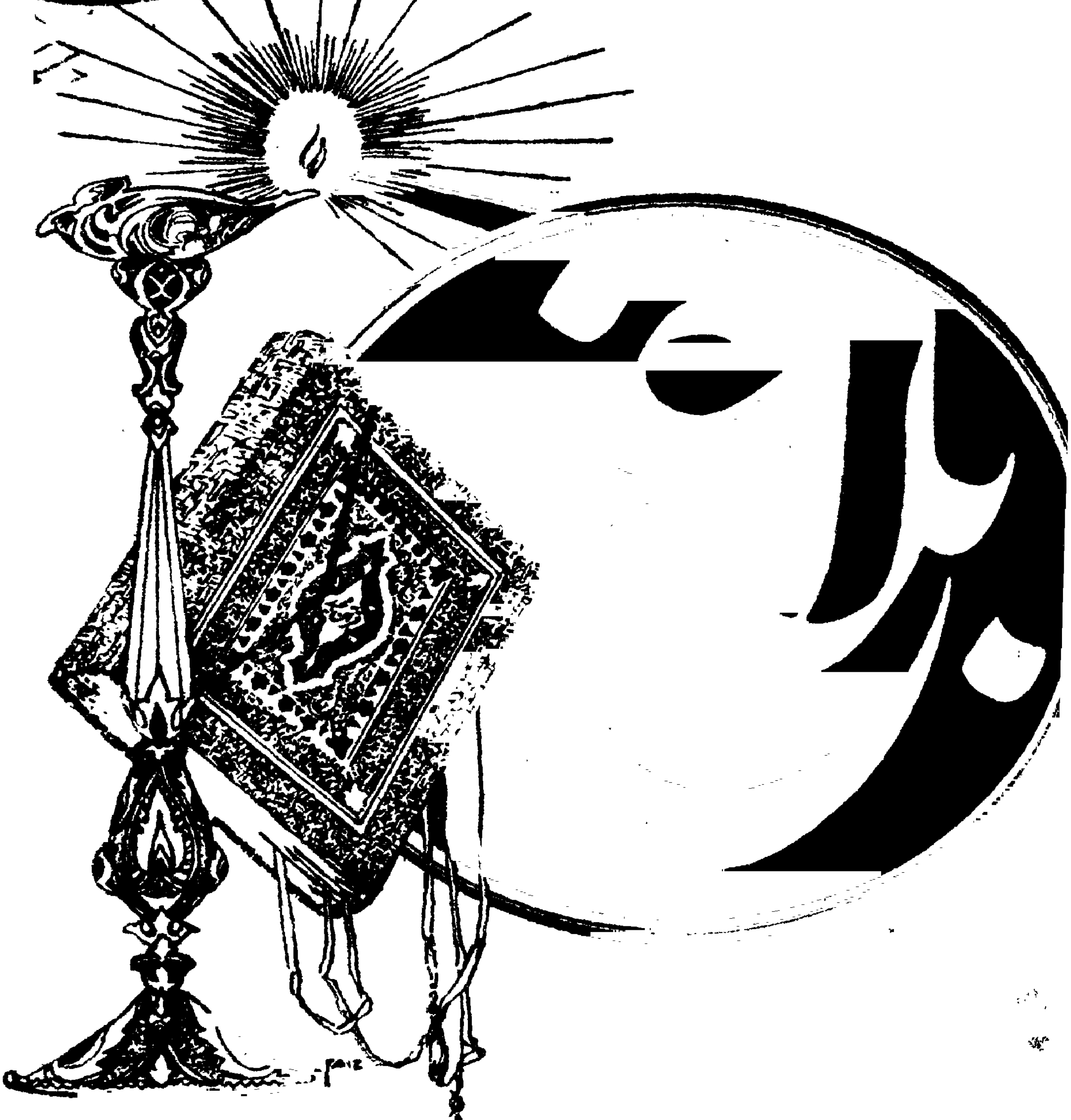
(۱۳) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۟ اور بطور مثال کے ایک گاؤں والوں کے (اس وقت کے) حالات بیان کر جب اس بستی (کے رہنے والوں) کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے آئے (سب رسولوں کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے، یعنی توحید الٰہی اور مساوات و حریت کا سبق دینا، پس ایک رسول کی رسالت پر ایمان لانے سے انسان سب رسولوں کا مومن بن جاتا ہے اور ایک کی تکذیب سے سب کا کافر کیوں کہ

رسل و انبیاء کا مومن یا کافر ہونا حقیقت کے لحاظ سے خدا کا مومن و کافر بنتا ہوتا ہے۔

(۱۴) اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ جب بھیجے ہم نے اُن کی طرف دو (پیغام بر ایک ہی پیغام دے کر) تو جھٹلایا انہوں نے دونوں (رسولوں یعنی پیغامِ حق لانے والوں) کو (تمام خدا پرستوں کا ایک ہی عقیدہ ہوتا ہے، یعنی وہ سب مُوَحِّد ہوتے ہیں، مگر ظالموں نے توحید کے حصے کر دیے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ساری صفات ایک ہی الٰہ میں کیسے اکٹھی ہو سکتی ہیں؟ باطل پرستوں نے یہ عقیدہ محض توحید کی مخالفت کی خاطر گھڑ لیا ہے۔ مگر ہمیشہ حق ہی غالب رہا اور باطل آخرالامر دُم دبا کر بھاگا) پس ہم نے ان دونوں (رسولوں) کو تیسرے (رسول) سے قوت دی (کیونکہ انسانوں کے طریقِ استدلال اور طرزِ بیان میں فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ان تینوں نے یک زبان ہو کر کہا، بالضرور ہم (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) تمہاری طرف (پیغامِ حق یا صراطِ مستقیم کی تعلیم دے کر) بھیجے گئے ہیں (ہم محض اپنی باتیں یا کچھ اپنی اور کچھ خدا کی یعنی ملی جلی باتیں سنانے کے لیے نہیں آئے۔ خالص خدا کا پیغام پہونچانے آئے ہیں، مگر وہ ظالم کب سنتے تھے)

(۱۵) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ بولے، نہیں ہو تم (خدائی صف میں بٹھانے کے لائق نہیں) مگر ہماری مانند بشر ہو (کیونکہ ہمارے معبودوں کی طرح تم میں کوئی بات بھی نہیں ہے، پھر تمہاری تعلیم کیسی مانی جائے؟ ہم تو اس کی بات مانیں گے جو فوق البشر ہو۔ اللہ اللہ! کفار تک بھی انبیاء کو بشر مانتے ہیں اور خدا تو بھی انہیں بشر ہی کہتا ہے، مگر مسلم لانے والے انبیاء کو خدا سے بھی بڑھا رہے ہیں۔ اور دیکھیے کہ کفار کہہ رہے ہیں کہ یہ خدا کی وحی نہیں، بلکہ تم یہ چیز اپنی طرف سے کہتے ہو۔ ظالم لوگ وحی کو کلامِ بشر کہتے ہیں اور اپنے مسلمان سمجھنے والے کلامِ بشر کو وحی کہہ رہے ہیں ـــ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی... الآیہ غیر وحی کو وحی کہنے والے افترا پردازو! اللہ کی پکڑ سے ڈرو۔ یہ افراط ہے) اور (تفریط پسند کفار تو یکسر وحی کے منکر تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، کہ

أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلا



اُمّتِ مسلمہ امرتسر

امت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

بلاغ

ایڈیٹر: (ڈاکٹر چوہدری) علم الدین

نمبر ۱۲	دسمبر ۱۹۳۸ء	جلد ۱۵

فہرست مضامین

مذہبی پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر چوہدری علم الدین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر امت مسلمہ امرتسر سے شائع ہوا۔

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

شذرات

وقعت الواقعہ

عہدِ حاضر کے سب سے بڑے سپاہی، دُنیائے اسلام کے سب سے بڑے فرزند اور جمہوریۂ ترکیہ کے سب سے بڑے قائد ——— مصطفےٰ کمال اتاترک ——— اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے ع

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں!

غازی مرحوم کی زندگی اور موت پر نگاہ ڈالنے سے تین سبق آموز حقائق ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

۱۔ وہ سالونیکا کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں یتیمی کا داغ کھایا اور زندگی کے کٹھن راستے پر گام زن ہو گئے۔

۲۔ نوجوانی کے زمانے میں، اُنہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی قبر پر ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر خدائے پاک کے حضور عہد کیا کہ جب تک اپنے وطن کو یونانیوں کے دخل و تسلط سے پاک نہ کرلوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔

۳۔ تیسری حقیقت ——— ذرا ٹھیریے، پہلے اِن دو باتوں پر غور کریں۔

مصطفےٰ کمال نے بے نوائی اور افلاس کے سائے میں زندگی کا سفر شروع کیا، انہیں معمولی لباس بھی فراغت سے میسّر نہ تھا، معمولی کھانا بھی انہیں آسانی سے حاصل نہ ہوتا تھا، اعلیٰ تعلیم بھی اُن کے لیے ممکن نہ تھی، لیکن بے وسیلگی اور بے سروسامانی کے باوجود وہ ایک فوجی درس گاہ میں داخل ہو گئے۔ غریب والدین کا بیٹا غریب سہی، لیکن عزم و ہمت کی دولت سے دامن خالی نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں آپ کو ملٹری افسروں کی لائن میں لے لیا گیا۔ پھر وقت آیا کہ آپ شمال مشرقی اناطولیہ میں، انسپکٹر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے اور آخر کار آپ کو ملک کی قومی تحریک کا سب سے بڑا لیڈر تسلیم کر لیا گیا۔ یہ آپ کے عزم و استقلال کی فتح تھی۔

کمال اتاترک نے اپنی مستقل زندگی کے پہلے مقام پر کھڑے ہو کر اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ آپ نے دیکھا، ترکی زوال و انحطاط کی آخری گہرائیوں میں ڈوب چکا ہے۔ ایک طرف اہلِ یونان نے افراتفری مچا رکھی تھی، دوسری طرف سلطان وحید الدین خان، یورپین حکومتوں کی در پردہ نیابت میں ملک کی بربادی کا

پیش خیمہ ثابت ہو رہا تھا اور تیسری جانب اہلِ یونان کی پشت پر اتحادیوں کا ہاتھ اپنی کرشمہ سازیوں میں مصروف تھا۔ یہ ملک کی فوجی اور سیاسی حیثیت تھی۔ معاشرتی اور مدنی حالات اس سے بھی زیادہ افسوس ناک تھے۔ سارے ملک میں جہالت و توہمات کی بھر چھائی ہوئی تھی۔ عوام الناس پر مُلاؤں اور پیروں، واعظوں اور صوفیوں کا اثر و رسوخ مسلط تھا۔ اُن کے دماغ بوسیدہ، اُن کی ذہنیتیں پامال، اُن کی صحتیں برباد اور اُن کے قوائے عمل و فکر، ہم ہندوستانیوں کی طرح شل ہو چکے تھے۔ ملک میں نہ سڑکیں تھیں، نہ ریلیں، نہ شفا خانے، نہ لائبریریاں، نہ مدرسے، نہ یونیورسٹیاں ــــــ پامالی اور بربادی کا یہ وسیع منظر تھا اور مصطفےٰ کمال کی اکیلی جان! مصطفےٰ کمال کی اکیلی جان تھی اور زمین کی پہنائیوں سے زیادہ وسیع اور آسمان کی بلندیوں سے زیادہ بلند تھا۔ اُن کا وہ عہد، جو انہوں نے خدا کے حضور پیش کیا تھا۔

پھر دیکھو! فرانس اور برطانیہ نے، رُوس اور یونان نے، لائڈ جارج اور وحید الدین نے اپنی آنکھوں کے سامنے اس عہد کی تکمیل، فولادی قوتوں کے معجزے دیکھے۔ مصطفےٰ کمال پر بغاوت کا فتوےٰ لگایا گیا، انہیں اشتہاری مجرم قرار دیا گیا، انہیں جیل کی چار دیواریوں میں بند رکھا گیا اور پھر پورے بارہ برس تک وہ تلوار ہاتھ میں لے کر آگ اور خون کے سمندر میں تھپیڑے کھاتے رہے۔ اس اثنا میں انہوں نے صدہا مصائب برداشت کیے، یہاں تک کہ اُن کا گھوڑا زخمی ہو گیا، اُن کی پسلی ٹوٹ گئی، اُن کو جان کے لالے پڑ گئے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑا۔ یونان شکست کھا گیا، وحید الدین اپنے عزائم میں ناکام ہوا، لائڈ جارج وزارتِ برطانیہ سے محروم رہ گیا، روس اور برطانیہ، جرمنی اور اٹلی جیسی مختار و آزاد حکومتوں نے دوستی کے لیے ہاتھ بڑھائے اور آج دنیا کی تمام آزاد حکومتوں میں ٹرکی ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے۔ یہ مصطفےٰ کمال کے عہد کی فتح تھی۔

ہاں، تیسری حقیقت، جس کا ذکر میں راستے ہی میں چھوڑ آیا ہوں، یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال کی بے مثال کامیابی کے سبب صرف دو ہیں۔ ایک عزم و استقلال اور دوسرا ایفائے عہد۔ ان ہی دو چیزوں نے انہیں دنیا کے عظیم ترین انسانوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ انہوں نے شہرت بھی کمائی، عزت بھی پائی اور حکومت بھی حاصل کی۔ دنیا کی کوئی متمدن بستی، کوئی مہذب شہر، کوئی تعلیم یافتہ آبادی ایسی نہیں ہے، جہاں اُن کا نام نہ پہنچا ہو، لیکن اتنا بڑا آدمی بھی آخر کار شکست کھا گیا، موت کے ایک جھٹکے نے اُسے ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔ اب وہ خاک کے نیچے دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا سوتا ہے، اُس خاک کے نیچے جہاں سلیمانؑ سویا پڑا ہے، جہاں ذوالقرنین لیٹا ہوا ہے، جہاں ابراہیم و محمد (صلی اللہ علیہما وسلم)،

آرام فرما ہیں اور جہاں، ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا، وہ بادشاہ بھی گیا ہے، جس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ـــــ ہاں، مصطفےٰ کمال کی موت، خود موت کی فتح ہے۔

آہ! وہ انسان، جس کے لیے زمین و آسمان، چاند اور ستارے، پہاڑ اور سمندر مسخر کیے گئے، موت کے سامنے وہ خود مسخر ہو کر رہ جاتا ہے! فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ادعائے اتحاد

پچھلے دنوں پنجاب کے ایک غیر معروف قصبے کے قریب ایک مولانا تشریف لائے، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت، اصلاح اور سربلندی کی خاطر ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ ایک صاحب خیر بزرگ نے ہزارہا روپے کے خرچ سے وسیع و عظیم اور عالی شان عمارتیں تیار کرادیں اور پھران عمارتوں کو اس نیک مقصد کے لیے وقف بھی کردیا۔

چند مہینوں تک خوب غوغا آرائی ہوتی رہی، اسکیمیں بنتی رہیں، مشورے ہوتے رہے، علمائے کرام کو دعوت دی گئی کہ وہ سب سر جوڑ کر بیٹھیں اور ہندوستان کے بدقسمت مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ایک لائحہ عمل یا پروگرام تجویز کردیں۔ معاملہ یہیں تک رہتا، تو خیر ایک بات بھی تھی، مگر زمین کے چند ٹکڑوں اور عمارات کے ایک مختصر سلسلے کو دیکھ کر مولانا موصوف تخیلات کی دنیا میں کھو گئے۔ انہوں نے سوچا، ہو نہ ہو یہ "آغاز کار" پیش خیمہ ہے مسلمانوں کی تنظیم و اقتدار کا، حکومت و سلطنت کا، آزادی اور وقار کا، ذہن اس "خواب" کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ حکومت، اس کے اقسام، اس کے مختلف شعبے، ہر شعبے کے فرائض، حلف نامے اور دستور العمل کی ترتیب و تقسیم کی مہم آن پڑی۔ حاکمیت (SOVEREIGNTY) عمومی حاکمیت (PAPULAR SOVEREIGNTY) حاکمیت مطلقہ (UNLIMITED SOVEREIGNTY) جمہوریت اور ڈکٹیٹر شپ وغیرہ مختلف قسم کی بادشاہیوں پر بحث کی گئی۔ پھر چند آدمیوں کے اشتراک سے ایک مجلس بنائی گئی۔ سیاسی اور علمی شعبوں کا افتتاح کیا گیا، رکنیت کے حلف ناموں پہ دستخط لیے گئے اور خود ہمارے "مولانا" نے ہٹلر اور مسولینی کے اختیارات کے ساتھ کرسی صدارت پر قبضہ جما لیا۔

اس ادارے کا دستور العمل دو ماہ کا عرصہ ہوا، چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ تخیلات کے اس مجموعہ پر مکمل بحث کرنے کے لیے نہ وقت ہے، نہ ضرورت، البتہ مشتے از خروارے کے طور پر سطور ذیل کا مطالعہ خالی از عبرت نہ ہوگا

ـــــ ادارے کی رکنیت کا دروازہ ہر مسلمان کے لیے کھلا ہوگا، اور اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقہ کے لیے بند نہ ہوگا۔ ـــــ جو لوگ تحریف قرآن کے معتقد ہوں، یا کسی انسان میں باری تعالیٰ کے حلول کا اعتقاد رکھتے ہوں، یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے ایمان کے منکر ہوں، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد کسی جدید نبوت کے قائل ہوں، یا اپنے فرقے کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوں، اُن کا شمار فرق اسلامیہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے علاوہ احتیاطاً ایسے گروہوں سے بھی اجتناب کیا جائے گا، جو اگرچہ صریح طور پر اصول سے متصادم نہیں ہیں، مگر اپنی جدت طرازیوں سے نظام شریعت کو درہم برہم کرتے ہیں۔"

یا للعجب! ایک طرف تو ارشاد فرماتے ہیں، ادارہ کی رکنیت کا دروازہ تمام مسلمانوں اور تمام اسلامی فرقوں کے لیے کھلا ہوگا، اور دوسرے ہی سانس میں اس کی تردید بھی فرما دیتے ہیں۔ تردید؟ آپ حیران نہ ہوجیے۔ تحریف قرآن کے معتقد کون ہوئے؟ شیعہ اور اہل حدیث۔ ان دونوں کے لیے تو اس ادارے میں کوئی گنجائش نہ رہی۔ حلول پر کس کا اعتقاد ہے؟ احناف اور صوفیاء کا، ان دو گروہوں کے لیے بھی دارالاسلام کا دروازہ بند ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے ایمان کے منکر کون ہیں؟ رافضی؛ یہ بھی دارالاسلام میں داخل نہیں ہو سکتے۔ "جدید نبوت" کے کون لوگ قائل ہیں؟ قادیانی، ان کو بھی باہر ہی روک لیجیے۔ رہ گئے وہ لوگ، جو اپنے فرقے کے سوا باقی سب کو کافر سمجھتے ہیں، تو اس میں قریب قریب سارے ہی فرقے آگئے، ان کو بھی اندر نہ جانے دیجیے! اور اگر کسی ایک آدھ فرقے کو آپ کی طرف سے مسلمانوں میں شامل ہونے کا سرٹیفکیٹ مل بھی جائے، تو احتیاطاً ان سے اجتناب ہی کرنا بہتر ہے، کیا عجب، وہ نظام شریعت ہی کو درہم برہم کر رہے ہوں!

یہ ہے وہ دارالاسلام، جو مسلمانوں کو کھوئی ہوئی عظمت واپس دلانے کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، جو ہمیں غلامی سے نجات دلائے گا، اور آزادی سے روشناس کرائے گا، جو ایک ایسی فضا، ایسا ماحول اور ایسی حکومت پیدا کرنے کا خواہش مند ہے، جہاں مسلمان عزت و اختیار کا سانس لے سکیں، لیکن جس کے نزدیک سارے ہندوستان کے "اسلامی فرقوں" میں سے ایک بھی فرقہ مسلمان نہیں۔

یہ بلند بانگ دعاوی، یہ رنگین تخیلات کے ساتھ ساتھ ملّایانہ ذہنیت آؤ! ہم سب مل کر اس کا ماتم کریں:

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد
وائے گر در پسِ امروز بوَد فردائے

جعلی وحی

پچھلے دنوں مسٹر ایچ۔جی ویلز کی ایک کتاب کے خلاف، مسلمان پبلک اور پریس کی طرف سے

"اہل حدیث" تحریف کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھیں گے، لیکن نسخ آیات، جس کے وہ قائل ہیں، تحریف قرآن نہ عقیدہ نہیں۔

احتجاج کے آوازے بلند ہوئے تھے [illegible]
کہ مصنف نے اپنی کتاب کے ایک باب میں [illegible] پہنچتا ہے
——— اس سے پہلے اس قسم کے صدہا واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں، بعض حالات میں مسلمانوں نے [illegible] یا احتجاج پر ہی اکتفا نہیں کی، بلکہ پیغمبرِ اسلام کی توہین کرنے والے مصنفین کو قتل تک بھی کیا جا چکا ہے۔ نگار کے بہرہ "استفسارات" میں ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ اسلام اور بانیٔ اسلام پر اس قدر خلافِ حقیقت قسم کے حملے کیوں ہوتے رہتے ہیں، اور پھر جب ہوتے ہیں، تو وہ کونسا بہترین طریق ہے، جو مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیے؟

مدیر "نگار" نے اس سوال کا مختصر، مگر تسلی بخش جواب دیتے ہوئے بعض اہم حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے ہم ذیل میں اس کا اقتباس پیش کرتے ہیں:-

"افسوس ہے کہ خود مسلمانوں کی جماعت بھی اس باب میں انصاف سے کام نہیں لیتی، اور چونکہ وہ اندھی تقلید میں مبتلا ہے، اس لیے خود اس کو اپنے معایب یا اپنی کمزوریوں پر نگاہ ڈالنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ غیر مسلم لوگ جو اعتراضات اسلام پر کرتے ہیں، یا نقائص سیرتِ نبوی میں نکالتے ہیں، ان کی بنیاد کیا ہوا کرتی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں یا نتیجہ نکالتے ہیں، اس کا ماخذ اسلامی روایات ہی ہوتی ہیں۔ ایسا تو وہ کر نہیں سکتے کہ دوسرے مذاہب یا دوسری اقوام کی کتابوں سے استناد کرتے ہوں۔

"رنگیلا رسول" کا ماخذ بھی آپ ہی کا مذہبی لٹریچر تھا اور قسطل نے جو انتقاد قرآن پر کیا ہے وہ بھی احادیث ہی کی بنا پر ہے۔ اس لیے فی الحقیقت قابلِ الزام تو خود ہمارے ہی جامعینِ احادیث، ہمارے ہی مفسرینِ قرآن اور ہمارے ہی مورخینِ اسلام ہیں، جنہوں نے روایات کو بے سمجھے بغیر انہیں صحیح تسلیم کر لیا، اور اس قدر انہیں رواج دیا کہ اسلام کا مفہوم سوائے اوہام پرستی و غیر عاقلانہ معتقدات کے اور کچھ نہ رہا ...... اس وقت تک آریوں اور مشنریوں کی طرف سے بہ کثرت ایسی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں رسول اللہ کی سیرت کو داغ دار اور قرآن مجید کو ناقص و نامکمل تصنیف ظاہر کیا گیا ہے، اور ان سب میں اُسی روایتی لٹریچر سے مدد لی گئی ہے، جو مسلمانوں کے یہاں مستند سمجھا جاتا ہے (مثلاً روایاتِ بخاری وغیرہ)، اس لیے جواب کی معقول صورت یہی ہو سکتی ہے کہ یا تو مسلمان خود ان روایات کی تکذیب کریں یا اپنی کتابوں سے نکال دیں، لیکن یہ کام مولویوں کا ہے، جو انہوں نے کبھی نہیں کیا اور نہ آئندہ کریں گے"

مدیر "نگار" کا جواب آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب ہم آپ کو ایک نہایت ہی اہم مکتوب کی طرف متوجہ کرتے

ہیں جو ایک نیک دل اور نیک سیرت حکمرانِ ریاست کے پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے حال ہی میں دفترِ ہمت کو موصول ہوا ہے۔ صاحبِ مکتوب کا ارشاد ہے:

"احادیث کے متعلق ایک عرصہ تک غور و خوض فرمانے کے بعد حضورِ ممدوح (یعنی اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر ...... (بلاغ) اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ تمام احادیث جن کی وجہ سے اسلام یا بانیِ اسلام پر اعتراضات پڑتے ہوں، یا جو خلافِ عقل و فطرت ہوں اور جن کو غلط قرار دینے سے اسلام میں کسی بات کی کمی واقع نہ ہوتی ہو، ایسی تمام حدیثوں کو کتبِ احادیث سے خارج کر دینے کی ضرورت ہے، خواہ وہ صحیح بخاری کی ہوں یا اور کتبِ احادیث کی ...... موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں HERE SAY EVIDENCE IS NO EVIDENCE[1] ایک مسلّم اصول ہے۔ اس اصول کے ماتحت اگر غور سے دیکھا جائے، تو احادیث کا ایک بیشتر حصہ غلط قرار پاتا ہے۔ کتبِ احادیث خلافِ عقل و فطرت حدیثوں سے بھری پڑی ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ ایسی تمام خلافِ عقل و فطرت حدیثوں کو کتبِ احادیث سے خارج کر کے صرف اُن حدیثوں کو باقی رکھا جائے، جن پر تمام عالمِ اسلام کا اتفاق ہو۔ یہ کام گو بہت مشکل ہے، لیکن ہمارے علما اگر توجہ فرمائیں تو آسانی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا آپ اس کی جانب اقدام فرما سکتے ہیں؟"۔

خدا تعالیٰ نواب صاحب موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اُن کی غیرتِ اسلامی نے یہ گوارا نہیں کیا، کہ اسلام اور بانیِ اسلام کو محض اس لیے ہدفِ اعتراض و تشنیع بننے کا موقع دیا جائے کہ ہمارے ہاں کسی مسلمؒ یا بخاریؒ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ واقعی یہ چیز سوچنے کے لائق ہے کہ جن کتابوں کی رُو سے پیغمبرِ اسلام کی آبرو پر ہر روز حملے ہوتے ہوں، ہر روز اسلام کا مضحکہ اڑایا جاتا ہو، ہر روز ہمارے قلب و جگر پر طعن و تشنیع کے چرکے لگائے جا رہے ہوں، ہر روز دینِ حنیف کے خلاف پروپیگنڈا کر کے ہماری ترقی اور استحکام کی جڑیں کاٹی جاتی ہوں، اُن کتابوں کو ہم حرزِ جان بنانے پر کیوں خواہ مخواہ اصرار کیے جا رہے ہیں؟ اُن کی اصلاح کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے؟ اُن کو وحی و الہام کا درجہ کیوں دیے جاتے ہیں؟ اسلام کے جسم پر اس رِستے ہوئے ناسور کی جراحی کیوں نہیں کرتے؟

آہ! یہ درد و احساس، یہ چیخ پکار، یہ آہ و فریاد، سب کچھ صحیح ہے، لیکن افسوس یہ کام "علمائے کرام" کا ہے، اُن لوگوں کا، جن کی پُشت پر عامۃ المسلمین کی جماعتیں ہیں، ایسی جماعتیں، جو اتنا ہی حُسن

---

[1] سُنی سنائی شہادت کوئی شہادت نہیں۔ (بلاغ)

سکتی ہیں، جتنا اُن کے پیش رو پسند کریں، اور اُتنا ہی دیکھ سکتی ہیں، جتنا اُن کے رہبر دکھانا چاہیں۔

لیکن نہیں، یہ کام "علمائے کرام" کے ہاتھوں بھی سر انجام نہیں پا سکتا۔ یہ لوگ پہلے بھی کسی مسئلے پر اتفاق کا ثبوت نہیں دے سکے اور آئندہ بھی اُن سے کسی قسم کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ پھر احادیث کے معاملے میں تو خصوصیت کے ساتھ ہم اس "طائفہ مقدسہ" پر کوئی اعتماد نہیں کر سکتے۔ جن سند یافتوں کے ذریعے وہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو لڑا کر اپنے کام و دہن کی لذتیں حاصل کرتے ہیں، اور جن روایتوں کی بنا پر آئے دن کوئی نہ کوئی "علم الدین" "خنجر بکف ہو کر اُن کی "آہ و فغاں" کی داد دیتا ہے، اُن روایتوں کو مجموعۂ احادیث سے نکال پھینکنا کم از کم اس بیسویں صدی کے مولوی صاحبان کے بس کی بات نہیں، البتہ اسلام کی رسوائی میں وہ اتنا کام کر سکتے ہیں کہ غیروں سے ممکن نہیں۔

لاہور کے "آریہ مسافر" نے اپنی ۲۰ر نومبر ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں ذیل کی سطور بغیر کسی حاشیہ آرائی کے ایک بہت بڑے دینی اور اسلامی اخبار سے نقل کی ہیں:

"**سوال**: آں حضرت صلعم نے اونٹوں کا پیشاب لوگوں کو پلوایا تھا، کیا حرام چیز میں شفا ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ذکر آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو اونٹ کا پیشاب اور دودھ پینے کے لیے فرمایا، جن کو استسقا ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماکول اللحم جانور (جس کا گوشت حلال ہے) اس کا پیشاب بھی حرام نہیں۔ بوقت ضرورت اس کا استعمال جائز ہے" (اہلحدیث)

فرمائیے، اب آپ کس منہ سے ہندوؤں کو یہ طعن دینے میں حق بجانب ہیں کہ اُن کے ہاں گائے کا پیشاب پینا جائز قرار دیا گیا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب لکھنے کی تکلیف کیوں گوارا فرمائی تھی؟ راج پال نے "رنگیلا رسول" کیوں شائع کیا تھا؟ ایچ جی ویلز نے "اسلام اینڈ محمد" پر کیوں دماغ سوزی کی ہے، جب کہ خود ہمارے ہاں ایسے علمائے کرام کی کوئی کمی نہیں، جو محولہ روایت کی طرح ہر روز اسلام اور پیغمبر اسلام پر کوئی نہ کوئی بہتان ضرور چھاپ دیتے ہیں ؂

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

محمد اقبال صابری

معذرت افسوس ہے کہ اس ماہ کا پرچہ بھی "تعبیر" سے خالی جا رہا ہے۔ تلافی کے طور پر کوشش کی جائے گی کہ آئندہ اشاعت کے ساتھ پانچویں منزل ختم ہو جائے۔ (مینجر)

مسئلۂ قربانی

(حضرت علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ)

شمس العلماء حافظ محب الحق صاحب نے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" سے وہ مروجہ قربانی ثابت رنے کی کوشش کی، جو ہر جگہ مسلمان عید اضحٰے کے دن کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ایک زمانہ ہوا، ایک اہل حدیث ولوی صاحب نے مجھے ایک مضمون سنایا تھا، جس میں انھوں نے اسی آیت سے نماز میں صدر پر ہاتھ باندھنے ا استدلال کیا تھا۔ مجھ کو ان کے اوپر زیادہ تعجب نہیں ہوا تھا، کیونکہ ان کی توجہ قرآن کی طرف کم اور حدیث ی طرف زیادہ تھی، مگر حافظ محب الحق صاحب چوں کہ قرآن فہمی میں شہرت رکھتے ہیں، اس وجہ سے میں نے باوجود ان کی بزرگی کے بھی سختی کے ساتھ ان کو ٹوکا تاکہ وہ آیات کو اپنے خیالات پر ڈھالیں، لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ یدان مناظرہ میں اتر آئے اور اپنے ساتھ ایک اور رفیق مولٰنا تمنا کو بھی تائید کے لیے لائے۔

چونکہ میں دینی لحاظ سے اس قسم کے غیر اصولی مناظروں کو جو مکابرہ کی حیثیت رکھتے ہوں، ناپسند رتا ہوں، اس لیے وہ غیر متعلق باتیں جو ان حضرات نے لکھی ہیں، ان کے جواب کو نظر انداز کرکے نفس آیت ے متعلق کہتا ہوں کہ اس میں صلوٰۃ اور نحر دونوں لفظ مطلق ہیں اور ہمارے اور آپ کے متفقہ اصول کے طابق قرآن کی تشریح قرآن ہی سے ہوسکتی ہے۔ اس لیے وہ آیات لکھیے، جن میں یہ مطلق مقید کیے گئے ہیں، ینی صلوٰۃ کے معنے صلوٰۃ عید اور نحر کے معنے بقرعید کی قربانی کے ہو گئے۔ اگر ایسا نہیں کرسکتے، تو ہربانی فرما کر اپنی زبان بند رکھیے یا کم از کم ہمارے سامنے ایسی بے قاعدہ تفسیر نہ پیش کیجیے۔ یہ بعینہٖ سی قسم کی تفسیر ہے، جیسی شیعہ نے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" سے حضرت علی رضؓ کو خاتم النبیین کا خلیفہ بلافصل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ کا یہ دعوٰے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت نے یہی سمجھا، بعد کی چیز ہے۔ پہلے یہ تو ثبوت دیجیے کہ آیت کا یہ مفہوم بھی ہے؟

مولانا تمنا نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ "انحر کے معنے تم نے کس قاعدہ سے لکھے ہیں کہ حلال کرکے تاجوں کو کھلا پلا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صل اور انحر میں واؤ عاطفہ کی وجہ سے تقدیر کلام یوں ہوئی کہ

"فصل لربك وانحر لربك" اور جو چیز رب کے لیے حلال کی جاتی ہے وہ صدقہ ہوتی ہے، جو مسکینو اور محتاجوں کا حق ہے۔

اور حافظ صاحب نے یہ عجیب سوال کیا ہے کہ "حج کی قربانی تو حاجیوں پر فرض ہے۔ اُمت پہ جو قربانی فرض ہے، وہ اگر سورۂ کوثر میں نہیں تو کہاں ہے؟" میں پوچھتا ہوں کہ فریضۂ حج تو حاجی ہیں "ولله على الناس حج البيت الآیہ" میں، اللہ نے اُمت پر جو حج فرض کیا ہے، وہ کہاں ہے؟ صاحب میرے سوال کا جو جواب دیں گے، وُہی بعینہٖ اُن کے سوال کا بھی جواب ہو گا، یعنی حجاج اُمت ہی کے قائم مقام ہیں۔ وُہی حج اور قربانی دونوں کو جو اُمت پر فرض ہے، ادا کرتے ہیں۔ نہ کہیں حج ہو سکتا ہے نہ قربانی۔

تعجب ہے کہ دونوں صاحبوں نے مجھ کو ملزم گردانا ہے کہ میں نے کوثر کے معنے حوض۔ لکھے ہیں، حالاں کہ نہ یہ لفظ زیر بحث تھا، نہ میں نے اس کے معنے لکھے اور میرا مضمون بھی صرف صفحوں کا تھا، جو دو منٹ میں پڑھا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو بلا وجہ بھی یہ دینا اس وجہ سے ضروری معلوم ہوا کہ کوثر کا جو مفہوم اُنھوں نے سمجھا ہے، اس کو اُمت کے سا پیش کر سکیں، یعنے "خیر کثیر" حالاں کہ یہ حوض سے بھی زیادہ بے ثبوت ہے اور حقیقت سے بعید ہے۔

قربانی

(جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے)

میں دیکھتا ہوں کہ عوام تو خیر، علما بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حج یا بقر عید میں جو جانور ذبح کیے
ہیں، اس کا نام قربانی ہے۔ اگر اس غلطی کا ازالہ کر دیا جائے تو پھر قربانی کے متعلق غالباً کوئی بحث
رہے گی۔ قربانی اگرچہ عربی لفظ ہے اور اس کا ہم معنے عبرانی "قوربان" ہے۔ مگر قرآن میں جانوروں
طرح قربان کیے جانے کو ایک جگہ بھی قربانی کا نام نہیں دیا گیا۔ قربانی کی تاریخ، اس کا فلسفہ اور
تمام ملتوں میں پایا جانا، اس پر یہاں بحث کا موقع نہیں۔ میں نے خود اس پر اپنی کتاب "فلسفۂ
" میں کافی بحث کی ہے۔ لیکن جو لوگ "علم انسان"، یعنی، (ANTHROPOLOGY) میں
درک رکھتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حج میں یا بقر عید میں جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور جس طرح
ذبیحہ کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے، اس میں اور ان قربانیوں میں جو اور مذاہب میں خاص مناسک
رکھتی ہیں، کوئی ادنےٰ مماثلت اور مشابہت بھی نہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ باوجود سے کہ قرآن
اس کو واضح طور سے بتا دیا ہے، مسلمان اب تک اپنے ایک خاص وقتی ذبیحہ کو قربانی کا نام
جاتے ہیں اور اپنے اوپر وہ تمام اعتراض عاید کر بیٹھے ہیں، جو اس نام قربانی کی وجہ سے تمام
پر پڑتے ہیں اور جس سے صرف اسلام ہی بری تھا۔ ضحیہ، نحر، ذبح یہ سب جانوروں کو خوراک
لے کے نام ہیں ——— یقیناً جانوروں کا ذبح کرنا حج کی ایک رسم قدیم ہے مگر ضروری نہیں، خواہ
سنت ابراہیمی کے نام سے یاد کیا جائے یہ صرف یہ تصور کیا جائے کہ ذبح کرنے کا مقصد حج میں
فراہم کرنے، ضیافت کی صورت پیدا کرنے اور دیگر دنیوی ضرورت و مصلحت پر مبنی ہے، مگر اس میں کوئی
نہیں۔ لیکن اگر باور کیا جائے کہ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا گوشت و خون خدا کو پہنچتا ہے اور اس
قربانی کرنا فرض و ضروری ہے تو یقیناً اسلام اور دیگر مذاہب میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور لامحالہ اسلام کے
بھی یہی حکم لگانا پڑے گا کہ وہ بھی خدا شناسی سے قاصر رہا۔ اب جن کو اسلام سے محبت ہے یا اس سے کینہ ہے
سمجھتے ہیں کہ اسلام کے نام پر کسی قسم کا دھبہ نہ آئے یا وہ بدنام نہ ہو، ان کو تنبیہ ہے کہ ان میں سے ایک صحت

"فصل لربك وانحر لربك" اور جو چیز رب کے لیے حلال کی جاتی ہے وہ صدقہ ہوتی ہے، جو مسکینوں اور محتاجوں کا حق ہے۔

اور حافظ صاحب نے یہ عجیب سوال کیا ہے کہ "حج کی قربانی تو حاجیوں پر فرض ہے۔ اُمتِ اسلامیہ پہ جو قربانی فرض ہے، وہ اگر سورۂ کوثر میں نہیں تو کہاں ہے؟" میں پوچھتا ہوں کہ فریضۂ حج تو حاجی ادا کرتے ہیں" ولله على الناس حج البيت الآیہ" میں اللہ نے اُمت پر جو حج فرض کیا ہے، وہ کہاں ہے؟ حافظ صاحب میرے سوال کا جو جواب دیں گے، وہی بعینہٖ اُن کے سوال کا بھی جواب ہوگا، یعنی حجاج اُمت ہی کے قائم مقام ہیں۔ وہی حج اور قربانی دونوں کو جو اُمت پر فرض ہے، ادا کرتے ہیں۔ نہ کہیں اور حج ہو سکتا ہے نہ قربانی۔

تعجب ہے کہ دونوں صاحبوں نے مجھ کو ملزم گردانا ہے کہ میں نے کوثر کے معنے حوض کے لکھے ہیں، حالاں کہ نہ یہ لفظ زیرِ بحث تھا، نہ میں نے اس کے معنے لکھے اور میرا مضمون بھی صرف دو صفحوں کا تھا، جو دو منٹ میں پڑھا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو بلا وجہ بھی یہ الزام دینا اس وجہ سے ضروری معلوم ہوا کہ کوثر کا جو مفہوم انھوں نے سمجھا ہے، اس کو اُمت کے سامنے پیش کر سکیں، یعنے "خیرِ کثیر" حالاں کہ یہ حوض سے بھی زیادہ بے ثبوت ہے اور حقیقت سے بالکل بعید۔

قربانی

(جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے)

میں دیکھتا ہوں کہ عوام تو خیر، علماء بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حج یا بقر عید میں جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اس کا نام قربانی ہے۔ اگر اس غلطی کا ازالہ کر دیا جائے تو پھر قربانی کے متعلق غالباً کوئی بحث باقی نہ رہے گی۔ قربانی اگرچہ عربی لفظ ہے اور اس کا ہم معنے عبرانی "قوربان" ہے۔ مگر قرآن میں جانوروں کے اس طرح قربان کیے جانے کو ایک جگہ بھی قربانی کا نام نہیں دیا گیا۔ قربانی کی تاریخ، اس کا فلسفہ اور اس کا تمام ملتوں میں پایا جانا، اس پر یہاں بحث کا موقع نہیں۔ میں نے خود اس پر اپنی کتاب "فلسفۂ مذہب" میں کافی بحث کی ہے۔ لیکن جو لوگ "علم انسان"، یعنی (ANTHROPOLOGY) میں کافی درک رکھتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حج میں یا بقر عید میں جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور جس طرح اس ذبیحہ کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے، اس میں اور ان قربانیوں میں جو اور مذاہب میں خاص مناسک کا درجہ رکھتی ہیں، کوئی ادنےٰ مماثلت، اور مشابہت بھی نہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ باوجود یکہ قرآن نے خود اس کو واضح طور سے بتا دیا ہے، مسلمان اب تک اپنے ایک خاص وقتی ذبیحہ کو قربانی کا نام دیے جاتے ہیں اور اپنے اوپر وہ تمام اعتراض عاید کر لیتے ہیں، جو اس رسم قربانی کی وجہ سے تمام مذاہب پر پڑتے ہیں اور جس سے صرف اسلام ہی بری تھا۔ ضحیہ، نحر، ذبح یہ سب جانوروں کو خوراک بنانے کے نام ہیں ———— یقیناً جانوروں کا ذبح کرنا حج کی ایک رسم قدیم ہے مگر ضروری نہیں، خواہ اس کو سنت ابراہیمی کے نام سے یاد کیا جائے یہ صرف یہ تصور کیا جائے کہ ذبح کرنے کا مقصد حج میں گوشت فراہم کرنے، ضیافت کی صورت پیدا کرنے اور دیگر دنیوی ضرورت و مصلحت پر مبنی ہے، مگر اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر باور کیا جائے کہ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا گوشت و خون خدا کو پہنچتا ہے اور اس لیے قربانی کرنا فرض و ضروری ہے تو یقیناً اسلام اور دیگر مذاہب میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور بلحاظ اسلام کے متعلق بھی یہی حکم لگانا پڑے گا کہ وہ بھی خداشناسی سے قاصر رہا۔ اب جن کو اسلام سے محبت ہے یا اس سے کینہ ہے اور چاہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر کسی قسم کا دھبہ نہ آئے یا وہ بدنام نہ ہو، ان کو خیال ہے کہ ان میں سے ایک صورت

واجب الوجود

(۳)

(از افادات حضرت خواجہ احمد الدین صاحبؒ)

[illegible] انسان جیسی مکمل و عاقل شئے ہزار ہا سالوں سے اسی ظاہری و باطنی شکل و شمائل [illegible] ہڈیاں و رگیں و پٹھے و عضلات وغیرہ حسابی ضرورتوں کے ساتھ یکساں [illegible] رہی ہے اور جن سے اس انسان کے ، احتیاج بارش و نباتات و میوے [illegible] ج میں بھی تیار ہوتے آئے ہیں اور جن سے ہوا و پانی و زمین و سورج و دیگر [illegible] انسان کی ضروریات کے رفع کرنے کے لیے عین اندازے اور حساب کے ساتھ مرکب [illegible] ہیں یعنی جن کی مدت مدید کے تجربہ سے یہ صفت ثابت ہو چکی ہے کہ اُن سے عاقل و مکمل و پیچیدہ ساخت والے انسان کا جوڑا بنتا آیا ہے اور وہ ضرورتوں کے مطابق ترکیب پا لیتے ہیں وہی کسی اور فعل میں کیسے بے حکمت چل سکتے ہیں ؟ اگرچہ ہمیں ابھی تک اُن کی کُل حکمتیں نہ بھی معلوم ہوئی ہوں۔ عدم علم عدم شئے پر ہرگز دال نہیں ہو سکتا۔ پس خواہ مخواہ اس موجودات کو بڑی اعلیٰ حکمت کے ساتھ اور باریک ضرورتوں کے مطابق چلتا ہوا ماننا پڑے گا اور یہ بات بغیر ایسے سبب کے جو حکیم مطلق ہو ممکن ہی نہیں۔

۴۔ اگر یہ حکمت اتفاقی ہے اور بالعموم نہیں ہے، تو آج تک یہ کُل انتظام درہم برہم ہو جاتا کیوں کہ یہ خیالِ معترض قدیم سے ہے اور قدیم لا انتہا صدیوں سے ہے، پس جو انتظام لا انتہا صدیوں سے ترتیب و انتظام اپنے میں رکھتا ہے اور بربادی کُلّی کی طرف نہیں جاتا، بلکہ اُس میں ہمیشہ سنبھلا رہتی ہے، باوجودے کہ اس میں جزوی بربادیاں بھی رہ جاتی ہیں مگر کُلی طور پر برباد نہیں ہوتا [illegible] میں ایسا انتظام ضرور موجود ہے، جو کبھی بھی کُلی طور پر برباد نہیں ہو سکتا اور ایسا انتظام کہ یہ موجود کبھی بھی بہ کُلی برباد نہ ہو اور اس میں جو جمادات و نباتات و حیوانات وغیرہ موجود ہوں اُن کی ضرورتیں مہیا ہو جائیں اور وہ ایک خاص وقت تک زندہ رہ سکیں اور اُن کی بیماریوں کے لیے مناسب ادویہ و اغذیہ بلکہ دل چسپی کے لیے سامان اور دماغ کے لیے علوم بھی مل سکیں، بغیر اعلیٰ درجے کے منتظم حکیم

نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں بھی بربادیوں کی موجودگی کسی بے حکمتی کو نہیں ظاہر کرتی۔

۵۔ مچھر میں اور بڑے سے بڑے سورج میں اُن کی حالتوں اور کاموں کے لائق سامانِ قیام و پرورش کے موجود ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں میں یکساں حکمت والا انتظام موجود ہے تبھی تو وہ ٹھیک ہوتے اور مناسب کام کرتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں پس جب چھوٹے سے چھوٹے مچھر سے لے کر بڑے سے بڑے سورج تک میں اس حکمت کا پتہ لگتا ہے تو باقی کو کسی چیزیں حکمت سے خالی ہو سکتی ہیں؟ پس موجودات کا ایسی صورت سے واقع ہونا کہ جس سے یہ صورت انتظام باحکمت کی پیدا ہوا موجودات کے اپنے مشورہ اور صلاح سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ان میں تو اس حکمت و فہم کی صلاحیت ہی نہیں۔

۶۔ کوئی مرکب ٹک نہیں سکتا، جب تک ٹکنے کے لائق اس کا جوڑ نہ ہوا ور اس حالت کے مطابق ضروریات اور سہارا اُسے نہ ملے۔ سو مرکبات کا ہونا ہی ایک مناسب انتظام کو واضح کر رہا ہے پس مناسب انتظام کرنے والا بھی ضرور ہے، کیوں کہ کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہو سکتا۔

۷۔ پہلے انسانوں کو اس موجودات کی بہت سی حکمتیں اور اس میں ضرورتوں کے موافق کارروائیوں کا ہونا معلوم تھا۔ جوں جوں علم مدون ہوتے گئے اور تحقیقاتیں کی گئیں، توں توں اور زیادہ حکمتیں اور مناسبتیں کھلتی گئیں اور اب ویسے ہی کھلتی جاتی ہیں۔ اس صورت میں کل باتوں کا باحکمت ہونا ہی ماننا پڑتا ہے۔ اگر پہلے انسانوں کی معلومہ حکمتیں مرور دھور سے ناحکمتیں اور اندھا دھند کارروائیاں ظاہر ہوتی جاتیں تو خلاف یقین پیدا ہوتا۔

۸۔ بصورت ثابت ہونے وجود باری تعالےٰ کے اُس کا مختار مطلق ہونا بھی لازمی ہے اور پھر ظہور اُس اختیار کا بھی ضروری ہے۔ سو اگر اندھے، بہرے، مریض و سکین وغیرہ نہ بنتے اور کم و بیش عمریں دینا نہ ہوتا، تو یہ اعلیٰ صفت ہی بے ثبوت رہتی اور عالی شان صفت کا اظہار کسی صورت سے بھی بُرا نہیں ہو سکتا:

سبھی اُس کے حکم اور تقدیر میں ہیں
ہوں خوش یا کہ ناخوش وہ زنجیر میں ہیں

اس راحت و رنج کی کمی بیشی کو پورا کرنے کے لیے اُخروی زندگی موجود ہے۔

۹۔ بصورت ثابت ہونے وجود باری تعالےٰ کے اُس کی حکمت کی بھی کچھ حد و نہایت نہ ہونی چاہیے اور غیر محدود حکمت محدود زمانوں میں ہماری کم زور عقلوں میں آنی بھی نہ چاہیے۔ پس یہ تو ایک خوبی کی دلیل ہوئی نہ کہ کسی بے حکمتی کی، جب کہ معلومہ حکمتیں داناؤں کو بھی حیرت میں ڈال دیتی ہیں، تو ایسی حکمت

واجب الوجود

(۳)

(از افادات حضرت خواجہ احمد الدین صاحب)

۳۔ جن مفردات سے انسان جیسی مکمل و عاقل شئے ہزارہا سالوں سے اسی ظاہری و باطنی
میں ترکیب پاتی آئی ہے اور اعضاء و ہڈیاں ورگیں و پٹھے و عضلات وغیرہ حسابی ضرورتوں
ساخت و گنتی کے مطابق حاصل کرتی رہی ہے او جن سے اس انسان کے ایجتاج بارش و نباتات
و علوم بلکہ سامانِ عیش وغیرہ خارج میں بھی تیار ہوتے آئے ہیں اور جن سے ہوا و پانی و زمین و
و اقمار و ثوابت اسی انسان کی ضروریات کے رفع کرنے کے لیے عین اندازے اور حساب کے سا
ہوئے ہیں، یعنی، جن کی مدت مدید کے تجربہ سے یہ صفت ثابت ہو چکی ہے کہ ان سے عاقل و محکم
ساخت والے انسان کا جوڑا بنتا آیا ہے اور وہ ضرورتوں کے مطابق ترکیب پا لیتے ہیں وہی کسی ا
کیسے بے حکمت چل سکتے ہیں؟ اگرچہ ہمیں ابھی تک ان کی کل حکمتیں نہ بھی معلوم ہوئی ہوں۔ عدم
یہ ہرگز دال نہیں ہو سکتا۔ پس خواہ مخواہ اس موجودات کو بڑی اعلیٰ حکمت کے ساتھ اور باریک ضرو
مطابق چلتا ہوا ماننا پڑے گا اور یہ بات بغیر ایسے سبب کے جو حکیم مطلق ہو ممکن ہی نہیں۔

۴۔ اگر یہ حکمت اتفاقی ہے اور بالعموم نہیں ہے، تو آج تک یہ کل انتظام درہم برہم ہو
کیوں کہ یہ خیالِ معترض قدیم سے ہے اور قدیم لا انتہا صدیوں سے ہے، پس جو انتظام لا انتہا صد
ترتیب و انتظام اپنے میں رکھتا ہے اور بربادی کلی کی طرف نہیں جاتا، بلکہ اس میں ہمیشہ سنبھلا
رہتی ہے، باوجودے کہ اس میں جزوی بربادیاں بھی راہ پاتی ہیں مگر کلی طور پر برباد نہیں ہوتا
میں ایسا انتظام ضرور موجود ہے، جو کبھی بھی کلی طور پر برباد نہیں ہو سکتا اور ایسا انتظام کہ یہ موج
کبھی بھی بہ کلی برباد نہ ہو اور اس میں جو جمادات و نباتات و حیوانات وغیرہ موجود ہوں، ان کا
مہیا ہو جائیں اور وہ ایک خاص وقت تک زندہ رہ سکیں اور ان کی بیماریوں کے لیے منا س
و اغذیہ بلکہ دل چسپی کے لیے سامان اور دماغ کے بے علوم بھی مل سکیں، بغیر اعلیٰ درجے کے منظ

نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں بھی بربادیوں کی موجودگی کسی بے حکمتی کو نہیں ظاہر کرتی۔

۵۔ مچھر میں اور بڑے سے بڑے سورج میں اُن کی حالتوں اور کاموں کے لائق سامانِ قیام و پرورش کے موجود ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں میں یکساں حکمت والا انتظام موجود ہے تبھی تو وہ ٹکے ہوئے اور مناسب کام کرتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں پس جب چھوٹے سے چھوٹے مچھر سے لے کر بڑے سے بڑے سورج تک میں اس حکمت کا پتہ لگتا ہے تو باقی کو کسی چیزیں حکمت سے خالی ہو سکتی ہیں؟ پس موجودات کا ایسی صورت سے واقع ہونا کہ جس سے یہ صورت انتظام باحکمت کی پیدا ہو، موجودات کے اپنے مشورہ اور صلاح سے ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ان میں تو اس حکمت و فہم کی صلاحیت ہی نہیں۔

۶۔ کوئی مرکب ٹک نہیں سکتا۔ جب تک ٹکنے کے لائق اس کا جوڑ نہ ہو، اور اس حالت کے مطابق ضروریات اور سہارا اُسے نہ ملے۔ سو مرکبات کا ہونا ہی ایک مناسب انتظام کو واضح کر رہا ہے پس مناسب انتظام کرنے والا بھی ضرور ہے، کیوں کہ کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہو سکتا۔

۷۔ پہلے انسانوں کو اس موجودات کی بہت سی حکمتیں اور اس میں ضرورتوں کے موافق کارروائیوں کا ہونا معلوم تھا۔ جوں جوں علم مدوّن ہوتے گئے اور تحقیقاتیں کی گئیں، توں توں اور زیادہ حکمتیں اور مناسبتیں کھلتی گئیں، اور اب ویسے ہی کھلتی جاتی ہیں۔ اس صورت میں کل باتوں کا باحکمت ہونا ہی ماننا پڑتا ہے۔ اگر پہلے انسانوں کی معلومہ حکمتیں مرور دھور سے ناحکمتیں اور اندھا دھند کارروائیاں ظاہر ہوتی جاتیں تو خلاف یقین پیدا ہوتا۔

۸۔ بصورت ثابت ہونے وجود باری تعالےٰ کے اُس کا مختارِ مطلق ہونا بھی لازمی ہے اور پھر ظہورِ اُس اختیار کا بھی ضروری ہے۔ سو اگر اندھے، بہرے، مریض و مسکین وغیرہ نہ بنتے اور کم و بیش عمریں دینا نہ ہوتا، تو یہ اعلیٰ صفت ہی بے ثبوت رہتی اور عالی شان صفت کا اظہار کسی صورت سے بھی بُرا نہیں ہو سکتا:

سبھی اُس کے حکم اور تقدیر میں ہیں
ہوں خوش یا کہ ناخوش وہ زنجیر میں ہیں

اس راحت و رنج کی کمی بیشی کو پورا کرنے کے لیے اُخروی زندگی موجود ہے۔

۹۔ بصورت ثابت ہونے وجود باری تعالےٰ کے اُس کی حکمت کی بھی کچھ حد و نہایت نہ ہونی چاہیے اور غیر محدود حکمت محدود زمانوں میں ہماری کم زور عقلوں میں آنی بھی نہ چاہیے۔ پس یہ تو ایک خوبی کی دلیل ہوئی نہ کہ کسی بے حکمتی کی، جب کہ معلومہ حکمتیں داناؤں کو بھی حیرت میں ڈال دیتی ہیں، تو ایسی حکمت

والے کی کسی اور بات کو جس کی حکمت ہمارے فہم سے ورا ہو بے حکمت کہنا اپنی جہالت کو ظاہر کرنا ہے۔

۱۰۔ انسان دامی ترقیات کے قابل ہے۔ اس کی علمی اور حکمی ترقیات پر کوئی قید نہیں لگ سکتی۔ پہلوں سے پچھلوں نے علوم اور حکمتوں میں بہت سی ترقیات کی ہیں۔ پس جب انسان ہمیشہ تک ترقیات کر سکتا ہے تو ہمیشہ تک اس کو حکمتیں اور علوم ملتے جانے چاہییں۔ یہ بھی ایک دلیل ہے حکمتوں کے لاحد ہونے کی اور غیر محدود حکمتیں غیر محدود حکیم کا کامل ثبوت ہیں۔ ہم نے دلیل مذکورہ بالا میں بحیثیت مجموعی انتظام عالم پر نظر کی ہے۔ اگر صرف ایک ایک پہلو سے بھی دیکھا جائے تو بھی ہر طرح سے مکمل دلیل ہو سکتی ہے۔ گویا یہ دلیل بے شمار دلائل کا مجموعہ ہے۔ نمونہ کے طور پر ڈیڈھ ایک ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

اوّل علم کیمیا ہمیں سکھلاتا ہے کہ یہ مادی عالم نہایت ہی چھوٹے چھوٹے ذرات سے جو آنکھ سے نظر نہیں آتے، مرکب ہے اور یہ بھی تبلاتا ہے کہ وہ ذرات اپنے اپنے مناسب و ضروری موقعوں پر ٹھیک ٹھیک چسپاں ہونے کو خاص خاص سانچوں میں ڈھلی ہوئی صورت اور ساخت رکھتے ہیں مثلاً پانی کے ذرات گول اور چکنے ہیں، ورنہ پانی نہ بہ سکتا۔ ہوا کے ذرات بہت ڈھیلے اور ایک دوسرے سے متنفر ہیں اور لوہے کے ذرات نہایت ہی چسپاں ہیں اور رنگ چیزوں کے ان کے ذروں کی خاص بناوٹ اور ترکیب پر روشنی کے پڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ الغرض اگر یہ صورت نہ ہوتی تو نہ پانی ہوتا، نہ ہوا ہوتی، نہ آنکھوں کے خوش کرنے کو اور چیزوں کی تمیز کرنے کو رنگ ہوتے اور اگر ان ذرات میں جذب و تنفر حسب اندازہ کم و بیش نہ ہوتے، تو بھی نہ پانی ہوتا، نہ ہوا، نہ لوہا۔ بلکہ انسان اور حیوان و نباتات و شموس و اقمار و سیارات کچھ بھی نہ ہوتے اور اگر یہ ذرات مناسب اندازوں کے ساتھ نہ جڑتے تو کچھ بھی نہ بنتا۔ ہوا میں آکسیجن و نیٹروجن بجائے ایک و چار کی نسبت کے اگر کسی اور اندازے سے جڑتے تو کوئی نفس زندہ نہ رہ سکتا۔ اب دیکھو، یہ بھی تو متصور تھا کہ یہ بے شمار ذرات جذب سے خالی ہوتے، تنفر کی قوت نہ رکھتے، تناسب سے نہ جڑتے، سب ایک ہی صورت و ساخت کے ہوتے یا ایسی صورتیں اور ساختیں رکھتے، جن سے یہ موجودہ معقول و منتظم و مفید و محفوظ حالات نہ پیدا ہوتے۔ پس باقی نامحدود، نامعقول و غیر منتظم و بے فائدہ و غیر محفوظ صورتوں کا موجود نہ ہونا اور صرف ایک ایسی حالت ہی کا وقوع پذیر ہونا جس سے دانا بھی عقل و انتظام سیکھتے ہیں اور فوائد پاتے اور خزائن حاصل کرتے ہیں، قطعی طور پر حکیم مطلق کا پتہ

لگتا ہے۔ ہر ذرہ ذرہ کا دوسرے ذرات سے تعلق پکڑنے سے پہلے تعلق پکڑنے کے لائق صورت و ساخت ۔ جذب کار رکھنے والا ہونا بغیر فاعل حکیم کے ممکن ہی نہیں ہوسکتا یعنی ہر ذرہ ذرہ اُس کی ذات پاک کا شاہد ہے:

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ شَاہِدٌ
یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

دوم ۔ ایک صندوق سادہ وضع کا ہے ۔ اُس میں صرف چھ سات تختیاں جوڑی گئی ہیں۔ ایسی سیدھی سادی وضع کا صندوق بھی از خود نہیں بن سکتا۔ اُس کو موجود دیکھ کر، اُس کے ایسے بنانے والے کا پتہ لگتا ہے، جس میں کم از کم اتنی عقل ہو، جس قدر اس سادہ صندوق کی ترکیب کے لیے درکار ہے۔ اگر وہ صندوق خانہ دار ادر کئی دراز والا اور عجیب طرح سے کھلنے اور بند ہونے والا بھی ہو، تو اُس سے ایسے بنانے والے کا پتہ لگے گا، جو کم از کم اس پیچیدہ ترکیب کے مناسب عقل رکھتا ہو۔ اسی طرح کسی سیدھی سادی تصویر یا تمثال کو دیکھ کر ایسے کاریگر کا پتہ یقیناً لگتا ہے، جس میں اتنی قوتِ فعل و عقل ہو، جو اس تصویر یا تمثال کے لیے چاہیے اور اگر وہ تصویر کسی کل کے ذریعے سے آواز دیتی اور حرکتیں کرتی اور سلام کرتی اور اشارہ بھی کرتی ہو تو کم از کم اپنے لائق کاریگر کا نشان دے گی۔ پھر اگر وہ تصویر و تمثال زندگی بھی رکھتی ہو، بامعنی بولتی ہو، لوگوں کو عقل سکھاتی ہو، دیکھ، سُن، چکھ، سُونگھ، چھُو، سمجھ بھی سکتی ہو اس میں کھانا بھی ہضم ہوتا ہو، اس میں خون کی صفائی اور جسم کی گرمی قایم رکھنے اور پرورش جاری رکھنے کے لیے دَورانِ خون بھی ہو، وہ تمثال اپنی میٹھی اور محبت آمیز کلام سے دل رُبا بھی ہو پھر وہ تمثال ایک ذرہ سے اتنی بڑی بھی ہوگئی ہو اور پھر اس سے اس کی مثل اور بھی تماثیل نکلتی ہوں، ایسی تصویر کے لیے ایسے حکیم و قادر کی ضرورت ہوگی جس کا نام سوائے "خدا" کے اور کچھ نہ ہوگا۔ ایسی تصویریں اس دنیا میں مدت دراز سے ہر صدی میں ڈیڑھ سو کروڑ بنتی چلی آئی ہیں۔ یہ تصویر انسان کی ہے۔ پھر کیا ہر ہر انسان خداوند تعالےٰ کے وجود باجود پر شاہد نہیں ہے؟ اور یہ بھی واضح رہے کہ اگر کوئی چار پانچ سال کا لڑکا ایک ایسے سوال کا صحیح جواب دے دے، جو کالج کی جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے، تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے کسی ایسے شخص سے سیکھا ہے، جو ایسے سوالوں کے حل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس جواب کو اس ننھے

بچّہ کی طبیعت کا نتیجہ ہرگز ہرگز قرار نہ دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر ماں باپ میں اکیلے اکیلے یا مشترک طور پر بھی، بیٹے یا بیٹی یا مخنث کے یا ان کے کسی بال یا ناخن یا کسی اور چھوٹے بڑے عضو کے بنانے کی حکمت و قدرت ہے تو بے شک ان تماثیل کی ساخت اُن کی طرف منسوب کی جائے گی۔
لیکن وہ تو اِس لائق نہیں ہیں، بنانا تو درکنار، وہ بگڑے کی اصلاح سے بھی عاجز ہیں۔ فرزندِ دل بند نزع میں ہوتا ہے۔ ماں باپ کسی منتری کو بلاتے ہیں، مُنہ کو تکتے ہیں اور چھم چھم رو رہے ہیں اور پیش رفت کچھ نہیں جاتی۔ پھر کیا اسی ماں باپ میں ابتدائی کُلی ساخت کی حکمت و قدرت ہو سکتی ہے؟ وہ تو پیدائش کے ایک رستے ہیں نہ کہ خود پیدا کرنے والے۔ یہ دلیل صرف انسانوں کے ساتھ ہی خصوصیت نہیں رکھتی؛ بلکہ ہر ایک قدرتی شئے پر ایسی ہی وضاحت سے صادق آتی ہے۔ ریل گاڑی جو چند آدمیوں کو لے کر زیادہ سے زیادہ فی گھنٹہ پچاس ساٹھ میل تک چل سکتی ہے، بغیر ایسے صانع کے جس میں اس کے لائق عقل و فہم ہو نہیں بن سکتی۔ پھر کیا اس زمین کے لیے جو اڑھائی کھرب مکعب میل سے بھی زیادہ کا کُرہ ہے اور جو ڈیڑھ ارب انسانوں اور بے شمار حیوانوں کو اُن کی کُل ضروریات کے ساتھ لے کر فی گھنٹہ قریباً ۶۸ ہزار میل اور فی ثانیہ اٹھارہ میل کی رفتار سے فضا کی سڑک پر بغیر ہچکولوں اور کھڑکھڑاہٹ کے دوڑی جاتی ہے، ایک نہایت ہی اعلیٰ اور باحکمت کاری گر کی ضرورت نہیں ہے؟ کوئی علمی کتاب از خود تیار نہیں ہو سکتی؛ اس کے لیے اُس کے لائق عالم کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیفۂ فطرت اُمّ الکتاب ہے۔ سبھی کتابیں اور علم اسی سے حاصل ہوئے ہیں۔ اس کے اشارات غیر محدود ہیں۔
پھر اس کا بنانے والا کوئی نہ ہو، محض ناممکن ہے! کوئی چراغ وقتِ معیّنہ پر بغیرِ دخل زندہ و عاقل کے از خود ہی روشن نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا سورج جیسے بلکہ اس سے بھی بڑے بڑے چراغوں کے لیے کسی حیّ و قیوم کی ضرورت نہیں ہے؟ کوئی گھر از خود بلا دخل کسی سمجھ دار کے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا یہ بے شمار زمینیں ایک گھر کا بھی حکم نہیں رکھتیں؟ موسیقی کا کوئی ادنیٰ سا ساز بھی بغیر لائق کاری گر کے نہیں بن سکتا۔ پھر بُلبُل و ہزار داستان اور دیگر بے شمار گانے والے پرندے جو زندہ ساز ہیں اور جن سے زندہ نغمے نکلتے ہیں، کیا اپنے لائق کاری گر کو نہیں چاہتے؟ شیشے کے ترکیب دینے کے لیے تو سلیمان جیسے کاری گر کی ضرورت ہے، پھر رنگارنگ جواہرات کی ساخت کے لیے اس سے بھی اعلیٰ کاری گر نہ ہو

کیسے ممکن متصور ہے۔ برف کی کل بنانے والا بڑا کاریگر تھا، پھر کیا پہاڑی و قطبی لا انتہا برف جیسی عجیب قدرتی کل سے بنتی ہے، تو اُس کل کو بنانے والا کیسا بڑا دانا ہوگا، کل زمینی و آسمانی بل کہ بھی کوئی پرندہ یا مکھی تو درکنار اُن کا ایک پر ہی توڑ کر اور ریزہ ریزہ کرکے پھر اُسی ترکیب کے ساتھ جوڑ کر نہیں دکھلا سکتے۔ پھر اُس کی ابتدائی ساخت کے لیے کیا خدائے تعالیٰ کی ضرورت نہیں ہے؟ الغرض جُوتی کے دو تین پُرزے تو بغیر دخل کاریگر کے از خود جُڑ نہیں سکتے، پھر کیا قدرتی چیزیں بپناہ بے خدا جُوتی سے بھی گئی گذری ہو گئیں؟

سوم۔ زمین معین زور کے ساتھ اپنی ایک سیدھی حرکت رکھتی ہے اور ایک اور دوسری حرکت اُس میں سورج کے جذب سے سورج کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ ان دو حرکتوں کے عمل کے نتیجے ہو کر زمین سورج کے گرد قریباً گول رستہ اختیار کرتی ہے۔ اگر زمین کی اپنی حرکت متعینہ اندازہ سے زیادہ ہوتی یا زمین سورج سے اُس سے زیادہ فاصلے پر ہوتی جس قدر کہ وہ ہمارے گرما میں اُس سے دُوری رکھتی ہے، تو زمین سورج کی گرفت سے نکل جاتی اور فضا میں ٹکراتی پھرتی اور اگر سورج کی کشش زیادہ ہوتی یا زمین سورج سے اُس فاصلہ سے جو آسے ہمارے سرما میں حاصل ہوتا ہے، زیادہ قریب پڑی ہوتی تو سورج میں گر کر جل جاتی۔ صرف یہی ایک صورت زمین کی حفاظت اور اہلِ زمین کے فوائد کی ہوسکتی تھی، جو موجود ہے۔ پس زمین کا کُل خطرناک اور پُر فضا پہلوؤں سے بچ کر عین حساب کے ساتھ محفوظ و منفید حالت میں موجود ہونا صاف حفیظ و حکیم و قدیر خدائے تعالیٰ کا پتہ لگاتا ہے اور یہ دلیل صرف اسی زمین سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ کُل اجرامِ فلکی پر ویسی ہی صداقت سے چسپاں ہوتی ہے۔ پھر دیکھو اس نظامِ شمسی میں جو سیارے سورج کے گرد پھرتے ہیں، اُن کے اوقات گردش کے مربعوں میں وُہی نسبت ہے، جو اُن کے فصلوں کے مکعبوں میں ہے۔ ان سیارات کا ایسے معین حساب کے ساتھ واقع ہونا اور چینا اور مناسب چاندوں یا دیگر سامانِ روشنی کا رکھنا بغیر اُس علمِ حساب کی موجودگی کے جو اُن کی اس ترکیب و وضع کے لیے ضروری ہے، ممکن ہی نہیں ہوسکتا اور علمِ حساب بغیر عالمِ حساب کے نہ تو از خود کچھ کر سکتا ہے اور نہ خود موجود ہی ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے عالمِ حساب کا نام جو ایسے عجیب و غریب علموں کا مالک ہے، خدا تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ دلیل اسی وضاحت سے دیگر بے شمار نظام ہائے شمسی پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ کُل بڑے بڑے سیارات و ثوابت ایسے حسابوں اور اندازوں کے ساتھ رکھے گئے اور چلتے پھرتے ہیں کہ مدت ہائے دراز تک ایک

دوسرے سے نہیں ٹکراتے۔ تاکہ اُن میں موسموں کا تغیر و تبدل اور دن رات کا اختلاف پیدا ہو۔ ان کے محور اُن کے مدار پر مناسب انحنار کے ساتھ کھڑے کیئے گئے ہیں۔ کیا یہ صورتیں بغیر ضرورتوں کے علم رکھنے والے اور علم حساب کے پیدا کرنے والے کی موجودگی کے موجود ہو سکتی ہیں؟ سورج و چاند کے گرہن عین حساب کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ اٹھارہ سال اور سال کی کچھ کسر کے بعد گرہنوں کا وہی سلسلہ از سر نو جاری ہو جاتا ہے۔ مہندسوں نے بڑی کوششوں کے بعد اس حساب کو دریافت کیا ہے اور جس قدرت و علم والی چیز نے اتنے بڑے بڑے کرّوں کو اُس حساب کے ساتھ دکھلایا ہے، جس کو دانا ہیئت دانوں نے مدت کی کوششوں کے بعد معلوم کیا ہے، وہ خدا تعالیٰ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور یہ یاد رہے کہ یہ گرہن صرف سورج و چاند سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ کل سیارات و اقمار و ثوابت کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ پس یہ ایک دلیل نہیں ہے، بلکہ بے شمار دلائل کا مجموعہ ہے۔ پھر دیکھو کہ شہابِ ثاقب اصل میں نہایت ہی چھوٹے چھوٹے کرّے ہوتے ہیں، جو اپنی گردش سے یا زمین کی گردش کے اُن میں واقع ہونے سے زمین کے قریب آجاتے ہیں اور کشش زمین سے زمین کی طرف منجذب ہو کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ بے شمار تو جل سڑ کر خاک ہو کر ہوا میں پھیل جاتے ہیں اور نہایت ہی ان سے بے معلوم زمین پر اترتے ہیں اور کوئی جو زیادہ بڑا ہوتا ہے، مدتوں کے بعد کبھی جلتا ہوا زمین پر بھی آگرتا ہے اور سرد ہو جاتا ہے، جس سے انتظام عالم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر کرۂ ہوا زمین سے صرف میل ڈیڑھ میل اونچا ہوتا تو ایک ہی دن میں شہب ثاقبہ کے گرنے سے کُل اہلِ زمین فنا ہو جاتے سو ایک طرف سے زمین کے بعض نقصانوں کو پورا کرنے کو شہبِ ثاقبہ کا گرانا اور دوسری طرف سے کرۂ ہوا کو بہت اونچا بنا کر اہلِ زمین کی حفاظت کرنا صاف دانا محافظ کا پتہ لگاتا ہے۔ اجرام فلکی میں بڑے بڑے عجائبات ہیں، جن سے خالق کی غیر محدود دینت اور ہیبت و عظمت اور وسیع حکمت دل نقش ہو جاتی ہے۔ یہاں اسی قدر کافی ہے زیادہ کے لیے علم ہیئت کے دفتروں کو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

چہارم مجسّم منتظم اشکال تعداد میں صرف پانچ ہو سکتی ہیں۔ کرہ اُن کے علاوہ ہے۔ باقی اشکال جو ایک ہی سطح پر ہوں یا اُس سطح کے متوازی اٹھی ہوں تین ضلع سے لے کر بے شمار ضلع تک کی ہو سکتی ہیں۔ بے شمار ضلعوں کی شکل کو شکل مدور کہتے ہیں۔ ان تمام شکلوں میں سے مدور شکل سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے، کیوں کہ یہ ہر طرف سے یکسان دباؤ کو برداشت کر سکتی ہے اور

دباؤ دوسرے دباؤ کا مقابلہ کرتا ہے۔ شکل مدوّر سے کم تر وہ شکل زیادہ مضبوط ہوگی، جو اُس کے قریب تر ہو اور علیٰ ہٰذا القیاس۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ کل اشکال متوازی السطوح، میں سے ہی صرف تین شکلیں ایک دوسرے کے ساتھ اِس طرح اکٹھی رکھی جاسکتی ہیں کہ اُن کے بیچ میں کوئی جگہ خالی و ضائع نہ رہ جائے۔ مثلث و ذوا ربعۃ الاضلاع و مسدس۔ باقی سب شکلوں کے پاس پاس اکٹھے رکھنے سے بیچ میں فاصلہ جگہ رہ جائے گی اور اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ مثلث و ذوا ربعۃ الاضلاع اشکال سے شکل مسدس زیادہ مضبوط ہوگی، کیونکہ اُن کی نسبت وہ شکل مدوّر سے زیادہ قریب ہے، پس بوضاحتِ تمام ثابت ہوا کہ بے شمار اشکال ہندسہ میں سے صرف شکل مسدس منتظم ہی ایسی ہے کہ جو مضبوط بھی ہے اور ساتھ ہی اُس جیسی بے شمار شکلوں کے اکٹھے رکھنے سے بیچ میں سے جگہ بھی ضائع نہیں جاتی اور یہ بھی واضح رہے کہ مادہ کے جڑنے کی طبعی شکل گول ہی ہوتی ہے، کیوں کہ اُس کی بناوٹ ایک دو ذرّوں سے جو بطور مرکز کے ہوتے ہیں، شروع ہوکر ہر طرف کو یکساں ذرّے ملتے جانے سے یکساں بڑھتی جاتی ہے۔ بغیر اس کے ستارے و سیارے گردش کے اور مخلوقات کے اُن پر ٹکنے کے قابل نہ ہوتے۔ یہ باتیں علم ریاضی سے تعلق رکھتی ہیں اور علم ریاضی کے موافق کارروائی بغیر ریاضی کے علم و عمل کے جاننے والے کے ناممکن ہے۔ اب ظاہر ہے کہ شہد کی مکھی علم ریاضی سے بالکل بے خبر ہے، پھر اُسے کس حکیم و مہندس نے دیگر بے شمار اشکال کو چھوڑ کر بلکہ طبعی شکل سے بھی بہت مُنہ موڑ کر اپنی رہائش و ضروریات کے مطابق صرف مسدس خانے بنانے پر ہی مائل کردیا۔ اود بلاؤ کے گھروں کے دروازے سطح آب کے نیچے ہوتے ہیں، تاکہ موسم سرما میں پانی کے اُتر جانے سے اُن کے دروازوں پر برف نہ جم جائے۔ وہ پانی کو حسبِ ضرورت گہرا رکھنے کے لیے ندی میں بند بناتی ہیں اور وہ بند پانی کے رَو کے زور کے مطابق شکل میں مختلف بنائے جاتے ہیں۔ ایک قسم کی چیونٹیاں پانی کے اوپر کسی شاخ وغیرہ پر سے عبور کرنے میں اپنے اُس پل کے ساتھ جھٹ جھٹ کر اپنے جسموں سے اُس کی چوڑائی کو بہت زیادہ کرلیتی ہیں اور اِس طرح سے اُن کا بڑا دستہ کئی قطاروں میں ہوکر اوپر سے گذر جاتا ہے اور یُوں وہ بہت سا وقت بچا لیتی ہیں۔ مکڑی مکھیوں کے پھنسانے کے لائق جال بُنتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس بے جان چیزیں بھی اسی طریقہ پر عمل کرتی ہیں۔ زمین جب سورج کے قریب آتی ہے، تو اس لیے کہ اُس میں گر نہ پڑے اپنی حرکت کو تیز کرلیتی ہے اور یُوں اُس کی گرفت سے نکل جاتی ہے۔ یہی حال کُل مکھی، مچھر، پھل، پھول اور کنکر ریزوں کا ہے۔ طبعی شکل حکمتوں پر مبنی ہے اور جہاں

موجودات کی ضروریات تقاضا کرتی ہیں، اُس طبعی شکل ہیں برابر تصرف بھی ہوتا جاتا ہے۔ اب اگر یہ بھی مان لیں کہ یہ اشیاء یہ کام طبعاً اس طرح پر کرتے ہیں، پھر اگر معاذ اللہ ان کو ترتیب دینے والا کوئی صاحب حکمت وارادہ نہیں ہے، تو یہ سوال باقی رہتا ہے کہ ان کے کاموں پر حکیمانہ نتائج واغراض کیسے مترتب ہو جاتے ہیں اور کیوں کل موجودات ایسے واقع ہوئے ہیں کہ جن سے یہی پُر حکمت نتیجے نکلیں، جب کہ اور بے شمار صورتیں کمی وبیشی کی بھی ممکن متصور تھیں، جن میں اندھا کار کے سوائے اور کچھ بھی نہ ہوتا، جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا۔

شبہ | ایک شخص کی جیب میں سے بلا ارادہ و مرضی کے جیب پھٹ کر کچھ پیسے بے ترتیب صورت میں زمین پر گر پڑے۔ اب اگر وہ شخص اُن پیسوں کو اٹھا کر اُسی بے ترتیب شکل میں پھر رکھنا چاہے، تو اُسے خاصی مقدار ارادہ و حکمت و محنت کی درکار ہے۔ پس ایک کام کے موجود ہونے کے بعد اس کی یا اس کے کسی جزر کی نقل کرنے میں ارادہ و حکمت کی شمولیت کے ضرور ہونے سے پہلی دفعہ اُسی چیز کی موجودگی کے لیے ارادہ و حکمت کا شامل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ سو اگر انسان تصویر کو ارادہ و حکمت کے بغیر نہیں بنا سکتا، تو اس سے آدمی کی پیدائش کے لیے اعلیٰ صاحب ارادہ و حکمت کی ضرورت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

جواب | کئی ایک چیزوں کا بے ترتیب واقع ہونا کسی ارادہ و حکمت کی شمولیت کو ظاہر نہیں کرتا، اگرچہ اس میں ارادہ و حکمت شامل بھی ہو۔ آدمی جب پیسوں کی اُسی بے ترتیب صورت کو پھر پیدا کر دے اور کوئی ایسا کرتے نہ دیکھے، تو اُس بے ترتیب صورت سے کسی ارادہ و حکمت کی شرکت نہیں ثابت ہوگی۔ ہاں بے ترتیب وقوع ارادہ و حکمت کے شمول کی نفی بھی نہیں دکھلا سکتا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے اور معترض نے بھی اسے تسلیم کیا ہے کہ کئی چیزوں کے بے ترتیب وقوع کی نقل کرنے میں ارادہ و حکمت کا عمل ضرور شامل ہوتا ہے، سو ہم کہتے ہیں کہ فرض کر لیا کہ پہلے آدمی یا کسی ایک آدمی کے اجزاء یا اعضاء کی ترکیب بے ترتیب ہے، لہٰذا نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی ارادہ و حکمت سے ہے یا نہیں، اِس پر بھی دوسرے آدمی کی ترکیب جو پہلے کی ترکیب کی نقل ہے ضرور ارادہ و حکمت سے ہونی لازم ہے، کیونکہ نقل بے ترتیب کی بھی ارادہ و حکمت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پھر جب ان نقلوں کی کثرت کو دیکھا جائے اور یہی سلسلہ نقل کا کُل کائنات میں ملاحظہ کیا جائے، تو دلیل میں غیر محدود زور پیدا ہو جاتا ہے، سو یہ تو مرکبات کو بے ترتیب سمجھ کر بھی صاحب ارادہ و حکمت کی ضرورت ہی ثابت ہوتی

واضح ہو کہ معترض نے انسان اور دیگر کائنات کو پہیوں کے بے ترتیب وقوع کی مثل سمجھ کر اعتراض کیا ہے اور یہ بات اس کی کمال سفاہت اور جہالت کے اوپر دال ہے۔ انسان اور دیگر کائنات میں اعلےٰ انتظام اور ترتیب پائی جاتی ہے، جیسا کہ ہم دلیل کے ابتدا میں ثابت کر چکے ہیں۔ پس اُن کے لیے ضرور اعلےٰ صاحب ارادہ وحکمت کی ضرورت ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ تصویر اور ریل کی ساخت پہیوں کے بے اختیار نہ گرنے کی صورت کی مانند نہیں ہے، بلکہ اس میں ایسا ترتیب و انتظام ہے کہ جس کے لیے اگرچہ ہم نے اُن کو کسی کو بناتے نہ دیکھا ہو تب بھی ہم ان کو دیکھ کر صاحب ارادہ و حکمت کا یقینی پتہ لگا سکتے ہیں اور پھر ہم نے ان کے بنانے والے کو دیکھ کر صاحب ارادہ وحکمت بھی پا لیا تو دلیل ومشاہدہ مل کر ہمارا علم الیقین عین الیقین کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔ پس جب تصویر یا ریل کی ترتیب میں جو کہ ازروئے کاریگرانہ انتظام وحکمت کے انسان وزمین وسیارات سے بے شمار درجے کم ہیں، ہمیں عین الیقین پیدا ہو گیا کہ ادنےٰ کاریگری وترتیب کے لیے بھی ضرور صاحب ارادہ وحکمت موجود ہوتا ہے، تو اس سے اعلےٰ ترتیب وحکمت وانتظام والی اشیاء کے لیے تو ہمیں ضرور ہی اعلیٰ صاحب ارادہ وحکمت کی موجودگی اعلیٰ حق الیقین کے درجہ پر ماننی پڑے گی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(باقی)

ماہنامہ "تنویر" کراچی

فروغِ اُردو کے مقصد کے ماتحت چار سال سے سندھ، مارواڑ، اور بلوچستان میں تنہا علمی، ادبی، تاریخی، تمدنی، اخلاقی، قومی اور اصلاحی خدمات پابندیٔ وقت کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔ آپ بھی اس کی سرپرستی قبول فرما کر اشاعتِ اُردو میں حصہ لیجئے۔ گرامی نامہ خریداری روانہ فرمانے سے قبل نمونہ مفت طلب فرما سکتے ہیں۔ سالانہ چندہ صرف سوا روپیہ۔

پتہ:

ایڈیٹر ماہنامہ "تنویر" کراچی شہر

بیان

صنع

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

صنع: ساد ہنا، بنانا صنعت معروف ہے اور اردو میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت نوحؑ کو ہوا کہ "اِصْنَعِ الْفُلْكَ" (۱۱ ۲۷) کشتی بناؤ! یہ کشتی خاص وضع کی تھی، جس کا تفصیلی نقشہ آپؑ کے قلبِ سلیم میں تھا اور اسی نقشہ یا تصور کے مطابق آپؑ نے کشتی بنائی، اس لیے صنعت کا اطلاق ہر ایسی شئے پر ہوتا ہے، جو پہلے ہی ذہن میں موجود ہو، لہذا صنعت پر ذہن کا مقدم ہونا لازم ہے۔ ایسی شئے جس کا ظہور اتفاقیہ ہو، "صنعت" سے تعبیر نہیں ہوتی۔ حضرت نوحؑ کے ذہن میں کشتی کی علمی صورت موجود تھی اور کشتی کسی خاص غرض اور مقصد کے لیے بنائی گئی تھی، اس لیے "صنعت" کے لیے علم اور غرض و غایت بھی لوازمات سے ہیں۔ ایسی شئے جس کا کچھ مقصد نہ ہو بے حقیقت کہلاتی ہے اور عبث ہوتی ہے۔ اس پر "صنعت" کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم بعض اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے جو پہلے ہی ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں، دو قسم کی صنعت سے کام لیتے ہیں۔ ایک تو قوانینِ فطرت کے مطابق ہوتی ہے، اس سے جو مقصد مدِنظر ہو، حاصل ہوتا ہے۔ دوسری ہماری نفسانی صنعت ہوتی ہے، یہ آخر کار کارگر نہیں ہوتی۔ "صنعت" خواہ تقویٰ لیے ہوئے ہو، یا ہوائے نفس کو، جس میں انسان بہت توڑ جوڑ کرتا ہے[1] "صنعت" ضرور ہوتی ہے۔ آخر صورت سعی بے حاصل ہے، نقش برآب ہے، جو جلد مٹ جاتا ہے۔ (۱۱ ۱۵)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ — جو کوئی ادنیٰ زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے مطابق اُس کے اعمال کا پھل ...

[1] ایسی حالت میں انسان اتباع ظن کرتا ہے، جو ہوائے نفس سے پیدا ہوتا ہے اور حقانیت سے بعید ہو۔ مصر کے جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کے مقابل ایسے ہی ظنیات پیش کیے تھے، جو حقیقت سے دور محض ... تھے۔ حضرت موسیٰؑ کچھ مرعوب تو ہو گئے، لیکن ارشادِ الٰہی ہوا: اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی (۲۰ ۶۹)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (پ۱۲)

ملتا ہے اور ان کو اس میں نقصان نہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور مٹ گئی جو صنعت کی تھی اس میں اور باطل ہوا جو عمل کیا تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ صنعت کا اطلاق ہر ایسی شئے پر ہوتا ہے، جو علم و ارادہ و قدرت اور کسی مقصد کو لیے ہوئے ہو۔ آپ "ملکوت السموات والارض" کا مشاہدہ کرو! اگر اس پر صنعت کا اطلاق ہوتا ہے، تو لازماً علم و ارادہ و قدرت اور مقصد پر قطعی شہادت ہے، جس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ (پ۲۰)

"اور تو دیکھتا ہے پہاڑ، سمجھتا ہے کہ مضبوطی سے قائم ہیں، اور وہ اس طرح چلتے ہیں جس طرح بادل چلتے ہیں۔ یہ اللہ کی صنعت ہے، جس نے ہر شئے کو پختہ بنایا۔ جو کچھ تم کرتے ہو، وہ اس سے خبردار ہے۔"

کائنات کی ہر ایک شئے پر صنعت کا اطلاق ہوتا ہے، خواہ کل پر نظر کرو، خواہ اس کے اجزا پر۔ ہر ایک جزو ایسی ہی صنعت ہے جیسا کل، اور کوئی شئے عبث نہیں ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ کسی شئے کا بنانے والا یا سادھنے والا ہی جانتا ہے کہ یہ شئے کس مقصد کے لیے سادھی گئی ہے، اس لیے ہمیں کائنات یا اس کی کسی شئے کا مقصد خواہ معلوم نہ ہو، ہماری لاعلمی اسے عبث قرار نہیں دے سکتی، کیوں کہ عدم علم، علم عدم نہیں ہوتا۔ ہمیں تذکر و تفکر سے اشیاء کے حقائق کا علم ہو رہا ہے، ہم ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہمارے معلومات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے اور اس وقت تک جو کچھ ہمیں علم حاصل ہوا ہے، اس کا اور ہمارے تمام علوم و فنون کا ماخذ یہی "صنعت" ہے، جو ہمیں کائنات میں مشاہدہ ہوتی ہے، اس لیے یہ امر ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کائنات پر غیر محدود علم و ارادہ اور قدرت محیط ہے، جسے ہم "اللہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن ہمیں بار بار قوانینِ فطرت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہم اپنی صنعت اس صنعت کی رہنمائی پر بنائیں، جو ہمیں کائنات میں مشاہدہ ہوتی ہے اور جو قوانینِ فطرت کے تحت، جس کا واضع اللہ ہے، ظہور میں آئی اور آ رہی ہے۔ اہلِ ذکر و فکر ان آیات سے وہ امور اخذ کرتے ہیں، جو انسانی ترقی کے اسباب ہیں۔ قوانین بدل و امثال و انشقاق، طبق و قدر وغیرہما کا ذکر قرآن میں اسی لیے ہے کہ ہم ہدایت یافتہ ہوں۔ ہمیں معلوم ہے کہ پانی کے اجزاء دو قسم کی ہوائیں ہیں، ایک تو پانی

اور دوسری آگ کو بھڑکاتی ہے، جنہیں آکسیجن اور ہائیڈروجن کہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔۔۔۔۔ آگ اور پانی کا بیر مشہور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ اور صنعت بالغہ پر نظر کرو کہ قانونِ قدرت کے تحت دونوں ہوائیں جب خاص قدر و اندازہ سے ملتی ہیں تو اس کا کیمیائی اثر پانی ہے، جو آگ کو بجھاتا ہے اور جس سے ہر ایک جاندار زندہ ہے۔ ہم پہاڑوں کو دیکھتے ہیں، بالکل ساکن مضبوطی سے اپنی جگہ پر قائم ہیں، اور بادلوں کو دیکھتے ہیں کہ اڑ رہے ہیں۔ فی الحقیقت اشیاء میں حرکت و سکون فریب نظر ہے۔ ہم بادلوں کو کبھی متحرک نہیں دیکھ سکتے۔ اگر ان کے ساتھ ایسی شئے نہ ہو، جسے ہم بحالتِ سکون دیکھتے ہیں، مثلاً پہاڑ جب وہ پہاڑ پر سے گذرتے ہیں، تو پہاڑوں کا سکون ہمیں ان کی حرکت مشاہدہ کراتا ہے۔ امتیاز اضداد سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم بعض اشیاء مثلاً پہاڑوں کو ساکن دیکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ کسی ایسی شئے کو نہیں دیکھتے جو اس طرح ساکن ہو، جس طرح پہاڑ بادلوں کے ساتھ۔ ہمیں معلوم ہوا کہ کرۂ زمین اس تیزی سے حرکت کر رہا ہے کہ ہمیں بالکل ساکن نظر آتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی "صنعت" ہے کہ ہمیں حرکت اور تیز تر حرکت میں سکون نظر آتا ہے حالانکہ دونوں اضداد ہیں۔ اگر ہم کرۂ ارض سے باہر کسی سیارے میں ہوں، تو ہمیں یہ کرۂ ارض اسی طرح متحرک نظر آئے گا، جس طرح یہ سیارہ کرۂ ارض سے نظر آتا ہے۔ پہاڑ زمین پر اسی طرح قائم ہیں، جس طرح ہمارے جسم میں ہڈیوں کا سلسلہ ہے۔ اگر ہڈیاں نہ ہوں، تو انسان ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) رہ جاتا ہے اور جب اسے تیزی سے حرکت دیں تو اس کے اجزا پریشان ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے کہ ہر ایک شے کو قدر و اندازہ سے اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کی ہستی قائم ہے، لیکن قیام سکون میں نہیں، بلکہ حرکت میں ہے اور حرکت ارتقاء کی طرف ہے۔ متشککین جنہیں معقول پسند بھی کہتے ہیں، اس "صنعت" پر بحث کرتے ہوئے اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے "صنعت" کا اظہار کائنات میں ہوتا ہے، لیکن قانونِ ارتقاء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ہر ایک شئے جو حیرت انگیز صنعت کا اظہار کر رہی ہے ابتدا میں ناقابلِ ذکر حیثیت رکھتی تھی، مثلاً انسان۔

اس میں کچھ شک نہیں، ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مشاہدے اور تجربے سے صنعتِ الہٰی پر استدلال کرتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ فریبِ نفس ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جسے ہم مشاہدہ کہتے ہیں، وہ صحیفۂ فطرت کا سبق ہے، جو ہمیں استاذِ ازل پڑھا رہا ہے اور جسے ہم تجربہ کہتے ہیں وہ آ

سبق کا ازبر کرنا ہے۔ ہم آفتاب کو آفتاب کی روشنی میں دیکھتے ہیں :

زہے ناداں کہ از خورشید تاباں
بنورِ شمع جوید در بیاباں،

ہماری صنعت اگر صحیح ہو، صنعت الٰہیہ سے ماخوذ ہے اور اس لیے خود صنعتِ الٰہیہ آفتاب کی طرح اپنی آپ دلیل اور بالبداہت ثابت شدہ امر ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ یہ غایت درجہ کا گمراہ کُن خیال ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ہستی کو اپنے عقلی استدلال سے ثابت کرتے ہیں، حال آں کہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ ہم ہر ایک شئے کا مشاہدہ اُسی کے نور سے کرتے ہیں اور اس پر ہماری بے بصری کی یہ کیفیت ہے کہ نور جو سمٰوات اور ارض کو روشن کر رہا ہے، نظر نہیں آتا، البتہ وہ اشیاء مشاہدہ ہوتی ہیں، جو یہ نور دکھا رہا ہے۔ ایک ایسے تاریک مکان کا تصور کرو، جس میں روشنی مطلق نہ ہو۔ وہ مکان اور مکان کی ہر ایک شے ہمارے لیے بمنزلہ عدم ہوگی۔ اب اس میں ایک شمع روشن کا تصور کرو۔ ہر ایک شے جو اس مکان کے اندر ہوگی نظر آئے گی۔ ہماری نگاہِ اوّل اس شئے پر نہیں، بلکہ اُس نور پر پڑتی ہے، جس سے یہ شے نظر آتی ہے اور جس کا سرچشمہ شمع ہے، لیکن ہم اس نور کو نہیں دیکھتے، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (۶/۱۰۳) جو لوگ کسی نہ کسی رنگ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں، وہ اسی گمراہ کُن خیال کی بھول بھلیوں میں سرگرداں ہیں!

چو روشن گشتہ اند آیات از ذات
نگر در ذاتِ او روشن ز آیات

"انسان" اس میں کچھ شک نہیں، حسب ارشادِ قرآن اور حسب فتویٰ متکلمین "لم یکن شیئاً مذکوراً"، اگر اس کی ابتدا بندر ہو، تو وہ تو کچھ شئے بھی ہے، ہم اس سے بھی پہلے کی بات کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہ تھا، "طین" سے اس کی پیدائش واقع ہوئی۔ فرض کرو، وہ کسی وقت بندر بھی رہا ہے۔ صاحب دل مرزا عبدالقادر بیدلؒ جو شہنشاہِ ہند عالمگیر اورنگ زیبؒ کے ہم عصر تھے فرماتے ہیں :

ہیچ شکلے بے ہیولیٰ قابلِ صورت نہ شد
آدمی ہم پیش ازیں کادم نبود بوزینہ بود

اور یہ دلیل صنعتِ الٰہیہ پر اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے کہ تمام اشیاء جو حیرت انگیز صنعت کا اظہار

کررہی ہیں، ابتدا میں کچھ بھی نہ تھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس طرح "مسٹر مل" صاحب منطق نے اس موضوع پر اپنے "لیکچروں میں مذہب کے متعلق" بحث کی ہے جس بصر ارتقائی صورت میں انسان میں نظر آتی ہے اور ایسے جاندار بھی ہیں، جن میں یہ حس ہی نہیں اور بتدریج کم و بیش دیگر جانداروں میں پائی جاتی ہے، لیکن قرآن کا ارشاد تو یہ ہے کہ ارتقاء یہاں پر ختم نہیں ہوا:

لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ٥ تو (بوجہ بے بصری)، اس سے غفلت میں رہا۔ اب تجھ پر سے تیرے اندھیرے ہم نے کھول دیے۔ اب تیری نگاہ آج تیز ہے۔

زمین پر پہاڑ بھی ہیں اور میدان بھی۔ میدان بہ مقابلہ پہاڑ پست زمین ہے اور پہاڑ بلند اور تمام دریاؤں کا منبع ہیں، جن کا پانی بادلوں سے آتا ہے (۴۸)۔ گویا ہر ایک پست قطعہ زمین پہاڑوں کے ذریعے سیراب ہوتا ہے۔ یہ اونچ نیچ جو پہاڑوں اور میدانوں میں نظر آرہی ہے، عالم انسانی میں بھی پائی جاتی ہے اور ادنیٰ اعلیٰ کے دست نگر ہیں۔ محکوم قومیں حکمران قوموں کے ذریعے پرورش پاتی ہیں۔ اس لیے استعارہ میں "جبال" محاورہ عرب میں حکمران اور بلند پایہ اشخاص اور قومیں ہیں۔ آں حضرتؐ کی بعثت کے وقت شخصی حکومتیں اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز نمایاں تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ بالاستقلال قائم اور دائم ہے۔ آیتِ زیرِ بحث جو قرآن کی بے نظیر بلاغت کا ایک نمونہ ہے، یہ بھی واضح کرتی ہے، یہ پہاڑ اس طرح اُڑ جائیں گے، جیسے بادل۔ حریت و مساوات جو قرآنی تعلیم کا طغرائے امتیاز ہے، ایک ایسی ہوا ہے جس کے سامنے رفتہ رفتہ یہ بادل اُڑ رہے ہیں اور پہاڑ پست ہوکر چٹیل میدان بن رہے ہیں۔ اس میں بھی صنعتِ الٰہیہ کا ظہور ہو رہا ہے، اور یہ عالمِ انسانی کی ارتقائی حالت کی شہادت ہے۔

بعض مفسرین نے آیت زیر بحث کا مفہوم یہ واضح کیا ہے کہ پہاڑ فی الحقیقت نیست و نابود ہو جائیں گے اور زمین صرف میدان رہ جائے گی۔ یہ بھی صحیح ہے اور اس کی تائید آیات ۱۵/۱۸، ۲۷/۱۴:۲، ۲۹/۱۱:۲:۲ ، ۳۰/۴:۶ سے بھی ہوتی ہے اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ لفظاً مفہوم ایسا ہی صحیح اور امر واقعہ ہے جیسا کہ استعارہ کے رنگ میں، بہرحال "صنعت" کی شہادت ہے۔

قرآنِ حکیم اور علومِ جدیدہ

طنطاوی جوہری کی کتاب "القرآن و العلوم العصریۃ" پر ایک تنقیدی مقالہ

(حضرت اصغر بی اے)

عصرِ حاضر میں یہ خبر انتہائی مسرت سے سنی جائے گی کہ قرآن حکیم کے ایک فاضل شیدائی نے مصر سے ایک کتاب بہ عنوان "القرآن والعلوم العصریۃ" شائع کی ہے۔

فاضل مصنف ایک مصری شیخ ہیں، انہوں نے کتاب اللہ کے مختلف پہلوؤں کا بہ امعانِ نظر مطالعہ کیا ہے اور ان کی تمام زندگی قرآن حکیم پر فکر و تدبر میں گذری ہے، ان کا نام نامی طنطاوی جوہری ہے۔ آپ ایک بڑے فلسفی اور حکیم ہیں۔ باوجود اس علم و دانش کے آپ کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ خالص مسلم ہیں، اور اپنے بھائیوں کو مسلم بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ جامعۂ مصریہ اور مدرسہ دارالعلوم میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔ متعدد مذہبی اور فلسفیانہ کتابیں آپ کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ سب سے اہم اور ضخیم کتاب تفسیر الجواہر ہے۔ قرآن مجید کی اس تفسیر میں جا بجا عجائباتِ قدرت اور نشاناتِ فطرت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ المختصر یہ کتاب مفید معلومات کا خزینہ ہے۔ توضیح و تفہیم کی غرض سے مصنف نے مناسب مقامات پر تصویریں، نقشے اور شکلیں بھی دی ہیں۔ اٹھارھویں جلد میں موصوف کا فوٹو بھی شامل ہے۔ تصویروں اور شکلوں کی اہمیت پر ایک زبردست مقالہ جلد ششم (صفحہ ۹ تا صفحہ ۹۴) میں ملے گا۔

طنطاوی نے اپنی تفسیر میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، کیونکہ یہ دین، انسان کی فطرت اور ضروریات کے عین مطابق ہے اس کے علاوہ اسلام علمی حقائق کا معلم اور ترجمان ہے اور قوانینِ فطرت سے کبھی بھی متصادم نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کے سمجھنے میں طنطاوی نے پہلے لوگوں کی عامیانہ تقلید نہیں کی، اس لیے کہ کورانہ تقلید ہی اُمم اسلامیہ کے زوال کا اصلی سبب ہے۔ برعکس اس کے ہمارے مؤلف نے نہایت معقولیت کے ساتھ قرآن مجید اور صحیفۂ فطرت

میں پوری پوری مطابقت دکھلائی ہے۔ارباب ذوق کو چاہیے کہ اس تفسیر کا ضرور مطالعہ کریں۔

اب ہم طنطاوی جوہری کی کتاب القرآن والعلوم العصریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کتاب مذکور کا خطاب جمیع مسلمانانِ عالم سے ہے۔ اس میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق تمام مسلمانوں کو مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کرنا چاہیے۔ کتاب کی تالیف کا سبب (طنطاوی کے اپنے الفاظ میں) یہ ہے:

"اس کتاب سے ہماری غرض یہ ہے کہ مؤلف اور مصنف حضرات چھوٹی چھوٹی کتابیں اور رسالے شائع کریں، اور ان کے ذریعے لوگوں میں علوم و فنون کا شوق پیدا کریں۔ جملہ علوم مثلاً فلکیات، حیوانات، نباتات، عجائب مخلوقات اور نئی نئی صنعتیں مثلاً بجلی و مقناطیس وغیرہ کو قرآن مجید کی تائید میں پڑھایا جائے، تاکہ لوگ ان علوم کی طرف ذوق و شوق سے بڑھیں، کیوں کہ وہ ان کے دین کا جزو ہیں۔ اس طرح ان علوم کا مطالعہ بہت بڑھ جائے گا۔

واضح رہے کہ امت کی ترقی کے لیے دینی اصلاح، سیاسی اصلاح سے بہت زیادہ اہم ہے اگر ایک بے خبر اور تقلید پرست قوم جس کے دین میں تحصیل علوم کے راستے کھلے ہوں، غفلت کی نیند سو رہی ہو، تو اُسے یہ بتلانا چاہیے کہ تعلیم و تدریس تو تم پر دینی طور پر فرض ہے۔ پھر دیکھیے، وہ لوگ علوم و فنون کی طرف کس قدر جلدی بھاگے آتے ہیں۔ تھوڑے سے ہی سالوں میں وہ معراجِ سعادت پر پہنچ جائیں گے اور بڑی کوشش سے علوم حاصل کریں گے، خصوصاً اس لیے کہ ان کو اس بات پر بھی خوشی ہوگی کہ تحصیلِ علم اُن کے دین میں فرض ہے۔

مَیں نے مسلمانوں کی ترقی کے لیے اس طریق کو سب سے زیادہ مفید اور سریع العمل پایا ہے پس اگر اب بھی مسلمان، علماء اور ہمدردانِ ملت تساہل اور تکاسل سے کام لیں گے اور اس نصیحت پر عمل نہیں کریں گے، تو پھر صدیوں تک ذلت و جہالت سے چھٹکارا نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیدھا راستہ دکھائے۔"

اس کے بعد مصنف نے بتلایا ہے کہ اسلام علم و عمل کا دین ہے۔ دُنیا میں علم و عمل کے ذریعے ہی حکومت مل سکتی ہے۔ لہٰذا سچے مسلمان ہی (جن کا قول و فعل صحیح ہو) زمین پر حکومت کریں گے عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے زوال کی اصلی وجہ ان کی نا اتفاقی اور جماعت پسندی ہے۔

اس کے بعد فاضل مؤلف نے ایک عبرت ناک مثال پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں، مسلمان

لوگ اونٹوں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر سوار ہوکر قوموں کی دوڑ میں ہولے ہولے چل رہے ہیں اور ان کے منہ سے یہ کلمات نکل رہے ہیں "ہم وہی کرتے ہیں، جو ہمارے باپ دادوں نے کیا"، دوسری طرف غیر مسلم لوگ تیز رفتار ریل گاڑی میں انتہائی سرعت سے بڑھے جا رہے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ "یہ چیز بہتر ہے، تیز تر ہے اور آرام دہ ہے"۔ — حیرت کا مقام ہے کہ اسلام کے نام لیوا اپنے باپ دادوں کے مقلد ہیں، لیکن غیر مسلم "بہتر" چیز سے کام لیتے ہیں! مسلمانوں کا یہ قول قرآن مجید کے صریح خلاف نہیں؟ یا کیا (نعوذ باللہ) ہم اس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ لفظ مسلم اس زمانے میں اُلٹے معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟

اور سنیے! اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا کی، اس نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی اور زمین کو باغوں، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں سے رونق بخشی۔ پھر مالک الملک نے ایمان داروں سے کہا "اے میرے خلفاء! یہ میرا ملک ہے۔ اس میں اچھی طرح سے حکومت کرو"۔ لیکن یہ خلفاء چپکے سے گوشۂ تنہائی میں بیٹھ گئے اور اپنے رب کی، زبانی حمد میں شب و روز مشغول ہوگئے، لیکن خدا کے ملک کی حکومت میں ذرہ بھر بھی کام نہ کیا۔ جب رب نے ان کی یہ نالائقی دیکھی، تو اس نے سب کو معطل کر دیا اور وہ فقیر اور لاچار ہوگئے۔ قادر مطلق نے ان نکمے "مسلمانوں" کی جگہ اُن لوگوں کو دے دی، جو خدا کے ملک میں خدمت کرنے کے خواہاں اور اہل تھے۔

رب العزۃ کی تنبیہ کو یاد کرو:

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (۱۶:۱۵) "اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدائش نمودار کرے"

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم موجودہ دنیا کی رفتار سے قطعاً بے خبر ہیں۔ اگر اب بھی ہم بیدار نہ ہوئے تو پھر کبھی بھی اس نیند سے نہیں اٹھیں گے۔

روئے زمین پر ۵۰۰ ملین مسلمان آباد ہیں۔ باوجود اس کے ہر جگہ ان پر ظلم و ستم کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ محض یہی ہے کہ ان میں نہ تعلیم ہے اور نہ تنظیم۔ طنطاوی کے نزدیک اس مہلک مرض کا واحد علاج قرآن حکیم کی آیات ذیل میں مذکور ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص	اور دیکھو! سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً	نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی یاد سے
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ	غافل نہ ہو! تمہارا یہ حال تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ ۭ الخ (پ۴)

ہو رہے تھے، لیکن اُس کے فضل و کرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے! تمہارا
یہ حال تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اُس کے کنارے کھڑے ہو، لیکن
اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا۔ اللہ اس طرح اپنی کارفرمائیوں کی
نشانیاں واضح کر دیتا ہے، تاکہ تم منزلِ مقصود کی راہ پالو! اور دیکھو! ضروری
ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو، جو بھلائی کی باتوں کی طرف دعوت
دینے والی ہو۔ وہ نیکی کا حکم دے، بُرائی سے روکے الخ

اس مقام پر طنطاوی جوہری نے حج کا ذکر کیا ہے، جو آپ کے نزدیک مسلمانوں کی عظیم الشان سالانہ کانفرنس ہے۔ لیکن افسوس! مسلمان اس مفید، اور اہم مجلس مشاورت کو محض ایک رسم سمجھ بیٹھے ہیں۔

اسلام کا تقاضا صرف یہی نہیں کہ نماز پڑھو اور روزے رکھو، بلکہ مسلمانوں پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ کائنات کے عجائبات اور اس کی حکمتوں اور خوبیوں پر گہری نظر ڈالیں اور ستاروں، پہاڑوں، دریاؤں، جڑی بوٹیوں، کانوں اور سمندروں وغیرہ کے سربستہ راز حاصل کرکے انہیں مسخر کریں اور ان سے فائدے حاصل کریں۔ اپنی عقل و خرد سے علم حاصل کرکے ہی وہ اُمۃ وسطاً بنیں گے اور تمام عالم میں ربط و تعلق انہیں خدا پرست اور علم دوست لوگوں ہی کے ذریعے حاصل ہوگا۔ جوہری نے مندرجہ ذیل آیت کے ساتھ اس تمہید کو ختم کیا ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ
فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ مَّاۗءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ
وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (پ۲)

بلاشبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے، ایک کے بعد ایک
آتے رہتے میں اور کشتی میں جو انسان کی کاربرآریوں کے لیے سمندر میں چلتی ہے اور
بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اس (کی آب پاشی) سے زمین مرنے
کے بعد پھر جی اُٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کی وسعت میں
پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے (مختلف رُخ) پھرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان
و زمین کے درمیان مسخر ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو عقل و بینش رکھنے والے
ہیں (اللہ کی ہستی و یگانگی اور اس کے قوانینِ رحمت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

فاضل مؤلف نے اس جگہ ایک نہایت معقول حدیث نقل کی ہے، یعنی:

لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ اٰيَةٌ وَيْلٌ
لِّمَنْ قَرَاَهَا وَلَمْ يَتَدَبَّرْهَا وَيْلٌ لَّهٗ

آج رات مجھ پر ایک آیت اُتاری گئی ہے۔ اُس شخص کے لیے جو اُسے پڑھے کر
اس میں تدبر نہ کرے، بڑی خرابی ہے، اُس کے لیے بڑی خرابی ہے۔

وَيْلٌ لَّهُ، وَهِيَ قَوْلُهُ تَعَالٰى :

اس کے لیے بڑی خرابی ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

"اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ" (۳)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن رات کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے بالضرور نشان موجود ہیں"

اس آیت کا مضمون قریباً وہی ہے، جو آیت مذکورہ بالا کا۔

علوم القرآن

اس طویل لیکن اہم تمہید کے بعد فاضل مصنف نے مختلف علوم وفنون پر آیاتِ قرآنی کو ضبط کیا ہے:

۱۔ علم النجوم | اس مضمون کی مندرجہ ذیل آیات کو فاضل مصنف نے پیش کیا ہے:

۱۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ لا (۲۳)

اور ہم نے دنیا کے آسمان کو (عجیب) زینت (یعنی) ستاروں سے آراستہ کیا ہے۔"

۲۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ لا (۱۴)

اور ہم نے آسمان میں بُرج (یعنی روشن کواکب) پیدا کر دیے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے خوش نما کر دیا!

۳۔ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ج يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ٥ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ٥ (۱۰)

وُہی ہے جس نے سُورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن، اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھیرا دیا، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے، مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ۔ اُن لوگوں کے لیے، جو جاننے والے ہیں، وہ (اپنی قدرت و حکمت) کی دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے! بلاشبہ دن رات کے اختلاف میں اور اُن تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں، اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو متقی ہیں۔

۵۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اور اللہ وُہی ہے، جس نے تمہارے لیے ستارے بنا دیے کہ بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں اُن کی علامتوں سے راہ پالو۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں، اپنی (ربوبیت و رحمت کی) نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان

يَعْلَمُوْنَ ۝[1] (پ۱۸) | کردی ہیں۔

[1] اس مقام پر طنطاوی جوہری نے اصل مضمون سے تھوڑا سا انحراف کیا ہے۔ قوم کے درد نے انہیں پھر قوم سے خطاب کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"مسلم قوم کو چاہیے کہ وہ علوم و فنون کے تمام شعبوں کے لیے طالب علموں کو تیار کرے اور دنیا کی بڑی سے بڑی قوم کے دوش بدوش چلے۔ ہمیں جلد از جلد اپنے طرز عمل کو بدل دینا چاہیے۔ ہماری ذلیل حالت کو دیکھ کر دیگر اقوام اس غلط فہمی میں گرفتار ہو رہی ہیں کہ اسلام بھی (نعوذ باللہ) ایسا ہی نکما دین ہوگا کہ اس کے نام لیوا ننگِ انسانیت ہیں۔ نام نہاد حامیانِ اسلام اس غلط خیال کے پیدا کرنے میں خدا تعالے کے حضور میں جواب دہ ہیں۔ خدارا اسلام کے نیک نام پر دھبہ نہ لگاؤ اور اپنے اعمال درست کرو۔ اگو مسلمان تنزل کے گہرے غار میں گرے ہوئے ہیں، تاہم سب پر واضح رہے کہ اسلام علوم و فنون کا سب سے بڑا حامی ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ (پ۲۵) مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو محض اہلِ یورپ کے لیے نہیں، بلکہ تمام کی تمام مخلوق کے لیے پیدا کیا ہے۔ پس تم علم حاصل کرتے رہو اور فرمانِ الٰہی کو ہمیشہ یاد رکھو!"

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَاۗىِٕبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (پ۱۳)

یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور زمین پر اوپر سے پانی برسایا، جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لیے غذا کا سامان ہیں۔ جہاز تمہارے لیے مسخر کر دیے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق) سمندر میں چلنے لگیں۔ نیز دریا بھی تمہارے لیے مسخر کر دیے۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں، اور رات اور دن بھی مسخر ہے۔ غرض کہ تمہیں جو کچھ مطلوب تھا، سب اس نے عطا فرما دیا۔ اگر تم نعمتیں گننا چاہو، تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ناانصاف، بڑا ہی ناشکرا ہے۔

نیز فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۝ (پ۲۷)

اور ہم نے لوہا اتارا۔ اس میں سخت طاقت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرض ٹھہرایا ہے کہ پوری ہمت اور وسعت کے ساتھ اپنی حفاظت و حمایت کے سامان مہیا کریں، بلکہ

۲۔ بادلوں کے عجائبات

ذیل کی آیات کی طرف توجہ کرو:

۱۔ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ۝ فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۱/۶)

اللہ ہی تو ہے، جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، سو وہ بادلوں کو حرکت میں لاتی ہیں، پھر وہ اُنہیں جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے، پہنچاتا ہے، تو وہ خوش ہوتے ہیں، حالانکہ بارش سے پہلے یک قلم نا اُمید ہو چکے تھے۔ پس اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھ کس طرح زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ بے شک وُہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ (۱۷/۱۵)

کیا تم نے یہ (منظر) نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور (سوکھی) زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ یقیناً اللہ بڑا ہی لطف کرنے والا، ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے!

۳۔ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ[1] ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ

وُہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے۔ وہ دلوں میں ہراس بھی پیدا کر دیتی ہے اور امید بھی اور وُہی ہے جو بادلوں کو (پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے اور بادلوں کی گرج اُس کی ستائش کرتی ہے اور فرشتے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲ | فرما دیا کہ جنگ کے موقعہ پر نماز پڑھتے وقت بھی غافل نہ ہوں، لیکن مسلمان ہیں کہ انہوں نے ایسے عالی شان کلامِ رحمان کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا وعید یاد رکھو:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۱۳/۱۱)

اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا، جو کسی گروہ کو حاصل ہوتی ہے جب تک وہ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل ڈالے۔

---

[1] اس آیت کے خط کشیدہ حصے کے بجائے طنطاوی جوہری نے اپنی غلط یادداشت کے باعث سورۃ نور کی آیت ۴۳ کا پہلا نصف لکھ دیا ہے ـــــ قرآن مجید کے بڑے سے بڑے عالم پر بھی لازم ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کر لیا کرے اور کبھی بھی اپنی یادداشت پر اتنا اعتماد نہ کرے۔

خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ (۱۳/۲)

بھی اُس کی دہشت سے سرگرم ستائش رہتے ہیں۔ وہ بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے، اُن کی زد میں لے آتا ہے الخ

۲- اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا الخ (۱۳/۲)

اُس نے آسمان سے پانی برسایا، تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں بہ نکلیں الخ

۳- علم النبات

۱- وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (۵۱/۲)

اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کیے۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

۲- وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ (۵۰/۱)

اور اس (زمین) میں ہم نے ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں بصیرت اور نصیحت ہے ہر ایک رجوع کرنے والے بندے کے لیے۔

۳- وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ (۱۴/۲)

ہم نے زمین سے تمام چیزیں وزن کی ہوئیں اُگائیں۔

۴- وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (۱۴/۲)

اور ہم نے تمہارے لیے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا اور اُن مخلوقات کے لیے بھی کر دیا، جن کے لیے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اُس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں، مگر ہم انہیں ایک ٹھیرائے ہوئے اندازے کے مطابق ہی بھیجتے ہیں۔

۵- وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ

اور وُہی ہے، جس نے زمین کی سطح پھیلا دی۔ اُس میں پہاڑ بنا دیئے نہریں جاری کر دیں اور ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے، دو دو قسموں کے اُگا دیے۔ اُس نے رات اور دن کا ایسا قاعدہ سلسلہ بنا دیا کہ دن کی روشنی رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی ہے۔ یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لیے کتنی ہی نشانیاں ہیں، جو غور و فکر کرنے والے ہیں! اور دیکھو زمین میں (طرح طرح کے) ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ان میں انگور کے باغ ہیں (غلہ کی) کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں، باہم دگر ملتے جلتے ہوئے، اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پر مزہ میں برتری

فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (۱۳/۴)

ہیں۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

۲۔ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ
مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ
النَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُہٗ وَ
الزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِھًا وَّغَیْرَ
مُتَشَابِہٍ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ وَلَا تُسْرِفُوْا
اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (۶/۴)

اور (دیکھو!) وہ خدا ہی ہے جس نے طرح طرح کے درختوں کے باغ پیدا کردیے، ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر اُس کے (جیسے عام طور پر تمام درخت ہوتے ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں۔ نیز زیتون اور انار کے درخت صورت وشکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور ایک دوسرے سے مختلف۔ سو (خدا کی اس پیداوار کے) پھل شوق سے کھاؤ، جب اس میں پھل لگ جائیں، اور چاہیے کہ جس دن فصل کاٹو، تو اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) بھی دے دیا کرو اور اسراف نہ کرو۔ خدا انہیں دوست نہیں رکھتا جو اسراف کرنے والے ہیں۔

۴۔ سمندر | ارشاد باری ہے:

وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا
مِنْہُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ
حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا ۚ وَتَرَی الْفُلْکَ
مَوَاخِرَ فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ
وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ (۱۴/۸)

اور (دیکھو!) وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کردیا کہ اس سے تروتازہ گوشت نکالو اور کھاؤ اور زیور کی (قیمتی اور خوش نما) چیزیں نکالو جنہیں آرائش کے لیے پہنتے ہو۔ نیز تم دیکھتے ہو، جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں تاکہ اس کا فضل تلاش کرو (یعنی جہازوں کے ذریعے تجارت کرو) اور شکرگزار رہو۔

۵۔ پتنگے | شہد کی مکھی کی بابت فرمایا:

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ
مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ
فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ
یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

اور (دیکھو!) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور اُن ٹٹیوں میں جو اس غرض بلندی میں بنا دی جاتی ہیں، اپنا چھتہ بنائے۔ پھر ہر طرح کے پھولوں رس چوستی پھرے۔ پھر اپنے پروردگار کے ٹھیرائے ہوئے طریقہ پر پوری فرماں برداری کے ساتھ گام زن ہوجائے۔ (تو دیکھو!) اس کے پیٹ سے

---

[1] نوٹ: اصل کتاب القرآن والعلوم العصریہ میں طنطاوی نے آیت بالا کے خط کشیدہ حصے کو سورۃ ۱ آیت ۹۹ کے آخری حصے کے ساتھ بھول کر بدل دیا ہے۔

أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے۔ اس میں انسان کے لیے شفا ہے۔ بلاشبہ اس صورتِ حال میں اُن لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے، جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

مکڑی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے (۲۹/۴۱):

وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ

اور یقیناً مکڑی کا گھر سب گھروں سے کمزور ہے۔

اوھن البیوت کی تشریح میں طنطاوی نے ایک علمی انکشاف کی طرف توجہ دلائی ہے:

"ایک نہایت لطیف حقیقت معلوم ہو چکی ہے کہ مکڑی کے جالے کا ایک پتلا اور کمزور سا دھاگہ چار دھاگوں سے مرکب ہوتا ہے اور اُن چار دھاگوں میں سے ہر ایک دھاگہ ایک ہزار بے انتہا باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ گویا یوں ایک دھاگہ ۴۰۰۰ تاروں سے بنتا ہے۔"

۶۔ علمِ حیوانات | قرآن مجید میں ایک طویل سورہ الانعام[1] کے عنوان سے موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب پاک میں سینکڑوں جگہ گائے، بھیڑ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح درندوں مثلاً بھیڑیے اور شیر کا ذکر بھی موجود ہے۔ اختصار کی خاطر صرف ایک ہی آیت درج کی جاتی ہے:

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۴/۴۵)

اور اللہ نے ہر ایک جان دار کو پانی سے پیدا کیا، پھر اُن میں سے کوئی تو اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے اور اُن میں سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں سے کوئی چار پیروں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۷۔ طیور | فرمانِ باری ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (۲۴/۴۱)

کیا تو نے (اس بات پر) غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی۔ ہر ایک اپنی دعا اور تسبیح کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اُسے جانتا ہے۔

۸۔ صحیفۂ فطرت | صحیفۂ فطرت ایک ایسی کتاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے حروف میں لکھا اور صرف سلیم الطبع اور صحیح الدماغ لوگ اسے سمجھتے ہیں۔ عوام الناس کاغذ پر لکھے ہوئے حروف تو

---

[1] علمِ حیوانات کی اہمیت ملاحظہ ہو: "الانعام" کے معنے چوپائے۔ (بلاغ)

سکتے ہیں، لیکن فطرت کی کتاب کے حروف نہیں پڑھ سکتے۔ بلکہ عجائبات قدرت کے پاس سے اندھوں کی طرح گذر جاتے ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری اکابر ملت پر عاید ہوتی ہے۔ طنطاوی لکھتے ہیں :

"والعیب کل العیب علی العلماء والملوک۔ اولئک الذین علی الاھمال یلامون وعلی اصرارھم علی المسلمین یعذبون۔ وکل عن ذنبہ مسئول" (صفحہ)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"العذاب واقع علی ذوی العقول الکبیرۃ من المسلمین۔ واقع علی الاغنیاء والامراء والعقلاء والعلماء۔ فعلی العالم ان یذکر الاغنیاء۔ وعلی الاغنیاء ان یحضوا العلماء۔ والا فانھم جمیعا آثمون مذنبون" (صفحہ)

کتاب کے آخر میں عجائبات قدرت کے متعلق آیات ذیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

۱- اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ط
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ
مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ دانے اور گٹھلی کو (جو زمین میں ڈال دی جاتی ہے، یا خود بخود گر جاتی ہے) شق کر دیتا ہے (اور ایک خشک دانے سے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور وہی مردے کو زندے سے نکالنے والا ہے۔ وہی (پروردگار حکیم) خدا ہے۔ پھر (افسوس تمہاری سمجھ پر!) تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟ پردۂ شب چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا، اس نے رات کو تمہارے لیے راحت و سکون کا سامان بنا دیا اور سورج اور چاند (کے طلوع و غروب کا ایسا انتظام کر دیا کہ) حساب کا معیار بن گئے یہ اس کا ٹھیرایا ہوا اندازہ ہے، جو سب پر غالب اور علم رکھنے والا ہے اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنا دیے کہ بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں ان کی علامتوں سے راہ پالو۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں، اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں اور (پھر دیکھو!) وہی ہے، جس نے تمہیں اکیلی جان سے نشو و نما دی۔ پھر تمہارے لیے قرار پکڑنے کی جگہ ہے (یعنی شکم مادر) اور سپردگی کا مقام ہے (یعنی مرنے کی جگہ) بلاشبہ جو لوگ بات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں،

...نَہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ ... ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ

مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے۔ اس میں انسان کے لیے شفا ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے، جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

...کڑی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے (۲۹/۴۱):

...اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ

اور یقیناً مکڑی کا گھر سب گھروں سے کمزور ہے۔

اوھن البیوت کی تشریح میں طنطاوی نے ایک علمی انکشاف کی طرف توجہ دلائی ہے:

ایک نہایت لطیف حقیقت معلوم ہو چکی ہے کہ مکڑی کے جالے کا ایک پتلا اور کمزور سا دھاگہ چار دھاگوں سے مرکب ہوتا ہے اور ان چار دھاگوں میں سے ہر ایک دھاگہ ایک ہزار سے انتہا باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ گویا یوں ایک دھاگہ ...۴ تاروں سے بنتا ہے۔

علم حیوانات | قرآن مجید میں ایک طویل سورہ الانعام[۵] کے عنوان سے موجود ہے۔ اس کے علاوہ کتاب پاک میں سینکڑوں جگہ گائے، بھیڑ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح درندوں مثلاً بھیڑیے اور شیر کا ذکر بھی موجود ہے۔ اختصار کی خاطر صرف ایک ہی آیت درج کی جاتی ہے:

...اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۲۴/۴۵)

اور اللہ نے ہر ایک جان دار کو پانی سے پیدا کیا، پھر ان میں سے کوئی تو اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے اور ان میں سے کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں سے کوئی چار پیروں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

طیور | فرمانِ باری ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ (۲۴/۴۱)

کیا تو نے (اس بات پر) غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی۔ ہر ایک اپنی دعا اور تسبیح کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اسے جانتا ہے۔

صحیفہ فطرت | صحیفہ فطرت ایک ایسی کتاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے حروف میں لکھا ہے صرف سلیم الطبع اور صحیح الدماغ لوگ اسے سمجھتے ہیں۔ عوام الناس کا غذ پر لکھے ہوئے حروف تو پڑھ

[۵] علم حیوانات کی اہمیت ملاحظہ ہو "الانعام" کے تحت چوپائے۔ (بلاغ)

ہیں، لیکن فطرت کی کتاب کے حروف نہیں پڑھ سکتے۔ بلکہ عجائباتِ قدرت کے پاس سے اندھوں کی طرح انتے ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری اکابرِ ملت پر عاید ہوتی ہے۔ طنطاوی لکھتے ہیں:

"والعیب کل العیب علی العلماء والملوک۔ اولئک الذین علی الاهمال یلامون وعلی اضرارهم علی المسلمین یعذبون۔ وکل عن ذنبه مسئول۔" (ص ۳۴)

ایک اَور جگہ لکھتے ہیں:

"العذاب واقعٌ علی ذوی العقول الکبیرة من المسلمین۔ واقع علی الاغنیاء والامراء والعقلاء والعلماء۔ فعلی العالِم ان یُذَکِّر الاغنیاء۔ وعلی الاغنیاءِ ان یحضّوا العلماء۔ والّا فانهم جمیعاً آثمون مذنبون۔" (ص ۳۶)

کتاب کے آخر میں عجائباتِ قدرت کے متعلق آیات ذیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ط
جُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ
الْحَیِّ ط ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ہ
قُ الْاِصْبَاحِ ج وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّ
سَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ
زِیْزِ الْعَلِیْمِ ہ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ
جُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
بَحْرِ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ہ
الَّذِیْ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
سْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ط قَدْ فَصَّلْنَا
یٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ہ وَهُوَ الَّذِیْ
لَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ
تَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
جُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ج وَمِنَ النَّخْلِ
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ

یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ دہ دانے اور گٹھلی کو (جو زمین میں ڈال دی جاتی ہے، یا خود بخود گر جاتی ہے) شق کر دیتا ہے (اور ایک خشک دانے زندہ اور پھلنے پھولنے والا درخت پیدا ہو جاتا ہے) وہ زندے کو مُردے سے نکالتا ہے اور وہی مُردے کو زندے سے نکالنے والا ہے۔ وہی پروردگار حکیم) خدا ہے۔ پھر (افسوس تمہاری سمجھ پر!) تم کدھر کو بہکے چلے جا رہے ہو؟ پردۂ شب چاک کر کے صبح نمودار کرنے والا، اس نے رات کو تمہارے لیے راحت و سکون کا سامان بنا دیا اور سورج اور چاند (کے طلوع و غروب کا ایسا انتظام کر دیا کہ) حساب کا معیار بن گئے یہ اس کا ٹھیرا ہوا اندازہ ہے جو سب پر غالب اور علم رکھنے والا ہے اور وُہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنا دیے کہ بیابانوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں اُن کی علامتوں سے راہ پالو۔ بلاشبہ ہم نے اُن لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں، اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں اور (پھر دیکھو!) وُہی ہے جس نے تمہیں اکیلی جان سے نشو و نما دی۔ پھر تمہارے لیے قرار پکڑنے کی جگہ ہے (یعنی شکمِ مادر)، اور سپردگی کا مقام ہے (یعنی مرنے کی جگہ) بلاشبہ جو لوگ بات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں،

نْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ
الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ
غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْا
اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ
اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ
فِيْ
ذٰلِكُمْ
لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
(۶ / ۱۰۰)

ن کے لیے ہم نے اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کردی ہیں! اور (دیکھو!) وہی ہے، جو آسمان سے پانی برساتا ہے۔ پھر اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کردیتا ہے۔ پھر روئیدگی سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں اور ٹہنیوں سے دانے نمودار ہوجاتے ہیں، ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا۔ اور (اسی طرح) کھجور کے درخت سے (بھی پھل پیدا ہوجاتے ہیں)، جن کی شاخوں سے گچھے جھکے پڑتے ہیں، اور (اسی طرح) انگور، زیتون، اور انار کے باغ پیدا کیے، صورت شکل میں ایک دوسرے کے مانند اور ایک دوسرے سے الگ الگ۔ اُن کے پھلوں کو دیکھو، جب درختوں کو پھل لگتا ہے اور پھر اُن کے پکنے کو دیکھو! بلاشبہ جو لوگ یقین رکھتے ہیں، اُن کے لیے اس بات میں (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ
مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ
بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ
سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى
اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ [۱] (۳۵ / ۲۸)

کیا تُو نے غور نہیں کیا کہ اللہ بادلوں سے پانی اتارتا ہے۔ پھر ہم اس کے ساتھ مختلف قسموں کے پھل نکالتے ہیں، اور پہاڑوں کو دیکھو! گوناگوں رنگتوں کے ہیں۔ کچھ سفید، کچھ سُرخ، کچھ کالے کلوٹے! اسی طرح لوگوں میں سے، جانداروں اور چارپایوں سے، اُن کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ اللہ سے صرف اس کے علم والے بندے ہی ڈرتے ہیں۔ اللہ غالب بخشنے والا ہے۔

---

[۱] اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے طنطاوی بجا طور پر فرماتے ہیں کہ:

"کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ عجائباتِ قدرت کے علم کے ساتھ خداتعالےٰ کے خوف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے"!

(سچ ہے جو شخص اللہ کی قدرتوں سے ناواقف ہے، وہ اللہ سے کیا ڈرے گا: بے علم نتواں خدا را شناخت) پھر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالےٰ ضرور اس شخص یا قوم سے خوش ہوتا ہے جو اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔ جو لوگ عقل کا استعمال کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ضرور برکت دے گا اور جو سوئے رہیں گے، وہ یا تو جلد تباہ ہو جائیں گے یا گدھوں کی طرح بوجھ اٹھانے کے کام میں لگائے جائیں گے"! (مسلمانوں کا آج کل بالکل یہی حال ہے۔)

٣- قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ
لٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۚ ءٰٓاللّٰهُ
يْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۚ اَمَّنْ خَلَقَ
سَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ
لسَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ
بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ
اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ
نْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ
مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۹)

٤- وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا
دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ
فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ
تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ
اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا
بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ
لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ
وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ
وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝
يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ

کہو! سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور اُس کے بندوں کے لیے سلامتی ہے جن کو اُس نے پسند کیا۔ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جنہیں یہ شریک بناتے ہیں؟ بھلا آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور تمہارے لیے بادلوں سے پانی اُتارا۔ پھر ہم اُس کے ساتھ خوش نما باغ اُگاتے ہیں۔ تمہارے لیے ممکن نہ تھا کہ اُن کے درختوں کو اُگا سکنے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں، جو ایک طرف جھک گئے ہیں۔ بھلا زمین کو قرارگاہ کس نے بنایا؟ اور اس کے دریا بنائے اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں میں (ایسی) دیوار حائل کر دی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ میں محدود رہتے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی ہے؟ مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں، جو نہیں جانتے!

اور دیکھو! اُس نے چارپائے پیدا کیے۔ اُن میں (یعنی اُن کی کھال اور اُون میں) تمہارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے، نیز طرح طرح کے فائدے، اور اُن ہی میں ایسے جانور بھی ہیں، جن کا تم گوشت کھاتے ہو۔ اور دیکھو! (انہیں کس طرح پیدا کیا کہ) اُن میں تمہاری نگاہوں کے لیے خوش نمائی پیدا ہو گئی ہے۔ جب تم شام کے وقت انہیں (میدانوں سے چرا کر) واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (میدانوں میں) چھوڑ دیتے ہو (تو اس وقت اُن کا منظر کیسا خوش نما ہوتا ہے؟) اور (پھر دیکھو!) یہی جانور ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ایسے دُور دراز شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے، مگر بڑی ہی جان کاہی کے ساتھ۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا بڑی رحمت رکھنے والا ہے۔ اور (دیکھو!) گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کر دیے ہیں کہ تم اُن سے سواری کا کام لو اور ویسے اُن میں خوش نمائی اور رونق بھی ہے۔ وہ اور بہت سی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے، جن کی تمہیں خبر نہیں اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہِ حق واضح کر دے۔ اور راہوں میں ٹیڑھی راہیں بھی ہیں۔ وہ اگر چاہتا، تو تم سب کو (ایک ہی) راہ دکھا دیتا۔ وہی ہے جس نے آسمان

وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ
كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمُ
اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○
وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا
أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ
يَذَّكَّرُونَ ○ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ
لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ
مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَأَلْقَىٰ فِي
الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ
وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○
وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُونَ ○ أَفَمَنْ يَخْلُقُ
كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○
وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا
تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ
لَغَفُورٌ
رَحِيمٌ ○

سے پانی برسایا، اُس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے، کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے، اُس سے درختوں کے جنگل پیدا ہو جاتے ہیں، (جن میں) تم اپنے مویشی اُن میں چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لیے (ہر طرح کے غلوں کی) کھیتیاں بھی پیدا کر دیتا ہے نیز زیتون، کھجور، انگور اور ہر طرح کے پھل۔ یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے، جو غور و فکر کرنے والے ہیں! اور (دیکھو) اُس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند مسخر کر دیے (کہ تمہاری کاربرآریوں کے لیے کام کر رہے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اس کے حکم سے تمہارے لیے مسخر ہو گئے ہیں۔ یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور زمین کی سطح پر طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار جو تمہارے لیے پیدا کر دی ہیں (اُن پر غور کرو) بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے، جو سوچنے سمجھنے والے ہیں۔ اور (دیکھو) وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اس سے تر و تازہ گوشت نکالو اور کھاؤ، اور زیور کی (قیمتی اور خوش نما) چیزیں نکالو، جنہیں آرائش کے لیے پہنتے ہو، نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں، تاکہ اُس کا فضل تلاش کرو (یعنی جہازوں کے ذریعے تجارت کرو) اور شکر گزار رہو۔ اور (دیکھو) اُسی نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیے کہ وہ تمہیں لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے اور اُس نے نہریں رواں کر دیں اور راستے نکال دیے، تاکہ تم اپنی منزل مقصود تک پہنچو۔ اور دیکھو! اُس نے علامتیں پیدا کر دیں اور ستاروں سے لوگ راہ نمائی پاتے ہیں۔ پھر بتلاؤ، کیا دونوں ہستیاں برابر ہو گئیں؟ وہ جو پیدا کرتی ہے اور وہ، جو کچھ پیدا نہیں کرتی۔ پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو، تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے:

اُمتِ مسلمہ کے سالانہ جلسے کی ایک تقریر

حُجّت فی الدّین قرآن ہے یا حدیث؟

(جناب محمد شریف صاحب شوخ ، لاہور)

صدرِ محترم! برادرانِ اُمت!

اس میں شک نہیں، آج رُبعہ مسکون کے چپّہ چپّہ میں مسلمانوں کے افتراق و انشقاق اور ان کے ادبار و انحطاط کا رونا رویا جا رہا ہے اور ہمارے خانہ ساز رہنمایانِ قوم بھی اس شرمناک حالت کے اسباب و علل پر بظاہر غور و خوض کرتے ہوئے اس کے ازالہ و علاج میں مصروف نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی تحقیق بھی غلط ہے اور ان کا علاج بھی غلط ہے۔ میری دانست میں مسلمانوں کی تمام تر ذلت و پستی کا واحد سبب صرف یہ ہے کہ انہوں نے "قرآن عزیز" کو جو اُن کی دینی و دُنیوی فلاح و بہبود کا بے عدیل دستور العمل ہے، جس کا دعوٰے ہے "تبیاناً لکلّ شیءٍ" اور جو پکار پکار "افغیر اللہ ابتغی حکماً و ھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً" کہہ رہا ہے، پسِ پشت ڈال کر اس سے مُنہ موڑ رکھا ہے اور اس کے بجائے ظن و تخمین کے مجموعوں کو "حدیث" کے نام سے موسوم کر کے اپنا دستور العمل بنا رکھا ہے، حالانکہ اس سے کوئی بھی مجاز انکار نہیں کہ ہماری رُشد و ہدایت کے لیے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ربِّ کعبہ کی طرف سے جو کتاب نازل ہوئی وہ صرف "قرآن حکیم" ہی ہے، "بخاری و مسلم" وغیرہ نہیں، مگر کس قدر تعجب و تاسف کا مقام ہے کہ اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود آج نہ صرف سادہ لوح مسلمانوں نے بلکہ اکثر علما نے بھی قرآن مجید کے مقابلہ میں صدیوں بعد کی مدوّنہ چھ کتب کو صحیح سمجھ رکھا ہے۔ اگر ان کتب غیر سماویہ کو صرف تاریخِ اسلام کا درجہ دے کر ان سے استفادہ کیا جاتا، تو چنداں مضائقہ نہ تھا، کیونکہ ذخیرۂ احادیث میں بعض ایسی باتیں بھی ہیں، جو ہمارے لیے سرمایۂ سعادت ہیں اور اکثر ایسی بھی ہیں، جو حشو و زوائد پر مبنی ہیں، مگر رونا تو یہ ہے کہ بعض مسلمان اس سے کچھ بہت زیادہ متجاوز ہو چکے ہیں، یعنی، اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے، بعینہ ان چھے انسانی تصانیف پر بھی، مگر حیرت کا مقام ہے کہ "فنا فی الحدیث" حضرات "صحیح بخاری" یا "صحیح مسلم" کی طرح "قرآن مجید" کو کبھی "صحیح باری" نہیں کہتے۔ اگر یہ لوگ فی الواقعہ قرآن مجید کو بھی صحیح باری ہی سمجھتے ہیں اور صحاح ستہ کو بھی صحیح باری ہی کی طرح صحیح اور جزو ایمان سمجھتے ہیں، تو نہیں چاہیے کہ مسلمانوں کے دینی و

دنیوی و دستور العمل کی بجائے صحاح ستہ کے صحاح سبعہ لکھا کریں۔ امیرے نزدیک اگر مسلمان ذرا بھی تدبر و تفکر سے کام لیتے، تو انہیں فوراً سمجھ آجاتی کہ قیامت کے روز رب اکبر ہم سے یہ نہیں پوچھے گا کہ میں نے "محمد بن اسمٰعیل بخاری" پر ایک کتاب نازل کی تھی، تم اس غلط بخاری یا صحیح بخاری پر ایمان لائے تھے، یا نہیں، بلکہ وہ تو یہی دریافت فرمائے گا کہ میں نے محمد عربی سلام علیہ پر اپنی کتاب قرآن مجید نازل فرمائی تھی، تم اس پر ایمان لائے تھے یا نہیں؟ اُس کے اوامر و نواہی پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ ——— بعض حضرات تعجب کرتے ہوں گے کہ میں نے جناب بخاری کی کتاب کو غلط[1] بخاری کہا ہے۔ بے شک میں بخاری صاحب کی کتاب کو ایک صحیح کتاب تصور نہیں کرتا، اسی طرح عوام مسلمان جو بخاری صاحب کو "امام بخاری" کہتے ہیں، میں انہیں امامت کا اہل نہیں سمجھتا، یہی وجہ ہے کہ میں بخاری صاحب کو امام بخاری کہنے سے احتراز کرتا ہوں، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ امام ایک بہت بڑی رفیع المنزلت ہستی کا مالک ہوتا ہے، مگر بقول اقبال مرحوم بخاری صاحب نے تو تدوین بخاری سے راج پال ایسے متعدد گستاخ و بے باک انسان پیدا کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس[2] کے حصن حصین پر حملہ کیا ہے، اس حالت میں آپ ہی فرمائیں کہ وہ کیوں کر مستحق امامت ہو سکتے ہیں[3]؟

بزرگان ملت! میری سفر بیر کا موضوع تو یہ ہے کہ حدیث حجت فی الدین ہے یا نہیں؟ ——— میرا دعوٰی ہے کہ صرف قرآن مجید ہی حجت فی الدین ہے اور اسی سے متعلق قیامت کے روز سوال و جواب ہوں گے بخاری و مسلم وغیرہ کے متعلق نہیں۔ میں کہتا ہوں، اگر حدیث حجت فی الدین ہوتی، تو یقیناً حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں قلم بند کی جاتی اور قرآن مجید کی طرح مجموعہ احادیث کو بھی رسول علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے زمانہ اقدس میں بہ طور دستور العمل مرتب کیا جاتا، لیکن بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حضورؐ کے زمانہ میں احادیث محض اس لیے قلم بند نہیں کی گئیں کہ مبادا حدیثیں قرآن میں مل کر خلط ملط ہو جائیں، کیسی نادرست توجیہہ اور استدلال ہے، اگرچہ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ توجیہہ اور استدلال ہی احادیث کی عدم ضرورت پر ایک بردست

---

[1] اہل حدیث اگر افراط کی طرف گئے ہیں، تو آپ تفریط کی طرف۔ امام بخاری رح کی تالیف صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ دونوں چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ (ایڈیٹر)

[2] بخاریؒ نے ناموس رسول پر حملہ کیا تھا یا نہیں، اس پر بحث ناجائز ہے، آپ اُن کی نیت پر حملہ نہ کیجئے۔ اقبالؒ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، اُن کے قول کی ذمہ داری بھی آپ کے سر ہے۔ (ایڈیٹر)

[3] امامت سے نہ جانے آپ کا کیا مطلب ہے۔ مؤلفین صحاح میں تو بخاریؒ یقیناً متقدم ہیں۔ (ایڈیٹر)

استدلال ہے، اگر حدیث بھی قرآن کی مثل ہوتی اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا، تو یقیناً اُس کا بھی ایک مجموعہ زمانۂ نبوی میں لکھا جاتا۔ لیکن اہلِ تحقیق سے مخفی نہیں کہ واقعات اس کے منافی ہیں۔

پھر اس کے بعد صحابۂ کبار کا زمانہ آتا ہے، لیکن حیرت ہے کہ اُس زمانہ میں بھی حدیثیں نہیں لکھی گئیں، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام نے بھی احادیث کو حجت فی الدین، جزوِ مذہب و ایمان نہیں سمجھا، ورنہ وہ یقیناً احادیث کو مرتب کر کے قرآن مجید کی طرح انہیں محفوظ کر لیتے، کیوں کہ دنیا میں اُن سے زیادہ محبتِ رسولؐ کا جذبہ کسی انسان کے سینے میں پیدا نہیں ہو سکتا، مگر وہ حدیثوں کے معاملہ میں اس درجہ محتاط تھے کہ قلم بند کرنا تو کجا روایت کرنے سے بھی منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن قتیبہ دینوری حضرت ابو ہریرہؓ کی کثرتِ روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو سب صحابہؓ سے بدرجہ غایت بُرا کہنے والی تھیں، اسی طرح حضرت عمرؓ اُس شخص کے ساتھ بہ تشدد پیش آتے، جو کثیر الروایت ہوتا۔ یا حکم میں کوئی ایسی خبر لاتا جس کا کوئی شاہد نہ ہو، آپ صحابہ کو حکم دیتے کہ روایت کم کر دو" (تاویل مختلف الاحادیث ص۴۲) "طبقات الشافعیہ" میں ہے، "ابن اہرم نے امام شافعیؒ سے کہا: آپ وہ حدیثیں لکھوائیں، جو رسولؐ کریم سے ثابت ہوں مگر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ "وہ حدیثیں جو صحیح ہیں، اہلِ معرفت کے نزدیک بہت کم ہیں، اس لیے کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے سَو حدیثیں بھی مروی نہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے بھی بہت کم حدیثیں مروی ہیں" مگر صحابہؓ کی قلتِ روایت کے باوجود آج ہمارے سامنے احادیث کے کئی ایک مبسوط و مطول مجلدات موجود ہیں، جن کی ہر روایت بلا امتیازِ حسن و قبح ہمارے لیے حجت شرعی کا درجہ رکھتی ہے ——— قطع نظر صحابہؓ کی قلتِ روایت یا کثرتِ روایت کے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ حدیث ظنیات کا درجہ رکھتی ہے یا یقینیات کا۔ اگر ظنیات کا درجہ رکھتی ہے، تو ہمارے لیے کسی حالت میں بھی حجت نہیں اور اگر یقینیات کا درجہ رکھتی ہے، تو پھر یہ بھی قرآن ہے اور اسے قرآن ہی کی طرح عہدِ رسالت میں مدوّن ہونا چاہیے تھا، مگر اہلِ علم و تحقیق پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ احادیث متداولہ ظنیات میں داخل ہیں۔ صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے، جسے حق و یقین کا درجہ حاصل ہے۔ پس قرآن ایسی یقینی کتاب کی موجودگی میں احادیث کی ظنی باتیں کیوں کر حجت فی الدین ہو سکتی ہیں؟ اس کے علاوہ جب جناب بخاری کی کتاب میں مرجی، خارجی، قدری، جبری، معتزلہ اور رافضی وغیرہ راوی بکثرت موجود ہیں، تو ہمارے نزدیک

وہ ایک صحیح کتاب کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر اس کتاب کو ہم حجت فی الدین کس طرح قرار دے سکتے ہیں جب کہ اس میں منقہ ولیسے راوی بھی جلوہ افروز ہیں، جن کا صحابہ کرام پر منبر بار صبح اور منبر بار شام لعنتیں[1] بھیجنا معمول تھا؟

لیکن سب سے زیادہ رنج و افسوس تو مجھے اپنے اُن سادہ لوح حنفی بزرگوں پر ہے جو جناب بخاری کی محبت میں اس قدر دیوانے ہو رہے ہیں کہ ان کی کتاب کو بھی قرآن مجید کی طرح ایک صحیح صحیفہ سمجھتے ہیں۔ اور شبانہ روز صحیح بخاری، صحیح بخاری کا وظیفہ رٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ حال آں کہ یہی بخاری صاحب حضرت امام ابوحنیفہ کے سخت مخالف تھے اور آن پر ہمیشہ کمینے[2] حملے کیا کرتے تھے، لیکن سادہ لوح حنفی ہیں کہ بخاری صاحب کے عاشق زار ہیں۔ میں کہتا ہوں اگر میرے حنفی بزرگ حدیثوں کے ایسے ہی دیوانے اور متوالے ہیں، تو انہیں چاہیے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی بھی کوئی ایسی کتاب پیش کریں، جو انہوں نے بخاری و مسلم کی طرح جمع کی ہو۔ لیکن مجھے دعوے ہے کہ حنفی بزرگ قیامت تک کوئی ایسی کتاب نہ دکھا سکیں گے، کیوں کہ حضرت امام صاحب حدیثوں کو ہرگز ہرگز حجت فی الدین نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اُن کے نزدیک صرف قرآن مجید ہی حجت فی الدین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تفقہ فی الحدیث کے بجائے صرف تفقہ فی القرآن پر اکتفا کی۔ اگر امام صاحب کے نزدیک حدیثیں حجت فی الدین ہوتیں، تو یقیناً آپ بخاری صاحب سے احسن و اعلیٰ کتاب احادیث مرتب فرما سکتے تھے، کیوں کہ جناب بخاری کی نسبت امام صاحب کا زمانہ حضور نبی کریمؐ سے بہت قریب تھا۔ مگر قرب زمانہ کے باوجود آپ نے تدوین احادیث کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ دوسرے یہ کہ اگر امام صاحب احادیث کو حجت فی الدین سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ بخاری صاحب اور اُن کے پیرو یعنی اہل حدیث بزرگوں کے قلوب میں امام صاحب سے متعلق جذبہ عناد کارفرما ہوتا۔

---

[1] (ا) قال احمد بن ابی یحییٰ عن احمد حریز صحیح الحدیث الا انہ یحمل علے علی قال العجلی شامی ثقۃ وکان یحمل علے علی قال فنجاء قیل لیحیی بن صالح لم تکتب عن حریز فقال کیف اکتب عن رجل صلیت معہ الفجر سنین فکان لا یخرج من المسجد حتی یلعن علیا سبعین مرۃ وقال ابن حبان کان یلعن علیا بالغداۃ سبعین مرۃ وبالعشی سبعین مرۃ الخ (تہذیب التہذیب جزء ثانی صفحہ ۲۳۸ تا ۲۴۰)

(ب) قال قتیبۃ ثنا جریر الحافظ المقدم لکنی سمعتہ یشتم معاویۃ علانیۃ۔ (تہذیب التہذیب جزء ثانی ص۷۵)

[2] آپ حدیث کی حجیت پر بحث فرما رہے ہیں یا امام بخاری کی ذات پر؟ (ایڈیٹر)

بخاری صاحب جن کی کتاب کو ہمارے اہل حدیث بھائی صحیح بخاری کہتے ہیں۔ اُن کے متعلق امام مسلم اپنی کتاب کے دیباچہ میں اشارہ کرتے ہیں کہ "وہ منتحل الحدیث[1] تھے" اس کے علاوہ خود جناب بخاری نے اکثر راویوں کو ضعیف تسلیم کرنے کے باوجود اُن سے روایتیں لے لی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام مسلم بخاری صاحب کو منتحل الحدیث کہتے ہیں بہت حد تک حق بجانب ہیں، مگر اُن کے ضعیف الروایت ہوتے ہوئے بھی کتاب بخاری کو حجت فی الدین قرار دینا، خدا کے قرآن سے تقابل کے مترادف نہیں تو کیا ہے؟ ——— علمائے کرام نے تو بوقتِ تنقید نہ صرف روایات کی صحت و عدم صحت پر بحث کی ہے، بلکہ وہ تو سرے سے بخاری صاحب کے حافظہ پر ہی معترض ہیں کہ انہیں نسیان کا عارضہ تھا، جس کے باعث اُن کا حافظہ صحیح نہ تھا اور متقدمین میں سے اکثر اہل علم بزرگوں نے بخاری صاحب کو وہمی[2] بھی لکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمان پھر بھی ان کی کتاب کو صحیح بخاری صحیح بخاری کہتے دم نہیں لیتے۔

بزرگانِ ملت! میں اپنے موضوع پر ایک نظر بازگشت ڈالتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر احادیث حجت فی الدین ہوتیں، تو نبی اکرم اور صحابۂ کرام کے عہدِ مبارک میں یقیناً ضبطِ تحریر میں آجاتیں لیکن ایسا نہیں ہوا اور وجہ محض اس لیے کہ حدیثیں قرآن مجید کی طرح حجت فی الدین نہ تھیں، مگر حیرت تو یہ ہے کہ زمانۂ نبوت سے دو اڑھائی سو سال بعد بخاری صاحبؒ کیوں کر وحی نازل ہوگئی کہ قرآن مجید کی طرح حدیثیں بھی حجت فی الدین ہیں اور اُن کا قلم بند کرنا نہایت ضروری ہے ہمیری رائے میں حدیثوں کی عدم حجیت کے متعلق جو کثیر التعداد براہین ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی زبردست دلیل ہے کہ احادیث کی نسبت ضعیف اور موضوع وغیرہ جو اس قسم کے الفاظ بکثرت مستعمل ہوتے ہیں، قرآن کی کسی آیت کے متعلق آج تک استعمال نہیں ہوئے۔

احادیث کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کی روش قابلِ تعریف ہے۔ علامہ شبلی نعمانی رح تحریر فرماتے ہیں "تاریخوں میں جہاں جہاں امام اعظم رح کا نام لکھا جاتا ہے، امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے، اس شہرت کی ایک وجہ یہ تھی کہ عام محدثین، حدیث و روایت میں، درایت سے قطعاً کام نہیں لیتے تھے، امام ابو حنیفہ رح

---

[1] نحل: سخن بستہ بر کسے کہ او نہ گفتہ باشد۔

[2] ملاحظہ ہو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی جزو سادس صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ و ۲۶۴ - اور خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی تصنیف المتفق و المتفرق میں جناب بخاری کے ۴۰ اوہام کا ذکر کیا ہے۔

نے اس کی ابتدا کی اور اس کے اصول و قواعد منضبط کیے، امام صاحب نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہیں کر دہ اصول درایت کے مطابق ثابت نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے لقب اہل الرائے کو شہرت ہوئی، کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔"

(سیرۃ النعمان دوم ۔۔۔)

حدیث کو اگر بحیثیت حدیث کے دیکھا جائے، تو معتقدین حدیث کے لیے ہر حدیث، وہ مخالف کی ہو یا موافق کی، واجب الاحترام اور حجت فی الدین ہونی چاہیے۔ لیکن یہاں یہ حالت ہے کہ موافق کی روایت کی ہوئی حدیث کو، خواہ اس میں رطب و یابس ہی کیوں نہ ہو، بلا تامل حجت فی الدین قرار دیا جاتا ہے اور مخالف کی روایت کی ہوئی حدیث کو، اگرچہ وہ سرمایۂ سعادت بھی کیوں نہ ہو، پائے استحقار سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ میں اہل حدیث بزرگوں کی تصنیفات سے چند اقتباس اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں، جن میں انہوں نے اپنے مخالفین کی حدیثوں کے خلاف زہر چکانی کی ہے۔ ——— "الجرح علیٰ ابی حنیفہ" میں ہے "اصحاب ابی حنیفہ کا کیا ذکر، کُل کے کُل کوفہ والے ایسے ہی تھے" "تدریب الراوی" مصری ص۲۲ میں ہے "زہری نے کہا، کوفہ والوں کی روایتوں میں بہت کدورت ہے۔" اور "خطیب بغدادی" نے کہا "کوفہ والوں کی روایتوں میں بہت کدورت ہے اور علتِ قادحہ سے سلامتی بہت قلیل ہے" اور ایسا ہی "سنن ابی داؤد" مطبوعہ مجتبائی ص۳۵ جلد دوم میں ہے کہ "کوفہ والوں کی حدیث بے نور ہے" اور طاؤس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "عراق والا آدمی اگر سو حدیثیں سنائے تو ۹۹ بالکل چھوڑ دو، اور جو ایک باقی ہے، اس میں بھی شک رکھو" پس ایسی حالت میں جب کہ اہل حدیث بھی روایات کے متعلق اس قسم کا ظن رکھتے ہوں اور جب ہر فریق دوسرے فریق کی حدیثوں کو ناقابلِ اعتبار سمجھتا ہو، تو پھر کون سی حدیث ایسی باقی رہتی ہے، جسے صورت کے اعتبار سے حجت فی الدین کہا جا سکتا ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو میں التماس کروں گا کہ آپ تمام غیر معتبر اور مشکوک باتوں سے بے نیاز اور تمام اکاذیب و اباطیل کے مجموعوں سے مستغنی ہو کر صرف قرآن مجید ہی کو ایک یقینی اور معتبر دستور العمل سمجھیے کیونکہ یہی مسلمانوں کے لیے حجت فی الدین ہے اور یہی جمیع ضروریات وحی کے لیے مکتفی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی کسی قسم کی وحی ہے اور نہ وہ حجت فی الدین ہو سکتی ہے۔

اطلاعات

مسجد

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں!

عرصہ سے اُمتِ مسلمہ گراؤنڈ میں مسجد کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، لیکن بے بضاعتی کی وجہ سے تعمیرِ مسجد کا حوصلہ نہ ہُوا، یہاں تک کہ برادرِ محترم ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب نے اس مقصد کے لیے ساڑھے چارصد روپیہ عطا فرمانے کا وعدہ کیا، جس پر تعمیر کا خیال پختہ ہوگیا اور مجلس کی قرارداد کے مطابق یکم رمضان المبارک کو سنگِ بنیاد قایم کرنے کے بعد عمارت شروع کردی گئی جس کے خرچ کا اندازہ کم ازکم دوہزار روپیہ ہے۔

بعض اعزہ و احباب سے اخراجاتِ تعمیر میں امداد کی درخواست کی گئی، چنانچہ ہرجانب سے حوصلہ افزائی کی گئی۔

محترم ماسٹر خواجہ حمید اللہ صاحب نے عیدالفطر کے بعد مناسب امداد کا وعدہ فرمایا، عم مکرم حاجی خواجہ محمد امین صاحب نے فرش کے اخراجات اپنے ذمے لے لیے؛ برادرِ مکرم خواجہ عبداللہ صاحب مالک ہمدرد بُوٹ ہاؤس نے پچاس روپیہ کا وعدہ فرمایا، عزیز محترم خواجہ محمد الدین صاحب مالک امین بُوٹ شاپ نے پچاس روپیہ کا وعدہ کیا، برادرِ گرامی خواجہ عبدالکریم صاحب نائک نے پچیس روپیہ عطا فرمانے کا وعدہ کیا، بزرگ محترم میاں مولا بخش صاحب امیرِ مجلس نے ایک سو روپیہ کا وعدہ فرمایا، جزاہم اللہ۔

سرِدست حسبِ ذیل رقوم موصول ہوئی ہیں:

ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	۲۰۰-۰-۰ [سلہ]	خواجہ فیض اللہ صاحب	۲-۰-۰
خواجہ عبدالکریم صاحب نائک	۵-۰-۰	حاجی عبدالعزیز صاحب عزیز بُوٹ ہاؤس	۲-۰-۰
میاں معراج الدین صاحب قریشی	۲-۰-۰	خواجہ عبداللہ صاحب ہمدرد بوٹ ہاؤس	۱۳-۰-۰
بابا لبتا صاحب	۲-۰-۰	مستری محمد اسمٰعیل صاحب	۱-۰-۰
		میاں اللہ رکھا صاحب	۱-۱-۹
		خواجہ نعمت اللہ صاحب	۵-۰-۰

سلہ یہ رقم اس سے پہلے بلاغ میں شائع ہوچکی ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	۲-۰-۰
خواجہ الٰہی بخش صاحب	۲-۰-۰
سراج الدین صاحب	۱-۰-۰
خواجہ غلام علی صاحب	۲-۰-۰
بابا عبداللہ صاحب	۱-۰-۰
حاجی محمد الدین صاحب امین بوٹ شاپ	۱۰-۰-۰
خواجہ نظام الدین تاج الدین صاحبان	۲-۰-۰
خواجہ عبدالعزیز صاحب	۲-۹-۶
خواجہ انعام اللہ صاحب	۲-۰-۰
.. ..	۲-۰-۰
محمد شفیع صاحب	۱-۰-۰
منشی قمرالدین صاحب	۰-۱۲-۰
دین محمد، لال دین، الہ دین	۱-۸-۰
خواجہ عطاء اللہ صاحب	۲-۸-۰
خواجہ معراج الدین صاحب	۲-۸-۰
چوہدری شہاب الدین صاحب	۵-۰-۰
باغ مزدور	۰-۸-۰
خواجہ خوشی محمد صاحب	۶-۰-۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	۱۰-۰-۰
چودہری ولاور احمد خاں صاحب وزیرآباد	۲۵-۰-۰
خواجہ عبداللہ صاحب (ہمدرد بوٹ ہاؤس)	۳۷-۰-۰
خلیفہ امام الدین صاحب	۱-۰-۰
از غیب	۲-۰-۰
میزان	۳۵۴-۷-۳

توقع ہے کہ دوسرے مخیر احباب بھی اس کارِ خیر میں شرکت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے:

ہرچہ داری خرچ کن در راہِ او
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا

خادم ضیاء اللہ

نوٹ: عدم گنجائش کے باعث اس مرتبہ تعمیر مسجد کے اخراجات اور دوسری عمارات کے آمد و خرچ کا گوشوارہ نہیں دیا جا سکا۔ آئندہ پرچے میں تمام حسابات شائع ہوں گے، ان شاء اللہ۔ (مینیجر)

تصحیح: پچھلے نمبر کے منظومات میں چند افسوسناک غلطیاں رہ گئیں۔ ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ وہ صفحہ ۳۵ کا پانچواں شعر بہ حسب ذیل درست کرلیں:

مسلماں ہیں اسلاف کی یادگاریں عمارت کے مٹتے ہوئے سے نشاں ہیں

اس کے علاوہ صفحہ ۳۸ کی دوسری رباعی کے پہلے شعر اور چوتھی رباعی کے دوسرے شعر کی بھی تصحیح فرمالیں: دل سخت نحیف و ناتواں ہے اے دوست ❊ اس ہست پہ نیست کا گماں ہے اے دوست!
اک حال پہ رہ سکی نہ قانع فطرت ❊ ہاں، سوزِ طلب ہے جاودانی اے دوست!

فہمِ قرآن کے متعلق چند اشارات

(حضرت خواجہ احمدالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اوّل جب کوئی شخص قرآن مجید پڑھنا شروع کرتا ہے، تو سب سے پہلے اُس کی نظر اِس دعا پر پڑتی ہے، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ مطلب اِس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ تُو جو رب العٰلمین رحمان رحیم مالک یوم الدین اور اکیلا مستعان اور معبود ہے، ہمیں سیدھے اور پکے راستے کی راہ نمائی کر، جس راستہ پر چل کر ہم منعم علیہم بن جائیں، اور افراط و تفریط کی راہوں سے بچ کر مغضوب علیہ اور ضال ہونے سے خلاصی پائیں۔ اس دعا کو قرآن مجید کے شروع ہی میں سکھلانے سے یہ بات بوضاحتِ تمام ثابت ہو جاتی ہے کہ جس شخص کو صراطِ مستقیم کی خواہش نہیں ہے، اُس کو قرآن مجید سے کچھ فائدہ نہیں مل سکتا۔ پس یہ امر سب سے مقدم اور ضروری ہے کہ ہم طالبِ حق بن کر اور مغضوبیت اور ضلالت سے خائف و ترساں ہو کر قرآن مجید کو پڑھا کریں۔

قرآن پاک پڑھتے وقت شیطانی وساوس سے بھی خدائے سمیع و علیم کی پناہ میں آنے کا حکم ہے، اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطانی راستوں سے الگ ہو کر ہی قرآن پاک سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، جو شخص پہلے ہی سے کسی خاص خیال کی حمایت پر کھڑا ہو اور کسی خاص فریق کی طرف داری پر اڑا ہو، وہ اگر اور بھی خسارہ میں پڑ جائے، تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

انسان کو جس بات کی الفت ہوتی ہے، اُس کے خلاف سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ دیکھیے، توحید کیسی سچی اور عالی شان چیز ہے، مگر مشرکوں کو اس سے سخت بیزاری ہوتی ہے، اُن کے سامنے جب اکیلے خدا کا ذکر آتا ہے، تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں (وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ؁) توحید الٰہی کا بیان اُن پر بڑا ہی شاق گذرتا ہے كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؁) ہاں جب غیروں کا ذکر کیا جاتا ہے، تو وہ خوشیاں مناتے ہیں (وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ؁)

حاصل یہ ہے کہ بعض لوگوں کو کفر میں بھی شرحِ صدر حاصل ہو جاتا ہے (وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا الخ ؁) ایسے لوگ قرآن مجید سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، خواہ وہ یہ بھی اقرار کریں کہ ہم قرآن مجید کو مانتے ہیں اور ہم پکے مسلمان ہیں۔ ایسے لوگ قرآنِ مجید سے وہی مشرکانہ باتیں ثابت کریں گے، جو اُن کے خاطر

ہیں مرکوز ہیں۔ ان کو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول میں دو مستقل اطاعتیں نظر آئیں گی جس طرح ایک لوگ اَغْنَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۔ (پ) میں دو مستقل غنی کرنے والے اور فضل والے دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ جناب محمد رسول اللہ صلعم اپنے فوت ہونے سے پہلے ہر وقت اور ہر جگہ مسلمانوں میں موجود رہتے تھے، نہیں نہیں، بلکہ اب بھی تمام ملکوں کے مسلمانوں میں بذاتِ خود موجود ہیں اور اسی طرح ہمیشہ تک رہیں گے، ایسے خیالات والے لوگ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کے یہ معنی بنالیں گے کہ تحقیق، اللہ اکیلا معبود نہیں ہے جس طرح وہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ کے معنے نکالتے ہیں کہ تحقیق، میں بشر نہیں ہوں۔ پناہ بہ خدا!

وہی آدمی جب اندھیرے جنگل میں کسی درخت یا جھاڑ کو دیکھتا ہے، تو بسا اوقات اس کے خیال میں گذرتا ہے کہ یہ ایک بھوت ہے، جو سامنے کھڑا ہے، پھر اُس کو بھوت کا سر اور بال اور منہ اور ہاتھ پاؤں بھی نظر آنے لگتے ہیں، حال آں کہ وہاں درخت کا ایک تنہ یا جھاڑ کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو پہلے ہی سے کسی وہم میں مبتلا ہوتا ہے، اُس کو قرآن پاک میں بھی وہی رنگ نظر آنے لگتا ہے، جس سے اُس کا دل رنگین ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں دراصل کچھ اور ہوتا ہے، مگر وہم کی صورت آفرینی سے وہ شخص کچھ کا کچھ دیکھتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جس طرح خراب وخستہ شیشہ میں خراب وخستہ صورتیں ہی دکھائی دیتی ہیں، یہی حال اُس دل کا ہے، جو صحیح نہیں ہوتا۔ اِس بیان سے صاف کھل جاتا ہے کہ قرآن فہمی کے لیے دل کی صفائی اور نیت کی درستی سب سے مقدم چیز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص غلط خیالات کو دل میں لے کر قرآن مجید کو پڑھے گا، تو وہ شخص اپنے دل کی ناصفائی کے سبب غلط نتیجہ نکالنے لگے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے دل میں اِس بات کو قائم کرلے کہ حضرت موسےٰؑ کی والدہ ماجدہ تمام عمر کنواری ہی رہی تھی اور اُس نے اُسی حالت میں خارقِ عادت کے طور پر بچے جنے تھے، تو ایسے شخص کو قرآن پاک میں کئی جگہ تنکے کے سہارے مل جائیں گے وہ شخص جب پڑھے گا کہ موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی گئی تھی کہ تو اس بچہ کو تابوت میں ڈال اور تو اس تابوت کو دریا میں جاکر پھینک دے، تو وہ شخص ایسی باتوں سے فوراً اپنے خیال کے مطابق نتیجہ نکال لے گا، وہ کہے گا کہ اگر موسےٰؑ کا باپ ہوتا تو ہرگز ایسے حکم اُن کی ماں کو نہ کیے جاتے، اور ان کے تمام قصے میں صرف ماں کا ہی ذکر نہ آتا۔ پھر جب وہ شخص پڑھے گا کہ جب حضرت ہارون علیہ السلام نے موسےٰ علیہ السلام کو بلایا، تو کہا یَابْنَؤُمَّ یعنے اے میری ماں کے بیٹے! تو اس سے اس کے

خیال کی اور تائید ہو جائے گی۔ وہ کہے گا کہ اگر حضرت موسیٰؑ کا باپ ہوتا، تو حضرت ہارونؑ ان کو ماں کا بیٹا کہہ کے نہ پکارتے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے دل میں یہ خیال جمالے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے، بلکہ آج تک زندہ موجود ہیں، تو ایسے خیال والا شخص جب قرآن مجید میں پڑھے گا کہ اللہ تعالیٰ نزولِ قرآن کے وقت فرماتا ہے کہ یحییٰ پر سلام ہے، جس دن وہ پیدا ہوا تھا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھے گا (پ۱۶)، تو وہ فوراً اس سے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نزولِ قرآن تک فوت نہیں ہوئے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ جس دن وہ مرے گا، بلکہ یوں فرماتا کہ جس دن وہ مرا تھا۔

وہ شخص حضرت یحییٰ علیہ السلام کے نام سے بھی سند پکڑ سکتا ہے کہ یحییٰ کے معنے ہیں "جیتا ہے" اُن کا یہ نام خود خدا تعالیٰ نے رکھا ہے، اگر وہ مرنے والے ہوتے۔ تو خدا تعالیٰ اُن کا ایسا نام ہرگز نہ رکھتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے دل میں یہ ٹھیرالے کہ حضرت مریمؑ آج تک زندہ ہیں تو وہ آیت مبارکہ اَنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗ الخ (پ۶) سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریمؑ کو بھی اسی طرح زندہ سمجھ لے گا۔

وہ شخص حضرت مریمؑ کی زندگی پر ایک اور بھی دلیل پیش کرے گا۔ مثلاً وہ کہے گا کہ حضرت مریمؑ حضرت ہارونؑ کی بہن تھیں اور حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے، پس حضرت مریمؑ حضرت موسیٰؑ کی بھی بہن ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بہن حضرت موسیٰؑ کی پیدایش سے پہلے موجود تھی۔ پس وہ اس سے یہ دلیل پکڑے گا کہ جب حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کی ماں بننے کے لیے خارقِ عادت طور پر مدتِ دراز تک زندہ رہیں، تو اُن کا اب بھی زندہ ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے۔

ایسا شخص صرف اتنے پر ہی بس نہیں کرے گا، بلکہ وہ اور بھی آگے قدم بڑھائے گا۔ وہ کہے گا کہ حضرت مریمؑ کو حضرت زکریاؑ نے پالا تھا، پس حضرت زکریاؑ حضرت موسیٰؑ سے بھی پہلے تھے اور اسی لیے اُنہوں نے دعا کی تھی کہ میرا بیٹا آلِ یعقوبؑ کا ورثہ پائے، علیٰ ہذا القیاس۔

ایسے تمام نتائج بیمار دل کا نتیجہ ہیں۔ ایک غلط بات کو ماننے سے آدمی بہت سی غلطیوں میں پھنستا چلا جاتا ہے اور یاد رہے کہ خلافِ فطرت باتوں کے بلانے سے کبھی بھی کوئی بات سُلجھ نہیں سکتی اور نہ داناؤں کے ماننے کے قابل بن سکتی ہے۔

الحاصل دل کا فساد اور عادات کی خرابی ضرور گمراہی کا سبب بنتی ہے۔ زیادہ بنے یا کم، یہ

امر دیگر ہے"، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس قرآن کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس کے ساتھ نہیں گمراہ کرتا مگر فاسقوں کو (وہ فاسق کون ہیں؟) وہ جو اللہ کے عہد کو اس کے پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کے متعلق خدا نے وصل کرنے کا حکم دیا ہے، اُسے قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، یہی لوگ خسارہ والے ہیں (پ۱)

ان مبارک آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فاسق، جن میں مذکورہ بالا قبیح صفات ہوں، وہ اگرچہ بہت سے رسمی و تقلیدی علوم کے استاد بھی ہوں، اور اگرچہ بہت ساری رسمی ریاضتیں بھی بجا لاتے ہوں، تو بھی وہ قرآن پاک سے ہدایت پانے کے لائق نہیں، بلکہ قرآن مجید ایسے نالائقوں کو نعمت ہدایت سے اُلٹا دُور کرتا جاتا ہے، جیسا کہ فرماتا ہے، وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (پ۱۵) یعنی قرآن مجید ظالموں کو صرف گھاٹے ہی میں بڑھاتا ہے۔

بیانِ بالا سے یہ بات سورج کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جس کے عادات فاسد، دل کج، اور عقل ہوا سے رنگین ہو، وہ ضرور قرآن پاک کے فہم میں بھی غلطیاں کرے گا، عقل کا فساد سب سے بڑا ہے، اس لیے کہ تمام بگاڑوں کی یہی اصل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (پ۱۱) یعنی اللہ اُن لوگوں پر پلیدگی ڈال دیتا ہے، جو عقل نہیں کرتے برادران! یہ ایک زبردست خدائی قانون ہے، جس سے کوئی شخص، جو عقل سے کام نہ لے، بچ نہیں سکتا۔

دوم۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب پہلے ہی سے غلط خیالات دل میں گھر کئے ہوئے ہوں تو قرآن مجید کے فہم میں بھی غلطی پڑ جانا ممکن ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر پہلے ہی سے صحیح معلومات کو دل میں جگہ دی جائے، تو وہ ضرور قرآن حکیم کے سمجھنے میں ممد ہوں گے۔ جب بات یہ ہے تو ہمارے لیے لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، صحیح علوم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (پ۲۳) یعنی کیا وہ لوگ جو اصل بات کو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، یکساں ہیں؟ علم کیا ہے؟ صحیح باتوں کا جاننا۔ اگر کوئی شخص بہت سی غلط باتوں کو جانتا ہو اور انہیں صحیح خیال کرتا ہو، تو وہ عالم نہیں ہے، جاہل ہے۔ تمام مذاہب والے اپنے اپنے رسمی علوم رکھتے ہیں، وہ انہیں کو اصلی علوم جان کر پھولے نہیں سماتے (فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ پ۲۴) تو وہ صحیح

علم انملوطات کے ڈھیروں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے، لَا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ (پ۷) یعنی خبیث و طیب یکساں نہیں ہیں، اگرچہ خبیث کی کثرت تجھے اچنبھے میں ڈالے۔ حاصل یہ ہے کہ صحیح علوم کا حاصل کرنا اور انہیں دل میں بٹھانا فہم قرآن کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔

مثال کے طور پر دیکھئے کہ تمام لوگ سیاہ کو ایک رنگ سمجھتے ہیں اور رنگوں میں شمار کرتے ہیں، لیکن سفید کو اکثر لوگ رنگ نہیں قرار دیتے، حال آں کہ صحیح علم کے مطابق سفید کئی رنگوں کا مجموعہ ہے، لیکن کالا کوئی رنگ نہیں ہے۔ اس کی حقیقت بطور اختصار اس طرح ہے کہ روشنی کسی چیز پر پڑتی ہے، تو وہ چیز بعض کرنوں کو جذب کر لیتی ہے، اور بعض کو پلٹا دیتی ہے۔ وہ کرنیں جن کو وہ چیز واپس بھیج دیتی ہے، اس چیز کا رنگ کہلاتی ہیں۔ جو چیز تمام کرنوں کو جذب کر لیتی ہے، اور کسی کرن کو واپس نہیں بھیجتی، سیاہ نظر آتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "سیاہ" رنگ سے خالی ہوتا ہے۔ پس سیاہ کوئی رنگ نہیں ہے اور سفید چوں کہ تمام کرنوں کو واپس دے دیتا ہے، اس لیے سفید ایک مرکب رنگ ہے یا یوں کہو کہ کئی رنگوں کا مجموعہ ہے۔

قرآن مجید سورت فاطر کے چوتھے رکوع میں سفید کو رنگوں میں شامل کرتا ہے، لیکن بھجنگ کالے کو رنگوں سے الگ کر کے بیان فرماتا ہے۔ جب تک کسی کو یہ علمی حقیقت معلوم نہ ہو، قرآن مجید کے اس طرز بیان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس حقیقت کے علم کے بغیر ذہن فضول تاویلوں کی طرف ہی دوڑے گا اور یاد رہے کہ تاویلیں تبھی تک کرنی پڑتی ہیں، جب تک حقیقت نہیں کھلتی۔ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

پھر دیکھیے کہ زمین اسی نیبولا کا ایک ٹکڑا ہے، جس کا بڑا حصہ سورج کی شکل میں نمودار ہے زمین پہلے دور میں روشن گیس تھی، پھر پگھلی ہوئی رقیق حالت میں پہنچی، پھر سورج کی طرح آتشین کرہ بن گئی، پھر سورج سے بہت ہی چھوٹی ہونے کے سبب جلدی ہی اوپر سے سرد ہو گئی۔ اندرونی ہل چل کے سبب اس کے اوپر سے پہاڑ نمودار ہوئے اور اس میں برکات و اقوات کے اندازے نکالے گئے۔ یہ سب کچھ چار زمانوں میں ہوا (فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ۔ پ۲۴/۱۶) زمین کے اندر اس وقت بھی بہت تیز اور سخت حرارت موجود ہے (یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ۔ پ۲۷/۱۲) قرآن حکیم کی بہت سی آیات کی تفسیر اسی حقیقت کے انکشاف سے ہو سکتی ہے۔ بغیر اس حقیقت کے

علم کے اُن آیات کی تفسیر میں ایسی ڈگلیں ہانکنی پڑتی ہیں، جن کو تفسیر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

زمین کی اندرونی حرارت اس قدر تیز ہے کہ زمین کے اندر کی چیزیں پگھلی ہوئی حالت میں ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اس گلے ہوئے مادے کے گرد مضبوط چٹانیں ڈال کر اس کو قابو میں نہ کر دیتا تو اس میں بھی سمندر کے پانی کی طرح چاند سورج سے مد و جزر ہوتا رہتا اور یوں سطح زمین ہمیشہ تہ و بالا ہوتی رہتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ) یعنی اللہ نے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیے ہیں، تاکہ تمہیں ہل چل میں نہ ڈالے"! اور ظاہر ہے کہ جب تک اس حقیقت کا علم نہ ہوا اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ بھی کوئی فرمائے گا، محض اٹکلیں ہی دوڑائے گا۔

پھر دیکھیے کہ زمین کی یہ اندرونی حرارت بے معلوم طور پر کم ہوتی جاتی ہے اور یوں سرد ہو کر زمین اپنے اطراف سے گھٹتی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں زمین کا اپنے اطراف سے گھٹتے جانا صراحتاً مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنے پورے قابو اور کامل جلال کو دکھلاتا ہے، مگر اس حقیقت کے نہ جاننے کے سبب مفسرین نے ان آیات کی ایسی تاویلیں کی ہیں، جو الفاظِ قرآن سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ دنیا کی کوئی کتاب نئے نئے معلومات کی روشنی میں نہیں ٹک سکتی، یہ صرف قرآن مجید ہی ہے، جو نئے نئے صحیح معلومات کی روشنی میں روز افزوں اپنی رونق اور جمال دکھاتا جائے گا۔

سوم۔ جس وحی کو اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لیے اپنی حفاظت کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور پھر اپنی حفاظت کے ذمہ کے ساتھ ہی ہمیں ہمیشہ تک پہونچانے کا وعدہ بھی کیا ہے، وہ صرف وہی وحی ہے، جس کو خود وحی بھیجنے والے نے ہی قرآن مجید میں جمع کر کے ہمیں پہنچا دیا ہے، لیکن جن باتوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا گیا، وہ بصورت ضرورت ہماری عقلی کوششوں ہی کے حوالے کی گئی ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ کسی انسان کی عقلی کوششوں پر وُہی بات ڈالی جا سکتی ہے، جو صحیفۂ فطرت اور عقل سے معلوم ہو سکتی ہو۔ خلاف فطرت باتوں کا معلوم کر لینا کسی انسان کی عقل کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کوئی انسان محض اپنی عقل سے یہ بات پیدا نہیں کر سکتا کہ ذوالقرنین جب مشرق و مغرب کے سفر کو نکلا تھا، تو اس سفر میں وہ آسمان پر بھی پہنچا تھا اور وہاں اس نے ثریا کے کھمبے سے اپنی گھوڑی کو باندھا تھا۔ جب بات یہ ہے تو ہمارے لیے کسی صورت سے بھی جائز

نہیں ہے کہ ہم کسی انسان کی ایسی باتوں کو، جو عقل و فطرت سے معلوم نہیں ہوسکتیں، دل میں جگہ دیں اور پھر ان کی بنا پر قرآن حکیم کی تفسیر کریں۔ جو لوگ دیو پری کے قصوں اور طوطا مینا کی کہانیوں کو دل میں بٹھا کر خدائے حکیم کی کتاب کی تفسیر کرتے ہیں، وہ در اصل خدائے قدوس کی توہین کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جن باتوں کو انسانی عقل پر چھوڑ دیا ہے، اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم اُن باتوں کو عادتاً معلوم کر سکتے ہیں یا انہیں کسی معقول احتمال کے ساتھ مان سکتے ہیں، لیکن خلافِ فطرت اور خارقِ عادت باتیں اس قبیل سے نہیں ہوتیں، پس اُن کی بنا پر کسی آیت کی تفسیر کرنا سراسر غلط ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کو اپنے بیانات میں ان خوارق کا ذکر کرنا منظور ہوتا، تو وہ خود ان خوارق کو کھول کر بیان فرماتا، اس لیے کہ خارج از وحی خوارق کا بیان کرنا انسانی عقلوں پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ انسانی عقل خواہ کسی انسان کی ہی کیوں نہ ہو، اپنی حد سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہمارے لیے یہ امر ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں ہمیشہ عادت و عقل سے ہی کام لیا کریں اور اگر کوئی بات مشتبہ رہ جائے، تو کسی عقلی احتمال کے ساتھ ہی اُسے مانا کریں۔ یہاں تک کہ آئندہ تحقیقات اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دے۔ غلط تفسیر کرنے کی نسبت اپنی نادانی کا اقرار کرنا بدرجہا بہتر ہے۔ یہ کوئی خوبی نہیں ہے کہ جب کوئی بات بہ تفصیل معلوم نہ ہو، تو گپوں سے مدد لینا ہی ضروری قرار دیا جائے۔

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یمین کی مخلصی سے مایوس ہوئے، تو اُن کے بھائی نے، جو ان کا رئیسِ قافلہ تھا، کہا کہ تم اپنے باپ کی طرف مڑ جاؤ اور انہیں یہ سب حال سناؤ۔ اس کے آگے اُن کے اپنے باپ کے پاس مڑ آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ اُس رئیسِ قافلہ کے قول کے ساتھ ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کے ساتھ باتیں کرتے اور یہ کہتے دکھلایا گیا ہے کہ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا (۱۲ : ۸۳) مطلب یہ کہ تم اپنے دل سے ایک بات بنا لائے ہو۔

ایسے بیانات میں عادتاً یہی سمجھنا درست ہوگا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی رخصت ہو کر مصر سے چل پڑے اور اپنے سفر کو ختم کر کے اپنے گھر میں جا وارد ہوئے، پھر جب باپ کے حضور میں وہ سب حالات بیان کیے، اُس وقت اُن کے باپ نے کہا، جو کچھ کہ کہا، لیکن اگر کوئی شخص ایسے بیانوں میں اپنی طرف سے یہ شامل کرے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے شہر سے باہر جا کر آنکھیں بند کر لیں اور ایک آن میں منزلِ مقصود پر جا پہنچے اور زمین کی طنابیں کھچ گئیں یا انہوں

نے وضو سے ہی اپنے باپ سے باتیں کرلیں، تو ایسی ملاوٹ کرنے والا، اپنے دل سے باتیں بنانے والا ہوگا۔
مگر یہ پہلی باتیں بھی قرآن مجید میں نہیں ہیں، مگر چونکہ وہ عادت وعقل سے معلوم ہو سکتی ہیں، اس لیے
اُن کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ محض خیال سے ہی ملائی گئی ہیں۔ اسی طرح احتمالات عقلی کے
ساتھ ماننا بھی بے بنیاد نہیں۔ خلاف فطرت اور مخالف عقل بات خواہ کسی بھی انسان کی ہو بے بنیاد
محض ہے۔

قرآن پاک میں بہت سے ایسے اختصارات ہیں، جہاں تفسیر کرتے وقت صرف عادی باتیں
ہی ملائی جاتی ہیں، بعض جگہ ایسے الفاظ بھی آئے ہیں، جو بظاہر خارق عادت بنائے جاسکتے ہیں مگر
عادت کا اس قدر غلبہ ہے کہ کوئی شخص بھی ان مقامات میں خلاف عادت معنے نہیں نکالتا۔ اللہ تعالے
سورۃ یٰس کے شروع میں اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ہم نے تیری قوم کی گردنوں میں طوق ڈال دیے
ہیں اور اُن کے آگے پیچھے دیواریں بنادی ہیں اور اُن کو اوپر سے ڈھانپ دیا ہے، سو انہیں دکھائی نہیں
دیتا۔ ان آیات میں مفسرین نے ظاہری طوق اور ظاہری دیواریں مراد نہیں لیں، بلکہ وہی معنے کیے ہیں
جو عقل کے مطابق ہیں۔ پھر اللہ تعالے اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ہم نے تجھ پر سے تیرا وہ بوجھ اتار دیا ہے
جس نے تیری پیٹھ توڑ ڈالی تھی۔ اس کے معنے بھی کوئی مفسر یہ نہیں لیتا، کہ سچ مچ رسولِ خدا پر کوئی ظاہری
بوجھ لدا ہوا تھا، جس کے دباؤ سے آپ کی پیٹھ ٹوٹ گئی تھی، پھر خدائے تعالے نے وہ بوجھ آپ کی پیٹھ
سے اتار دیا اور ٹوٹی ہوئی پشت کو جوڑ دیا۔ برعکس اس کے تمام مفسر اس کے یہی معنے لیتے ہیں، جو بالکل
معقول ہیں۔ ہمارے علما رسولِ خدا کی پشت کے ٹوٹ جانے کے تو ظاہری معنے نہیں لیتے، لیکن اس کے ساتھ
ہی جو حضور کے شرح صدر کا ذکر ہے، وہاں شرح کے صاف معنے بگاڑ کر سینے کا شق کرنا مراد لیتے ہیں،
حال آں کہ قرآن پاک میں کئی جگہ شرح صدر کا ذکر آیا ہے، وہاں کسی نے بھی اس کے معنے شق صدر کے نہیں کیے۔
پس اس جگہ شرح صدر کے معنے شق صدر بنا لینا کسی صورت سے بھی قرآن پاک کی تفسیر نہیں ہو سکتا۔ (باقی)

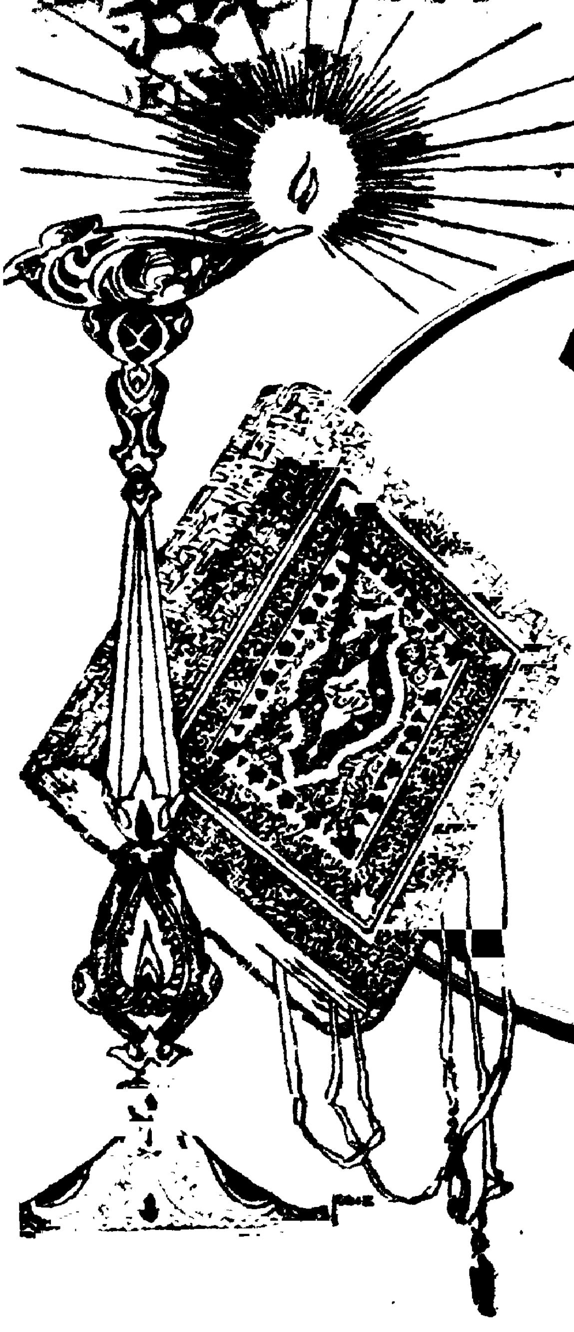
تاریخ وفاتِ کمال

(الحاج بابو عبداللہ حسن صاحب امرت سری)

مرگِ آتاترک آہ دریغا! | ہست یہ ماتم عالم ترکی
گفت حسن تاریخ وفاتش | مُرد مجاہد اعظم ترکی

۱۹   ۶   ۳۸

أفغير الله أبتغي حكما وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلا



بلاغ

اُمّتِ مسلمہ امرتسر

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

بلاغ

ایڈیٹر: (ڈاکٹر چوہدری) علم الدین

نمبر ۱	جنوری ۱۹۳۹ء	جلد ۱۶

فہرستِ مضامین

نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر چوہدری علم الدین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر اُمّت مسلمہ امرتسر سے شائع ہوا۔

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

شذرات

"بلاغ" کی اس اشاعت کے ساتھ اس کی زندگی کے سولہویں برس کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ [illegible] ناکارہ اور بے مایہ بندوں کو بھی اپنے دین کی طویل خدمت کا حوصلہ عطا فرما دیتا ہے ——— خداوندا! ہمیں استقامت کی توفیق عطا کر، ہماری حقیر خدمات کو شرفِ پذیرائی عنایت کر، ہمیں اپنے لازوال کلام کی سعادتوں سے مالا مال رکھ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَتْمِمْ عَلَيْنَا نِعْمَتَكَ۔

---

۲۶ رمضان ۱۳۵۷ھ کی رات کو، اُمتِ مسلمہ امرت سر کے اہتمام سے شبِ قرآن منائی گئی۔ میرزا بیضا خان صاحب مروی ایرانی کی صدارت میں خواجہ محمد ضیاء اللہ صاحب اختر اور حکیم محمد حسین صاحب عرشی نے معارفِ قرآن پر دل آویز تقریریں فرمائیں۔ جلسہ اپنے رنگ میں کامیاب تھا۔

یکم رمضان سے مسجد اُمتِ مسلمہ کی تعمیر کا کام جاری تھا اور اس سلسلے میں پچھلے ماہ کے آخر تک قریباً تین سو روپیہ جمع بھی ہو گیا تھا، لیکن دسمبر کے مہینے میں آمدنی کی رفتار بہت سست رہی خصوصاً بیرونی احباب کی طرف سے کوئی امداد وصول نہیں ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ چند روز سے کام رُک گیا ہے۔ معاونینِ اُمت کی خدمت میں درد مندانہ اپیل ہے کہ وہ اپنی اوّلین فرصتوں میں اپنی اپنی توفیق کے مطابق مسجد فنڈ کی امداد فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں، تاکہ یہ شروع کیا ہوا کام تسلسل کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہونچے۔

جن احباب کی میعادِ خریداری، بلاغ کے پچھلے نمبر سے ختم ہو چکی ہے، اُن کی خدمت میں قلمی خطوط کے ذریعے اطلاع دی جا چکی ہے اور جلد ہی وی پی بھی ارسال ہوں گے۔ اُمید ہے کہ وہ اپنی اعانتوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے جو احباب کسی وجہ سے خود اپنے نام رسالہ جاری نہ رکھ سکیں، وہ براہِ کرم اپنے دوستوں کو اعانت پر آمادہ کریں اور اُن کو وی پی بھی وصول کرا دیں۔ امید ہے اس گذارش پر توجہ کی جائے گی۔

آئندہ نمبر میں قربانی کے متعلق دو نہایت اہم مضمون شائع ہو رہے ہیں۔

دانشِ افرنگ

(مترجمہ جناب عبدالرشید صاحب تلال)

دوستی | ایک اچھے دوست کا انتخاب بڑی ہی خوبی کی بات ہے اور دنیا میں دوستی سے زیادہ اچھی چیز ہے بھی کیا؟ ہم اچھا کہتے ہیں اور ہمارا نیک دوست اس سے بھی بڑھ کر اچھا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ہم بعض دفعہ غلطی پر ہوتے ہیں، لیکن بُرا دوست ہمیں اپنے مشورے سے اور بھی زیادہ بُری راہ پر لگا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے، ایسے دوست انتخاب کریں، جو ہمیں اٹھا سکیں، نہ ایسے جو نیچے گرادیں۔

دوستی ایک اچھے دریا کی مانند ہے، جب بہتا ہے، گہرا ہوتا ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتا ہے، طاقت اور روانی حاصل کرتا ہے اور جب ختم ہونے پر آتا ہے، تو اس کی چوڑان بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

کسی شخص کے چال چلن کا اندازہ بڑی حد تک اُس کے دوستوں کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔

عادت | بہت ہی صحیح ہے یہ بات کہ اکثر اوقات عادت فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے، اس لیے اچھی عادتیں نوجوانی ہی کے زمانے میں اختیار کر لینی چاہییں۔ نوجوانی کے دنوں میں کسی ناپسندیدہ عادت کا ترک کردینا بڑی عمر کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔

کوئی چھوٹے سے چھوٹا اچھا یا بُرا فعل، جو ہم سے سرزد ہو جاتا ہے، ممکن ہے وُہی کسی عادت کا پیش خیمہ ہو جائے اور پھر یہی عادت مستقل تکرار سے فطرت بن جائے، جو اچھے یا بُرے رنگ میں ہمارے مستقبل پر اثر انداز ہوگی۔ ہورَیس مَین نے کہا ہے "عادت ایک رسہ ہے، ہم اس کا ایک دھاگہ ہر روز بٹتے ہیں، پھر وہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ ہم اُسے توڑ نہیں سکتے۔"

پابندیٔ وقت | اس عادت کی اہمیت پر غور کیجیے۔ یہ چیز مال و دولت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ کسی شخص پر یہ بھروسہ کرنا کتنی شان وار بات ہے کہ وہ جب بھی کسی معین وقت تک کسی کام کے کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے، تو تم اس سے اس حد تک مطمئن ہو جاتے ہو، گویا وہ کام ہی ختم ہو چکا ہے۔

"وقت کی پابندی کاروبار کی روح ہے" جو شخص پابندِ وقت نہیں ہے۔ وہ اپنا ہی نہیں، بلکہ

اُن سب کا بہت سا وقت ضائع کر دیتا ہے، جو اُس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

اطاعت | بلاچون وچرا اطاعت، جس میں رضامندی اور خوشی پائی جائے، اُس اطاعت سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جس میں جبر و کدورت کی آمیزش ہو۔ خوشی کی اطاعت سے انسان ایسی تربیت اور سلیقہ حاصل کر لیتا ہے، جو اسے کسی وقت دوسروں پر حکم چلانے اور اُن سے اطاعت کرانے میں مفید ثابت ہوگا۔ "اطاعت ہی سے حکومت کا اختیار پیدا ہوتا ہے۔ وہ شخص جس نے خود اطاعت نہیں کی، دوسروں پر مناسب طور پر حکم نہیں چلا سکتا۔ ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

سچائی | وعدہ ہرگز نہ توڑو، خواہ اس کے ایفا کرنے میں تمہیں انتہائی تکلیف ہی کیوں نہ اُٹھانی پڑے۔ شریف آدمی کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ وہ ہر طرح کا دُکھ برداشت کر لیتا ہے، لیکن اپنے قول سے نہیں پھرتا۔

یاوہ گوئی اور چغل خوری سے بھی مبالغے اور غلط بیانی کی عادت پڑ جاتی ہے، اس لیے جو کچھ کہو، ٹھیک ٹھیک کہو۔ اپنی باتوں کو خیالات کی تراش خراش سے ہمیشہ پاک رکھو۔ جارج ہربرٹ نے کہا ہے "سچ بولنے کی جرأت کرو، دنیا کی کسی بھی چیز کے لیے جھوٹ کی ضرورت نہیں پڑ سکتی" شکسپیر کا قول ہے: "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تُو خود اپنے نفس کے ساتھ سچائی کا پابند ہے۔ جس طرح دن کے بعد رات کا آنا یقینی ہے اسی طرح تمہاری اس عادت سے اس نتیجے کا پیدا ہونا لازمی ہے کہ تم کسی بھی شخص کو دھوکا نہیں دے سکو گے"

آؤ ہم اس عہد کو دل نشین کریں "میں اپنی زبان کو قابو میں رکھوں گا، کیوں کہ جو شخص زیادہ بولنے کا عادی ہے، وہ یقیناً بے سود بکتا ہے۔"

دیانت داری | ایک پرانی کہاوت ہے "دیانت داری سب سے اعلیٰ حکمت عملی ہے"

تم کبھی قرض نہ لو، اگر تم میں واپس ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ شکسپیر کی نصیحت ہے "نہ کسی کو قرض دو، نہ کسی سے قرض مانگو[۵۱]" یہ نصیحت اس سے زیادہ بہتر ہے کہ قرض لے کر واپس کیا جائے۔ کسی شخص کے مقروض نہ بنو۔ کوئی ایسی چیز اُدھار لینا، جس کی قیمت تم ادا نہیں کر سکتے، نہ شرافت ہے نہ دیانت داری۔

---

۵۱ ناقابلِ عمل۔ (بلاغ)

تمام معاملات میں سچائی اور دیانت کا خیال رکھو۔ پوپ نے کہا ہے "دیانت دار آدمی خدا کی عمدہ مخلوق ہے" اور برنس کہتا ہے "دیانت دار آدمی غریب ہونے کے باوجود لوگوں کا بادشاہ ہے"

کوشش | بنجمن فرینکلن کا قول ہے "میں راستہ تلاش کروں گا، یا اگر ایسا نہ ہو سکا، تو خود ہی (ایک) راستہ بنالوں گا" ہاں، اس کے ساتھ استقلال کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد یہ راستہ یقیناً کامیابی کی طرف لے جائے گا۔ اگر تم پہلی دفعہ کامیاب نہیں ہوتے، تو پھر تمہیں وہی کرنا چاہیے، جو "بروس اور مکڑی"[1] کی کہانی میں آیا ہے۔

ہو سکتا ہے، کامیابی تمہاری کوششوں کو زینت نہ بخشے۔ لیکن بُرے طریقوں سے کامیابی حاصل کرنے کے بجائے، یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ تم ناکام ہی قرار پاؤ ——— اور یاد رکھو! لانگ فیلو نے کہا ہے: "کوئی کوشش ضائع نہیں جا سکتی۔ محنت اپنا پھل آپ ہے اور تلاش و محنت کا جذبہ ہی شکست خوردہ شخص کا انعام ہے"

یقین جانیے، محنت کا معاوضہ ہر حال ملتا ہے۔ فرض کیجیے، ہم اپنے اصل مقصود کے مطابق کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، لیکن ہماری کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے کیرکٹر میں ضبط بھی پیدا ہو جائے گا اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ کوشش ہمارے لیے بہتر ہے۔ یہ کبھی نہ کہو "میں نہیں کر سکتا" تمہیں ہمیشہ یہ کہنا چاہیے "میں کوشش کروں گا" لاطینی کا یہ مقولہ بہت ہی اچھا ہے: "کوشش کے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی" اپنی طرف سے ہمیشہ بہترین کوشش کرو، کیوں کہ جو کام کرنے کے لائق ہے، وہ حقیقتاً بہترین کوشش کا مستحق ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے "تمہارے ہاتھوں میں کوئی کام آ جائے، تو تمہیں قوت کے ساتھ اُسے سرانجام دینا چاہیے" اور یہ بھی یاد رکھو کہ "محنت کش آدمی کا ہاتھ دولت پیدا کرتا ہے"

---

[1] رابرٹ بروس ایک انگریز بادشاہ تھا۔ وہ دشمنوں سے شکست کھا کر جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور ایک جھونپڑی میں پناہ گزین ہوا۔ اُس نے دیکھا، ایک مکڑی بار بار دیوار پر چڑھتی ہے اور بار بار نیچے گرتی ہے، یہاں تک کہ سترسے زیادہ مرتبہ گرنے اور چڑھنے کے بعد بالآخر وہ چھت پر پہنچ گئی۔ بروس نے اس واقعہ سے سبق حاصل کیا اور ایک تازہ جوش و خروش کے ساتھ اپنا لاؤ لشکر جمع کر کے غنیم پر حملہ کر دیا۔ بروس کو فتح ہوئی اور وہ ایک مرتبہ پھر انگلستان کی قسمت کا مالک بن گیا۔ (مترجم)

"توانم" یہ جملہ ہر وقت بڑے بڑے کام کرتا ہے — "توانم" نے کبھی کچھ کر کے نہیں دکھایا۔

اِس بات کا یقین رکھو کہ تمہاری زبان سے ہمیشہ "مَیں کوشش کروں گا" کے الفاظ ادا ہوں گے۔

"مَیں نہیں کر سکتا" کے الفاظ کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دو۔

چُستی اور باقاعدگی کے ساتھ کام کرتے جاؤ، بے ترتیبی اور بے قاعدگی سے بچو۔ مفید خادم بنو! نہ اپنا وقت ضائع کرو، نہ دوسروں کا۔

حلم اور تواضع | بائبل کہتی ہے "سب کے ساتھ بُردباری کا سلوک کرو" ہمیں چاہیے کہ ہر وقت دوسروں کی امداد کے مواقع تلاش کرتے رہیں، لیکن اپنی ذات کے لیے دوسروں کی اعانت کا انتظار نہ کریں۔ غصے کی حالت میں، کسی بات کا جواب دینے سے پہلے ایک سے دس تک گنو۔ وُہ شخص جو غصے میں دیر کرتا ہے، ایک طاقت ور شخص سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ دل میں کینہ نہ رکھو۔ اگر تمہارے ساتھ بدسلوکی بھی کی جائے، تو اُسے فراموش کر دینے کی کوشش کرو، یا غلط فہمی پر محمول کرو، لیکن بغض و عداوت کو دل میں جگہ نہ دو۔

مریض، کمزور اور بُوڑھے لوگوں کے ساتھ حِلم و ملائمت سے پیش آؤ۔ بیماری یا تکلیف کی حالت میں صبر و برداشت سے کام لو۔ بے صبری اور شکایت سے بچو۔

جب بھی تم اپنے آپ میں بدمزاجی، غصہ یا بے قراری محسوس کرو، تو اپنے دل سے یہ سوال کرو "کیا مَیں اسے بدل سکتا ہوں؟" اگر جواب اثبات میں ہے، تو فوراً کام میں مشغول ہو جاؤ، اگر جواب نفی میں ملے، تو پھر شکوہ شکایت فضول ہے۔ کوشش کرو کہ یہ عادت دُور ہو جائے۔

ایک چڑچڑے اور ناصبور شخص کی طرف بہت کم لوگ التفات کر سکتے ہیں۔ البتہ اُس سے گریز کرنے والے بہت ہیں۔ خندہ رُو، خوش باش اور ہنس مکھ آدمی کی ہر طرف سے آؤ بھگت ہوتی ہے کسی بُری چیز کے لیے گالی گلوچ کرنے سے یہ بہتر ہے کہ کسی اچھی چیز کے لیے لڑائی کر لی جائے اور یاد رکھو، ایک زندہ اور مسرور دل بھی دوا کے برابر اثر رکھتا ہے۔

مہربانی | یہ قابلِ تعریف جذبہ ہمارے کیریکٹر میں خود غرضی کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ مہربانی اور خود غرضی، دونوں یک جا نہیں رہ سکتے۔ تمہیں دوسروں پر مہربانی کرنے کے لیے بڑی خدمات کا موقع ہر وقت ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے نیکی کے چھوٹے چھوٹے کام ہی سرانجام دیتے رہو۔ بعض دفعہ بڑی خدمات کے انتظار میں چھوٹی خدمات کا موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ لارڈ ایبرڈیل کا قول ہے "سارے دن میں ایک چھوٹی سی بھلائی کرو!" ـــــ اور حقیقتاً اُسے بڑی ہی خدمت سمجھو۔ ممکن ہے، ہمدردی اور مہربانی کا ایک لفظ، تمہارے ایک تاریک دن کو روشن کر دے۔ لوگوں کی خدمت اور ان پر مہربانی کرنے کے لیے بہت سے موقعے حاصل ہو سکتے ہیں، مثلاً چھوٹے بچوں کو خراب جگہوں سے سنبھالنا، والدہ کی امداد کرنا نہ صرف اس وقت جب کہ وہ تھکی ہوئی ہو، بلکہ جب بھی تم چاہو، بوڑھوں کو سڑکوں کی آمد و رفت سے بچانا، وغیرہ وغیرہ۔

بے زبان جانوروں پر سختی نہ کرو، انہیں تکلیف نہ پہونچاؤ۔ یہ کمینگی اور بزدلی کی علامت ہے۔ ایک رحم دل آدمی دوسروں کی غیبت نہیں کرے گا، بالخصوص ایسی غیبت جو دوسروں کے لیے باعثِ تکلیف ہو۔

ٹینی سن کے الفاظ یاد رکھو "مہربان دلوں کی تعداد شاہانہ تاجوں سے زیادہ ہے" ورڈسورتھ دوسروں کے متعلق ہمیں اپنا فرض یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے "اچھے آدمی کی زندگی کا بہترین حصہ وُہی ہے، جس میں محبت اور مہربانی کے چھوٹے چھوٹے، نامعلوم اور بے نام کارنامے موجود ہوں"

چارلس کنگسلے کا یہ قول ہم سب کو یاد رکھنا چاہیے: "اچھے اور میٹھے بنو۔ اچھے کاموں کے متعلق سارا دن خواب نہ دیکھتے رہو، بلکہ انہیں کرکے دکھلاؤ اور اپنی زندگی، موت اور آئندہ حیاتِ ابدی کو ایک خوش گوار اور شیریں نغمے میں تبدیل کر دو۔"

عزتِ نفس | پہلے اپنی عزت آپ کرو، پھر دوسرے بھی تمہاری عزت کریں گے۔ اپنی عزت آپ کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہو، وہاں اپنی عزت ظاہر کرنے سے نہ ہچکچاؤ۔

مؤدبانہ برتاؤ اختیار کرو اور لوگوں کو اپنے شوخ اور بھڑکیلے لباس کی طرف متوجہ نہ کرو، بلکہ عمدہ اور سادہ رنگوں کے کپڑے پہنو۔ اپنے چال چلن میں صفائی، پاکیزگی اور خاموشی اختیار کرو۔ گلی کوچوں میں بھدی آوازوں کے ساتھ شور نہ مچاؤ۔ گولڈ سمتھ نے کہا ہے "اونچی ہنسی خالی دماغ

کی علامت ہے!

کھانے پینے میں اعتدال قائم رکھو۔ اپنی عادتوں کو پسندیدہ بناؤ۔ اپنی "بے لگام" زبان کو دشنام طرازی، بدگوئی اور کذب بیانی سے آلودہ نہ کرو جس شخص کو عزتِ نفس کا ذرا بھی پاس ہوگا، تم نے اُسے بُرے الفاظ، بے ہودہ کلمے اور بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اچھی صحبت اختیار کرو۔ کیوں کہ ایک پرانے لاطینی مصنف کا قول ہے: "انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے"۔ کسی شخص کو بُرا مشورہ مت دو اور اپنے سے کم زور اور ضعیف لوگوں کی امداد کا کوئی موقعہ ضائع نہ جانے دو۔ اپنے تمام معاملات میں سچائی اور انصاف کو مدِنظر رکھو۔ ہر وقت نیک اور عمدہ مثال پیش کرنے کی کوشش میں لگے رہو اور حق کی طرف داری میں کبھی شرمندگی محسوس نہ کرو۔

انصاف | انصاف دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) راست کرداری کا نتیجہ یعنی انعام۔

(۲) غلط افعال کا نتیجہ یعنی سزا۔

ہمارے ساتھ انصاف ہو یا نہ ہو، ہمیں بہرحال انصاف ہی کرنا چاہیے۔ دوسروں کے ساتھ بے انصافی کرنے کے لیے یہ دلیل کام نہیں دے سکتی کہ ہمارے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا گیا۔ ہر ایک کے ساتھ معاملہ صاف رکھو۔ دوسروں سے لینے کے بجائے اُنہیں دینا زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم کو معاملے کی صفائی اور انصاف دونوں کے استعمال میں رحم کے شامل کرنے سے اچھے نتیجے کی توقع ہو تو اُسے بھی ضرور شامل کر لیا کرو۔

سخاوت سے پہلے انصاف کرو۔ جو چیز ہماری اپنی نہیں اُسے خیرات کر دینا بددیانتی ہے۔ دوسروں کے مال و دولت کے ساتھ سخی بننا بہت آسان ہے۔

بالواسطہ یا بلاواسطہ انصاف کبھی نہ کبھی ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ ایک پُرانی ضرب المثل ہے "جو بوؤ گے، وُہی کاٹو گے" یا جیسا کہ سینٹ پال نے کہا ہے "آدمی جس چیز کی کاشت کرتا ہے، وہی کاٹتا ہے"۔ بورڈ مین لکھتا ہے "کام" بونے سے عادت، "عادت" بونے سے چال چلن اور "چال چلن" بونے سے قسمت پیدا ہوتی ہے"۔

واجب الوجود

(۴)

(از افادات حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رح)

(۱) دہریہ کہتے ہیں کہ زمانہ کی ابتدا ہے، نہ انتہا۔ اس میں موجوداتِ عالم ہمیشہ سے تغیر و تبدل پاتے ور ایک صورت اور حالت کے بعد دوسری صورت اور حالت پکڑتے، ٹوٹتے اور جڑتے چلے آئے ہیں تغیرات لے اس سلسلہ کی ابتدا ہے، نہ انتہا۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ کسی خالق کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ بات بالبداہت طل ہے، اس لیے کہ کوئی شئے ازل کی طرف سے حرکت کرتی کرتی زمانہ کے اُس حصہ میں جس میں یہ موجودات ب آئی ہوئی ہے، کبھی بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ازل سے لے کر آج تک جو خطِ زمانی چلا نا ہے اور جس پر ازل سے یہ موجودات چلتی چلتی اس آن میں پہنچی ہے، اُسی خط پر اس موجودہ آن سے اس وجودات کا اگر ازل کی طرف واپس لوٹنا فرض کر لیا جائے، تو بتاؤ کہ یہ کبھی بھی ازل میں پہنچ سکتی ہے نہیں؟ اگر پہنچ سکتی ہے، تو یہ ازل کی تعریف کے خلاف ہے، کیوں کہ ازل وُہ ہے جو ابتدا کی رف کبھی بھی ختم نہ ہو اور اس موجودات کا واپس پہنچ سکنا ختم ہونے پر صاف دلالت کرتا ہے اور اگر یہ ائنات موجودہ آن سے لے کر کسی بھی صورت میں ازل تک نہیں پہنچ سکتی، تو اُسی خط اور اتنے ہی ا صلے پر ازل سے لے کر اس آن تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟ لیکن یہ موجودات حرکت کرتے کرتے اس موجودہ آن تک پہنچی ہے، لہٰذا یہ ازل سے چلی بھی نہیں، یعنی حادث ہے اور اپنے بننے سے پہلے یست تھی اور نیست میں ہست کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ نہ صرف تمام زمانی بلکہ خود زمان بھی اُس کے بنانے والے نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ وہ خود اسی دلیل سے مخلوق ہوں گے پس اس یک ہی دلیل سے قطعی طور پر خداتعالیٰ کی ہستی کا ثبوت، اُس کے بے مثل اور زمان و مکان سے وراء ہونے کی صداقت اور اُس کے نیست سے ہست کرنے کی قدرت واضح و لائح ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

پھر جس کی عجیب قدرت میں نیست سے ہست کرنے کی طاقت ہے، اُس کے آگے کوئی قدرت

کی بات بھی ناممکن نہیں ہو سکتی اور کوئی بھی ایسی خوبی و عظمت نہیں ہو سکتی جس سے وہ اعلیٰ و ارفع نہ ہو۔ وہی ہمارا خیال ہے اور یاد رہے کہ کسی چیز کا متصور یا محسوس نہ ہو سکنا اس کے وجود کو اور پھر اس وجود کو جو قطعی دلیل سے ثابت ہو گیا ہے، ہرگز ہرگز اٹھا نہیں سکتا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کشش کیا چیز ہے اور کس طرح ایک چیز فاصلہ بعید سے دوسری چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی اس کے وجود میں کوئی کلام نہیں۔ حقائق اشیاء اور قوانینِ قدرت سب غیر محسوس ہیں۔ چھے کے ہندسے کی شکل انگریزی، فارسی، ہندی، عربی وغیرہ زبانوں میں یکساں نہیں ہے اور نہ تلفظ ہی یکساں ہے، البتہ چھے کی حقیقت پر الگ الگ ملفوظی یا مکتوبی نشان ضرور موجود ہیں۔ پس چھے کے عدد کی حقیقت جو فی الواقع موجود ہے، کسی صورت سے بھی محسوس نہیں ہے۔ ایک چیز لمس سے محسوس ہوتی ہے، دوسری ذائقہ سے، تیسری بصر سے، چوتھی سمع سے، پانچویں شم سے وعلیٰ ہذا القیاس۔ جو چیزیں شم سے خاص ہیں سمع سے معلوم نہیں ہو سکتیں اور جو بصر سے خاص تعلق رکھتی ہیں، وہ سمع و ذائقہ سے دریافت نہیں ہو سکتیں، یعنی، جس چیز کو دیکھنے کا جو راستہ ہے، اُسی سے وہ دکھلائی دے سکتی ہے۔ اسی طرح ایک قسم کی چیزیں صرف عقل ہی سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ حواسِ ظاہری سے اُن کا دریافت کرنا حواس باختگی کا نشان ہے۔ خدا تعالیٰ کا وجود عقل سے معلوم ہو سکتا ہے، لیکن ذاتِ الٰہی کی حقیقت کا ادراک تو عقل و الہام، وحی اور دیگر مخلوق طاقتوں سے بھی وراء ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت ہے کہ وہ مخلوق کی عقلوں میں آ نہیں سکتا۔ اس سے اُسکی عظمت اور ایمان میں اور ترقی ہوتی ہے۔ اندھے بہرے اور گونگے لوگ اکثر اشیاء کا احساس نہیں کر سکتے، لیکن اُن کے حواس میں نہ آنے سے اُن چیزوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں آسکتا، کیوں کہ اصم و ابکم و اعمیٰ میں اُن کے دریافت کی طاقت ہی نہیں۔ اسی طرح اگر ہماری عقل و فہم میں ایک شے کی دریافت کی طاقت ہی نہ ہو، تو اُس سے اُس شے کے معدوم ہونے پر کوئی دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ عدم علم، عدم شے پر ہرگز دال نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کا کمال، اُس کی عظمت، اُس کی خوبیاں اور اُس کا زمان سے وراء ہونا، ہمارے فہم و خیال اور قیاس سے بھی برتر ہو، تو اُس کمال کی یہی صفت سمجھی جائے گی کہ وہ برتر ہے نہ معدوم
لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔

(ب) ہم موجودات میں تغیر و تبدل، جُڑنا اور ٹوٹنا ہر آن ملاحظہ کر رہے ہیں۔ جو آدمی، چار پائے، پرندے، درخت، جڑی بوٹیاں، پہاڑ اور دریا اب پائے جاتے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کی عمر

ایک اندازہ ہے۔ یہ اس سے پہلے اس صورت، کیفیت اور حالت میں نہ تھے۔ اگرچہ مادہ اُن کا وہی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ کائنات کی موجودہ مجموعی صورت کا جو پہلے نہ تھی اور اب ہے، باعث کیا ہے؟
اگر کہا جائے کہ کائنات کی موجودہ صورت کا جو ہم دیکھ رہے ہیں، سبب موجودات کی کسی سابق صورت کی حرکات ہیں اور اس سابق صورت کا باعث اُس سے بھی کوئی پہلی صورت ہے اور علیٰ ہذا القیاس لاحد تک، تو یہ بالکل باطل ہے، اس لیے کہ اس لاانتہا سلسلہ میں ہر باعث باعث ہونے کی طاقت پہلے بواعث سے لے کر آگے دیتا ہے اور لے کر دینے والا اصل دینے والا نہیں ہے، وہ تو دینے والے کے لیے ایک راستہ ہے۔ پس جب اس سلسلہ میں اصل دینے والا کوئی نہیں ہے (جو دینے کو آگے ہاتھ نہ پسارے) تو یہ بواعث کا سلسلہ کبھی نہیں چل سکتا اور جب ثابت ہو گیا کہ اس موجودات کی کل صورتیں اصلی دینے والے بواعث نہیں ہیں، صرف دینے کے لیے ایک راستہ ہیں، تو دینے والا ان سے بغیر ٹھیرا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ بواعث کا یہ سلسلہ لاحد نہیں ہے، ازل سے مفردات موجود تھے پھر ہوتے ہوتے کسی زمانہ میں اُن میں حرکت پیدا ہوئی اور وہی حرکت آگے متواتر باعث ہوتی گئی تو یہ بھی بالکل باطل ہے، اس لیے کہ کوئی ساکن شے حرکت میں نہیں آسکتی جب تک کہ حرکت دینے والا باعث نہ ہو اور اگر حرکت دینے والا باعث اس میں تھا، تو وہ کبھی ساکن نہیں رہ سکتی تھی۔
یہ تو علمِ طبیعیات کا ایک ابتدائی مسئلہ ہے۔ خفتہ کو خفتہ بیدار نہیں کر سکتا ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک مُردہ یعنی جو تحریک سے خالی ہو دوسرے مُردوں کے ذریعے زندہ ہو جائے اور وہ مُردے بھی اپنے پہلے مُردوں سے زندہ کیے جائیں اور علیٰ ہذا القیاس، لیکن ابتداءً کسی مستقل زندہ سے نہ ہو۔ یہ قطعاً ناممکن ہے، پس نہایت وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا اصل محرک وُہ ذات پاک ہے، جو اس سلسلہ سے وراء ہے اور ایک مستقل باعث ہے۔ وُہی ہمارا خدا تعالیٰ ہے۔
(ج) تغیر و تبدل جو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ذرّات کی ایک حرکت ہوتی ہے۔ ہر حرکت کے لیے محرک لازم ہونے کے لحاظ سے از خود نہیں ہو سکتا اور جب سلسلۂ کائنات کی تمام اشیا متغیر ہیں، تو سب ہی محرک اور مبدل کو لازم بتلاتی ہیں، جو کل متغیروں سے باہر ہو، یعنی خود متغیر نہ ہو، ورنہ بہ صورتِ دیگر وہ بھی کُل متغیرات میں ہی داخل ہوگا اور پھر اُس پر بھی وہی سوال ہوگا اور یہ سوال لاحد تک لاجواب رہے گا، جب تک کہ ایک محرک و مبدل غیر متغیر کو نہ مانا جائے گا۔ اور یاد رہے

کہ اس غیر متغیر کی کیف وکنہ کا نہ معلوم ہونا اس کی موجودگی میں ہرگز فرق نہیں ڈال سکتا۔

(۵) ہر جزو مادہ خواہ اس کو کتنا ہی ابتدا کی طرف نہ دیکھتے جائیں، ضرور کروی شکل میں ہوگا، یا مکعب وغیرہ شکل میں علیحدہ ہوگا، یا کسی اور ذرہ سے ملا ہوا ایک جگہ میں ایک حالت میں ہوگا، یا دوسری نقیض حالت میں اور یہ مختلف حالتیں ایک ہی وقت میں ایک ہی جزو مادہ میں جمع نہیں ہو سکتیں، وہ اس میں دو صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں ہو سکتی ہیں، اول یا تو ان مختلف حالات میں سے ایک حالت قدیم سے مادہ میں موجود تھی۔ پھر بعد کو یکے بعد دیگرے بدلتی چلی گئیں، جیسے اب ہم دیکھتے ہیں۔ اگر صورت یہ ہے کہ قدیم سے ایک وقت تک ایک حالت رہی۔ پھر بعد کو دوسری پیدا ہوئی، تو اس سے ظاہر ہے کہ بعد کو ہونے والی حالت پہلے معدوم تھی، یعنی قدیم نہ تھی، اور بعد کو ہونے والی حالت ان دونوں متناقض حالتوں میں سے کوئی ایک یکساں ہو سکتی ہے اور نیز جب ایک بدلنے والی حالت قدیم نہیں تو دوسری ویسی ہی فنا پذیر حالت کیسے قدیم ہو سکتی ہے؛ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ متناقض حالتیں اور صورتیں قدیم ہی سے یکے بعد دیگرے فنا ہوتی اور پیدا ہوتی آئی ہوں تو ان حالات میں کوئی صورت ایسی نہیں ہو سکتی، جس کے پہلے دوسری نہ ہو، یعنی جو قدیم ہو۔ پس ہر دو صورت میں حالات مادہ قدیم نہیں ہو سکتے اور یہ حالات مادہ کو لازم ہیں، کیوں کہ ان میں سے کسی ایک کے بغیر اس کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس جب لازم قدیم نہیں، تو ملزوم بھی قدیم نہیں ہو سکتا اور اسی طرح مادی مفردات کا بھی یہی حال ہے۔ پس وہ بھی قدیم نہیں ہو سکے اور جو قدیم نہیں ہے، وہ پیچھے سے بنا ہے اور وہ اپنا باعث آپ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ کوئی شے اپنے وجود سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ پس اس تمام موجودات کا جس میں تغیر حالات پایا جاتا ہے اس سے غیر کوئی اور خالق ہے۔

اس جگہ رفع غلط فہمی کے لیے یہ بیان کر دینا بھی ضرور ہے کہ حرارت، حرکت، کشش، مکا وزمان اور دیگر اشیاء وقویٰ کا وجود اور بات ہے اور ان کا مختلف جگہوں یا حالتوں یا صورتو میں رہنا اور بات ہے۔ ایک شخص لاہور میں تھا، پھر امرت سر میں آگیا، تو اگرچہ وہ شخص او لاہور موجود ہیں، لیکن اس وقت اس شخص کا لاہور میں ہونا کہیں بھی نہیں پایا جاتا اور اگرچہ کی اس نقل وحرکت کے اثرات بھی موجود رہیں، پر وہ صورت اس وقت لاہور میں ہونے کی نہیں رہی۔ اب اگر وہ شخص پھر لاہور میں آجائے، تو اس وقت اس کا لاہور میں ہونا ایک نو

ہوگی۔ جو پہلی صورت کے غیر ہوگی، نہ کہ وہی۔ اس دلیل میں جو حالات کا فنا ہونا بیان کیا گیا ہے
اس کے یہی معنی ہیں۔

(۵) کل مفردات جو اثر ڈالنے والے یا اثر لینے والے ہیں، اس موجودات میں اپنی اپنی مناسب جگہ پر لگے ہوئے تاثیر و تاثر کا کام کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس موجودات میں کام میں حصہ نہیں لے رہے تو وہ کام کرنے والے ہی نہیں ہیں۔ صرف ایک مُردہ ڈھیر ہیں جس سے کوئی فائدہ و نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مُردہ ڈھیر خلل اندازی کا کام بھی نہیں کرتا بلکہ کام والوں سے علیحدہ وسعت مکانی کے کسی ایک کونے کو روکے ہوئے ہے اور کام والوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، تو وہ ہماری اس بحث سے خارج ہے ——— اب یہ سوال ہے کہ کام کرنے والے مفردات ایک دوسرے کے ساتھ ایک ایسا مناسب اندازہ اور تناسب رکھتے ہوئے کہ جس اندازہ سے اس موجودہ عمارت یعنی کارخانہ، موجودات نے ظہور پکڑا ہے، موجود تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے، تو یہ موجودہ عمارت بھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس عمارت کی موجودگی میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ پس وہ تناسب مفردات جس سے یہ عمارت بن سکتی ہے، لازمی طور پر اس عمارت کے ترکیب پانے سے پہلے موجود ہونا چاہیے! اور اظہر من الشمس ہے کہ کسی گھر کے بننے کے لیے اینٹ، گارے، چونے، لکڑی، لوہے کا جو تناسب و اندازہ ضروری ہے اُس مسالہ کی موجودگی از خود کبھی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً کسی جنگل میں ایک گھر کی تعمیر کا سامان جس جس قدر اس گھر کے لیے ضروری ہو، اُسی اندازے سے پڑا ہو، تو کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا بھی اُس سامان کا اُس مناسب اندازہ میں وہاں موجود ہونا از خود نہیں سمجھ سکتا۔ پس اس موجودات کے سامانوں کو تناسب میں رکھنے والا کوئی ہے۔ اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ ذرات مادہ اور دیگر مفردات کے اُس تناسب کو رکھنے والے نے مفردات کو اسی تناسب پر ہست کیا ہے، یا انسانوں کی طرح اس گھر کے پہلے ہی کے موجودہ کام والے سامانوں سے حسبِ اس تناسب کے چُن لیا ہے یا اندازہ سے جو سامان جس قدر کم تھے، انہیں ہست کر کے تناسب کو ٹھیک کر لیا ہے۔ شق اوّل و ثالث سے اُس اندازہ رکھنے والے کا نیست سے ہست کرنا بھی ثابت ہوا اور شق ثانی میں یہ لازم آتا ہے کہ بعض کام والے سامانوں کو جو تناسب میں مخل تھے، نیست کر دیا ہو، یا اُن کی اس ذاتی طاقت کے لیے کوئی روک ہست کر دی ہو۔ پس جو موجودہ ذاتیات کو نیست کر سکتا ہے، وہ ہست کرنے پر بھی قادر ہے۔ کیوں کہ نیست کرنے کی قدرت کو اُٹھانے سے ہست کرنا لازمی ہے۔ پس لازمی طور پر اس عمارت کے لیے سامانوں کو نیست سے ہست کرنے والے اور تناسب کے ساتھ ہست کرنے والے کا ہونا واجب ہے۔ (باقی)

بیان

انجیل

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"انجیل" معرّب ہے یونانی لفظ "انجلیو" کا، جس کا ترجمہ انگریزی میں "گوسپل" اور عربی میں "بشارت" ہے۔ قرآن عظیم کی بلاغت سے بعید ہے کہ غیر مانوس الفاظ استعمال کرے۔ نزولِ قرآن کے وقت مسیحؑ کے کلام کا یہی نام مشہور تھا، اس لیے قرآن میں بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ مسیحؑ یونانی زبان نہیں جانتے تھے اور اُن کی مادری اور قومی زبان مخلوط آرامی عبرانی تھی، اور ہمیشہ اسی قومی زبان میں گفت و گو فرماتے تھے۔ آپ کے حواریوں کی بھی یہی زبان تھی اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے اور آپ کے حواریوں نے کبھی لفظ "انجیل" استعمال نہیں کیا۔ اس کے علاوہ حضرت مسیحؑ یا آپ کے حواریوں یا تابعین کی کسی تحریر سے بھی یہ چیز ثابت نہیں ہے۔ زبانی روایات تھیں، جو کسی وقت کسی نے قلم بند کیں۔

"انجیل" کی کیفیت بالکل "احادیث" کی ہے۔ کسی معتبر حدیث کا راوی وہی شخص ہو سکتا ہے، جس نے رسول کریمؐ کو کچھ فرماتے سنا، یا کوئی کام کرتے دیکھا۔ اس شخص کی زبانی روایت تابعین اور تابعین سے تبع تابعین کو ملی۔ فرض کرو، جس شخص نے یہ روایت سب سے پہلے قلم بند کی، وہ امام بخاریؒ تھے۔ امام بخاریؒ تک دس بارہ اشخاص ایسے ہونے چاہئیں، جنھوں نے حدیث روایت کی۔ امام بخاریؒ ہر ایک حدیث کے راوی کا نام بھی تحریر کرتے ہیں، جو اس سلسلہ میں آتے ہیں جس کی آخری کڑی امام بخاری ہیں۔ ہر ایک راوی کی سیرت کا بھی ہمیں علم ہے اور احادیث کو پرکھنے کے لیے "اسماء الرجال" نہایت مفید ذخیرہ ہے۔ چوں کہ ہر ایک حدیث کے راوی کثرت سے ہیں اور بعض اسماء معرفہ کو "عن" "عن" کے ساتھ بیان کرنا تضیع اوقات ہے۔ جب کہ ایک دفعہ اُن کے اسماء قلم بند ہو چکے ہوں، اس لیے کسی حدیث کو بیان کرتے وقت صرف پہلے راوی کا نام ظاہر کرنا کافی سمجھا گیا۔ مثلاً "عن ابوہریرہ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ حدیث مطابق روایت ابوہریرہؓ ہے۔ اسی طرح انجیل کی روایات ہیں۔ مثلاً انجیل مطابق (روایات) مقدس متی،

انجیل مطابق (روایات) مقدّس لوقا، مرقس، یوحنا رضی اللہ تعالےٰ عنہم، اور ہر ایک انجیل پر یہی عنوان ہے چوں کہ اہلِ یورپ امم سامیہ کے فن تاریخ سے واقف نہیں، اس لیے غلط فہمی سے یہ قیاس کیا کہ ہر ایک انجیل خود انہی بزرگوں کی تحریر ہے، جن کے نام سے یہ منسوب ہے۔ اناجیل مروّجہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ واقعات کی ترتیب پیدائش مسیحؑ سے وفات تک اس طرح دی گئی ہے کہ اناجیل وفات مسیحؑ سے بہت عرصہ بعد روایات رطب ویابس کو جمع کرکے قلم بند کی گئیں اور ناممکن ہے کہ ہر ایک انجیل مروّجہ محض اسی مقدّس کی روایات کے مطابق ہو جس کے نام سے منسوب ہے۔ اس موضوع پر مفصّل بحث مناسب مقام پر کی جائے گی۔

موجودہ زمانہ میں انجیل مسیحؑ یا آپؑ کے حواریوں کی قومی زبان میں نہیں ملتی، اس لیے یہ امر واضح ہے کہ یونانی اور لاطینی زبان کے نسخے محض ترجمہ ہیں، خواہ یہ کسی نے کیے ہوں۔ اگر مقدس ہستی وغیرہ نے کیے، تو بھی اُن کی حیثیت ترجمے سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ انجیل ابتداءً یونانی یا لاطینی زبان میں قلم بند ہوئی، تو لکھنے والا خواہ مقدّس ہستی ہی کیوں نہ ہو محض مترجم ہوگا۔ مسیحؑ کی اصلی زبان کے بعض فقرات مثلاً "طلیتا قومی" اور "ایلی ایلی لما سبقتانی" بھی انجیل میں موجود ہیں۔ ان سے اصل زبان کا سُراغ ملتا ہے۔

انجیلیں یُوں تو بہت ہیں، لیکن ان کی کیفیت بالکل "احادیث" کی سی ہے کہ ان میں موضوع اور ضعیف بھی ہیں اور یہ امر مسیحی دنیا کی روشن دماغی پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے علماء کی کونسل مختلف زمانوں میں منعقد ہوئی اور ان انجیلوں کے متعلق بعد تحقیق فیصلہ کیا کہ ان میں سے کون سی موضوع اور کون سی اصل ہیں، لیکن ان سے ایک غلطی ہوئی۔ وہ یہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ ہر ایک انجیل کتابی صورت میں اگرچہ ایک ہی شخص نے لکھی ہوگی، لیکن یہ کسی شخص کی تصنیف نہیں ہوسکتی۔ روایات کا مجموعہ ہے، جس کی تالیف کسی نے کی۔ بالکل اس طرح، جس طرح امام محمد اسمٰعیلؒ نے صحیح بخاری کی تالیف کی۔ امام موصوف کے سامنے لاکھوں احادیث کا مجموعہ تھا، اس روشن ضمیر بزرگ نے ان میں سے اکثر مسترد کردیں اور صرف ان ہی کو قلم بند کیا، جو اصولِ روایت و درایت پر صحیح سمجھیں۔ لیکن بدقسمتی سے عجمی اس وقت اہلِ قلم تھے اور زنادقہ کا زور تھا۔ ان لوگوں نے ایسی ایسی نادر کتابوں میں ایسی وضعی احادیث شامل کردیں، جو اصولِ درایت کی رُو سے محض خرافات ہیں۔ کسی حدیث کی صحت کا معیار وہ زبان ہے جو آں حضرتؐ کے زمانہ میں بولی جاتی تھی۔ اکثر موضوع احادیث کی زبان اگرچہ بظاہر عربی ہے، لیکن محاورے

عجمی ہیں[1]۔ مسیحی علماء کو بھی یہی کچھ کرنا چاہیے تھا، جو کچھ امام موصوف نے کیا۔ انہوں نے اگر کسی انجیل یا خط کو معتبر یا غیر معتبر قرار دیا، تو بحیثیت مجموعی قرار دیا، اس لیے معتبر انجیل میں بھی ایسی روایات ملتی ہیں، جو کسی غیر معتبر انجیل کے حوالہ سے لکھی گئیں اور اس لیے معتبر انجیل غیر معتبر انجیل کی تائید کرتی ہے، یا ایسی روایات بھی ہیں، جو کسی حواری کی شہادت پر مبنی ہیں، لیکن حواری اس کی تائید نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی قسم کی روایات ہیں، جن پر بحث مناسب مقام پر کی جائے گی۔

انجیل کے قلمی نسخے یوں تو بے شمار ہیں، لیکن ان میں سے پانچ معتبر اور سب سے زیادہ پرانے ہیں۔ انجیل جسے مسیحی دنیا پولوس رسول کی اصطلاح میں "عہد جدید" سے تعبیر کرتی ہے، یونانی زبان میں ہے، لاطینی ترجمہ یونانی کا ہے۔ قلمی نسخوں میں سے اوّل درجہ اس نسخہ کو دیا گیا ہے، جو "ستائی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ نسخہ ۱۸۴۴ء میں "سینٹ کیتھرائن" کے راہب خانہ میں دست یاب ہوا۔ اس نسخہ کا اکثر حصہ روس کے دارالحکومت میں ہے جس کا نام "سینٹ پیٹرز برگ" تھا۔ اس نسخہ میں تمام و کمال عہد جدید شامل ہے اور اس کے علاوہ برنباس کی انجیل اور "شیپرڈ آن ہرمیز" کا اکثر حصہ ہے۔ دونوں غیر معتبر قرار دیے گئے ہیں۔ قیاس کیا گیا ہے کہ یہ نسخہ چوتھی صدی عیسوی کی تحریر ہے۔

دوسرے درجہ پر وہ نسخہ ہے، جس کو "ویٹکن" کہتے ہیں اور روم کی لائبریری ویٹکن میں موجود ہے، اس میں "عہد جدید" عبرانیوں کے خط ۹/۱۴ تک شامل ہے۔ باقی خطوط اور مکاشفات ندارد، لیکن بعد میں کسی نے عبرانیوں کا خط اور مکاشفات لکھ کر کسی حد تک تکمیل کر دی ہے۔

محققین کی رائے ہے کہ دونوں نسخے چوتھی صدی عیسوی کی تحریریں ہیں اور ایک ہی کارخانہ کے ہیں، کیوں کہ دونوں نسخوں میں مقدس مرقس کی انجیل کی آخری بارہ آیات موجود ہیں۔

تیسرا نسخہ "اسکندریہ" کہلاتا ہے، جو پانچویں صدی عیسوی کی تحریر ہے۔ یہ نسخہ نطریق قسطنطنیہ نے ۱۶۲۸ء میں شاہِ انگلستان چارلس اوّل کے پاس تحفۃً ارسال کیا تھا اور عجائب خانہ لندن میں موجود ہے۔ روایت یہ ہے کہ یہ نسخہ اسکندریہ میں تحریر ہوا، اس لیے اسکندریہ کہلاتا ہے۔ اس میں کلیمنٹ کا پہلا خط اور دوسرے خط کا کچھ حصہ شامل ہے۔

چوتھا نسخہ جو پانچویں صدی عیسوی کی تحریر ہے "مقدس افریم" کے نام سے موسوم ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بارھویں صدی عیسوی میں کسی شخص نے اسے دھو ڈالا اور پھر اس پر مقدس افریم شامی کی

---

[1] اس موضوع پر مفصل بحث لفظ "حدیث" کے ماتحت ملاحظہ ہو۔

تصنیف لکھی۔

پانچواں نسخہ "بیجناڈ" کے نام سے موسوم ہے، جس کو مصلح "بیضا" نے ۱۵۸۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی کی نذر کیا۔ یونانی اور اس کا ترجمہ لاطینی دونوں اس نسخے میں ہیں۔ یہ نسخہ بیضا کو فرانس کے جنوب مشرق میں کسی راہب خانہ سے ملا تھا۔ اس میں آیات کی قرأت دیگر نسخوں سے مختلف ہے اور مقدس لوقا ۶/۵ بعد آیت "اور اسی روز ایک آدمی کو سبت کے دن کام کرتا ہوا دیکھ کر اس نے کہا، آدمی! اگر تجھے معلوم ہے، جو تو کر رہا ہے، تو تُو مبارک ہے اور اگر نہیں جانتا، تو ملعون ہے اور شریعت کے احکام کو توڑتا ہے"، کسی اور نسخہ میں نہیں ہے، اس نسخہ کی قدر و قیمت بہ نسبت دیگر اول الذکر کے کم ہے۔ اس میں بھی یونانی متن کو محو کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ لاطینی ترجمہ کو جگہ ملے، جو کسی یونانی نسخہ کے مطابق ہیں۔

پانچوں نسخے چمڑے کے کاغذ پر تحریر شدہ ہیں، جنہیں "رَق" کہتے ہیں، دھونے سے اصلی تحریر بالکل محو نہیں ہوتی۔ تحریر مابعد کے نیچے کچھ دِقت سے پڑھی جا سکتی ہے۔ عہد جدید کا ۳/۵ حصہ تو اس وقت تک اس نسخہ سے پڑھا گیا ہے۔ یہ نسخہ فرانس کے دارالحکومت پیرس میں ہے۔

بقول ہارن صاحب تمام پرانے یونانی نسخے ابتر حالت میں دست یاب ہوئے ہیں اور املا اور انشاء میں بہ کثرت غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ ساتویں صدی عیسوی تک نسخوں کا رسم الخط بڑے حروف میں تھا جن کو "یونیکل" کہتے ہیں، نہ تو حروف میں فاصلہ ہے، نہ کسی اور قسم کا نشان ہے، جس سے لفظوں اور فقروں میں یہ امتیاز ہو۔ ذیل کی مثال سے کچھ کیفیت ذہن میں آ سکتی ہے۔

"اور وہ ب ہ ی ڈ ک و د ی ک ہ ک ر پ ہ ا ڑ پ ر چ ڑ ھ گ ی ا" (متی ۱/۵)

تمام پرانے نسخوں میں الفاظ اصلی حروف میں لکھے ہیں، جیسا کہ سامی زبانوں میں لکھے جاتے ہیں۔ سامی زبانوں میں حرکات تحریر نہیں کرتے، اُن کے قواعد صرف و نحو ایسے مکمل ہیں کہ ان کے بغیر بھی صحیح تلفظ ادا ہو سکتے ہیں، لیکن یونانی یا لاطینی یا دیگر پرانی زبانوں میں حرکات لفظ کا جزو ہیں اور اگر تحریر نہ ہوں تو ایک ہی لفظ کئی الفاظ کا مجموعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ "KC" یا "KS" ہے، جو اگر پورا لفظ لکھا جاتا، تو "KUQIOS" یا "KURIOS" ہوتا، جس کے معنی "خداوند" ہیں۔ اسی طرح "EHP" (SER) ہے۔ پورا لفظ "EWRNP" (SOLTER) ہے، یعنی نجات دہندہ۔ اس کی مثال ہماری زبان میں "ق س" = قدس، قانوس، قس غرض ہر ایسا لفظ ہے، جس کا پہلا حرف

ق، اور آخری س ہو۔ یہ صحیح ہے کہ سیاق و سباق عبارت سے الفاظ کا کچھ نہ کچھ پتہ مل جاتا ہے لیکن حرکت کے بدلنے سے ایک ہی لفظ کے معانی بدل جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ خرابی جو پرانے قلمی نسخوں میں ہے، وہ بہ قول ہارن صاحب یہ ہے کہ کوئی قلمی نسخہ کاٹ چھانٹ سے خالی نہیں یہ عمل کئی طرح کا ہے، یا تو الفاظ یا فقرے پر لکیر کھینچ دی ہے، یا چاقو سے چھیلا گیا ہے، یا اسفنج سے دھویا گیا ہے۔ اسفنج کی مثال چوتھا اور پانچواں نسخہ ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

محققین کی رائے ہے کہ تمام پرانے یونانی نسخے، مصر یا اس کے قرب وجوار میں لکھے گئے، جہاں یونانی حکومت تھی اور یونانی زبان رائج تھی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ مصر میں "عہدِ عتیق" کا ترجمہ[۱] یونانی میں ہوا۔

مروجہ "عہدِ جدید" میں انجیل مطابق مقدس متی، مقدس مرقس، مقدس لوقا، مقدس یوحنا، رسولوں کے اعمال، پولوس کے تیرہ خط، ایک خط بنام عبرانیاں، یعقوب، یہوداہ اور پطرس کا ایک ایک خط، یوحنا کے تین خطوط اور مکاشفات شامل ہیں۔ ان پر مختصر بحث کی جاتی ہے:

پطرس کا پہلا عام خط ہم نے اس خط کو اس لیے سب سے پہلے قابلِ توجہ سمجھا ہے کہ انجیل میں "شمعون پطرس" مسیح کے بعد بزرگ ترین ہستی ہے۔ آپ نے اس کو "قیفا" کا خطاب عطا فرمایا، جو ارامی لفظ ہے، اور آپ کی مادری زبان کا لفظ ہے۔ یونانی میں اس کا ترجمہ "پطرس" اور سنسکرت میں "پرستر" اور ہندی مروجہ میں "پتھر" ہے، یعنی مسیحیت کی بنیاد اسی پتھر پر قائم ہے۔

اس خط کے اختتام پر راقم کہتا ہے کہ "جو بابل میں تمہاری طرح برگزیدہ ہے، وہ اور میرا بیٹا مرقس تمہیں سلام کہتے ہیں" بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط "بابل" میں بیٹھ کر لکھا گیا لیکن مسیحی محققین کی یہ رائے ہے کہ اس زمانہ کے مسیحی "روم" دارالحکومت اٹلی کو بھی استعارہ میں "بابل" کہتے تھے، کیوں کہ یہ بھی فسق و فجور، شرک و کفر کا گھر تھا۔ یہ خط بابل سے لکھا گیا ہو یا روم سے، دیکھنا یہ ہے کہ مقدس حواری کبھی بابل یا روم میں بھی گیا ہے؟ کبھی تاریخی شہادت سے اس کی تائید نہیں ہوئی، بلکہ اس کے خلاف ثبوت موجود ہے کہ آپ یروشلم اور اس کے نواح کے باہر کبھی نہیں گئے۔ صرف قیصریہ اور انطاکیہ میں رسولوں کے "اعمال" کے مطابق جانا پایا جاتا ہے۔ مسیحی علماء جن کتابوں کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں، اس کے حوالہ سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پطرس اور پولوس دونوں اکٹھے روم

---

[۱] یعنی سبعینہ۔ اس پر یروشلم کے علماء یہود نے ان کے خلاف کفر و ارتداد کا فتویٰ شائع کیا۔

گئے اور ایک ہی دن قیصر نیرو کے شہرہ آفاق تیغ ستم سے شہید ہوئے۔ لیکن رسولوں کے اعمال
پولس کا روم میں جانا تو مذکور ہے، مگر پطرس کا نام تک نہیں آتا۔

خط کو سلام و دعا پر ختم کرنے سے پیشتر راقم لکھتا ہے کہ "میں نے سلوانس کی معرفت جو میری
ست میں دیانت دار بھائی ہے، مختصر طور پر لکھ کر تمہیں نصیحت کی" سوال یہ ہے کہ سلوانس کون
ل تھے؟ اعمال ۱۵/۲۲، ۲۔ قرنتیون ۱/۱۹ ۱۔ تھلنیکیون ۱/۱ اور ۲۔ تھلیکیون ۱/۱ میں یہ نام استعمال
ہے۔ اعمال میں "تو سیلاس" اور باقی خطوط میں "سلوانس" ہے، جو ایک ہی نام سمجھا گیا ہے۔ اعمال
اس کو "نبی" کا درجہ دیا گیا ہے اگر پولس کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا رفیق ثم الطریق تھا
بس کے ان خطوط کی تحریر خود پولس اور سلوانس اور ایک اَور شخص سے منسوب ہے" اس لیے
زیر بحث مقدس پطرس کی تحریر نہیں ہو سکتی، پطرس اور پولس میں بُعد المشرقین تھا۔

خط کے آخر میں یہ فقرہ کہ "جو بابل میں تمہاری طرح برگزیدہ ہے اور میرا بیٹا مرقس تمہیں سلام
تے ہیں" مزید مشکلات پیدا کرتا ہے، مرقس کا مذکور اعمال ۱۲/۱۲ میں ہے کہ "ہیرودیس" نے پطرس
ید میں ڈالا اور آپ اعجازی طور سے فرار ہو کر اس یوحنا کی ماں مریم کے گھر آئے، جو مرقس کہلاتا
، " اور پھر یہاں سے نکل کر کسی اَور طرف چلے گئے اور پھر پتہ نہیں چلتا، کہاں گئے اور کہاں رہے؟
ال ۱۲/۲۵ میں مذکور ہے۔ ہیرودیس کی موت کے بعد دونوں "برنباس اور پولس یوحنا" کو جو مرقس کہلاتا
، ساتھ لے کر یروشلم سے واپس آئے۔ یہ یوحنا برنباس کا برادر زادہ ہے (کلسیون ۴/۱۰) عموماً
ا مسیحی کی یہ رائے ہے کہ یہی شخص انجیل کے مطابق مقدس مرقس کا مؤلف ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو وہ
یناً مقدس پطرس کا بیٹا نہیں، اس لیے راقم خط مقدس پطرس نہیں۔

ڈاکٹر فیرر (F. W. FARRAR, D.D, F.R.S) جو ملکہ معظمہ کے چپلین اور "ویسٹ منسٹر ایبی"
"آرچ ڈیکن" وغیرہ وغیرہ ہیں، اپنی کتاب "ابتدائی ایام مسیحیت" (THE FARLY DAYS OF CHRI-
CHAI-) کے صفحہ ۱۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ خط کے آخری فقرہ سے" ہر ایک مفسر نے جو نتائج اخذ کئے ہیں
میں بعید اختلاف ہے، یہ امر ابھی تک متنازعہ ہے کہ یہ "برگزیدہ" مسیحی چرچ ہے یا کوئی مسیحی عورت،
اگر موخر الذکر صورت ہے، تو کیا وہ مقدس پطرس کی زوجہ ہے؟ اور کیا بابل سلطنت عصاریہ کا
ہم الشان پایہ تخت ہے، یا مغربی بابل یعنی رومۃ الکبریٰ کو استعارہ میں بیان کیا گیا ہے؟ س
بعد (صفحہ ۱۴۸ پر) تحریر فرماتے ہیں کہ "راقم اپنا خطاب جو یسوع مسیح نے عطا فرمایا تھا، یونانی میں استعمال

کہتا ہے، نہ کہ اصل آرامی زبان میں۔ اگر یہ خط ان عیسائیوں کے نام ہوتا، جو یہودی الاصل تھے، تو وہ اپنا نام شمعون ہی لکھتا اور اسی نام سے مقدس جیمز" اس کے متعلق یروشلم کے چرچ سے گفت وگو کرتا ہے، آرامی لفظ "قیفا" استعمال کرتا ہے جس سے مقدس پولوس اس کو یاد کرتے تھے، کیوں کہ یہی خطاب گلیتا اور کارنتھ کے یہودی عیسائیوں میں مشہور تھا"

یہ خط اُن مسافروں کے نام، جو پطیس، گلیتہ، کپہ کیہ، ایشیا (کوچک) اور تنیہ میں بکھرے ہوئے تھے" لکھا گیا، اس امر پر کل مسیحی علماء کا اتفاق ہے کہ ان مقامات پر چرچ مقدس پولوس نے قائم کیا، اس لیے یہ خط مقام چرچ کے بعد بھی لکھا گیا ہوگا۔ اس خط کا مضمون اور اکثر فقرات پولوس کے خطوط بنام "افیسوں" اور "رومیوں" کے مطابق ہیں، چنانچہ مفصلہ ذیل آیات کے مقابلہ سے یہ امر واضح ہو جائے گا:

خط زیر بحث	خط بنام افیسون	خط بنام رومیون
باب ۱-۱	باب ۱- ۳/۴	..
باب ۱-۳	باب ۱- ۳	..
باب ۱-۱۴	باب ۲- ۸	باب ۱۲ - ۲
باب ۲- ۶/۱۰	..	باب ۹ - ۲۵/۳۲
باب ۲- ۱۱	..	باب ۷ - ۲۳
باب ۲-۱۳	..	باب ۱۳- ۱/۴
باب ۲-۱۸	باب ۶- ۵	..
باب ۳-۱	باب ۵-۲۲	..
باب ۳-۹	..	باب ۱۲ - ۱۷
باب ۳-۲۲	باب ۱- ۲۰	باب ۸ - ۳۴
باب ۴-۱	..	باب ۶ - ۶
باب ۴- ۱۰	..	باب ۱۲ - ۶
باب ۵- ۱	..	باب ۸ - ۱۸
باب ۵-۵	باب ۵-۲۱	..

نتیجہ واضح ہے کہ ہر سہ خطوط ایک ہی دل و دماغ اور قلم کے رشحات ہیں، یعنی، ان کا راقم مقدس پطرس کسی صورت میں نہیں ہو سکتا، مقدس پولوس یا اس کا کوئی شاگرد ہے ۰ (باقی)

فہمِ قرآن کے متعلق چند اشارات

(حضرت خواجہ احمد الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲)

اسی طرح ہمارے علماء کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ اور اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ
اسْتَوٰی اور اسی طرح کی دوسری آیات میں تو عقل ہی سے کام لینا پسند کرتے ہیں، مگر یَوْمَ یُکْشَفُ
عَنْ سَاقٍ میں جہاں کسی صورت میں بھی خدا تعالیٰ کی پنڈلی کے کھُلنے کا ذکر نہیں ہے، وہاں جھوٹی
حدیثوں کے ماتحت سراسر نامعقول معنے نکال لیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے وطن سے کنعان کی طرف چلے، تو فرمایا، اِنِّیْ مُھَاجِرٌ
اِلٰی رَبِّیْ ۲۰/۱۵ یعنی، مَیں محض اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں نیز فرمایا اِنِّیْ ذَاھِبٌ
اِلٰی رَبِّیْ ۲۳/۷ یعنی، مَیں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔ اسی طرح جو لوگ مکّہ سے ہجرت کرکے مدینہ
میں آتے تھے، اُن کے متعلق ارشاد کیا ہے وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ
یعنی، جو شخص اپنے گھر سے نکلے ہجرت کرتا ہُوا طرف اللہ کے اور اُس کے رسولؐ کے، تو ایسی
تمام آیات میں اللہ کی طرف جانے اور اللہ کی طرف ہجرت کرنے کے معنے کسی نے بھی یہ نہیں لیے
کہ وہ آسمان پر چلے گئے تھے، لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو کہا کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ
اِلَی اللّٰہِ، یعنی، خدا کی طرف (لے جانے میں) میرا کون مددگار ہے اور یوں حضرت عیسےٰؑ بے ہوش
ہو جانے کے سبب اٹھا کر لے جائے گئے، تو اس رفعہ اللہ سے خواہ مخواہ مفسرین نے اُن کا
آسمان پر اٹھایا جانا نکال لیا ہے اور یوں قرآن مجید کی تفسیر میں ایک خارق عادت کہانی کو جسے
پہلے ہی سے دلوں میں بٹھائے ہوئے تھے، شامل کرلیا ہے۔ یہ قرآن مجید کی تفسیر نہیں ہے، صرف
اپنے من مانے نتیجے نکالنا ہے۔

مفسرین نے قرآن مجید میں بہت جگہ خارق عادت باتیں باہر سے لے کر اس طرح
پہلے سے داخل کردی ہیں کہ لوگ انہیں قرآن مجید کا فرمان ہی سمجھنے لگ پڑے ہیں، لیکن

قرآن مجید ایسے تمام مفتریات سے بالکل مبرّا اور پاک ہے۔
حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کے لیے دعا مانگی اور وجہ یہ عرض کی کہ میں اپنے پیچھے اپنے موالی سے ڈرتا ہوں۔ یہ دعا انہوں نے اس وقت کی، جب حضرت مریمؑ کے پاس کئی دفعہ کھانا آیا ہوا دیکھا۔ انہوں نے اپنی غیر حاضری میں اس طرح کھانا آتے دیکھ کر نہیں، اپنے موالی کی شرارت سے بچنے کی دعا مانگنی پڑی۔ بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی ظاہری ساخت بھی شروع ہی سے اچھی بنائی تھی (وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا) فرشتوں کی تو کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی کہ کفیل مریمؑ یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کی غیر حاضری میں ہی حضرت مریمؑ کے پاس پھل لایا کریں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ وہی شریر موالی تھے، جو حضرت زکریا علیہ السلام کے لا ولد ہونے کے سبب ان کے جد وہاں کی سرپرستی کے دعوے دار تھے۔ یہی لوگ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس حضرت زکریا علیہ السلام کی غیبت میں کھانے کی چیزیں دے جایا کرتے تھے۔ حضرت زکریاؑ جب اپنے محراب میں داخل ہوتے اور حضرت مریمؑ کے پاس آکر ہر دفعہ اُن کے نزدیک کچھ رزق پاتے، تو جیسا کہ نیک سرپرستوں کا قاعدہ ہے، اُن سے پوچھتے کہ یہ تجھے کہاں سے ملا، تو اس پر وہ بھولی بھالی لڑکی جواب دیتی کہ بابا اللہ پہنچا دیتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر سان گمان کے روزی دیتا ہے۔
چوں کہ حضرت زکریاؑ کو اپنے موالی کی شرارتوں کا علم تھا، اس لیے اُنہیں خیال آیا کہ غالباً یہی لوگ اس خدا پرست لڑکی کے بھی در پے ہیں۔ اس پر اُنہیں خوف ہوا کہ اگر یہ شریر میرے بعد متولی ہو گئے، تو یہ اس امدادی کارخانے کو جس میں بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور تربیت ہو رہی ہے، تباہ کر دیں گے۔ پس یہ نہایت ہی مناسب موقع تھا کہ وہ اپنے مالک سے دعا مانگیں اور عرض کریں کہ اے میرے رب مجھے اپنے پیچھے اِن موالی کا خوف ہے، اس لیے مجھے ایک پاک بیٹا عطا فرما، جو میرا اور اپنی ماں کی طرف سے اپنے ننہال کا وارث ہو اور یُوں دو ہرا حق دار ہو کر سردار امام یعنی سیّد بنے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حصور ہونے کی خوش خبری میں بھی یہی راز تھا۔
اس تمام بیان میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا کہ رزق سے مراد بے موسم پھل ہیں۔ اگر پھلوں کا بے موسم پہنچنا ہی اس دعا کا محرک ہوتا، تو اس بنیادی و مقصود امر کا بیان کرنا لازم ہوتا۔ برعکس اس کے حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی وجہ موالی کا خوف بتلائی ہے۔ پس اس رزق کا حضرت زکریاؑ کی غیبت میں کئی دفعہ پہونچنا اور موالی کا خوف ہونا ایک ہی معنے رکھتا ہے۔ اگر

پھلوں کا بے موسم آنا ہی اس دعا کا باعث ہوتا۔ تو حضرت زکریا علیہ السلام پہلی ہی دفعہ حیران ہو کر دعا مانگتے۔ اس لیے بے موسم پھلوں کا کئی دفعہ آنا ضروری نہ تھا۔ پھر کسی معجزہ یا کرامت کے متعلق یہ سوال ہی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خارق عادت کون کر جاتا ہے؟ خارق عادت بات کو تو حضرت زکریا علیہ السلام خود ہی جان سکتے تھے کہ یہ خدا تعالےٰ کا کام ہے۔ ایسی بات کو ہر دفعہ پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک میں یہ کہیں مذکور نہیں ہوا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جو رزق آتا تھا، اس سے مراد بے موسم کے پھل ہیں، یا وہ رزق فرشتے لاتے تھے، یا کسی اور طرح ہی سے وہ رزق بہ طور خارق عادت کے آیا کرتا تھا، مگر مفسرین نے محض اپنے دل سے خارق عادت باتیں پیدا کر کے قرآن حکیم میں شامل کر دی ہیں۔ اب لوگ ایسی گپتوں کو عین قرآن سمجھتے ہیں۔ معقول باتوں سے پرے ہٹنے کا بلاشبہ ایسا ہی نتیجہ نکلنا لازم ہے:

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند

سعدی از دستِ خویشتن فریاد

سوختنی قربانی | اکثر لوگ اصلی اور مفید خیرات سے پہلو تہی کرتے ہیں، بلکہ لوگوں کے حق مار لینے سے بھی نہیں چوکتے، مگر پرلے درجے کا افسوس ہے کہ وہ ریائی اور رسمی خرچ جان بوجھ کر بڑے دھڑلے کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شخص شیخی بگھارتا ہے کہ اھلکت مالاً لبدا۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے مال کو پانی کی طرح بہا دیا، ایسے لوگ مال کو اڑانے میں تو دریغ نہیں کرتے، مگر ان کو اس گھاٹی یا تنگ رستہ میں گھسنے کا خیال بھی نہیں آتا، جس سے حقیقی فتوحات کا باب وا ہو جاتا ہے۔ وہ گھاٹی کیا ہے؟ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ گھاٹی گردنوں کو آزاد کرنا یا تنگی کے دنوں میں قرابت والے یتیم کو یا مٹی میں ملے ہوئے مسکین کو کھانا دینا ہے۔ پھر ضرور ہے کہ ایسا شخص سچے ایمان والوں اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرنے والوں اور باہم دگر مرحمت کی وصیت کرنے والوں میں سے ہو۔ یہی لوگ یمن و برکت پانے والے ہیں۔ (سورہ بلد) حاصل یہ ہے کہ خیرات حقیقی اور مفید ہونی چاہیے، نہ کہ ریائی اور رسمی۔

عہد رسالت میں اکثر یہود خیرات کے اصلی مفہوم سے بالکل خالی تھے، مگر سوختنی قربانی بڑے اہتمام کے ساتھ بجا لاتے تھے۔ یہ رسم انہوں نے دیوتا پرستوں سے حاصل کی تھی، بھولے

بجائے خدا پرستوں نے جب دیوتا پرستوں کو یہ رسم عمل میں لاتے دیکھا، تو خیال کیا کہ یہ ایک عبادت ہے، جسے یہ لوگ اپنے دیوتاؤں کی رضامندی کے لیے کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُن کے دل میں شوق پیدا ہُوا کہ ہم بھی یہ عبادت خاص خدا تعالیٰ کے لیے بجا لائیں۔

دیوتا پرست گوشت یا اناج اور تِل اور مصالح وغیرہ آگ میں جلایا کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دیوتا لطیف ہیں، اس لیے اُن کو بھوجن بھی لطیف صورت میں ہی پہنچانا مناسب ہے۔ دیوتا پرستوں کو اس نذرانہ سے مقصود یہ تھا کہ اس سے ان کے دیوتا خوش ہو جائیں گے اور اس نذر سے قوت پا کر اُن کی اور زیادہ مدد کر سکیں گے۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے خوراک اور دیگر ضروری سامان پیدا کرتا رہتا ہے، تاکہ ضرورت والے بطریقِ مناسب انہیں کام میں لائیں۔ خدا تعالےٰ گوشت یا اناج کو یا یُوں کہو کہ نسل اور حرث کو اس لیے نہیں بناتا کہ لوگ انہیں آگ میں جلا کر ضائع کر دیں۔ نسل و حرث کو مفید ہونے کی حالت میں ضائع و برباد کر دینا بڑا گناہ ہے۔ ہاں جب یہ خوراکیں جل کر یا متعفن ہو کر متفرق ہو جاتی ہیں، تو خدا تعالےٰ دوبارہ انہیں مناسب طور پر مرکّب کر کے ہمیں دیتا ہے، لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ خدا تعالےٰ کے ہر دفعہ بنانے کے بعد ہر دفعہ ہی مناسب و ممکن فائدہ نہ حاصل کیا جائے۔ جو مسلمان محض رسم پرستی کے خیال سے جانوروں کا خُون بہا کر گوشت کو گڑھوں میں پھینک دیتے ہیں، اُن کو اس سے عبرت پکڑنی لازم ہے۔

پھر بھوجن کو حاجت مندوں سے روک کر دیوتاؤں کو پہنچانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوتا خود اس بھوجن کے فقیروں سے بھی بڑھ کر محتاج ہیں، لیکن خدا تعالےٰ کو گوشت اور خون وغیرہ ہرگز ہرگز نہیں پہنچتا۔ اُس کے حضور صرف وہی عمل درجۂ قبولیت پاتا ہے، جو خدا ترسی اور تقوٰی کے مطابق کیا جائے۔ خدا تعالیٰ کو کوئی کھلا نہیں سکتا، وہ خود سب کو کھلاتا ہے (ھو یطعم ولا یطعم) وہ ہم سے رزق نہیں مانگتا، وہ خود ہی ہمارا رزاق ہے۔ پس سوختنی قربانی کسی ڈھب سے بھی خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں قرار پا سکتی۔ اس سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوگا کہ بندے غنی ہیں اور خدا تعالیٰ فقیر و محتاج ہے۔ خدا پرستوں کو جب اس کے ضرر معلوم ہوئے، تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہود بھی اس سے تائب ہو جاتے۔ مگر بدقسمتوں کا قاعدہ ہے کہ رسم کو چھوڑنے کی نسبت اعتراضات کو اپنے سر پہ لے لینا انہیں زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔

یہود نے کہا، ہاں ہاں (اس امر میں) اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

خوراک لوگوں کی زیست کا سبب ہے، مگر یہود کو کسی کے زندہ رکھنے سے کیا غرض تھی، وہ تو نبیوں اور رسولوں کو بھی بغیر کسی حق کے قتل کر ڈالتے تھے۔ غلطی والے تو بہت کچھ قابلِ معافی ہو سکتے ہیں۔ مگر جو سمجھ آنے کے بعد بھی سوختنی قربانی پر اڑا رہے، تو وہ اسی لائق ہے کہ اُسے کہا جائے

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ

یعنی تم چکھو سوختن کا عذاب

یہود خوب جانتے تھے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وازواجہٖ وصحابہٖ واتباعہ وسلم اس رسم کے سخت مخالف ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضورؐ کسی طرح پر بھی سوختنی قربانی کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے، اس لیے اُنہوں نے کسی جھوٹی روایت کی بنا پر یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہُوا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں، جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے (مفلسوں کے بجائے) آگ کھائے۔ یہود کی یہ ایک بُری چال تھی، اس قول سے یہود کو یہ مقصود تھا کہ رسول خدا کو نہ ماننے میں وہ خود بھی لوگوں کے نزدیک معذور سمجھے جائیں اور دوسرے لوگوں کو اس روایت کی بنا پر رسولِ مقبولؐ کے ماننے سے روکیں۔ خدا تعالےٰ نے یہود کے اس فضول قول کو ایک معقول دلیل کے ساتھ مردود ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ خدا تعالےٰ نے ہم (یہود) سے وعدہ کیا ہے کہ ہم (یہود) کسی رسول کو نہ مانیں، جب تک وہ سوختنی قربانی بجا نہ لائے، تو یہ بتلاؤ کہ ہمارے اس رسول سے پہلے جنہوں نے رسالت کا دعوےٰ کیا اور ثبوت میں بیّنات لائے اور وہ کام بھی کیا، جو تم کہتے ہو، پھر تم نے انہیں بجائے ماننے کے قتل کیوں کر دیا؟ اس دلیل سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ خود یہود کا عمل اُن کے اس قول کی تکذیب کرتا آیا ہے۔ بلاشبہ یہود کے ساتھ خدا تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے دنیا میں ایک نہایت ہی معقول اصلاح پھیلائی ہے اور یوں مال کے اُڑانے اور خوراکوں کے جلانے اور تندرست گوشت کو دبانے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ اگر حضور علیہ السّلام سوختنی قربانی کر کے دکھا دیتے، تو یہود کو قائل ہونا یا اپنی بات پر پچھتانا پڑتا، مگر آں حضرتؐ پالیسی باز نہ تھے۔ اس لیے ایسی حرکت

کو اپنے ضمیر کے برخلاف روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس سے قرآن پاک کی بلند نظری، اور رسول مقبولؐ کی راست روی سورج کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔

برعکس اس کے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یہود نے رسولِ خدا سے ایک معجزہ مانگا تھا اور کہا تھا کہ پہلے حضورؐ ایک نذر یا قربانی پیش کریں، پھر آسمان سے آگ اُتاریں، جو اُس نذرانہ کو کھا لے اور یہ ظاہر ہے کہ آگ کا کھانا جلا دینا ہی ہوتا ہے، خواہ وہ آگ آسمان سے اُترے یا زمین کے اندر سے نکلے یا کوئی آدمی اُسے تیار کرے۔ اہلِ عرب کا ایک مقولہ ہے، الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب، یعنی، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔

الحاصل قرآن حکیم نے اس بیان میں کسی آسمانی آگ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ مفسرین قصّوں اور کہانیوں سے لے کر ایسی باتیں قرآن میں ملا رہے ہیں اور لوگوں کا مذاق بگاڑ رہے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر یہود نے رسولِ خدا سے آسمانی آگ کے اُتارنے کا معجزہ ہی طلب کیا تھا، تو رسولِ مقبولؐ نے اس کا کیا جواب دیا؟ بقولِ علماء رسولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مجھ سے پہلے رسولوں نے یہ معجزہ دکھایا تھا، مگر میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ نے کوئی ایسا عہد کیا ہُوا ہے کہ جو رسول یہ معجزہ نہ دکھائے، اُس کو نہ مانا جائے۔ اس کے جواب میں یہود کہہ سکتے تھے کہ اچھا ایسا کوئی وعدہ نہ سہی، مگر اسے تو آپؐ بھی مانتے ہیں کہ دوسرے رسولوں نے بالضرور یہ معجزہ دکھایا تھا۔ اگر یہ درست ہے، تو کیا اس وقت آپ کے لیے یہ معجزہ حرام کر دیا گیا ہے؟ یا کیا اس سے آپ کی شان میں کوئی فرق واقع ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ برعکس اس کے ایسا معجزہ دکھانے سے ہر دوست و دشمن کے آگے آپ کی رسالت پر ایک زبردست شہادت قائم ہو جائے گی۔ بڑا تعجب ہے کہ چند روزہ دینوں کے ثبوت کے لیے تو خارقِ عادات کی بھرمار ہو، لیکن اُن معجزات سے ثابت شدہ دینوں کا مٹانے والا صرف باتوں ہی سے کام چلائے۔ اگر علماء کا بیان صحیح ہے تو اس سے وُہی نتیجہ نکلے گا، جو اوپر مذکور ہُوا۔

پھر یہ بھی واضح ہے کہ اگر شراب پلانا حرام ہے تو اس کا معجزہ سے بنا کر پلانا بھی حرام ہے اسی طرح اگر غریبوں کی خوراک کو جلا دینا یا کسی اور طرح سے ضائع کر دینا حرام ہے، تو معجزہ سے ایسا کرنا بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایک نظر گذرانے اور اُسے حاجت مندوں سے روک کر یہ دعا کرے کہ اسے خدا اسے آگ اُتار کر جلا دے، تو کیا کسی کا جان بُوجھ کر ایسا دعا کرنا صحیح

ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔

ممکن ہے، خدا تعالیٰ سزا کے طور پر کسی کے نذرانہ کو بجلی گرا کر جلا دے۔ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ غضب ناک ہے، اس لیے وہ اس نذرانہ کو اپنے مصرف پر لگنے اور اپنے محل پر پہنچنے نہیں دیتا۔

برعکس اس کے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ آگ کا آسمان سے نازل ہو کر نذرانہ کو جلا دینا خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور سزا نہیں ہوتا تھا، بلکہ اُلٹا نذرانہ کے قبول ہونے کا نشان تھا، گویا خوراک کو بائس فقیر سے روک کر جلا دینا یا یوں کہو کہ خوراک کو اپنے مقصود پر نہ پہنچنے دینا ہی ہمارے علماء کے نزدیک اس کا قبول ہونا تھا۔ سزا کا نام مقبولیت رکھنا عجیب انصاف ہے۔ اے آنکھوں والو! کچھ تو عبرت پکڑو۔ کیا ہمارے قرآن میں یہی کچھ بھرا پڑا ہے؟ اگر فہم قرآن چاہتے ہو، تو بندہ پرستی کو آگ میں جھونک دو۔ سچی سوختنی قربانی یہی ہے۔ انسان کی زیست کے سامانوں کو ان کے موقعہ و محل سے روک کر نذر آتش کر دینا جھوٹی قربانی ہے۔

اب میں اُن آیات کو جن میں اس قربانی کا ذکر ہے مع ترجمہ کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے کوئی صاحب فرمائیں کہ کیا ان آیات میں کسی خارق عادت امر کا کوئی بھی ذکر ہے، یا کیا کسی آگ کے آسمان سے نازل ہونے کا کوئی بھی بیان ہے، یا کیا خدائے حکیم کا یہ منشاء ہے کہ وہ خود تو خارق عادت امور کو واضح نہ کرے، لیکن مفسرین پر یہ خدمت ڈال دے کہ وہ خود ہی اس کمی کو پورا کرلیں؟ ہرگز نہیں۔ بندوں کے لیے صرف عقلی و عادی باتیں ہی چھوڑی جاسکتی ہیں۔ کسی کلام میں خارق عادت امور کا شامل کر لینا بندوں کا کام نہیں۔ وہ آیات حسب ذیل ہیں:

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى

بالتحقیق اللہ نے اُن لوگوں کی بات سُن لی ہے جنھوں نے کہا، بلاشبہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اب ہم اُن کے اس کہنے کو، اور اُن کے بلا کسی حق کے انبیاء کے قتل کرنے کو لکھے لیتے ہیں اور کہیں گے، جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ اس لیے ہے، جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اس لیے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (اس قول کے کہنے والے وہ ہیں جنھوں نے کہا بلاشبہ اللہ

يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ۝

نے ہم سے عہد کیا ہے کہ ہم کسی رسول کو نہ مانیں، یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے وہ نذر لائے جسے آگ جلائے۔ کہو کہ بالتحقیق میرے پہلے تمہارے پاس رسول روشن دلائل کے ساتھ آئے اور انہوں نے تمہارے آگے وہ چیز پیش کی، جو تم نے کہی ہے، پھر اگر تم سچے ہو، تو تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا، پھر بھی اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں، تو تجھ سے پہلے وہ اُن رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں، جو کھلے دلائل اور صحیفوں اور روشن کتابوں کے ساتھ آئے ہیں" (باقی)

جواہرِ انتخاب

حضرت حسنؒ بصری کے حکیمانہ اقوال

"دل کے بدلنے سے اصلاح ممکن ہے، نہ کہ جَور و ظلم سے"

"اللہ توبہ کے ذریعے حالت کو بدلتا ہے، نہ کہ تلوار کے زور سے"

"اہلِ ہوس کی صحبت سے بچو، نہ اُن سے مناظرہ کرو، نہ اُن کی گفت وگو سُنو"

"خاکساری کی اوّلین شرط یہ ہے کہ جب انسان گھر سے نکلے، تو جس پر نظر پڑے، اُسے اپنے سے بہتر سمجھے"

"کسی ایک آدمی کی دشمنی کے بدلے ہزار آدمی کی دوستی بھی مت خریدو"

"دنیا تمہاری سواری ہے، وہ تمہیں سوار کرے گی، لیکن اگر وہ تم پر سوار ہوگئی، تو تمہیں برباد کر ڈالے گی"

"تمہارے بھائیوں میں زیادہ معزز وہ ہے، جس کی دوستی تمہارے ساتھ ہمیشہ باقی رہے"

"اسلام یہ ہے کہ انسان اپنا دل اللہ کے سپرد کردے"

ایک اعرابی نے آکر صبر کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا:

"صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مصائب پر صبر کرنا، دوسرے جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے، اُن سے باز رہنا"

پھر آپ نے دونوں قسمیں تشریح سے سمجھائیں۔ اعرابی آپ کی گفت وگو سے متاثر ہُوا اور کہنے لگا "مَیں نے آپ سے زیادہ زاہد کسی کو نہیں دیکھا" اس پر آپ نے فرمایا:

"اعرابی، یہ بھی سُن لے کہ تیرا زہد لذت کے لیے ہے اور صبر خوف کی وجہ سے ہے"

اعرابی یہ سُن کر پریشان ہُوا اور اس نے کہا "اس کے معنے بیان کیجیے۔ آپ نے میرا اعتقاد

پھر خراب کر دیا"

آپ نے فرمایا:

" سُنو! مصیبتوں پر یا اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں پر میرا صبر کرنا دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے ہے، اور یہ عین جزع ہے اور دنیا میں میرا زہد برتنا محض آخرت سنوارنے کے لیے ہے۔ اور یہ عین طلب گاری ہے۔ پس حقیقی صبر اور زہد وہ ہے، جو اس سے بلند ہو کر حاصل ہو۔ صبر صرف حق کے لیے ہو، نہ کہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے۔ اور زہد بھی صرف حق کے لیے ہو، نہ کہ بہشت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے، اور یہی اخلاص کی علامت سمجھی جائے گی"

ایک مرتبہ آپ نے ورع کی تعریف کی اور فرمایا:

" ورع کے تین مقام ہیں۔ اوّل یہ کہ بندہ اپنی زبان نہ ہلائے، مگر حق کے لیے خواہ خلق خوش ہو یا ناخوش، دوسرے یہ کہ اپنے اعضا پر ان تمام موقعوں پر نگاہ رکھے، جن میں خدا ناراض ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ صرف اسی طرف بڑھے، جس میں خدا کی رضا شامل ہو"

پھر فرمایا:

" ورع کا ایک ذرہ ہزاروں نمازوں اور روزے سے بہتر ہے" (ندیم)

دروغ گوئی

جب ارسطو سے پوچھا گیا کہ آدمی جھوٹ بول کر کیا نفع حاصل کرتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا، یہی کہ پھر اُس کی باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے۔

جھوٹے کی حیثیت اتنی زبون ہے کہ اس سے خود جھوٹا بھی واقف ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب دروغ گو سے کہا جاتا ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تو فوراً خشم آلود ہو کر چراغ پا ہو جاتا ہے۔ تقریباً تمام دوسری بُرائیاں تحسین و تعریف سے چھپائی جا سکتی ہیں، مگر جھوٹ نہیں۔ یہاں تک ڈاکو اور خونی کے بھی حمایتی اور مداح ہوتے ہیں، جو اُن کی دلیری اور عیاری کی داد دیتے ہیں۔

لیکن دروغ گو اور صرف دروغ گو ہی عموماً ذلیل و رسوا اور خوار ہوتا ہے۔ اس سے کم

والے خوش ہوتے ہیں نہ باہر والے۔ اس غریب کو کہیں چین اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔ تمام دنیا اُسے تختۂ مشق بناتی ہے اور اُسے مقابلہ کی سکت ہی نہیں ہوتی۔ نہ اُسے رشتہ داروں کی پناہ ملتی ہے اور نہ دوست واحباب کی، بلکہ اس کے دوست واحباب ہی نہیں ہوتے، کیوں کہ ہر جگہ اُس کے متعلق چہ مے گوئیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ جھوٹ کی عجیب نوعیت ہے کہ اچھے اور بُرے دونوں کی نظروں میں معیوب ہے۔ سرٹامس براؤن کا قول ہے "شیطان بھی آپس میں جھوٹ نہیں بولتے، کیوں کہ صداقت تمام طبقوں کے لیے مفید اور ضروری ہے، یہاں تک کہ جہنمی بھی بلا سچائی کے قائم نہیں رہ سکتا۔"

تب یہ سوچنا بالکل فطری امر ہے کہ وہ بُرائی جو ہر کس و ناکس کی نظر میں رذیل ہو، لوگوں سے سرزد نہیں ہونی چاہیے۔ یا کم از کم کہ لوگ بہ بانگِ دہل اس کے مرتکب نہ ہوں، چاہے طمع اور لالچ انہیں کیسے ہی سبز باغ دکھانے کی اُمید دِلائیں۔

مگر افسوس بہ ایں ہمہ رسوائی، ذلت اور بدنامی، صداقت پسِ پشت ڈال دی جاتی ہے۔ لوگ جھوٹ کے اس بُری طرح شکار ہو جاتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ جھوٹے ایسی جگہ بھی جھوٹ بولتے ہیں، جہاں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ جھوٹ نہ بولنے سے اُن کا کچھ نقصان نہ ہوگا اور نہ کسی طرح کی رسوائی ہی ہوگی۔

جھوٹ چند ہی دن تک کامیاب رہ سکتا ہے، لیکن دروغ گو کی شہرت و عزت دیرپا نہیں ہوتی، کیوں کہ لوگ جب کسی جھوٹے قصے کو باور کر لیتے ہیں، تو جھوٹا دلیر ہو جاتا ہے اور پھر کوئی ایسا غیر ممکن اور ناقابلِ اعتبار قصہ ایجاد کرتا ہے کہ اس کی ساری دروغ گوئی کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور پھر وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جھوٹے اپنے جھوٹ سے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں، تاکہ لوگ انہیں قابل عالم یا بڑے لوگوں میں شمار کرنے لگیں۔

ایک زمانہ میں اسکاٹ لینڈ میں جھوٹ کی سزا قتل تھی۔ جھوٹے اپنے جھوٹ سے لوگوں کا بہت نقصان کرتے ہیں اس سے صداقت کی اہمیت گھٹ جاتی ہے۔ جھوٹے، لوگوں میں پریشانی پھیلا دیتے ہیں اور ڈرپوکوں کو اور سراسیمہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے سدِ باب کے لیے کسی نہ کسی سزا کی ضرورت ہے، مثلاً دُرّے، کیوں کہ سزا ہی ایک ایسی چیز ہے، جو دلوں

یں خوف و ہراس پیدا کرنی ہے ۔ (ہند کلکتہ)

عقیدۂ تناسخ کی ایک تجرباتی تردید

پیدائشی اندھوں کے خواب اندھے ہوتے ہیں۔ پانچ اور سات سال کے درمیان اندھے ہونے والوں کے خوابوں میں پہلے پہل بینائی ہوتی ہے، مگر آخری عمر میں جاکر اُن کے خواب بھی اندھے ہو جاتے ہیں۔ پیدائشی بہروں کے خوابوں میں آواز نہیں ہوتی بڑی عمر میں (یعنی تیرہ سال کے بعد) اندھے ہونے والوں کے خوابوں میں بینائی ہوتی ہے۔ بے دماغ انسانوں کو بہت کم خواب آتے ہیں۔

ان باتوں میں دوسرے جنم[1] کے مسئلہ پر غورکرنے کے لیے کچھ مسالہ موجود ہے۔ پیدائشی اندھوں کے خواب ہمیشہ اندھے ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُس کے اندرونی من میں اس جنم سے پیشتر کا کوئی تجربہ موجود ہوتا، تو اُن کے خواب ملے جلے ہوتے۔ (پریت لڑی)

اُمتِ مُسلمہ امرتسر کا سالانہ انتخاب

۱۵ر جنوری ۱۹۳۹ء بروز اتوار، ۴ بجے بعد دوپہر، امتِ مُسلمہ امرتسر کی مجلس عمومی کا ایک اجلاس منعقد ہوگا، جس میں انتظامیہ کمیٹی کے عہدے داروں اور ممبروں کا سالانہ انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔ براہِ کرم تمام ارکانِ امت مقررہ تاریخ و وقت پر دفترِ اُمتِ مُسلمہ میں تشریف لاکر شکر گذاری کا موقعہ دیں۔

(سیکرٹری اُمتِ مُسلمہ امرتسر)

---

[1] تناسخ۔

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

(جناب خواجہ محمد عبد اللہ صاحب اختر بی اے)

یہ عنوان ہے جس کے تحت جناب "رازی" نے مسلمانانِ ہند کو ایک خطرہ سے جو بقول آں جناب عظیم الشان ہے، آگاہ فرمایا ہے۔ اس خطرہ سے، بلکہ اس خطرہ سے جس کی وجہ سے "رازی" صاحب کا خطرہ ممکن الوقوع ہے۔ سر سید رحمۃ اللہ نے مسلمانوں کو پیش از وقت آگاہ کر دیا تھا۔ مسلمان مسلسل تیس سال کانگرس سے علیحدہ رہے اور انکی تمام تر سعی و توجہ حسب وصیت سید رحمۃ تعلیمی جدوجہد میں مبذول رہی اور غالباً ہمیشہ کے لیے کانگرس سے علیحدہ ہی رہتے، لیکن بعض اہم واقعات، جن سے دنیائے اسلام گذشتہ چند سالوں میں روشناس ہوئی اور واقعات عہدِ حاضرہ نے مسلمانوں کی ذہنیت کو بالکل بدل دیا اور اس کا فائدہ کانگرس نے خاطر خواہ اٹھایا۔ ترکی خلافت کا خاتمہ ہوا تو کانگرس نے خلافت کمیٹی ہندوستان کا ہاتھ بٹایا اور تھوڑے عرصہ میں "قومیت متحدہ" کی شکل و صورت نظر آنے لگی۔ جس کا خواب بعض دردمند دیکھ رہے تھے۔ گورنمنٹ برطانیہ نے کبھی مسلمانوں کی خدمات کا احترام نہ کیا، لیکن با ایں ہمہ مسلمانوں کو ان کے دُور اندیش بزرگوں نے یہی مشورہ دیا کہ اس گورنمنٹ کے فرماں بردار رہو، لیکن ناممکن تھا کہ ایک مسلمان، مسلمان ہوتے ہوئے اس ہولناک تباہی سے چشم پوشی کرتا، جو جنگِ عظیم کے بعد دنیائے اسلام پر نازل ہوئی اور ہو رہی ہے اور جس میں برطانیہ عظمیٰ کا بلا واسطہ یا بالواسطہ ہاتھ ہے۔ مسلمانانِ ہند اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے کہ اپنا سابقہ رویہ چھوڑ کر ایک ایسی جماعت میں شامل ہوں، جو برطانیہ عظمیٰ کی "امپیریل[1] ازم" کی

---

[1] مجھے بعض کانگرسی مسلم لیڈروں سے مبادلہ خیالات کا موقع ملا اور میں نے انہیں ہندو ذہنیت کی طرف توجہ دلائی، جس کا تلخ تجربہ مسلمانانِ ہند کو ہے۔ جواب یہ ملا کہ یہ سب کچھ صحیح، لیکن برطانوی امپیریل ازم سے دنیائے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور ہر ایک مسلمان کا جو "انما المومنون اخوۃ" کا مفہوم سمجھتا ہے، فرض ہے کہ کانگرس کا ساتھ اس لیے دے کہ امپیریل ازم کا خاتمہ ہو جائے۔

سختی سے مخالفت کر رہی تھی، چنانچہ یہی ہوُا کہ مسلمان کانگرس میں شامل ہونے لگے، اگرچہ خلافت کمیٹی اور اسی قسم کی اَور جماعتیں بھی مسلمانوں میں پیدا ہوگئیں، لیکن ان سب کا مطمعِ نظر اور لائحۂ عمل وُہی کچھ رہا، جو کانگرس کا تھا، اور اس لیے ان میں اور کانگرس میں اتحاد تھا، بلکہ یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ یہ کانگرس کے مختلف شعبے تھے، جو خاص اسلامی سیاست کی گتھی سلجھانے کے لیے مسلمانوں کے زیر قیادت قائم کیے گئے۔

قومیت کے اجزاء احساسِ نسلی اور احساسِ مذہبی اور احساسِ اشتراکیت ہیں۔ جس قوم میں یہ تینوں ہوں، وہ قوم نہایت مضبوط، ناقابلِ تسخیر آہنی قلعہ ہے، لیکن ان اجزاء میں سے ایک بھی جوڑ ہو، تو قومیتِ متحدہ کی تشکیل ہو جاتی ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ بلحاظ نسل و مذہب انگلستان سے کچھ علیحدہ نہیں، لیکن احساسِ اشتراکیت نے اس کو انگلستان سے بالکل علیحدہ کر دیا۔ ہندوستان میں اسی احساس پر "قومیت متحدہ" ممکن ہے، کیوں کہ اس ملک میں دنیا جہان کی قومیں اور زبانیں ہیں اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، لیکن ایک ہی ملک میں رہتے ہوئے ان میں مشترکہ نفع و نقصان کا احساس ضرور ہونا چاہیے، اگرچہ ہماری رائے میں ہندوستان میں قومیتِ متحدہ کی تشکیل ممکن ہے، لیکن بعض انگریز مدبّروں کی رائے ہے کہ ہندوستان میں ناممکن ہے اور اگر کبھی ممکن ہو تو حکومتِ وقت اُسے بہ سہولت ناممکن بنا سکتی ہے اور یہ اس طرح کہ مختلف قوموں کے مذہبی اور نسلی جذبات کو بروئے کار لایا جائے اور ایسا ہوتا رہا ہے۔ یہی وہ خطرہ ہے، جو جناب رازی کے ذہن میں ہے۔

ہندوستان کے طول و عرض میں ہندو مُسلم اتحاد کی رَو اس سرعت سے پھیل گئی کہ اگر یہ دولت مستعجل نہ ہوتی تو قریب تر زمانہ میں برطانوی "امپیریل ازم" کا اگر خاتمہ نہ ہوتا، تو اس کو سخت صدمہ ضرور پہنچتا۔ بنگال کے ایک مشہور وطن پرست بندگ نے صاف صاف کہ دیا کہ "ہندوستان کا آئندہ مذہب اسلام یا اسلام کے قریب قریب ہوگا"۔ قومیت متحدہ کو مضبوط تر بنانے کے لیے مذہب کا سوال دیر سویر پیدا ہونا ضرور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کا احساس یا اس "خطرہ" کا احساس جو ہندو قومیت کو اسلام کے زیر اثر ممکن تھا بعض "قوم پرست اشخاص کو شدّت سے ہو رہا تھا اور اس خطرہ کا سدّباب اسی صورت میں ممکن تھا کہ قوم کے نسلی اور مذہبی جذبات مشتعل ہوں۔ چنانچہ "مالوی۔ مونجے" سکیم سنگھٹن ظہور

میں آئی، جس کا مفہوم عملاً مسلمانوں پر ہر ایک جگہ خاطر خواہ واضح کیا گیا۔ یہ "قومیت متحدہ" کے خواب کی پریشان تعبیر تھی، جس نے مسلمانوں کو چونکا دیا اور مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ہندو ذہنیت کا منشاء یہی ہے کہ قومی منافرت کی خلیج وسیع اور وسیع تر ہوتی جائے۔ "ہندو مہا سبھا" کے سربرآوردہ ارکان نے علانیہ جو کچھ تقریریں کیں اور کر رہے ہیں، وہ کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں اور کانگرس پر قبضہ "ہندو مہا سبھا" کا ہے۔

"ہندو مہاسبھا" کی ابتدائی تاریخ کا علم مسلمانوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا، اس کا پہلا اجلاس لاہور واقعہ پنجاب میں زیر صدارت لالہ لال چند بھنڈاری ایڈوکیٹ ہوا، جو چیف کورٹ لاہور کے جج بھی مقرر ہوئے، مہاسبھا کے پیش نظر مسٹر مکرجی کی کتاب "ایک مرنے والی قوم" (A DYING RACE) تھی۔ اور یہی مہاسبھا کی تشکیل کی محرک ہوئی۔ مسٹر مکرجی نے اعداد و شمار کے رو سے یہ ثابت کیا تھا کہ بنگال میں ہندو قوم کسی روز بالکل ختم ہو جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمان جو اس وقت سے بیس سال پیشتر ہندوؤں سے نصف تھے، بیس سال کے عرصہ میں نہ صرف انہوں نے اپنی کمی پوری کی، بلکہ ہندوؤں سے دُگنے ہو گئے۔ مقابلہ مسلمانوں سے کیا گیا اور اس کا اثر ہندو قومیت کے ذہن پر خاطر خواہ ہوا۔ "مہا سبھا" تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی کہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج، بیوگان کا عقد ثانی، اور اشاعتِ مذہب ایسے امور ہیں جو اُن کی تعداد کو روز افزوں بڑھا رہے ہیں اور یہی تین باتیں ہیں، جو ہندوؤں میں مذہباً ممنوع ہیں۔

"ہندوازم" کا اصل اصول تناسخ ہے، جس کے رو سے جنم نتیجہ ہے پہلے جنم کے کرم کا، اور اسی پر ذاتوں کا اور اعلیٰ اور ادنیٰ کا امتیاز قائم ہے۔ ایک برہمن، خواہ وہ بقول پنڈت جواہر لال نہرو، ناستک ہی کیوں نہ ہو، اپنے پیدائشی حق سے محروم نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ وہ ہندو قومیت کے اندر رہے، یعنی مسیحی یا مسلمان ہو کر اس دائرہ سے باہر نہ ہو۔ ایک شخص جو پیدائشی ہندو ہے۔ خواہ وہ ویدوں کو مانے یا نہ مانے، چوٹی رکھے یا نہ رکھے، زنار باندھے یا نہ باندھے، ہندو ہے، یعنی، ہندو قومیت اذہب کی کچھ ایسی پابند نہیں۔ اس کا انحصار زیادہ تر نسلی امتیاز پر ہے۔ تعجب ہے کہ ایک پیدائشی ہندو جب وہ اسلام قبول کرتا ہے، تو فی الفور برادری سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسلام میں ذاتوں کا امتیاز

نہیں ۔ اس کی بنیاد "اخوت" پہ ہے ۔ بہرحال "ہندو ازم" مذہب ہے، جیسا کہ ہم مسلمان مذہب سمجھتے ہیں، بے نیاز ہے، اور سچ پوچھو تو "دین" سے قطعاً ناواقف ہے ۔ ہندو لغت میں ایک لفظ "دھرم" ضرور ہے ۔ اس کے مفہوم میں جتنی وسعت چاہو، دے سکتے ہو لیکن اس کا مفہوم دین ہرگز ہرگز نہیں، قرآن عظیم کے رو سے "دین" ایک ہی ہے، اور یہ دین الفطرت ہے "لہ اسلم من فی السمٰوات والارض" یہ دین الحق، دین اللہ ہے ۔ یہ دین انسانی اختراع نہیں ۔ قرآن میں دین بصیغۂ واحد ہی استعمال ہوا ہے ۔ بعض مفسرین ایک آیت سے "دین" بصیغۂ جمع سمجھتے ہیں ۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ (۹ : ۳۳ ، ۴۸ : ۲۸ ، ۶۱ : ۹)

"وہی ہے اللہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین الحق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ دین کی کلیت پر آگاہ ہو"

بعض مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ "اس لیے بھیجا تاکہ کل دینوں پر غالب رہے"۔ لیکن یہ صحیح نہیں، "یظھرہ علی الدین کلہ" کا مفہوم یہ ہے کہ دین اپنی کلی حیثیت اور صورت میں آں حضرتؐ پر واضح کیا گیا ۔ آں حضرتؐ سے پیشتر چوں کہ ہر ایک رسول قومی تھا، اس لیے ہر ایک قوم کو اس کی اپنی قومی ضروریات کے مناسب دین کا اتنا ہی حصہ ملا، جو ان کے کافی تھا ۔ آں حضرتؐ کافۃ الناس کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے، اس لیے آں حضرتؐ کو مکمل دین دیا گیا، اور اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ "اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا" (۵ : ۳)

مولانا ابوالکلام آزاد نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "دین ایک ہی ہے" لیکن آپ کا یہ دعویٰ کہ "ایک ہی طرح سب کو دیا گیا" قطعاً غلط ہے ۔ اور اسی غلط فہمی کی بنا پر آپ نے یہ لکھ دیا کہ "بنیادی سچائیاں ہر ایک مذہب میں یکساں ہیں"۔ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے "سچائیاں" بصیغۂ جمع بھی غلط ہے ۔ صداقت ایک ہی ہے اور فطرۃً ایک ہی ہے ۔ اصل صداقت "توحید" اور یہ اسلام کے سوا تمام نام نہاد مذاہب میں قریب قریب مفقود ہے ۔ ہر ایک ملت میں "ارباباً من دون اللہ" ہیں جن کی پوجا کسی نہ کسی رنگ میں ہو رہی ہے ۔ ہر ایک نیکی کا انحصار "توحید" پر ہے ۔ شرک اور کفر نیکی سے بہت بعید ہیں ۔ یہ بحث طویل ہے اور مستقل موضوع ۔

ہم صرف ایک ہی بات پر اکتفا کرتے ہیں۔

آزادی | ہندوستان آزادی کے لیے کس قدر بے قرار ہو رہا ہے اور اس کے حصول کے لیے کتنی "سکیمیں" مرتب ہو رہی ہیں۔ اگر مہاتما گاندھی یا مالوی جی اور خود مسلمان قرآنی آیات میں تدبر کرتے، تو کبھی کے آزاد ہو گئے ہوتے۔ آزادی صحیح معنی میں "توحید" کے تحت ہی ممکن ہے۔ جو شخص اللہ کا بندہ ہوگا، وہ غیر اللہ کا بندہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کچھ شک نہیں، کہ "عبودیت" انسانی فطرت کیا کُل کائنات کی فطرت میں ودیعت ہے۔ عبودیت سے باہر کوئی شے کبھی نہیں ہو سکتی، لیکن جو شخص اللہ کا بندہ نہ ہوگا، وہ ضرور بندوں کا بندہ ہوگا۔ وہ شجر و حجر کو پوجے گا۔ غلامی اس پر مسلط ہو جائے گی، اللہ کا بندہ "خلیفۃ اللہ فی الارض" ہے وہ کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ اس میں تصرف کرتا ہے۔ کائنات کی ہر ایک شئے اس کے سامنے جھکتی ہے۔ ہنٹر نے تاریخ ہند میں ہندو حکومت کے زوال اور مسلمانوں کے عروج کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بتایا ہے کہ "ہندوؤں کی ذہنیت میں غلامی ہے اور مسلمان ان پر حکومت کرتے ہیں، جن کو ہندو پوجتے ہیں۔ اس لیے کچھ تعجب نہیں کہ مسلمانوں نے تھوڑے عرصہ میں ہندوستان پر قبضہ جما لیا" جس آزادی کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے اور کُل عالم انسانی کو دعوت دے رہا ہے کہ:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ	اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، شاید تم پر رحم ہو اور لپکو
وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ	اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کا
عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ	پھیلاؤ کُل کائنات ہے، جو پرہیزگاروں کے واسطے
لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ	تیار کی گئی ہے، جو خوشی اور تکلیف میں خرچ (اللہ
وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَلَی النَّاسِ	کے راستے میں) کرتے ہیں اور غصہ دبا لیتے ہیں اور
وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (ع)	لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"
وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ	اور دنیوی زندگی پر کیا مرتے ہو، جو محض دھوکے کی ٹٹی
سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ	ہے، دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش اور اس جنت
عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ	کی طرف جس کا پھیلاؤ ہے جیسے آسمان اور زمین، تیار
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ذٰلِکَ فَضْلُ	کی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان

اللّٰہُ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ" (۲۹/۱۹) لائے ہیں۔ یہ فضل اللہ کا ہے، عطا فرمائے جس کو چاہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔"

یہ آزادی، اصل آزادی اور انسانیت کے شایان ہے۔

آپ سمجھے کہ یہ جنت کیا ہے، جس میں کُل کائنات سمائی ہوئی ہے، جو پرہیزگاروں اور مومنوں کے واسطے تیار شدہ ہے۔ اس کی تشریح اس آیت میں ہے:

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ" (۴۵/۱۲) اور تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کچھ اپنی طرف سے مسخر کر دیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے آیات ہیں، جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔

یہ دُنیوی زندگی، ادنیٰ زندگی، متاعِ قلیل کیا شئے ہے؟ انسانیت کے شایان یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ فی الارض کی شان پیدا کرے اور کُل کائنات کو اپنے قبضہ تصرف میں لائے۔ لیکن جب تک انسان اس ذہنی ارتقاء تک نہ پہونچے۔ اس نے درمیانی مرحلے بھی طبقاً عن طبقٍ طے کرنے ہیں اور کر رہا ہے۔ وہ کم از کم اپنے فطری حقِ آزادی سے تو محروم نہ رہے اور آزادی ہی سے ہر ایک ترقی وابستہ ہے۔ انسان خود بہ اتباع ہوائے نفس مغلوب و مقہور و محکوم بنتا ہے۔ یہ نہایت درد انگیز عذاب ہے۔ جب اس پر ذلت و مسکنت مسلط ہو، اس کی نجات، توحید اور صرف توحید سے ممکن ہے۔ وہ اللہ کا بندہ بن کر ہر ایک کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔

جناب "رازی" کو جو خطرہ وارد ھا سکیم میں نظر آ رہا ہے، وہ میری رائے میں زیادہ تر خیالی ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق اسلام سے ہے اور اگر یہ خطرہ فی الواقع ہے تو:

اگر خواہی حیات اندر خطر زی
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

میری رائے میں برادرانِ وطن اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی مذہبی عمارت کو گرا رہے ہیں اور اگر واردھا سکیم کامیاب ہو گئی تو ان کی قومیت بھی فنا ہو کر مسلمانوں میں جذب ہو جائے گی۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ضروریاتِ وقت کا احساس ان میں کتنا شدید ہے کہ بیوگان کا عقدِ ثانی، تبلیغ مذہب، جو مذہباً ممنوع تھا، انہوں نے جائز قرار دیا اور اب اس پر

عمل پیرا بھی ہیں اور رفتہ رفتہ ذاتوں کے امتیاز کو مٹا رہے ہیں، اور اپنے دھرم کو جڑوں سے اکھیڑ رہے ہیں۔ "ہندو دھرم" کا ترجمہ دین نہیں ہے، جو ایک ہی ہے۔ ہندو دھرم ہر ایک ذات کا علیحدہ علیحدہ اور مختلف ہے۔ علم و مذہب تو برہمن کا دھرم ہے، تلوار چھتری کا دھرم ہے، دھن دولت کمانا ویش کا دھرم ہے۔ ایک ذات کا دھرم دوسری ذات کا "ادھرم" ہے۔ لیکن اسلام کا خاموش اثر ملاحظہ ہو۔ بظاہر ذاتوں کے نام تو موجود ہیں، لیکن "دھرم" مفقود ہے۔ برہمن شودروں کے کام کرتے ہیں۔ چھتری صنعت و حرفت میں لگے ہوئے ہیں۔ ویش حکومت کرتے ہیں۔ کیا منوجی کے دھرم شاستر کے رو سے یہ ممکن تھا کہ ایک "ویش" مہاتما کہلاتا اور تمام ہندو جاتی کا نظم و نسق اس کے ہاتھ میں ہوتا۔

میں "حضرت رازی" سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے ویدوں یا ژندرا وستا یا انجیل، یا توریت میں مطالعہ فرمایا کہ دین ایک ہی ہے، صداقت ایک ہی ہے اور اختلاف لوگوں نے باتباع ہوائے نفس بغض و حسد و بغاوت کے جذبات کے تحت پیدا کیا اور اس لیے عالم انسانی کو اتحاد کی دعوت سب سے پہلے اور آخر کس نے دی کہ "تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ" آؤ ایک بات پر سب متفق ہو جائیں جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، جس کو تم بھی مانتے ہو اور ہم بھی، وہ بات کیا ہے؟ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" یعنی کہ اللہ کے سوائے کسی کے بندے نہ بنیں اور کوئی شے اس کی شریک نہ ٹھیرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ تسلیم کریں۔ یہ کس نے بتایا کہ ہر ایک امت کے لیے رسول، ہر ایک قوم کا ہادی، اور ہر ایک بستی میں انبیاء و رسول مبعوث ہو چکے ہیں اور اس کے کیا معنے ہیں؟ کیا نبی اور رسول اور ہادی اور مصلح لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے یا ہدایت کے لیے اور کیا تمام دنیا پہلے اور اب گمراہ ہی رہی۔ قرآن تو ان لوگوں کی بھی تعریف فرماتا ہے، جو اہل کتاب میں سے نیک لوگ آں حضرتؐ کے زمانہ میں موجود تھے اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک شخص خواہ اس کی قومیت کچھ ہی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور یوم آخرت پر اور اس ایمان کے مناسب اس کے اعمال نیک بھی ہیں۔ تو "فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! خواہ تم ہو یا اہلِ کتاب ہوں محض تمناؤں سے کام نہیں بنتا۔ جو نیکی کرے گا، نیک بدلہ پائے گا اور جو برائی

کرے گا، اس کا انجام بد ہے۔

البتہ ایک بات اور ہے اور یہی جناب رازی کے ذہن میں غالباً ہے، وہ اسلام کو ایک ایسا ہی قومی یا شخصی یا ملکی مذہب سمجھتے ہیں، جیسا کہ یہودیت یا مسیحیت یا ہندوازم ہے۔ یہ غلط فہمی نامسلمانوں نے پیدا کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کو "محمڈن ازم" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ اسلام من دون اللہ کسی شخصیت سے خواہ وہ آں حضرت صلعم کی کیوں نہ ہو، یا کسی قومیت سے یا کسی ملک سے وابستہ ہے۔ اسلام دین الحق ہے، دین اللہ ہے اور نہ صرف عالم انسانی، بلکہ کُل کائنات کا دین الفطرت ہے "لَهٗ اَسْلَمَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" قرآن میں محمدیت یا احمدیت کی کوئی سند نہیں، ہر ایک شخص خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک کا ہو، اسلام کے دائرہ میں اپنی قومیت اور ملکی خصوصیت سے کنارہ کش ہونے کے بغیر داخل ہو سکتا ہے اور لوگ داخل ہو رہے ہیں۔ یہودیت اپنی قومیت سے باہر معدوم ہے۔ مسیحیت مسیح ع کی شخصیت کے باہر موہوم ہے "ہندوازم" ایک خاص نسل اور ہندوستان سے باہر باطل ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے، جو رب العالمین حی القیوم ہے اور حقیقت ہے اور اس میں باطل کا کسی پہلو سے دخل نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ محمدؐ اگر فوت ہو جائے (جو یقینی امر ہے) یا مارا جائے (جس کا امکان ہے)، تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو روگرداں ہو، وہ اللہ (کے دین اسلام) کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور جو شکر گذار بندے اللہ کے ہیں اُن کو جزا ضرور ملے گی" (۳/۱۴۴)، اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام آں حضرت صلعم کی شخصیت سے وابستہ نہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ آں حضرت صلعم سے پیشتر تمام انبیاء اور رُسل قومی تھے اور آں حضرت صلعم پہلے اور آخری نبی اور رسول ہیں، جو کافۃ الناس کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے اور آں حضرت صلعم کی رسالت کا منشا، تمام عالم انسانی کو متحد کرنا ہے، جو "توحید" کے تحت ہی

سلہ اُمتِ وسطیٰ "جو حسب الارشادِ قرآن آں حضرت صلعم کے زیر نگرانی تیار ہوئی، ایسی اُمت ہے، جو تمام اُمم میں واسطہ و رابطہ (CONNECTING LINK) ہے۔ یہ سلسلہ اُمم کی وہ کڑی ہے جس سے تمام اُمم متحد ہو سکتی ہیں اس کے بغیر ہر ایک کڑی علیحدہ علیحدہ ہے۔ سلسلہ اسی وسطیت سے وابستہ ہے۔

ہے اور یہی وجہ ہے کہ آں حضرت نے اہلِ کتاب کو دعوتِ اتحاد دیتے ہوئے صرف توحید
ط پیش کی تھی اور شرک سے منع کیا تھا، جو اُن کے ہاں بھی مُسلّمات میں سے تھے،
رت نے یہ شرط پیش نہیں کی تھی کہ میری شخصیت پر ایمان لاؤ، حالاں کہ اگر وہ راستی پسند
، تو آں حضرت کی رسالت پر ایمان لانا کچھ مشکل بات نہ تھی۔ اہلِ کتاب خواہ کوئی ہوں،
ہے کہ وہ سب سے پہلے موحد، خدا پرست ہوں، لیکن ہم مسلمانوں کے لیے یہ بھی لازمی
آں حضرت کی رسالت پر ایمان لاتے ہوئے اسلام قبول کریں، جو آں حضرت نے
قرآن پیش کیا۔ دیگر اہلِ کتاب کے لیے یہ شرط اس لیے ضروری نہیں کہ اُن کے پاس پہلے
اب ہے اور وہ کسی نہ کسی کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔

بعض حضرات یہ خیال فرماتے ہوں گے کہ قرآن مجید صرف تورات و انجیل وصحفِ انبیاءً
دیق فرماتا ہے۔ اس میں ویدوں اور ژنداوستا کا مذکور نہیں۔ یہ صحیح، لیکن قرآن حکیم
فرماتا ہے کہ بعض رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض کا نہیں کیا گیا اور جن کا کیا گیا، وہ
ولاً کیا گیا اور ہر ایک بستی میں رسول اور نبی مبعوث ہوتے رہے۔ ان میں سے
ذکر نہیں کیا گیا۔ ہندوستان کو مستثنیٰ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تورات کے دس
احو انجیل و قرآن میں سات ہیں، ہر ایک قوم کی شریعت اور ہر ایک مہذب سلطنت کے
ن کی بنیاد نہیں، لیکن یہ احکام محض "شرع" کی تعریف میں آتے ہیں اور نیک شہری بناتے
جسے "دین" کہتے ہیں، وہ کچھ اور بات ہے اور شرع سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یہ عالمِ
ن کو کُل دیگر عالموں پر حکومت کرنا سکھاتا ہے۔ ابھی تو عالمِ انسانی نے "کارزین"
ست نہیں کیا، عالمِ بالا کی باتیں کرنا کچھ بے محل ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن بلاشبہ عالمِ
ن طبقاً عن طبقٍ ترقی کرتا جائے گا۔ اگر یہ نسل نہیں، تو آئندہ نسلیں اسلام اور قرآن کی
نت عملاً تسلیم کریں گی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمان بھی ایک اُمت ہیں، لیکن شخصی اور قومی اور ملکی امتیازات
لاتر ہیں، مگر اس حیثیت سے کہ کسی ملک میں رہتے ہیں، وہ اہلِ وطن اور قوم کے
سے بے نیاز بھی نہیں ہیں اور ان امور میں وہ اپنی قوم اور وطن کی بہتری اور بہبودی
ے ایسے ہی جان توڑ کوشش کرنے کے مجاز ہیں، جیسے اُن کے ہم وطن اور ہم قوم

ا مسلمان بشرطیکہ اُن کی کوشش اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہو۔ انہیں ہدایت ہے کہ:
لا یجرمنکم شنان قوم ان — اور کسی قوم کی دشمنی کہ تم کو مسجد الحرام سے روکتی تھی تمہیں
سدوکم عن المسجد الحرام ان — اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی زیادتی کرو، نیک کاموں
عتدوا، وتعاونوا علی البر و — اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور حق
لتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان — تلفی اور زیادتی پر تعاون نہ کیا کرو۔

مولانا ابوالکلام نے بہت بڑی حد تک اسلامی نقطۂ نظر اور قرآنی تعلیم کے موافق اور مطابق لکھا اور من حیث القوم جناب "رازی" نے جس خطرہ کو محسوس کیا، وہ بھی بلا وجہ نہیں قرآن کسی کتاب اور کسی مذہب کی مذمت نہیں کرتا، بلکہ تصدیق فرماتا ہے اور یہ بات خاص قرآن کو دیگر کتب مقدسہ سے ممیز کرتی ہے۔ قرآن حکیم لوگوں کی ذہنیت کی اصلاح فرماتا ہے مدہدایت فرماتا ہے کہ اپنی اپنی کتاب پر عمل کرتے ہوئے نیک شہری بنیں اور شر انگیز اختلاف پیدا نہ کریں اور ایک دوسرے کو نہ کہے کہ "تم کسی شے پر نہیں ہو" یہ صحیح ہے کہ "دین" قرآن تعلیم ہی سکھاتا ہے، لیکن دوسری قوموں کے شرع اور منہاج کا احترام کرنا بھی بتاتا ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ و — ہر ایک کو (خواہ وہ اہل تورات ہوں یا انجیل) تم میں سے
منہاجا الآیۃ (۶/۷) — ہم نے ایک دستور (شرع) اور طریق عمل (منہاج) عطا فرمایا ہے"
ور اگر اللہ چاہتا (تمام مختلف شرعیں اور راستے مٹا کر) تم کو ایک اُمت بنا دیتا، لیکن اللہ ا منشاء یہ ہے کہ جو کچھ بھی تم کو عطا فرمایا ہے، اسی میں تمہارے اعمال کا امتحان ہو (تو اے مسلمانو س اختلاف کو جو تمہیں اُمم کی شرع اور منہاج میں مشاہدہ ہوتا ہے، نظر انداز کرو) تم خوبیوں سب سے بڑھ کر لو، سب کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے اور جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو کو جتا دے گا (کہ یہ اختلاف فطری اور عین حکمت کے مطابق ہے)

بلاشبہ یہ عالی شان تعلیم آپ کسی اَور کتاب مقدس میں نہ پائیں گے، لیکن اس کا یہ مفہوم ہیں کہ دیگر کتب مقدسہ کی تکذیب کی جائے، یہ تو اس امتیازی خوبی کا انکار ہوگا، جو قرآن میں پائی تی ہے۔ سچ پوچھو تو یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم قوموں کو دعوتِ اتحاد دیتے اور ایسی قابل قبول شرائط پیش کرتے، جیسا کہ قرآن کرتا ہے اور اگر یہی شرائط کسی اَور قوم کی طرف سے پیش ہوں، تو ایت نا واجب بات ہے کہ مسترد کی جائیں۔

مولانا ابوالکلام نے بالکل سچ فرمایا کہ شرانگیز گروہ بندیاں عالمِ انسانی کے لیے سخت گمراہ کن ہیں اور مانع ترقی ہیں اور بالکل قرآنی صداقت کا اظہار کیا کہ دین ایک ہی ہے۔ البتہ شرع و منہاج ہر ایک قوم کے حالات کے مناسب مختلف ہے، لیکن یہ اختلاف فطری ہے۔ اصل دین پر جن کی نظر ہوتی ہے، وہ اس اختلاف میں نہیں اُلجھتے، بلکہ وہ نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں۔

تشدد اور عدمِ تشدد | خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے تو کوئی ایسا خطرہ ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔ باب دوم میں جناب رازی نے "فلسفۂ زندگی" پر بحث کی ہے یہ وہ فلسفہ زندگی ہے، جو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کیا تھا۔ فلسفہ زندگی کے ضمن میں "ہمسا" اور "اہمسا" پر بحث اسلامی نقطہ نظر سے کی ہے۔ جناب رازی کو یہ تو اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن خون ریزی کو اصولاً نہایت مذموم فعل قرار دیتا ہے: "کسی کا قتل ناحق ایسا ہی ہے، جیسا تمام عالمِ انسانی کا قتل اور کسی جان کی حفاظت ایسی ہی ہے، جیسے تمام عالمِ انسانی کی جان کی حفاظت" (۵/۳۲)، ایسی خون ریزی جو "حرب" نے جائز رکھی ہے اور بحر و بر میں امن سوز فتنہ و فساد بپا کر رہی ہے اور وسیع پیمانہ پر قتال بروئے قرآن سخت مذموم ہے، چنانچہ "حرب" کی مذمت قرآن میں شدت سے کی گئی ہے، جس کا منشا نسلِ انسانی و حیوانی اور کھیتی کی تباہی و بربادی، بندگانِ خدا کے ذرایع زندگی پر تصرفِ بے جا اور ملک خدا میں فتنہ و فساد ہے جس کی تشریح بھی قرآن میں کی گئی ہے (۵/۲)، (۱۴/۶)، میں سمجھتا ہوں کہ "اہنسا پرمو دھرما" کا یہی مفہوم ہے کہ عالمِ انسانی "حرب" کو ترک کر دے، لیکن اگر مہاتما بدھ یا مہاتما گاندھی یا کسی اور کا یہ خیال ہو کہ آتشِ حرب مشتعل ہو رہی ہو اور اسے نہ بجھاؤ، تو ظاہر ہے کہ ایسا خیال کسی ایسے شخص کا نہیں ہو سکتا، جو عقل و فکر سے کام لینا جانتا ہو۔ یہ صحیح ہے کہ "حرب" کا مقابلہ "حرب" سے ناجائز ہے، لیکن قرآنی تعلیم ہے کہ "حرب" کے خلاف جہاد بالنفس اور بالاموال تقویٰ کے ساتھ کرنا اعلیٰ فرض (پرمو دھرما) ہے۔ چنانچہ "حرب" جو قتال فی سبیل المفسدین ہے۔ بروئے قرآن "قتال فی سبیل اللہ" کے سامنے ہتھیار رکھ دے گا اور قتال فی سبیل اللہ بھی اسی حد تک جائز ہے "حتیٰ تضع الحرب اوزارھا" (جب تک حرب ہتھیار رکھ دے) (۴۷/۵)، قتال فی سبیل اللہ مدافعت حرب ہے (۲/۲)، قتال فی سبیل اللہ انسانی

پانی ہے، جو حرب کی آگ کو بجھاتا ہے (پ ۱۴)، قتال فی سبیل اللہ احسان ہے (پ ۲۶) جس نے
غلامی کی موقوفی کا اعلان کر دیا کہ اسیرانِ جنگ، لونڈی غلام نہیں بنائے جا سکتے۔ قرآن
سُود خواری کو بھی "حرب" قرار دیتا ہے (پ ۳)، اور اس میں شک نہیں کہ سُودی روپیہ بہت
کچھ حرب کا محرک ہے، مہاتما گاندھی چوں کہ ایک سُود خوار قوم کے فرد ہیں، اس لیے اس طرف
اُن کی "ستیہ گرہ" کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔

"واردھا سکیم" اگر مضر ہے (اگرچہ ہماری کوتہ نظری اس خطرہ عظیم کے احساس سے عاجز
ہے، جو حضرت رازی محسوس فرما رہے ہیں)، تو اس مضرت کا یہ علاج نہیں کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر
بیٹھے ہیں۔ "میکالے سکیم" کے ساتھ "واردھا سکیم" کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر
کامیاب ہوئی اور جب حکومت اور اختیار ہندوؤں کے ہاتھ میں ہوگا، تو وہ ہر ممکن
کوشش اپنی سکیم کو کامیاب بنانے میں کریں گے۔ مہاتما گاندھی نے حضرت مسیحؑ کی
تعلیم سے "عدم تشدد اور عدم تعاون" کا علم حاصل کر لیا اور ایک محکوم قوم کے
لیے یہی واحد چارۂ کار ہے، تو مسلمان سیدنا مسیحؑ سے اتنا نہیں سیکھ سکتے (اور یہ اُن
کی اپنی گھر کی تعلیم ہے، جس کی تصدیق قرآن بھی کرتا ہے) کہ مسیحؑ نے عدم تشدد قوم کو حکومت
کے مقابلہ میں اس لیے سکھایا کہ قوم میں لڑنے مرنے کی طاقت نہ تھی۔ حکومت کے ساتھ
عدم تعاون نہایت مؤثر حربہ تھا کہ "عدالت کا دروازہ نہ کھٹکھٹا"۔ "پہلے اپنے بھائی کا
قصور معاف کر، پھر تیری قربانی قبول ہوگی" یعنی اپنی قوم کے خلاف غیر قوم کی عدالت
کی طرف رجوع نہ کر۔ لیکن یہ سب باتیں بے محل ہیں۔ ضرورت پڑے دیکھا جائے گا۔

یہ ظاہر ہے کہ کانگرس ان ہی صوبوں میں ہندو راج قائم کر سکتی ہے، جہاں ہندوؤں
کی اکثریت ہے۔ ہندوستان میں ہندو اور مسلم ریاستیں بھی ہیں۔ وہاں ہندو اور مسلمان
زندہ ہی ہیں۔ اگر ہندو اکثریت اپنے صوبوں میں کچھ ایسی ناشائستہ حرکت کرے، تو آخر
صوبے اور بھی ہیں، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ کیا ان کا جواب وہاں نہیں دیا
جا سکتا۔ قصاص مشروع تو ہے، اگرچہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے، کوئی نیکی نہیں۔
اور کیا ان صوبوں میں جہاں ہماری اقلیت ہے، ہماری اکثریت پیدا نہیں ہو سکتی؟
تبلیغ، تعدد ازدواج، بیوگان کا عقد ثانی حسب قرار داد ہندو مہا سبھا بنگال میں اقلیت

کو اکثریت میں بدل چکا ہے، کیا اب یہ ذرائع منقطع ہو چکے ہیں؟

وارودھا سکیم میں "موسیقی" بھی ہے۔ اگرچہ لہو و لعب منع ہے، لیکن اگر "موسیقی" ان مذموم خواہشات سے پاک ہو، تو بُری بھی نہیں۔ اہل تورات و انجیل عبادات میں گاتے ہیں اور صوفی تو اس کے بغیر رہ نہیں سکتے، لیکن تحریک کی جائے، تو مسلمان اس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

وارودھا سکیم میں سو خرابیاں ہوں، لیکن اس میں ایک خوبی ایسی ہے کہ ان سو خرابیوں کو مسلمان بخوشی قبول کر سکتے ہیں اور یہ کہ "چھوت" جو "ہندوازم" کو اسلام سے دُور دُور رکھتی ہے، اُڑ جائے گی۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ مسلمان کافر بنتا ہے یا کافر مسلمان، اور اگر کہیں مالوی جی کو اس عظیم الشان خطرہ کا احساس ہو گیا، تو سر پیٹ لیں گے کہ مہاتما ہندوؤں کی لُٹیا ڈبو کر رہیں گے۔ اس خطرہ کا اعلان بہتر تھا کہ کوئی مہاسبھائی کرتا۔ جناب رازی کی دُور اندیشی سے یہ امر بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔

دُو مفید کتابیں

تحقیق قربانی

ایام حج میں ہندوستان کے مسلمان لاکھوں روپیہ قربانی کی رسم میں ضائع کر دیتے ہیں۔ "تحقیق قربانی" کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ قرآن مجید کی رُو سے قربانی ہم پر فرض ہے نہ واجب۔ موجودہ حالات میں، جب کہ مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات بہت بڑھ گئی ہیں، اس رسالے کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

خاتم النبیین

قرآن مجید کے دس دلائل سے ختم نبوت کا مسئلہ حل کیا گیا ہے۔ اتنی معقولیت، متانت اور پاکیزگی کے ساتھ اس موضوع پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کر کے یقیناً خوش ہوں۔ دونوں کتابوں کے لیے آٹھ آنے کے ٹکٹ بھیجئے۔

ملنے کا پتہ:-

نیجر دفتر اُمّتِ مُسلمہ۔ امرتسر

حساب آمد و خرچ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

۲۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے ۲۳ دسمبر ۱۹۳۸ء تک۔

آمد بلاغ

	پائی	آنہ	روپیہ
میاں محمود علی صاحب لاہور	۰	۰	۲
بابو ذوالفقار علی صاحب	۰	۰	۱
میاں فیملی	۰	۰	۱
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	۰	۲	۱
معرفت مستری تاج الدین صاحب	۰	۰	۲
ایم حسن محمد صاحب لوئر ہافلانگ	۰	۳	۳
میاں علی احمد خان صاحب داشمن بی اے	۰	۰	۱۰
میاں مہر بخش صاحب چاندی والا	۰	۰	۱
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	۰	۲	۱
خلیفہ نور احمد صاحب لاہور	۰	۰	۳
میاں علی احمد خان صاحب داشمن	۰	۰	۱۳
غلام کبریا صاحب امرتسری	۰	۰	۳
منشی دیدار بخش صاحب سرگودہا	۰	۰	۳
"ترجمان"	۰	۰	۳
مستری محمد قاسم صاحب کوئٹہ	۰	۰	۱
بابو عبداللہ خان صاحب	۰	۰	۴
میاں فیملی	۰	۰	۱
متفرق ماہانہ چندے	۰	۲	۳
میزان	۰	۹	۵۶

مسجد فنڈ

	پائی	آنہ	روپیہ
میزان مطبوعہ بلاغ ماہ دسمبر ۱۹۳۸ء	۳ ؎	۷	۱۵۴

	پائی	آنہ	روپیہ
بیگم صاحبہ غازی فیروز الدین احمد	۰	۰	۲
میاں فضل الدین صاحب	۰	۰	۱
منشی .. .. .. صاحب	۰	۰	۲
محمد بشیر صاحب ٹیلر ماسٹر	۰	۰	۱
محمد شفیع صاحب	۰	۰	۱
ماسٹر محمد صدیق صاحب	۰	۸	۰
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	۰	۰	۵۰
خواجہ نواب الدین صاحب	۰	۰	۱
ایک بزرگ از لاہور	۰	۰	۱
منشی قمر الدین صاحب	۰	۱۲	۰
میزان	۳	۱۱	۲۱۴
کتب خانہ	۰	۹	۸
میزان آمدنی	۳	۱۳	۲۷۹
سابقہ بقایا	۳	۷	۳۲۵
کل میزان	۶	۴	۶۰۵

اخراجات

	پائی	آنہ	روپیہ
بلاغ	۹	۸	۹۱
عمارات	۰	۲	۳۷۶
کتب خانہ	۹	۵	۱۱
تبلیغ	۳	۱۴	۸
میزان خرچ	۹	۱۴	۵۰۷
بقایا	۹	۵	۹۷

؎ گذشتہ اشاعت میں مسجد فنڈ کی تمام آمدنی دکھانے کے لیے ۲۰۰ روپے کی سابقہ مشتہرہ رقم بھی شامل کردی گئی تھی۔

سے دن (کے پوست) کو (جب دن کو اس سے الگ کر لیا تو اندھیرا رہ گیا۔ روشنی مثبت ہے اور اندھیرا بمنزلہ صفر) پس جب تو اندھیرے میں پڑے رہتے ہیں (یہ خدا کا بنایا ہوا دائمی دستور بدل نہیں سکتا، نہ رات دن پر بغاوت کرتی ہے، نہ دن رات پر (اور یہی حالت مہر و ماہ بلکہ ہر ایک قدرتی چیز کی ہے)

(۳۸) وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝

اور سورج (ہے کہ) وہ بھی اپنی ہی قرارگاہ کے بیچ چلتا ہے (جو اس کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔ یہاں لام بمعنی فی ہے۔ چھبیس روز میں سورج اپنے محور پر آتا ہے۔ اس کے داغوں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے) یہ ہے اندازہ لگانا اصل غلبے والے، اصل علم والے (خالق کل) کا، (سورج سارے نظام شمسی کو اپنے ساتھ لے کر اس فضا میں چلتا ہے۔ گو سورج کا مستقر منطقۃ البروج ہے۔ کیا معلوم، یہ سورج ختم ہونے والا اور نیا آنے والا ہے یا اور

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۴۷۴) لگ جانا، اندھیرے سے روشنی کا نکلنا سکون سے حرکت کا پیدا ہونا، دانہ بو کر کھیت کاٹنا ہر روز ہمارے تجربے اور مشاہدے میں آتا ہے، مگر عقل و فکر کی ضرورت ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ پھل بیج کے مطابق ہوتا ہے، تو کیا نیکی بدی ہی اپنے مناسب نتائج سے خالی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے آگاہ ہو کہ تمہارے کام بھی نتائج سے خالی نہیں رہیں گے۔ پس فطرت کی مخالفت سے بچو، فطرت تمہاری مخالفت سے رکے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ تم تکالیف سے بچ جاؤ گے۔ ہماری مہربانیوں کا شکر کرو۔ ہمارے دلائل اور نشانات کا محض شرارت اور تقلید کی بنا پر بطلان نہ کرو۔ ہم نے ان ناقابل تردید سندیں تمہارے سامنے پیش کی ہیں۔ مثلاً مردہ زمین کو زندہ کیا، اور اس سے درخت اور پودوں، اور پھل اور اناج وغیرہ کا پیدا ہونا جس سے تم کھاتے ہو، یعنی زہریلی یا دوسری قسم کی جڑی بوٹیوں کو ادویات وغیرہ میں استعمال کرتے ہو اور اس کے علاوہ لاتعداد فوائد حاصل کرتے ہو۔ انگور اور کھجور کے باغات، اور قدرتی ندی نالے آبشاریں اور نہریں، دریا اور چشمے، یہ سب کچھ تمہارے لیے بنا دیا گیا ہے۔ اس میں تمہارا ذرہ بھر اختیار نہیں ہے پھر تمہیں نر و مادہ بنا کر ترقی نسل کے سامان کر دیے اور بھی بہت سے انعامات کیے۔ پس مالک حقیقی کی حمد و ثنا کرو اور سرکشی نہ کرو۔ اس منعم حقیقی کا انکار کیسے کرتے ہو؟ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور بتاؤ کہ ان سامانوں کے بنانے میں تمہارا یا تمہارے آباؤ اجداد کا کتنا حصہ ہے؟ ایسے بے مثل خدا کی طرف۔ نہ در تمہاری واپسی ہے۔

کوئی حقیقت ہے۔ روشن داغوں کے مدھم ہونے سے تغیرات کا صاف پتہ چلتا ہے عزیزو علیم خدا ہی بہتر جانتا ہے)

(۳۹) وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝

اور چاند کا اندازہ لگایا ہم (خدا) نے (اندازہ لگانا) اس کا منزلوں کے حساب سے (ہر ہر برج تیس تیس درجے کا ہے۔ چاند کی قریبًا ساڑھے ستائیس (۲۷½) منزلیں ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ چاند تین سو ساٹھ کا اٹھائیسواں حصہ روزانہ طے کرتا ہے۔ انتیس یا تیس (۲۹-۳۰) دن کے بعد نظر آنا زمین کی گردش یعنی چال کے سبب سے ہے، چنانچہ) آخر کھجور کی سوکھی ٹہنی (زرد رنگ کی تار) کی طرح رہ جاتا ہے (قدرتی کام بڑے عالی شان طریق پر جاری کیے گئے ہیں، ان میں تبدیلی نہیں ہوتی، نہ چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر جوڑا جاتا ہے، نہ کسی کی آستین میں سے گذر کر ہی اپنی جگہ پر آتا ہے اور نہ سورج ہی مغرب سے طلوع ہوگا، و وغیرہ۔ غرض نظام میں فرق نہیں آسکتا۔ ورنہ تمام علوم باطل ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو خدمت جس کے سپرد ہے، وہ مجبورًا اسے پورا کر رہا ہے اور اپنی حد سے ذرہ بھر ادھر ادھر نہیں جا سکتا، جیسا کہ فرمایا:)

(۴۰) لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ سورج کو لائق نہیں کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی اس کی لائنوں میں آ جائے) اور نہ رات دن کے آگے بڑھنے والی ہے اور (یہ) سب (اپنے اپنے مدار (دائرے) میں تیر رہے ہیں (اسی طرح اس نیچر میں سب بندھے ہوئے ہیں۔ ہماری گرفت سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ ہمارے احسانات سے کوئی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ دیکھو! ہماری مہربانیاں کیسی واضح ہیں کہ جب بارش سے مکہ کی وادی میں طوفان آیا تو ہم نے بچوں اور دوسرے عاجزوں کو کشتیوں کے ذریعے اپنی رحمت اور فضل سے بچایا۔ یہ ہمارے وسیع احسان کا تقاضا تھا، اور کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اگر تم لوگ طوفان کی نذر ہو جاتے یا بھری ہوئی کشتیاں ہی الٹ دی جاتیں۔ تو تمہاری آنکھوں دیکھی بات ہے۔ کوئی سنی سنائی کہانی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۴۱) وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝

اور ایک نشانی اُن کے لیے یہ ہے کہ ہم نے اُن کی اولاد کو (طوفان کے موقعے پر) بھری کشتی میں میں اُٹھایا (اور انہیں پانی سے بچا کر اُن کے لیے خشکی میں دوسری سواریاں تیار رکھیں۔ اُن کے ذریعے اُن کے نا مَن تک بخیر و خوبی پہنچایا، کیا اس میں کسی اور کا بھی ہاتھ کام کر رہا تھا یا ہم اکیلے ہی بے پایاں عنایت اور بے اندازہ رحم سے یہ کچھ اکرام فرما رہے تھے؟ اگر ہم نہ بچاتے، تو بتاؤ ایسے حالات میں کون دست گیر بنتا؟ فرمایا:)

(۴۲) وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ اور بنائیں ہم نے اُن کے واسطے (اور سواریاں جانور) کشتی کی مانند، جن پر سوار ہوتے ہیں۔

(۴۳) وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ۝ اور اگر ہم چاہیں، تو اُن کو غرق کر دیں۔ پھر کوئی فریاد رس نہ آئے (اور سب ہمارے حضور پکڑے آئیں) اور نہ وہ کسی کے ذریعے چھڑائے جاتے ہیں۔

(۴۴) إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ مگر رحمت ہماری سے (ہی بچتے ہیں تاکہ نیک بن کر صلاحیت والے کام کریں اور دائمی آرام گاہوں میں رہیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے، تو دنیا تو سرائے فانی ہی ہے، وہ لوگ مر کر کیے کا پھل پالیں گے) اور (دنیا ہمیشگی کی جگہ نہیں، اس لیے یہاں کا) فائدہ ایک وقت تک (ہے۔ آخر پچھتاؤ گے۔ اب موقعہ ہے کہ اپنی اصلاح کر لو، کیا تم کو خبر نہیں کہ تم زمین و آسمان اور ستاروں اور ہواؤں وغیرہ میں ہر طرف گھرے ہوئے ہو۔ پس فطرت کی مخالفت سے بچو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم تکالیف سے بچ جاؤ گے نصیحت پر کبھی تو کان رکھو۔ غور و فکر سے کام لو۔ ضد اور شرارت اور ہٹ دھرمی بہت بُری چیز ہے، جیسے فرمایا:)

(۴۵) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس سے ڈرو، جو تمہارے سے آگے اور تمہارے پیچھے (یعنی نیچر۔ کیوں کہ صحیفۂ فطرت میں انسان کی ہر حرکت محفوظ موجود رہتی ہے اور حساب کے وقت وہ سامنے لائی جاتی ہے اور اس کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ پس خوبیوں والے کام کرو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ لیکن یہ بڑے

سخت دل ہیں بجائے اپنی اصلاح کے حقیقت کا مذاق اُڑاتے ہیں اور بات کو سُن کر اَن سُنی کر دیتے ہیں)

(۴۶) وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ○ اور نہیں آتی اُن کے پاس کوئی نشانی اُن کے (پالنے والے) ربّ کی نشانیوں سے مگر اس (نشان) سے مُنہ پھیر لیتے ہیں (حد ہے کہ یہ لوگ اپنی نوع سے بھی سلوک و ہمدردی کے روادار نہیں، بلکہ طعن کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا:)

(۴۷) وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ اور جب اُن کو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے سے (مستحقین یعنی لاچار، بے یار، یتیم، بیوہ، اپاہج، مسافر اور ضعیف لوگوں پر) خرچ کرو (تو) ناقدردان لوگ ایمان داروں (اور امن پسندوں) کو (بطور طعن کے) کہتے ہیں۔ کیا ہم اُن کو کھلائیں، جس کو اگر اللہ چاہتا تو کھلاتا (اس نے ان کو نہیں دیا تو کیا ہم اُن کی پرورش کر کے خدا کی مخالفت کریں یعنی ایسا نہیں ہو سکتا) نہیں ہو تم مگر صریح گمراہی میں (ایک تو غربا پروری نہ کرنا اور پھر طرہ یہ کہ باتیں بنانا، مثلاً ان کا مومنوں سے یہ کہنا کہ اگر ہمارا یہ وغیرہ اچھا نہیں، تو جس عذاب اور تباہی کا خوف دلایا جاتا، کتنی مدت تک ظہور پذیر ہوگا؟)

(۴۸) وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○

اور کہتے ہیں (اے مومنو!) اگر تم سچے ہو، تو (وہ) وعدہ کب (پورا) ہوگا (ضدی لوگ بجائے نرم ہو کر صلاحیت والے کام کرنے کے اور اکڑتے ہیں اور عذاب کو دعوت دیتے ہیں اور اگر ان کا یہی وتیرہ رہا تو ہم اپنی دائمی سُنّت سے کام لیں گے ہم نے رسولوں کا نمونہ پیش کر دیا ہے۔ یعنی ایک رسول مارا گیا، تو زبردست زلزلہ آیا

جس سے قوم تباہ ہوگئی۔توحید کا انکار کرکے یہ لوگ بھی صیحہ (شدید زلزلے) کا انتظار کر رہے ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ بدکردار ایسی جگہ مارے جائیں گے، جہاں پر انہیں خویش و اقربا کو کچھ کہنے سننے کی مہلت بھی نہ ملے گی اور یہ بالکل بے خانمان ہوں گے۔ ابھی موقعہ ہے کہ اس اچانک گرفت سے بچانے والے کام کریں اور ایسی موت مریں جس سے اُن کو دنیا میں عزت و اکرام حاصل ہو، جیسا کہ اُس نیک شخص کو ملا۔جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہ لوگ شرارت سے باز نہیں آتے، کیوں کہ)

(۴۹) مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ نہیں انتظار کرتے یہ، مگر ایک کڑاکے کا رجو، آ پکڑے گا ان کو جب کہ یہ جھگڑتے ہوں گے (جب بلا آگئی تو پھر وصیت و نصیحت اور اہل کی طرف واپسی کہاں ؟ فرمایا:)

(۵۰) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

پس نہ استطاعت رکھیں گے وصیت کی (کیسے طاقت رکھیں گے جب کہ گھروں میں ہوں گے ہی نہیں۔ یہ لوگ بڑی کس مپرسی کی حالت میں ہوں گے۔ فرمایا:) اور نہ اپنے اہل (وعیال) کی طرف واپس ہوں گے (ایسے شریروں سے ہمیشہ یہی برتاؤ ہوتا رہا ہے اور ہر شخص یا ہر قوم خدا کے حضور پیش ہو کر اپنے کاموں کے مطابق بدلہ پاتی رہی ہے۔ اب بھی ایسا ہی ہوگا)

رکوع چہارم (۵۱) وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ اور قرنا میں پھونکی گئی (یہ استمراری بات ہے۔ یہ کام ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ ارشاد ہے، پھونکا گیا قرنا میں۔ جب پکارنے والا قریب ہی سے پکارتا ہے خوفناک مکروہ چیز کی طرف، کوئی انکار نہیں کر سکتا، پکارنے والے کی پکار کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کے حکم میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی) پس پھر وہ سارے لوگ قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔

(قبروں کے معنے کثیف اجسام کے نہیں ہیں، ورنہ پکارے جانے کے بعد قبریں خالی نظر آئیں۔ سب اپنی اپنی موت کے وقت لطیف جسموں سے یعنی نسمہ و رُوح کے ساتھ، حاضر ہوتے ہیں (کفار کو پہلے برزخ میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اُن کی پیشی ہوتی ہے۔ پیشی سے کسی کو چارہ نہیں اور نہ کوئی واپس ہی آسکتا ہے۔ کفار اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کر کے عزت حاصل نہیں کرتے۔ اس لیے کچھ مدت انہیں برزخ میں رکھا جاتا ہے مؤمن کے لیے یہ لفظ قرآن مجید میں بالکل نہیں آیا ہے۔ الحاصل موت کے ساتھ ہی حاضری ہو جاتی ہے۔ ہر ایک کی پیشی الگ الگ ہے، اگر ایک ہی دن سارے انسان اُٹھیں گے تو ہر ایک کے اپنے ذرات ملنے محال ہیں۔ یہ ذرات تو اَور کام میں لگ گئے ہوتے ہیں اور لطیف چیز پیش ہوتی ہے، جو جہاں کہیں ہوتا ہے، بلا عذر حاضر ہو جاتا ہے)

(۵۲) قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۗ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ بولے، ہم پر افسوس! کس نے ہمیں اٹھایا ہے، ہماری (غفلت کی) خواب گاہوں سے (ہاں یاد آگیا) یہ (وُہی چیز) ہے، جس کا رحمان نے (ہم سے) وعدہ کیا تھا اور (اس وعدے کو لانے والے) رسولوں نے سچ کہا تھا (یہ سچا وعدہ رحمٰن کا تھا اور رسولوں کے ذریعہ سے یہ وعدہ ہم تک پہونچا تھا۔ پیغام بروں پر صرف بلاغ ہوتا ہے۔ یہی حال دو اطاعتوں کا بھی ہے۔ کسی کی رضا کو مقدم جاننا اس کی عبادت ہے۔ غیر اللہ میں یہی چیز ماننا شرک صریح ہے۔

غرض ایک دھماکہ ہوتا رہا ہے پھر سب کے سب تباہ ہوتے رہے اور بگڑے چلے آتے رہے ہیں۔ نیک لوگ بھی بعض دفعہ ساتھ ہی پس جاتے ہیں مگر اجر کے لحاظ سے وہ اعلیٰ مراتب پر پہونچائے جاتے ہیں۔ کسی کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی یا ظلم نہیں کیا جاتا)

(۵۳) اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ

لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ نہیں ہوتا، مگر ایک دھماکا، پس اُس وقت وہ سب ہمارے
سامنے حاضر ہو جاتے (اور کثیف جسم زمین پہ ہی رہ جاتے ہیں۔ لطیف جسم رُوح
کے ساتھ ہوتا ہے اور نیک و بد کاموں کے مطابق ہر روح آرام و تکلیف پاتا ہے۔
کسی نفس پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جاتا۔ ثمرۂ اعمال ہی سامنے آتا ہے اور ہمیشہ
یہی کہا جاتا ہے)

(۵۴) فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پس آج دن (انصاف کا ہے) کسی نفس پر ظلم نہ کیا
جائے گا اور نہ تم بدلہ دیے جاؤ گے (اندھا دھند) مگر (مطابق اس کے) جو کام
تم کرتے تھے (بدی کی سزا اتنی ہی ملتی ہے جتنی بُرائی کی گئی ہو اور نیکیوں پہ
انعامات اور افضالِ الٰہی کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ نیکی
میں کوشاں اور بُرائی سے اجتناب کرے۔ دیکھو نیکوں کی حالت کا نقشہ:)

(۵۵) اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝
بلاشبہ جنت والے لوگ اُس دن خوشیاں کرتے (اور لذت پاتے ہیں اور ہر طرح
خوش و خرم) ہیں

(۵۶) هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝
.. .. .. وہ اور اُن کی (ساتھی) عورتیں بیچ سایوں کے (امن کے
ساتھ) تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں (نہ کہ دوزخیوں کی طرح بے چین ہیں) نہ
ہی وہ درد و کرب کے سبب ایک دوسرے پر لعنت ملامت کرتے ہیں اور مضر اشیائے
خوردنی و نوشیدنی سے اللہ تعالےٰ نے انہیں بچا لیا ہے، بلکہ)

(۵۷) لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ (ان جنتیوں)
کے واسطے اس (جنت) میں (لذیذ) میوے ہیں (نہ صرف یہ بلکہ) اُن کے واسطے
(یعنی جنتی مرد اور عورت کے لیے (ہی ہے) جو بھی وہ مانگیں (اور سب سے بڑھ کر

یہ کہ)

(۵۸) سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ ○ سلامتی، یہ قول رب رحیم کی طرف سے (ہمیشہ سے چلا آیا) ہے (یعنے تم سلامتی میں رہو گے، اس سے نکالے نہ جاؤ گے، بلکہ تم پر اور زیادہ انعامات ہوتے رہیں گے۔ یہ کہنا ہمیشہ سے رب رحیم کی طرف سے ہوتا آیا ہے۔ یہ تو ہوا صالحین کا انجام۔ اب ظالمین مفسدین کو یہ کہا جاتا ہے)

(۵۹) وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ○ اور اے مجرمین، آج (نیکوں سے) الگ ہو جاؤ (رحمان اور شیطان کے پجاریوں میں فرق ہوتا ہے۔ ذلیل اور مکرم میں بہیں تمیز ہو جاتی ہے۔ کیوں نہ ہو، جب کہ ہم نے فطری الہام کے ذریعے اور کتابیں بھیج کر اور صحیفۂ فطرت کی صداقت کے نشان دکھا کر اتمام حجت کر دیا، لیکن پھر بھی شرارتوں سے باز نہ آئے، تو یاددہانی کے لیے فرمایا)

(۶۰) أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ کیا ہم نے تم سے پختہ عہد نہیں لیا تھا کہ اے آدم کی اولاد شیطان کی پوجا نہ کرنا (شیطانی محکمہ میں طالب و مطلوب سب شیطان ہیں) تحقیق وہ (محکمہ) تمہارے واسطے کھلا دشمن ہے اور (یہ بھی تم سے وعدہ لیا ہوا ہے کہ)

(۶۱) وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ میری ہی پوجا کرنا یہی سیدھی راہ ہے (جائز اور مفید کاموں کو خدا کی مرضی کے ماتحت کرنا عین عبادت ہے۔ تمام انبیاء اور دوسرے صلحاء کا یہی مشن رہا کہ خدا کو راضی رکھا جائے صرف اسی خدا کی رضا کو مقدم رکھنا ہی سچی عبادت ہے۔ دو ہستیوں کی مرضی کبھی یکساں مقدم نہیں رکھی جا سکتی۔ اصل رضا ایک ہی ہے، دوسرے مؤید ہوتے ہیں۔ اصل

أفغير الله أبتغي حكماً وهو الذي أنزل إليكم الكتاب مفصلاً



بلاغ

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

امت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

بلاغ

ایڈیٹر: ڈاکٹر چوہدری علم الدین

جلد ۱۶	فروری ۱۹۳۹ء	نمبر ۲

فہرست مضامین

نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ڈاکٹر چوہدری علم الدین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر چھپ کر دفتر امت مسلمہ امرتسر سے شائع ہوا۔

سالانہ تین روپے — فی پرچہ چار آنے

شذرات

(ادارہ)

قربانی

اِس عہد کے مسلمانوں کی ذہنیت دیکھیے، مذہب کے متعلق زمانہ حال کی کسی تحقیق و تنقید سے اُن کے بوسیدہ دماغوں کو قطعاً تسکین حاصل نہیں ہوسکتی۔ وہ عقل و فکر کے مطالبے پر لاجواب ہونا پسند کرلیں گے، لیکن یہ گوارا نہیں کریں گے کہ اُن کے پُرانے مُلّاؤں اور اماموں کے اجتہاد پر کوئی حرف آئے۔ پہلوں نے جو کچھ کہا، اس پر دوبارہ غور کرنا، اُس کی صحت و عدمِ صحت کو علم و تحقیق کی کسوٹی پر کَسنا، اس میں ترمیم و تبدیل کرنا، یہ ساری چیزیں اُن کے نزدیک کفر کا درجہ رکھتی ہیں۔ "ائمہ کبار" کا ایک ایک قول، اُن کے نزدیک قرآن سے کم نہیں، بلکہ ایک حیثیت سے علمائے سلف کا اجتہاد قرآن سے بھی زیادہ محکم ہے، کہ کلام الٰہی میں تو نسخِ آیات اُن کو گوارا بھی ہے لیکن فقہائے کرام کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ قول میں ذرا بھی ترمیم و تحقیق منظور نہیں۔

قربانی کا مسئلہ بھی اُن ہی چند مسائل میں شامل ہوتا ہے، جو عہدِ حاضر کے روشن دماغ مسلمانوں کے نزدیک محتاجِ فکر و نظر ہے

اُمتِ مسلمہ نے حال ہی میں مسلمانوں کے مقلّد دماغوں کو اپیل کرنے کے لیے، ایک مختصر اشتہار ذیل کے الفاظ میں شائع کیا ہے:

"آیہ واتموا الحج والعمرة للہ (الخ) کی تشریح فرماتے ہوئے، حضرت شاہ صاحب مغفور موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ۔

"حج و عمرہ میں قربانی ضرور نہیں، مگر کسی سبب سے یہاں حق تعالیٰ نے تین سبب فرمائے۔ ایک یہ کہ احرام کر کر جو شخص روکا گیا مرض سے یا دشمن سے، تو کسی کے ہاتھ قربانی بھیج دیوے۔ جب مکّے میں قربانی ذبح ہو، تب یہ احرام سے نکلے۔ پہلے حجامت نہ کرے۔ دوسرا یہ کہ آزار سے یا سر کے بالوں سے عاجز ہو کر احرام میں حجامت کرے، تو اس کا بدلا ہے، قربانی

پہنچائے یا تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھلائے۔ تیسرا یہ کہ حج اور عمرہ جدا جدا نہ کرے، ایک ہی سفر میں دونوں ادا کرے، تو قربانی ضرور ہے۔ پھر قربانی پیدا نہ ہو، تو دس روزے، تین حج کے دنوں میں اور سات پیچھے" نیز شاہ صاحب نے اپنے ترجمۃ القرآن ھدیًا بالغ الکعبۃ میں ھدی کے معنی بجائے قربانی کے نیاز لکھے، جس میں نقد و جنس ہر قسم شامل ہے ——

شاہ صاحب کے متذکرہ صدر ارشادات پڑھو اور بار بار پڑھو۔ پھر غور کرو کہ جب حج و عمرہ میں قربانی ضروری نہیں، مگر کسی سبب سے، تو خواہ مخواہ حج کے دنوں میں ہر شہر و قریہ کے ہر مستطیع مسلمان پر قربانی (اور وہ بھی ذبیحہ کی صورت میں) کیوں کر واجب ہو سکتی ہے، بالخصوص جب کہ ۱۰ روزے اور ۶ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی وہی درجہ رکھتا ہے۔

جب کہ ہمارے قومی ادارات بے سرو سامانی کی حالت میں ہوں؟

جب کہ ہمارے یتیم بچے بھوک کے مارے بلک رہے ہوں؟

جب کہ قوم میں لاکھوں بیوائیں نانِ شبینہ کو ترس رہی ہوں؟

جب کہ لکھو کھا بے کار و بے روزگار فرزندانِ توحید مارے مارے پھر رہے ہوں؟

ان حالات میں فارغ البال اور صاحب ثروت مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ قوم کے بے کاروں اور یتیموں کی خبر لیں۔ بیواؤں کی دست گیری کریں، قومی ادارات کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم بنائیں بکرے یا دنبے ذبح کرکے ان کا گوشت برادری میں تقسیم کرنے سے قوم کی حالت ہرگز نہیں سنور سکتی اور جانوروں کی قربانی بحالات موجودہ مسلمانوں کو عروج کی جانب نہیں لے جا سکتی —— کیا ہم اُمید رکھیں کہ دردمند علما اپنے لیے کھالیں حاصل کرنے کی فکر چھوڑ کر حضرت شاہ صاحب کا قرآنی فتویٰ مسلمانوں کو سنائیں گے اور انہیں مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی قربانی کا روپیہ کسی بہترین مقصد میں صرف کریں، جس سے قوم کو کوئی ٹھوس فائدہ پہنچ سکے۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ بے موقع خرچ مت کرو۔ ولا تبذر تبذیرا"

ہم اوپر کے الفاظ پر اس دردمندانہ گذارش کے سوا اور کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتے کہ مسلمانوں کے دینی اخبارات، ائمہ مساجد، مولوی صاحبان اور خصوصیت کے ساتھ علمائے اہل حدیث کے ہاں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحاتِ بالا کا کیا جواب ہے؟

حدیث

خدا کا شکر ہے کہ حدیث کا چہرہ آہستہ آہستہ بے نقاب ہوتا جا رہا ہے اور وہ تمام حجاب جو مدت ہائے

فراڈ ہے، اس کی اصلی اور صحیح تصویر کو ہماری آنکھوں سے اوجھل کیے ہوئے تھے، ایک ایک کرکے اٹھتے جا رہے ہیں ——
لیکن پُرانا تعصب ابھی دلوں سے نہیں نکلا، دماغ ابھی پوری آزادی کے ساتھ سوچنے کے قابل نہیں ہوئے، عقل ابھی پرانے پھندوں سے
آزاد نہیں ہوئی، اس لیے ہمیں اپنے مشن کی تکمیل میں کچھ وقت چاہیے، الزام و اتہام کے برداشت کی قوت چاہیے، صبر و استقلال
اور فکر و تحقیق کی ہمت چاہیے۔ اِن شاء اللہ وہ وقت جلد آ پہنچے گا، جب وحیِ خفی کے بادل چھٹ جائیں گے، اور قرآن کا
تابناک چہرہ اپنی پوری لمعانیوں سے پہلے سے لاثانی نور کے ساتھ جلوہ افروز ہوگا۔

گذشتہ سے پیوستہ اشاعت میں ہم نے احادیث کے متعلق "مدیر نگار" کا نظریہ واضح کیا تھا اور اسی سلسلے میں اعلیٰ حضرت
والیٔ ریاست ... ... کا ایک مکتوب بھی شائع کیا تھا۔ آج ہم آپ کو دارالمصنفین اعظم گڑھ کے مشہور و ممتاز رکن مولانا
عبدالسلام ندوی کے الفاظِ ذیل کی طرف متوجہ کرنے کی مسرت حاصل کرتے ہیں:

> "عام طور پر راویوں نے روایت بالمعنیٰ کی ہے اور پیغمبرؐ کے اصلی الفاظ محفوظ رکھنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے، جس کا نتیجہ
> یہ ہے کہ ہم احادیث کے حروف و الفاظ سے کوئی قابلِ اعتماد مسئلہ مستنبط نہیں کرسکتے۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں احادیث
> کے حروف و الفاظ سے جو مسائل مستنبط کیے گئے ہیں، وہ قابلِ اعتماد اور واجب العمل نہیں ہیں، کیوں کہ جب
> پیغمبرؐ کے اصلی الفاظ محفوظ نہیں ہیں، تو راویوں کے حروف و الفاظ سے نتائج نکالنے کے کیا معنے ہیں؟ (ندیم اکتوبر ۳۶ء)

"دارالمصنفین اعظم گڑھ کی خانقاہ" سے غالباً یہ اپنی قسم کی پہلی آواز ہے۔ ہم اس صدائے حق کا خیر مقدم کرتے ہیں اور مولانا
موصوف کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہ کچھ تو جرأت مندی اور بے باکی کا ثبوت دے دیا: جزاہ اللہ۔

شکریہ احباب

محترم میاں مہر بخش صاحب چغتائی کا اسم گرامی اِن صفحات میں کئی مرتبہ دُہرایا جا چکا ہے۔ آج پھر اُن کے صدق و خلوص
اور مہر و ایثار کا شکریہ ادا کرنے کی ہم اجازت چاہتے ہیں —— پچھلے دنوں آپ نے دفتر امت کو ایک خوبصورت میز تیار کرادی پھر
امت مسلم لائبریری کے نام ایک سہ روزہ اخبار جاری کرادیا، پھر ایک سال کے لیے ایک روزنامہ کا چندہ اپنی گرہ سے ادا فرمایا، مسجد
کے لیے اپیل کی گئی تو آپ نے ۱۰ روپے ایک مرتبہ اور ۲۲ روپے دوسری مرتبہ ارسال فرمائے، آپ اپنا ۱۲ روپے سالانہ چندہ کیمشت
ہمیشہ پیشگی ارسال فرماتے ہیں اور بلاغ کے ساتھ تو گویا آپ کو عشق ہے، ہمیشہ اس کی توسیع اشاعت میں ساعی رہتے ہیں۔ خداوند
پاک اپنے اس نیک اور مخلص خادم کے بے لوث نذرانے قبول فرمائے اور بلاغ کے تمام معاونین کو اُن کی پیروی مثال کی توفیق بخشے۔
محترم میاں علی احمد خاں صاحب دانشمن کی طرف سے دس روپے ماہوار باقاعدگی کے ساتھ وصول ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔
محترم سید حیدر رضا صاحب انسپکٹر کواپریٹو سوسائٹیز شجاع آباد نے پچھلے دنوں بلاغ کے لیے تین جدید خریدار مہیا فرمائے! اسی طرح
محترم میاں غلام صمد صاحب اور میاں منظور الٰہی صاحب جو ہمر ہی ہیں نے بھی دو ایک حباب کو بلاغ کا معاون بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کی توفیق عمل کو برقرار
رکھے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

حسابِ آمد و خرچ اُمتِ مسلمہ امرتسر

۲۴ دسمبر ۳۸ء تا ۲۳ جنوری ۳۹ء

آمدِ بلاغ

اکرم خاں صاحب	عا؍
ملک سلطان خاں صاحب شجاع آباد	سے ۲؍
سید محمد سرور شاہ صاحب فیروز پور	سے ۲؍
شیخ فضل احمد صاحب عثمان کھاٹرن	سے؍
شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے ملتان	سے؍
معرفت مستری تاج الدین صاحب	عہ؍
میاں فیملی	عہ؍
منشی عبدالحفیظ صاحب	عہ؍
ملک غلام رسول صاحب شجاع آباد	سے؍
ملک کریم بخش صاحب ملتان	سے؍
خواجہ رحمت اللہ صاحب	سے؍
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	سے؍
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	سے؍
شیخ غلام محی الدین صاحب دہرم سالہ	سے ۲؍
شیخ محمد ابراہیم صاحب شیخوپورہ	سے ۲؍
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	سے ۲؍
سید مقبول احمد صاحب بی اے	سے ۲؍
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	عہ؍
قاضی ... ... امرتسر	عہ؍
بابو محمد حسین صاحب	سے؍
مولنا طالب صفوی	سے ۲؍
صوبیدار حسین بخش صاحب	سے ۲؍
میاں محمد امین الدین صاحب	عہ؍
ماہوار چندے	عہ؍
میزان	معہ؍

مسجد فنڈ

چودھری نور الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر	عہ؍
منشی جان محمد صاحب	عا؍
ملک محمد صادق صاحب	عا؍
خواجہ محمد شفیع صاحب	عا؍
منشی ... ... صاحب	عہ؍
بیگم صاحبہ غازی فیروز الدین احمد	عا؍
خواجہ رحمت اللہ صاحب	سعہ؍
دین محمد صاحب	۸؍
خواجہ احد اللہ صاحب	صہ؍
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	۲۲ عہ؍
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	۱۰؍
شیخ کریم اللہ صاحب	۶؍
مہر کریم بخش صاحب	۱۲ معہ؍
مستری عمر الدین صاحب	۱۵؍
میزان	۱۲۳ ۱۵؍

کتب خانہ	۱۰ ۱۲؍

لائبریری فنڈ

میاں مہر بخش صاحب چغتائی	۱۲ عہ؍

رکنیت فنڈ	۱۲ ۱۴؍
میزان آمدن	۲۸۶ ۹؍
سابقہ بقایا	۹۶ ۹؍
کل میزان آمدن	۳۸۳ ۱۴؍ ۹پ

مصارف

بلاغ	۴۶ ۴؍ ۹پ
مسجد	۱۵۱ ۱۲؍
کتب خانہ	۱۳؍ ۹پ
تبلیغ	عا؍
میزان	۲۰۳ ۱۴؍ ۳پ
کُل آمدن	۳۸۳ ۱۴؍ ۹پ
کُل خرچ	۲۰۳ ۱۴؍ ۳پ
بقایا	۱۸۰ ۶پ

مَیں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا حسابات صحیح ہیں۔

دستخط:

(بابو) محمد حسین

سکرٹری اُمتِ مسلمہ امرتسر

واجب الوجود

(۵)

(از افادات حضرت خواجہ احمدالدین صاحب رض)

نیکی و بدی کو کچھ نہ کچھ سب انسان سمجھتے ہیں۔ ہم میں طبعی طور پر بدی سے ڈرنے اور نیکی کی امید کرنے کی ایک قوت ہے، جو ہمیں نہایت صفائی سے کہتی ہے کہ تمہیں مظلوموں کی مدد کرنی چاہیے، خواہ اس مدد میں تمہاری جان بھی چلی جائے کسی کی امانت اگرچہ تم نے بے نوشتہ وگواہی لی ہو، واپس دے دینی چاہیے خواہ اس سے بہت سا مال تمہارے ہاتھ سے نکل جائے تمہیں اپنی ماں، بیٹی یا کسی دوسرے شخص کی بیوی کو فاسد نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیے، اگرچہ وہ ضرورت رکھتے ہوئے اور بلاخوف ملے، خواہ اس سے بہت سے آرام اور لذتیں فوت ہو جائیں تمہیں سچ بولنا چاہیے، خواہ اس سے کوئی سزا بھی مل جائے تمہیں کسی کو دھوکا اور فریب نہ دینا چاہیے، خواہ اس سے کوئی فائدہ بھی حاصل ہو جائے۔ تمہیں مستحقین کو خیرات ضرور دینی چاہیے اگرچہ اُس سے مالی نقصان بھی اٹھانا پڑے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ خوف و رجا کی قوت ہم کو ان باتوں کی مخالفت پر ملامت کرتی ہے، دل میں دہشت ڈالتی ہے، کسی سخت نتیجہ سے ڈراتی ہے اور وہ سخت نتیجہ اُس خوف و رجا کے جو انسان ہی کا ایک طبعی رنگ ہے، ہاتھ میں نہیں ہے۔ پھر کیا اس سزا و جزا کی طبعی شہادت سے کسی زبردست سزا و جزا دینے والے منصف حاکم کا ثبوت نہیں ملتا؟ کیا یہ متصور ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ چوروں، زانیوں، خائنوں اور جھوٹوں کو سزا تو ملتی ہو، پر وہاں عاقل اور نیک سزا دینے والا نہ ہو۔ صادقوں، پرہیزگاروں اور امینوں کی یہاں تو قدردانی ہو، پر وہاں ان کا کوئی قدردان نہ ہو؟

پھر دیکھو، مذکورہ بالا طبعی احکام کی صحت میں کسی ذرا سی عقل والے کو بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان احکام میں دنیوی نقصان ہیں، بلکہ بعض صورتوں میں جان بھی جاتی ہے، پس اگر کوئی اور وقت جزا و سزا کا نہیں ہے، تو ان نیکیوں سے، کرنے والے کو بجائے فائدے کے نقد نقصان پہنچتا ہے۔ فائدہ ہے، تو دوسروں کا۔ ان کی خلاف ورزی کرنے والے کو ہی فائدہ ہے۔ پھر جب قیامت نہیں ہے، تو اوروں کو فائدہ پہنچا کے خود جان تک دے دینا بے فائدہ ہوگا لیکن انسانی فطرت اور انتظام عالم اس عقلیانہ ہمدردی کو بھی

بھی بے فائدہ نہیں ٹھہراتے پس جزا و سزا کا عالم ضرور ہے ۔ انسان کی جبلی خواہش یعنی ہمیشہ کے لئے اور زندگی کی طلب بھی اس کی مؤید ہے ۔ سو جب جزا و سزا بعد از وفات لازمی طور پر واقع ہوگی ، تو اس سے بھی وہی نتیجہ نکلا کہ مناسب طور پر جزا و سزا دینے والے حاکم کی موجودگی ضروری ہے اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ غلطی سے ٹھوکر کھا جانے والا معذور ہوتا ہے اور جو دوسرے کو عمداً دھوکہ دے کر تکلیف پہنچائے تو وہ ایذا رسیدہ ، مظلوم اور قابل رحم و حمایت ہوتا ہے اور جو کوئی عمداً مضر حرکت کرے ، تو وہ شریر اور قابل مواخذہ ہوتا ہے ۔ مثلاً ایک شخص نے غلطی سے سنکھیا کھا لیا اور وہ مر گیا ، تو وہ معذور ہے اور ایک نے کسی ظالم کے دھوکے میں آ کر اس کے ہاتھ سے سنکھیا کھا لیا اور مر گیا ، تو وہ مظلوم ہے اور ضرور اس کی حمایت ہونی چاہیئے ، جو اسے مفید ہو ۔ اگر کسی شخص نے عمداً سنکھیا کھا لیا اور مر گیا ، تو وہ شریر ہے یا بزدل اور بے صبر ۔ اب ظاہر ہے کہ غلطی یا دھوکے سے بلا ارادہ و نیت سنکھیا کھانے والا اور عمداً سنکھیا کھانے والا یکساں نہیں ہیں ، لیکن نیچر اس دنیا کی زندگی میں ان میں کچھ فرق نہیں کرتی ۔ ایک ہی طرح سے دکھ دے کر سب کو مار دیتی ہے ۔ دراں حالیکہ فرق ان میں لازماً موجود ہے ، پس ضرور ہوا کہ بعد موت کے اس معذور اور مظلوم اور بے ہمت میں فرق ہو اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی موجود رہیں ، اگرچہ ان کے جسم مٹی ہو جائیں اور ان کو اس فرق نسبت کے مطابق سزا و جزا دینے والا بھی ہو ، اگرچہ وہ اس جزا و سزا کو اسی نیچر میں سے کرے ۔

اور یہ بھی ظاہر ہے ، اگر کسی بیل یا دیگر حیوان مطلق کے آگے خوراک موجود ہو اور اسے بھوک بھی لگی ہو اور اس پر کوئی جبر بھی نہ ہو ، تو اس کا کھانے سے رکنا ممکن ہی نہیں ، لیکن انسان ایسی حالت میں بلا جبر اپنی مرضی ہی سے کسی نہ کسی قدر رک سکتا ہے ، جس سے بیل کا مجبور ہونا ثابت ہے ، اور انسان کا کسی قدر آزاد و مختار ہونا پایا جاتا ہے ۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ ذرات مادہ و دیگر قوٰی و قابلیات مجبور محض ہیں ۔ ان میں سے جو خاصے ہیں وہ ایک ہی طرح پر ہمیشہ چلتے رہتے ہیں ۔ ان میں کسی قسم کا اختیار نہیں ہے کہ موقعہ پہنچنے پر اپنی مرضی کو برت سکیں ۔ چاہیں وہ کام کریں ، چاہیں عمداً رک رہیں ۔ پس انسان میں جو اختیار ہے ، وہ ان کا نتیجہ نہیں ہے ۔ اس سے بالتصریح روح انسانی کا پتہ چلتا ہے ، جو مادہ سے غیر ہے اور جیسا کہ دیگر مفردات کبھی نیست نہیں ہوں گی ، اسی طرح یہ بھی نیست نہیں ہوگی ۔ بلکہ پس از مرگ قائم رہے گی اور اپنے

نیک و بد اعمال و نیات کا بدلہ پائے گی۔ یہ بھی جزا و سزا کے وقوع پر صریح دلیل ہے۔ اور جزا و سزا کے لیے کسی ایسے حاکم کی ضرورت ہے، جو خود بھی جزا و سزا پر قادر ہو۔

پھر دیکھو، ایک ہی آدمی ایک ہی وقت میں ایک ہی جہت سے کافر و مومن یا صادق و کاذب یا محب و دشمن یا ایک بات کا جاننے والا اور اُسی سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ مادہ جو قابل تقسیم ہے، اُس کے حصے ایک ہی وقت میں مختلف رنگوں سے رنگے جا سکتے ہیں پس آدمی میں کوئی ایسی مفرد چیز ضرور موجود ہے (جس کا نام خواہ ایک قسم کا مادہ رکھو یا روح، کیونکہ ناموں سے کوئی بحث نہیں ہے) جو ذرّات مادہ کی طرح قایم رہے گی اور جو کافر و مومن، صادق و کاذب، محب و دشمن، عالم و جاہل اور نیک و بد بھی بن سکتی ہے۔ پس ان اثرات کے جو نتائج ہیں وہ اُن سے گریز نہیں کر سکے گی، یعنی، اُس پر ضرور سزا و جزا کا وقوع ہوگا۔ اس وقوع سے جزا و سزا کے اندازے لگانے والے کا صریح علم ملتا ہے۔ (باقی)

مسجد

اُمتِ مُسلمہ بلڈنگس میں جو مسجد زیر تعمیر ہے، اس کے لیے بعض حضرات نے دل کھول کر حصہ لیا ہے۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔ نقد چندہ دینے والے بزرگوں کے علاوہ جن دوستوں نے عمارت کے لیے مسالہ مہیا فرمایا ہے، اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

چودہری خدا بخش صاحب	۵۰۰ خشت
سید بہادر علی شاہ صاحب	۲۰۰ خشت
بیگم صاحبہ میاں حسام الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ مرحوم	ایک ہزار خشت
میاں محمد الدین صاحب	پچاس فٹ چونہ
میاں نذیر احمد صاحب ایم اے پلیڈر	ایک ہزار خشت

(خواجہ) ضیاء اللہ

قربانی

(جناب مولانا تمنا عمادی مجیبی، پھلواروی)

مضمونِ ذیل میں محترم مقالہ نگار نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آئندہ ماہ رسالہ "تحقیقِ قربانی" کے متعلق بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایئں گے۔ ہمیں اور تمام ناظرین "بلاغ" کو اس مضمون کا انتظار رہے گا۔

ایک اہم مضمون جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر کا اسی موضوع پر زیرِ نظر پرچے میں شائع ہو رہا ہے۔

ہماری تمنا ہے کہ بحث و تحقیق کا یہ سلسلہ باہمی احترام کے ساتھ منشائے الٰہی کے مطابق اختتام پذیر ہو۔ (ایڈیٹر)

علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری سے گو مجھے شرفِ لقا حاصل نہیں، مگر بذریعہ مراسلات تعلقات ...مانہ رہے ہیں۔ میں آج تک اُن کی بے حد قدر کرتا ہوں، اُن سے حُبّ فی اللہ رکھتا ہوں اور اپنا ایک ...م بھائی سمجھتا ہوں۔ اسی طرح شمس العلماء مولانا حافظ محبّ الحق صاحب سے ہم وطنی کے باعث ایک ... سے تعلقات آمد و رفت ہیں۔ اُن سے بھی حُبّ فی اللہ ہی ہے اور انہیں بھی ایک بزرگ بھائی جانتا ...ھتا ہوں۔ ——— شمس العلماء کے خلاف مولانا ثناء اللہ اخبار اہلِ حدیث میں مدّت سے لکھتے ...ے اور لچر اور پوچ لکھتے رہے، پھر آج کل رسالہ الاصلاح میں بھی برابر ان کے خلاف مضامین چھپ ...ے ہیں، مگر نہ میری رفاقت کی ضرورت شمس العلماء کو پیش آئی کہ وہ مجھ سے اس کی خواہش ظاہر ...یں، نہ مجھے ان کی خوشامد میں اظہارِ رفاقت کی سوجھی۔ البتہ دو مخلص اور محترم رفیقوں میں اختلاف ...ھ کر رہا نہ گیا، اور قلم اٹھایا۔ اگر یہ قبل سے معلوم ہوتا کہ شمس العلماء بھی کچھ لکھ رہے ہیں، تو میں ہرگز ...لکھتا۔ اُن سے باتیں ضرور ہوئیں، مگر انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا کہ وہ جواب لکھیں گے، ورنہ میں نے ... وقت یہ ارادہ کیا تھا کہ اُن پر ظاہر کر دیتا۔ اگر اُن کو بھی یہ معلوم ہو جاتا کہ میں علامہ کے مضمون پر کچھ ...وں گا، تو یقیناً وہ خود کچھ نہ لکھتے، مگر زبانی کچھ باتیں مبادلۂ خیالات کے طور پر ضرور ہوئی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ میرے اور اُن کے مضمونوں میں بعض خیالات کا بالکل اتحاد معلوم ہوتا ہے اور سوءِ اتفاق سے ہم دونوں یہی سمجھے کہ حضرت علاّمہ کوثر کے معنی نہر کوثر سمجھ رہے ہیں۔ یہ غلط فہمی کیوں پیدا ہوئی؟ اس کا تعلق محض وجدان سے ہے۔ یہ یاد نہیں کہ شمس العلماء کے ذہن میں یہ بات پہلے آئی تھی یا میرے ذہن میں۔ اُنہوں نے مجھ سے فرمایا، یا مَیں نے اُن سے کہا، مگر ایک سرسری مطالعۂ مضمون سے ایک کے ذہن میں جو یہ بات آگئی اور اُس نے دوسرے سے کہہ دیا، تو دونوں ہی اس غلط فہمی میں مبتلا رہ گئے۔ اس وجدانی غلطی کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ علاّمہ نے ہر جگہ کوثر کو مؤنث ہی استعمال فرمایا ہے۔ حالاں کہ کوثر اُردو میں بالاتفاق مذکر ہے۔ برق کا شعر ہے:

موج زن آبِ گہر ہنسنے میں کیا دانتوں سے ہے
شکلِ دریا کوثرِ فردوسِ اعلےٰ بڑھ گیا

شاید یہ خیال میں آگیا کہ حضرت علاّمہ نے کوثر کو ایک "نہر" سمجھ کر مؤنث لکھا ہے جس طرح فرات، سویز وغیرہ مؤنث ہیں۔ پھر علاّمہ کوثر کو ایک ایسی مخصوص و متعین چیز قرار دیتے ہیں، جو صرف رسول اللہ صلعم ہی کو مل سکے اور اُمت کے کسی فرد کو اُس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے اس وجہ سے یقیناً علاّمہ کے نزدیک بھی کوثر سے مراد حوضِ کوثر یعنی وہ جنّت والی نہر ہی ہے، جیسا کہ روایتوں میں ہے۔ بہرحال میں حضرت علاّمہ سے اپنی اس غلط فہمی پر ندامت کے ساتھ معافی چاہتا ہوں اور چوں کہ علاّمہ نے شمس العلماء کی رفاقت میں مجھے ساں ہی لیا ہے، اس لیے شمس العلماء کی طرف سے بھی اس طلب درگذر میں حقِ رفاقت ادا کرتا ہوں۔ یقیناً شمس العلماء کو اس پر خواہ مخواہ کا اصرار نہ ہوگا۔

مگر حضرت علاّمہ کا اپنے مضمون کے آخر میں یہ تحریر فرمانا کہ "ان حضرات کو بلا وجہ بھی یہ الزام دینا اس وجہ سے ضروری معلوم ہوا کہ کوثر کا جو مفہوم انہوں نے سمجھا ہے، اُس کو امت کے سامنے پیش کر سکیں، یعنی خیرِ کثیر" مجھے اپنے محترم بھائی حضرت علاّمہ سے یہ سخت شکایت ہے کہ وہ سوءِ ظن سے بہت کام لیا کرتے ہیں۔ پہلے تو مجھ پر رفاقت کا اور شمس العلماء پر ایک دوسرے کو رفاقت میں لانے کا الزام دیا۔ پھر ہم دونوں پر یہ ایک دوسرا الزام دے رہے ہیں اور یہ دونوں الزام محض سوءِ ظن پر مبنی ہیں۔ کیا ان بعض الظن اثم علاّمہ کو یاد نہیں؟

پھر یہ لکھنا کہ کوثر کے معنی 'خیرِ کثیر' ہم لوگ سمجھے ہیں، کس قدر غلط ہے! ہر تفسیر اور ہر لغت

کی کتاب میں یہ معنی لکھے ہیں جس کی متعدد سندیں بھی ہم نے دے دی ہیں۔ اس کے بعد علامہ کا ارشاد ہے "حالاں کہ یہ ذخیرِ کثیر، حوض سے بھی زیادہ بے ثبوت اور حقیقت سے بالکل بعید ہے" میری پیش کردہ سندوں کے باوجود بے ثبوت کہہ دینا کہاں تک صحیح ہے، ناظرین خود سمجھیں اُن سندوں کی تردید کیجیے۔ بے ثبوت نہ فرمایے۔ "حقیقت سے بالکل بعید ہے"، یہ بھی ایک دعوٰے ہے اور بالکل بے ثبوت۔ آخر اس معنی صحیح اور حقیقت سے بالکل قریب ترکو آپ اب تک چھپائے ہوئے کیوں ہیں؟ قرآن پاک کے کسی لفظ کے معنی جو آپ ہی کو معلوم ہیں اور سارے مفسرین وارباب لغت و محاورات عربیہ اس کی حقیقت سے بالکل بے خبر رہے اور آپ کے نزدیک وہی معنی صحیح ہیں، جو آپ ہی کو معلوم ہیں، تو آپ کا فرض ہے کہ آپ فوراً اُن کو شائع فرما دیجیے، تاکہ عامۃ المسلمین اس آیت کا صحیح مفہوم اور "حقیقت سے بالکل قریب تر" معنی سمجھ لیں، ورنہ اس کتمانِ حقیقت پر تو قرآن پاک کی سخت وعید ہے۔ الّذین یکتمون ما انزلنا من البیّنٰت والھدٰی من بعد ما بیّنّٰہُ للنّاس اولٓئک یلعنھم اللّٰہ ویلعنھم اللّٰعنون ٥

آمدم برسر مطلب! حضرت علامہ نے شمس العلماء کے مضمون پر جو تعاقب بلاغ ماہ جون ۳۵ء میں شائع فرمایا ہے، اس میں سب سے پہلے تین الزامات شمس العلماء پر عائد کیے۔ جن میں سے پہلا الزام خواہ مخواہ شمس العلماء پر تھوپ کر تعاقب کی جان پیدا کر لی گئی ہے اور سارا مدار تعاقب و اعتراض کا اسی ایک الزام غلط پر ہے۔ وہ یہ کہ شمس العلماء فرماتے ہیں کہ "صَلِّ کے معنی بقرعید کی نماز پڑھ اور انحر کے معنی بقرعید میں قربانی کر" تم جو کہتے ہو، وہ دکھاؤ، کہاں سے ثابت ہے؟ حالاں کہ غریب شمس العلماء نے ہرگز یہ نہیں کہا۔ میں نے اپنے مضمون میں صاف صاف اس کی تردید کر دی ہے، مگر آج بھی اس آخری مضمون میں کچھ اور زور دار بنا کر پھر یہی سوال پیش کیا گیا ہے کہ "ہمارے آپ کے متفقہ اصول کے مطابق قرآن کی تشریح قرآن ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ آیات لکھیے، جن میں یہ علق مقید کیے گئے ہوں، یعنی صلوٰۃ کے معنی صلوٰۃ عید اور نحر کے معنی بقرعید کی قربانی کے ہو گئے الخ" غرض علامہ کے تعاقب میں تان کی جان بس یہی ایک چیز ہے کہ شمس العلماء پر یہ تھوپا جائے کہ انہوں نے یہ کہا ہے صَلِّ کے معنی عید کی نماز پڑھ اور انحر کے معنی بقرعید کی قربانی کر اور وہ نہ لغت سے ایسا ثابت کر سکتے، نہ کھلم کھلا قرآن کی کسی آیت میں اس کو دکھا

سکتے۔ بس شمس العلماء ہارے اور علامہ جیتے اور ساڑھے تیرہ سو برس کی سُنّتِ جاریہ متواترہ کی جڑ کٹ کے رہ گئی اور پھر آئندہ چل کر اسی اصول پر صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ کی جڑیں بھی رفتہ رفتہ کاٹی جائیں گی۔

مَیں نے مذکورہ الزام کا جواب وضاحت سے اپنے مضمون میں دے دیا۔ اعادہ باعثِ طوالت ہے۔ البتہ مزید تشریح کچھ اور کیے دیتا ہُوں۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور (کسی بہیمہ کو) حلال کر۔ بے شک یہ حکم مطلق ہے، عام ہے، ہر روز ایسا کر یا ہر مہینے، یا ہر سال، یا زندگی میں صرف ایک ہی بار، صلوٰۃ و نحر ساتھ ساتھ ہو، یا تفریق کے ساتھ، تفریق بھی کتنے فرق کے ساتھ، یہ بھی مطلق ہی ہے۔ اپنے گھر پر یا مکہ پہنچ کر یا کسی مسجد یا میدان میں، یہ بھی مطلق ہے۔ بے شک یہ حکم تو بالکل مطلق اور اس کے اطلاق عام کو ہر طرح کی تقلید سے مکمل آزادی حاصل ہے، جیسے ہندوستانیوں کو رام راج میں حاصل ہوگی، مگر کیا کوئی متنفس اس اطلاق عام والے حکم کو اسی طرح مطلق عام رکھتے ہوئے عملی جامہ پہنا سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

جب کوئی صورتِ عمل اختیار کی جائے گی، تو وہ یقیناً ایک ہی صورت ہوگی، جو دوسری صورت سے مختلف ہی ہوگی اور پھر تعمیل کے وقت تقیید مع التخصیص پیدا ہو کر رہے گی اور وہ حکم اپنے اطلاق عام کی حالت میں باقی نہ رہے گا اس لیے یہ حکم کی خلاف ورزی ہو جائے گی اور تعمیم کی بے جا تخصیص اور اطلاق کی غلط تقیید ہو جائے گی۔

اگر یہ کہا جائے کہ کوئی اس طرح، کوئی اُس طرح، غرض ہر ممکن صورت پر کوئی نہ کوئی عمل کر دے، تاکہ ہر صورت پر عمل ہو کر حکم کی تعمیم اس کے پورے اطلاق کے ساتھ اپنی جگہ پر باقی رہے، تو مَیں کہوں گا کہ اوّل تو یہ بھی ایک شکل معیّن ہی ہوگی کہ ہر بجا آرندۂ حکم کی صورتِ عمل دوسرے سے مختلف رہے۔ جو اُمّت میں تشتّت و انتشار کا باعث بھی ہو اور آج کل پر ٹلتے رہنے کا ذریعہ بھی اور اس پر بھی وہ اطلاق عام جو بہ مرتبۂ لا بشرطِ شئی اصل حکم میں تھا، خنجرِ تقیید سے نحر ہو کر ہی رہا۔

اس لیے یہ مطالبہ کہ ایک حکم عام و مطلق کی بجا آوری کے وقت جو صورت تقیید و تخصیص پیدا ہو جاتی ہے، اُس کو بھی کسی نص صریح سے ثابت کرو، ایک کھلا ہُوا مکابرہ ہے۔ اگر وہ صورت تقیید و تخصیص نص صریح سے ثابت ہو جائے، تو پھر وہ حکم عام و مطلق ہی کب رہے گا۔

باقی رہا یہ امر کہ اُس مخصوص صورت عمل کے اختیار کرنے کا حق آیا پہلے پہل صرف رسول

صلعم ہی کو ہے، یا رسول صلعم اور سارے مسلمین اس میں برابر ہیں، تو یہ ظاہر ہے کہ رسول صلعم اسی لیے مبعوث ہوئے کہ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ یعنی، مومنین کو کتاب اللہ، حکمت کی تعلیم کر دیں اور طریقۂ تزکیۂ نفس بتا دیں، تو جب کتاب اللہ کی تعلیم رسول صلعم ہی کے ذمہ ہے، تو پھر اُمت تعلیمِ نبوی سے مستغنی کیوں کر ہو سکتی ہے؟ جس حکم عام و مطلق کی جو صورتِ عمل رسولؐ نے اختیار کر لی، اُمت کو اُس صورت سے اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں، کیوں کہ رسول صلعم معلّم من اللہ ہیں۔ اُن کی ہر تعلیم کی صحت کی ذمہ داری خود اُس پر ہے، جس نے اُنہیں مبعوث کیا۔ اُمت پر اطاعتِ رسول من جانب اللہ فرض کی گئی ہے اور رسول صلعم مطاعِ اُمت من جانب اللہ ہی مقرر کیے گئے ہیں۔

وجوہِ بالا کی بنا پر جب مَیں دیکھتا ہوں کہ آخر رسول صلعم نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے حکم کی تعمیل فرمائی، تو اسی نماز بقرعید و اضحیۂ بقرعید ہی کے ذریعہ فرمائی اور اس کے خلاف کوئی نکیر بھی قرآن پاک میں موجود نہیں ہے۔ اس لیے یقیناً و قطعاً اس حکم کی تعمیل منشائے الٰہی کے مطابق اسی طرح ہو سکتی ہے جس طرح رسول صلعم نے کی اور عہدِ نبویؐ سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برسوں سے علیٰ سبیل التواتر سارے مسلمان کرتے چلے آ رہے ہیں۔

علامہ نے کوثر کے معنی حوضِ کوثر کی بحث کو تو خارج از بحث تسلیم کرتے ہوئے بھی چھیڑ دیا اور اس کے علاوہ بھی خارج از بحث باتیں چھیڑیں اور جو باتیں خود اپنی پہلی تحریر تعاقب میں بنائے اعتراض کے طور پر پیش کی تھیں، سب کو موضوع سے خارج قرار دیتے ہوئے، سب کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی، حالاں کہ انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس اعتراض کا صحیح جواب مل گیا تھا، اس کی صحت کا اعتراف کر لیا جاتا۔ علامہ نے کہا تھا کہ سورۂ کوثر مکہ میں اُترا اور یہ اس بحث میں بہت اہم نکتہ تھا، مگر مَیں نے دکھا دیا کہ یہ دعوے غلط ہے اور سورۂ کوثر مدنی ہے، تقریباً ۸ھ میں اس کا نزول ہوا۔ علامہ نے فرمایا تھا کہ نحر کے معنی فقط اونٹ حلال کرنے کے عربی میں ہیں۔ مَیں نے عربی لغت و محاورہ سے ثابت کر دیا کہ یہ غلط ہے۔ ہر جانور کو نحر کر سکتے ہیں، جس طرح ہر جانور کو ذبح کر سکتے ہیں۔ گردن کے اوپر والے حصہ پر چھری چلے، تو ذبح کہیں گے اور نیچے والے حصہ پر چھری چلے تو نحر کہیں گے۔ اونٹ نحر ہی کیا جاتا ہے، اس لیے اونٹ کے لیے نحر مخصوص ہے۔ نحر کو اونٹ کے لیے مخصوص کرنا "لزوم" اور "ملازمت" کے معنی سے بے خبری کی دلیل ہے۔ علامہ نے فرمایا تھا کہ سورۂ کوثر کے نزول کے وقت جمعہ کی نماز تک فرض نہیں ہوئی تھی، نہ نماز عید، کیوں کہ اس کا نزول سب سے قبل ہے۔

[illegible] مسئلے کی تنقید کی [illegible] دی۔

[illegible] گزشتہ [illegible] نے پیش کی تھیں [illegible] بیٹھے۔ ہم نے سب کو دلائل [illegible] روشنی میں [illegible] کر دیا [illegible] جن پر بحث تھیں، [illegible] ہوگئیں یعنی کہ سب کا جواب مل گیا۔ بے شک [illegible] مل گیا تو اب ضرور [illegible] ہوگئیں [illegible] جواب کا [illegible] نہیں [illegible] بحث [illegible]۔

[illegible] رسالہ [illegible] قربانی کے متعلق [illegible] ہوں گا۔ [illegible] [illegible] ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

[illegible] صاحب [illegible] جناب کا مضمون بھی [illegible] جو لوگ قرآن و حدیث سے باخبر ہیں اور عقلی و شرعی دلائل جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور لوگ اس مسئلہ قربانی پر غور کر [illegible]
سمجھنے کی کوشش [illegible]
وَلَا تَقْفُ مَا [illegible]
قرآن کا علم [illegible]

قُربانی

حسبِ فہم اہلِ کتاب و مشرکین دنیاء اسلام میں کسی مقام پر جائز نہیں!

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

قربانی پر حضرت عرشی نے اتنا ہی لکھا تھا کہ قربانی صرف ایامِ حج میں مکہ معظمہ ہی میں جائز ہے۔ میں کہتا ہوں۔ از روئے قرآنِ عظیم وہاں بھی جائز نہیں۔ قربانی حسبِ فہم اہل کتاب و مشرکین دنیاء [illegible]ی مقام پر جائز نہیں۔ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں، جس سے قربانی کا مفہوم یا جواز حسبِ عقیدہ غیر اہلِ قرآن واضح ہو۔

میں نے حضرت عرشی سے وعدہ کیا تھا کہ قربانی پر اُس وقت کچھ لکھوں گا، جب مخالف وموافق مضامین شائع ہو جائیں گے اور زبانی یہ بھی کہہ دیا تھا، جو جناب سید مقبول احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے اور بلاغ دسمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکا ہے کہ قربانی لفظ عربی [illegible] اہلِ کتاب کی ہے۔ جہاں کہیں قرآن مجید میں ذبیحہ کا مذکور ہے، وہاں یہ لفظ استعمال [illegible]ف صاف لفظوں میں ارشادِ الٰہی ہے کہ حیوانات کا خون اور گوشت اللہ تک [illegible] تقویٰ کام آتا ہے، تو ظاہر ہے کہ گناہوں کا کفارہ جو قربانی کا مفہوم ہے، قرآنی تعلیم [illegible] تو یہ ہے کہ خود اہلِ کتاب کے نبیوں اور رسولوں نے بھی یہی کچھ کہا، جو قرآن کا [illegible] "قرب"، کہ قربانی سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل نہیں ہوتا۔

[illegible] "قربان" تین مقامات پر استعمال ہُوا ہے:

[illegible] اِلَیْنَا اَلَّا [illegible] یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ — وہ (بنی اسرائیل) جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ کسی رسول پر ایمان نہ لانا، جب تک وہ سوختنی قربانی

مَیں نے اس کی بھی تغلیط کی جھلک دکھادی۔

غرض یہ کہ متعدد باتیں علامہ نے پیش کی تھیں اور متعدد دعوے کیے تھے۔ مَیں نے سب کو دلائل وبراہین کی روشنی میں غلط ثابت کر دکھلایا، تو اب وہ سب باتیں جو پہلے عین مدارِ بحث تھیں، خارج از بحث ہوگئیں، کیوں کہ سب کا جواب مل گیا۔ بے شک چوں کہ جواب صحیح مل گیا، تو اب ضرور خارج از بحث ہوگئیں، لیکن صحیح جواب کا تسلیم کرلینا تو خارج از بحث نہیں، یہ تو عین اصولِ بحث ونظر ہے۔

یہ میری آخری تحریر اس موضوع پر حضرت علامہ کو مخاطب کرتے ہوئے ہے۔ اب میں رسالہ "تحقیق قربانی" کے متعلق بلاغ کی آئندہ اشاعت میں اِن شاء اللہ تعالیٰ کچھ لکھوں گا۔ اس طرف بہت سی اہم شخصیتیں ہیں۔ وما توفیقی اِلّا باللہ۔

آخر میں جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے سے بصد ادب التجا ہے کہ جناب کا مضمون بھی ہمیں نے پڑھا۔ جو لوگ قرآن وحدیث سے باخبر ہیں اور عقلی وشرعی دلائل جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، وہ لوگ اس مسئلہ قربانی پر غور کر رہے ہیں۔ آپ جانبین کے مضامین پڑھیے اور دیانت وانصاف سے سمجھنے کی کوشش فرمائیے اور خود سوال وجواب کے میدان میں نہ اتر آئیے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ آپ بی اے ضرور ہیں، مگر علوم دین سے یعنی قرآن پاک ولوازماتِ قرآن کا علم نہیں رکھتے۔ وما علینا اِلّا البلاغ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ؏

قُربانی

حسبِ فہم اہلِ کتاب و مشرکین دنیاءِ اسلام میں کسی مقام پر جائز نہیں!

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اخترؔ بی اے)

قربانی پر حضرت عرشی نے اتنا ہی لکھا تھا کہ قربانی صرف ایامِ حج میں مکہ معظمہ ہی میں جائز ہے۔ میں کہتا ہوں، از روئے قرآنِ عظیم وہاں بھی جائز نہیں۔ قربانی حسبِ فہم اہل کتاب و مشرکین دنیاء اسلام میں کسی مقام پر جائز نہیں۔ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں، جس سے قربانی کا مفہوم یا جواز حسبِ عقیدہ غیر اہلِ قرآن واضح ہو۔

میں نے حضرت عرشی سے وعدہ کیا تھا کہ قربانی پر اُس وقت کچھ لکھوں گا، جب مخالف و موافق مضامین بلاغ میں شائع ہو جائیں گے اور زبانی یہ بھی کہہ دیا تھا، جو جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے نے چند سطور میں تحریر فرمایا ہے اور بلاغ دسمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکا ہے کہ قربانی لفظ عربی ہے اور یہ اصطلاح اہلِ کتاب کی ہے۔ جہاں کہیں قرآن مجید میں ذبیحہ کا مذکور ہے، وہاں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا اور جب صاف صاف لفظوں میں ارشادِ الٰہی ہے کہ حیوانات کا خون اور گوشت اللہ تک نہیں پہنچتا، وہاں تقویٰ کام آتا ہے، تو ظاہر ہے کہ گناہوں کا کفارہ جو قربانی کا مفہوم ہے، قرآنی تعلیم کے خلاف ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خود اہلِ کتاب کے نبیوں اور رسولوں نے بھی یہی کچھ کہا، جو قرآن کا ارشاد ہے۔ (ملاحظہ ہو لفظ "قرب") کہ قربانی سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل نہیں ہوتا۔

قرآن عظیم میں لفظ "قربان" تین مقامات پر استعمال ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ

وہ (بنی اسرائیل)، جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ کسی رسول پر ایمان نہ لانا، جب تک وہ سوختنی قربانی

تاکلہ النار" قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینٰت وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صٰدقین (۳/۱۸۳)

نہ کرے۔ کہو کہ تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول آئے بیّنات کے ساتھ اور یہ بھی جو تم کہتے ہو (سوختنی قربانی) پھر تم نے اُن کو قتل کیوں کیا، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو؟

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت صلعم سوختنی قربانی کے خلاف تھے، اس لیے اہلِ کتاب نے اسے انکار کی وجہ قرار دی۔

واتل علیہم نبأ ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین (۵/۲۷)

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا احوال تحقیق سُنا جب دونوں نے کچھ نیاز کی، تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ دوسرے نے کہا کہ میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ پہلا بولا، اللہ قبول فرماتا ہے متقی لوگوں کی نیاز۔"

توریت میں یہ قصہ ہابیل اور قابیل کا مذکور ہے۔ اس آیت میں بھی کوئی حکم مسلمانوں کے لیے قربانی کا نہیں ہے۔

فلولا نصرھم الذین اتخذوا من دون اللہ قربانا الھۃ (۴۶/۲۸)

پھر کیوں نہ مدد کو پہنچے اُن کی (جو عذاب الٰہی میں ماخوذ ہو کر ہلاک ہوئے) وہ جن کو اللہ کے سوا معبود کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا تھا۔

اس آیت سے بھی قربانی کا حکم یا جواز نہیں نکلتا، اس لیے آیندہ بحث دربارہ قربانی صرف سید صاحب کا مضمون پیشِ نظر رکھ کر کی جائے، امور تنقیح یہ ہیں:

(۱) قربانی کا مفہوم از روئے قرآن کیا ہے؟	بارِ ثبوت مدعیانِ قربانی پر
(۲) کیا الفاظِ "نحر" وغیرہ کا مفہوم قربانی ہے؟	بارِ ثبوت مدعیانِ قربانی پر
(۳) اگر ہے تو کس لیے لفظ قربانی مروجہ اصطلاحِ قرآن میں استعمال نہیں ہوئی؟	تائید و تردید فریقین پر

یہ تو ثابت شدہ امر ہے کہ قرآن میں اصطلاحاتِ اہلِ کتاب مثلاً جن و ملائک، انبیاء وغیرہم بے شمار استعمال ہوئی ہیں اور یہ بھی ثابت شدہ امر ہے کہ قرآن میں لفظ "قربان" قربانی کے جواز میں کہیں استعمال نہیں ہوا، البتہ چند الفاظ اور بھی ہیں، مثلاً "نحر" جس سے مدعیان قربانی قربانی کا مفہوم اخذ کرتے ہیں، اُس کے متعلق میں ایک اور فاضل ہستی جناب پیرزادہ ابراہیم حنیف جانشین حضرت

اہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ آں جناب مہمہ شریف کے مشہور خاندان
رکن ہیں۔ پیرزادہ محمد حسین صاحب جن کی تالیف و تصنیف بالخصوص سفرنامہ ابن بطوطہ مشہور ہے
جو سشن اور ڈویژنل جج کے عہدہ پر ممتاز تھے اور پیر منظور احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار اور دیگر مشہور
ہستیاں اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، اکثر بزرگ اس خاندان کے صاحب ارشاد گذرے ہیں۔

پیرزادہ صاحب موصوف نے ایک رسالہ میں جو ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس موضوع پر بحث
ائی ہے بلخص قریب قریب موصوف کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

(۱) بعض روایات سے پایا جاتا ہے کہ یہود اور کفار مکہ آں حضرتؐ کو "ابتر" کہتے تھے۔ "ابتر" کا مفہوم ان
آیات کے روسے یہ ہے کہ آں حضرتؐ کی آیندہ نسل نہ چلے گی۔ (پنجابی میں "اوترا" اسی لفظ "ابتر" کا بگاڑ
ہے۔ ویسے "ب" اور "واؤ" ہم مخرج ہیں اور ان کا مبادلہ ہر ایک زبان میں ہوتا ہے) سورۃ الکوثر میں یہ
منع کیا گیا ہے کہ دشمن ہی "ابتر" ہے، یعنی آں حضرتؐ "ابتر" نہیں، لیکن حقیقت ہے کہ آں حضرتؐ
سلسلہ نسل اولاد نرینہ سے نہیں چلا اور تمام اقوام اور سامی امم میں سلسلہ نسل اولادِ نرینہ سے چلتا
ہے، اس لیے اگر روایات صحیح ہوں اور "ابتر" کا وہی مفہوم ہو، جو سمجھا جاتا ہے، تو دشمنانِ دین کا طعن
مر واقع ثابت ہوگا۔

(۲) سورۃ الکوثر میں صرف تین آیات ہیں۔ اگر ترجمہ جیسا کہ ان روایات کی بنا پر کیا جاتا ہے، صحیح ہو،
اس مختصر سورت کے تینوں فقرے بے ربط ہیں۔

(۳) "کوثر" کا مفہوم "خیر کثیر" ابن عباسؓ کی ایک حدیث کی بنا پر عموماً لیا جاتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

حدثنا یعقوب بن ابراھیم حدثنا ھشیم حدثنا ابو بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ قال فی الکوثر ھو الخیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ قال ابو بشر فان الناس یزعمون انہ نھر فی الجنۃ فقال السعید النھر الذی فی الجنۃ من الخیر الذی اعطاہ اللہ ایاہ۔	یہ حدیث در اصل قول ابن عباسؓ ہے کہ کوثر سے مراد ایسی خیر و برکت ہے، جو اللہ نے رسولؐ اللہ کو عطا فرمائی، ابو بشر ایک راوی نے سعید بن جبیر سے یہ قول سنا تو کہا کہ اس زمانہ کے لوگ تو یہ گمان کرتے ہیں کہ کوثر ایک بہشتی نہر کا نام ہے۔ سعید بن جبیر (جو ۹۵ھ میں فوت ہوئے) فرمانے لگے، وہ خیر جو اللہ کا عطیہ ہے اس پر بھی حاوی ہے۔"

(بخاری مطبوعہ مصر جلد سوم صفحہ ۱۳۷)

اس حدیث کی تین حیثیتیں ہیں (۱) ابن عباسؓ کا قول، (۲) سعید بن جبیرؒ کی رائے، (۳) ابوالبشرؒ کا شک، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کی وفات تک (۶۸ھ) حوض کوثر، نہر کوثر کے عقیدہ کا دنیاءِ اسلام میں وجود نہ تھا۔ ابوالبشرؒ اپنے زمانہ کے لوگوں کے عقیدہ سے واقف تھے، لیکن سعید (متوفی ۹۵ھ) یا تو ناواقف تھے یا ابن عباسؓ کے قول کا یہ مفہوم خیال نہیں کرتے تھے۔ اس زمانہ کے عقیدہ میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہ آئی تو توجیہ یہ کی کہ اگر یہ بھی ہو تو "خیر" ہی میں داخل سمجھو۔

مخدومی پیرزادہ ممدوح کی تحقیق کے رو سے "کوثر" اور "نحر" اور "ابتر" کا یہ مفہوم ہی نہیں، جو ایک عقیدہ کی صورت میں رونما ہو رہا ہے "نحر" کا ترجمہ ذبیحہ شتر گو صحیح ہے، لیکن اس کا ربط اس صورت میں جیسا کہ ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے، صحیح نہیں۔

لفظ "کوثر" معرب ہے عبرانی لفظ "کوشر" کا۔ عربی حرف "ث" اور عبرانی "ش" کا مبادلہ عام ہے مثلاً:

عربی: ثلاث، عبرانی: شلش (تین)
" : ثور، " : شور (بیل گائے)
" : ثلج، " : شلج (برف)

عبرانی کوشر (כשר) کے معنی ہیں صحیح، درست، جائز اور اصطلاح میں "حلال ذبیحہ" جو شرعاً حرام نہ ہو اور دستور کے موافق حلال کیا جائے۔ اسرائیلیات کے عالم جانتے ہیں کہ ذبیحہ کے متعلق اس قسم کا حیوان ہونا چاہیے، جو تندرست اور بے عیب ہو۔ یہ اصل مفہوم کوثر کا ہے، پھر خاص چھری، خاص طرز اور خاص دعاؤں کے ساتھ ذبح ہو۔

تورات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں حلال و حرام کے احکام مفصل مذکور ہیں اور وہ وہ موشگافی کی گئی ہے، جو اسرائیلی ذہنیت کو بے نقاب کرتی ہے، جس کا اشارہ سورۂ بقرہ میں بھی ہے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ برکت و نعمت تورات کا خاص موضوع ہے۔ برکت یہ تھی کہ "ارض معہود" پر ان کا قبضہ ہوگا اور ان کے "رحم کے پھل اور زمین کے پھل" میں فراوانی ہوگی اور لعنت اس کے خلاف ارض معہود سے بے دخلی اور اولاد اور پھلوں کی کمی تھی۔ برکت تورات یا احکام شریعت کی تعمیل اور لعنت احکام الٰہی کی سرکشی کی وجہ سے تھی۔

یہودی آئین کے مطابق سوّر، اونٹ، خرگوش وغیرہ کا گوشت حرام قرار پایا، لیکن ماسوائے خنزیر

اہلِ عرب حلال سمجھتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے عقیدہ کے مطابق یہی کہتے کہ جو حرام شے کو حلال سمجھتا ہے وہ حسبِ وعدۂ توریت برکت سے محروم رہے گا۔

سورۂ نساء کی آیات (۱۵۹-۱۵۷) سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں کے ظلم اور زیادتی و سُود خواہی کے سبب بہت سی چیزیں جو حلال ہیں، بطور سزا اُن پر حرام کی گئیں۔ اس کی مطابقت سورۂ انعام آیت ۱۴۷ سے ہوتی ہے۔ سورۂ نحل (آیت ۱۱۸) میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ نے یہودیوں پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ آیت ۱۱۵ میں مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ تم پاک طیب کھاؤ پیو اور اللہ کا شکر کرو۔ آیہ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" بالکل اس کے مطابق ہے۔ اونٹ کا ذبیحہ فی نفسہ حرام نہیں، لیکن یہود پر بطور سزا حرام ہوا۔ ان کو بھی دعوت صراطِ مستقیم کی طرف دی گئی جس سے وہ بھٹک گئے تھے، لیکن ان لوگوں نے طعن وتشنیع سے کام لیا۔

اس مقام پر پیرزادہ ممدوح نے ایک لطیف ادبی نکتہ ارشاد فرمایا ہے، جسے فنِ بلاغت میں قول بالموجب" کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ منافقون آیت ۸ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ" الآیۃ یعنی منافقوں نے باہمی مشورہ سے یہ رائے قائم کی، سفر سے لوٹ کر مدینہ میں پہونچے "لیخرجن الاعز منھا الاذل"، تو معزز لوگ (بزعم خود منافق) ذلیل آدمیوں (مومنین) کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ ارشادِ الٰہی ہوا کہ اچھا یونہی سہی، جو عزت والا ہوگا، وہ ذلیل آدمیوں کو خارج ازبلد کرے گا۔ "للّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنٰفقین لا یعلمون" عزت تو اللہ اور رسول اور مومنین ہی کے لیے ہے۔ لیکن منافقوں کو اس کا علم نہیں، چنانچہ ان کا قول انہی پر صادق آیا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

گفتم کہ نگاہ کُن خدا را
گفتا کہ خدا نگاہ دارد

مَیں نے تو یہ کہا کہ خدا کے لیے مجھ پر نگاہِ لطف رکھو، جواب دیا کہ خدا (تیری) نگاہ سے بچائے۔

غالب کہتا ہے:

مَیں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو دیا اُٹھا "کہ یوں"؟

سورۂ کوثر میں بھی یہی لطافت معنوی ہے کہ دشمنانِ دین ہمیں ابتر کہتے ہیں، حالاں کہ وہ خود لعنت کے تحت آئے ہوئے ہیں۔

مخدومی پیرزادہ نے اگرچہ یہ صحیح لکھا ہے کہ "کثرت" کی خواہش مذموم ہے، لیکن جسے اللہ تعالےٰ خیرِ کثیر عطا فرمائے، تو وہ رحمت ہی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ:

ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً (ﷺ) جس کو حکمت ملی، اُس کو بہت خوبی ملی۔

اس لیے ہر ایک کثرت مذموم نہیں۔ کثرتِ مال و اولاد کی خواہش بلاشبہ مذموم ہے، لیکن جب ذاتی فائدہ مدنظر ہو۔ بہرحال سورۂ کوثر میں "کوثر" کی توجیہ جو کچھ مخدومی ممدوح نے فرمائی ہے، اگر "کوثر" سے مراد خیرِ کثیر ہی ہو، تو کلام بے ربط نہیں رہتا، لیکن موصوف نے جس طرح ربط دیا ہے، وہ بہتر ہے:

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

مخدومی نے تحقیق کو ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ کوثر سے مراد نہر کوثر لی گئی؟ اس کے لیے آریہ ذہنیت بالخصوص مجوسی تخیل کی واقفیت مقدم ہے۔ جسے عربی بحیرۂ خضر کہتے ہیں، وہ "بحیرہ کیسپین" آریہ قوم کا مشہور تیرتھ تھا۔ یہ بحیرہ یا جھیل کوہ قاف کے دامن میں واقع ہے، جہاں کے باشندے بہت حسین ہیں اور اس لیے کوہ قاف کی پریاں مشہور ہیں۔ ایرانی روایات جن کا مذکور شاہنامہ فردوسی میں بھی ہے، ایرانی بادشاہ "کیخسرو" کے متعلق یہ ہیں کہ اس نے ایک خواب کی بنا پر ترکِ دُنیا کا ارادہ کرلیا، ارکانِ سلطنت نے بہت کچھ کہا لیکن نہ مانا اور دشت و ہاموں طے کرتا ہوا ایک چشمہ پر پہنچا:

بره بر یکے چشمہ آمد پدید	جہاں جوئے کیخسرو آں جا رسید
بہ آں آبِ روشن سر و تن بشست	ہمی خواند اندر نہاں ژند درست
چو از کوہ خورشید سر بر کشید	ز چشمِ نہاں شاہ شد ناپدید
ز خسرو نہ دیدند جائے نشاں	زرہ باز گشتہ چوں بے

اس چشمہ (بحیرۂ خضر) پر کے خسرو نے مُنہ ہاتھ دھویا اور چُپکے چُپکے ژند اوستا کے شلوک پڑھتا رہا۔ جب صبح ہوئی، تو ہمراہیوں نے بادشاہ کا وہاں نشان نہ پایا[1]۔ روتے پیٹتے واپس لوٹے۔ کے خسرو کی نسبت بعد میں روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتاتا ہے، کشتیوں کو بادِ مخالف سے بچاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ روایات "خضر" کے قصے سے بالکل مطابق ہیں اور اسی جھیل کو "خضر" تو کہتے ہی ہیں۔ سنسکرت میں بھی اس کا تقدس پایا جاتا ہے۔ چنانچہ क्षार (KSAR) کوثر، لغت میں موجود ہے۔ تورات میں بھی چار بہشتی نہروں کا مذکور ہے (پیدائش ۲/۱۰) جو کوہ قاف

[1] یہ روایت غلط ہے۔ کے خسرو تو رومیوں کے جنگ میں مارا گیا اور اصطخر میں اس کا مقبرہ موجود ہے۔

سے نکلتی ہے۔

لفظ "نحر" اور "نہر" کا تلفظ ایک ہی ہے، اس لیے کوثر کو نہر قرار دے لینا کونسا مشکل کام ہے، مجوسی نومسلم جن میں سے اکثر زندیق تھے، یعنی دل سے ژند اوستا پر ایمان رکھتے تھے اور بظاہر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے اور اس غرض سے مسلمانوں میں شامل ہوئے کہ اسلام کا تختہ الٹ دیں۔ یہ تواریخی واقعات ہیں اور صاحب دبستان مذاہب نے جو غازی عالمگیر کا ہم عصر تھا، صاف صاف الفاظ میں ان لوگوں کا حال لکھا ہے کہ اسلامی لباس میں وہی مجوسی ہیں اور خود ان کی کتابوں سے ایک گہری سازش کا پتہ چلتا ہے، جو دینِ اسلام کے خلاف یہ لوگ صدیوں سے کر رہے ہیں۔ ابتدائی ایام میں ان لوگوں نے احادیث وضع کیں، جو قرآن کی تفسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔ سورۂ کوثر کی بھی ایسی ہی تفسیر کی جس سے بہشتی حوض "تنصر" کی طرف رہنمائی ہو۔ مسلمانوں کو ان کی سازش کا علم خلفاءِ عباسیہ کے زمانہ میں ضرور ہوا، اس کے بعد اُن کو زندیق سے مخاطب کیا، جو لفظ "ژند" سے مشتق ہے۔ لیکن احادیث ممالک اسلام کے طول و عرض میں شائع ہو چکی تھیں اور اب بھی موجود ہیں اور اہلِ حدیث کا تو ان پر کامل ایمان ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے، اس پر مفصل بحث کسی آئندہ صحبت میں ہوگی۔

لفظ "کوثر" کے متعلق مخدومی نے تفسیر ابن عباس، بیضاوی، جلالین، کبیر، خازن، مدارک، کشاف، سیوطی، مسعود، انتصاف سے اقتباسات دیے ہیں کہ یہ مفسرین اس لفظ کے معنی خیرِ کثیر، قرآن، کثرتِ علم و عمل، عزتِ دنیوی و آخرت، آلِ محمدؐ، اولاد، علماءِ اُمت، نبوت، شفاعت، کثرتِ اُمت، فضائلِ شہرتِ عامہ، مقامِ محمود، بہشتی نہر، اللہ کی نعمتیں وغیرہ وغیرہ سمجھتے ہیں۔

مفصل بحث اصل رسالہ "آلِ محمدؐ" میں ملاحظہ کرنی چاہیے، جو دارالاشاعت آلِ محمدؐ لاہور نے شائع کیا ہے۔ قیمت ۵ بہت ہی کم ہے۔

مَیں نے اس تحقیق کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ امورِ تنقیح پر بحث کرتے ہوئے محققین پر الفاظ "نحر" وغیرہ کا مفہوم واضح ہو جائے۔ ایسے محقق کو یہ کہنا کہ روایات کے رو سے سورہ کوثر کی ہے، فضول ہے، کیوں کہ قرآن کی تفسیر روایات سے خلطِ مبحث ہے اور اگر یہ سورت مکی بھی ہو، تو چوں کہ ذبیحہ شتر کا مذکور ہے اور قریش خود ذریتِ ابراہیمؑ ہیں اور ان میں شریعت ابراہیمی رائج تھی جو اکثر معاملات میں شریعت موسوی کے موافق ہے، سوائے چند امور کے جن میں ذبیحۂ شتر بھی ایک ہے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ممکن ہے کہ مکہ میں کسی دشمن دین یہودی نے یہ طعن کیا ہو۔ بہرحال یہ ضمنی بحث ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بحیرۂ خضر یا "خزر" کے متعلق جو کچھ دیگر محققین لکھ چکے ہیں، اُسے بھی بالاختصار ظاہر کیا جائے اور یہ تحقیق کچھ مخدومی ممدوح سے مختلف ہی ہے۔ بحیرہ "خزر" موجودہ زمانہ میں بلکہ ہزارہا سال سے ایک جھیل ہی ہے، لیکن اس کا پانی شور ہے۔ کسی زمانہ نامعلوم میں اس کا تعلق بحر منجمد شمالی سے تھا، کیوں کہ اب بھی اس میں بعض جانوروں اور مچھلیوں کی ایسی اقسام پائی جاتی ہیں، جو بحر منجمد شمالی میں پائے جاتے ہیں۔ کسی زمانہ مابعد میں دریاؤں نے جو ہر طرف سے اس میں گرتے ہیں، یہ تعلق قطع کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس وسیع بحر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا، جو اس کے قریب قریب واقع ہیں۔ کوہ البرز جو شمالی ایران میں واقع ہے، بحیرہ خزر کے جنوب میں حدِ فاصل ہے۔ بحیرۂ خزر کی وجہ تسمیہ ایک اسی نام کی قوم کے باعث ہے، جو اُس کے کناروں پر آباد تھی۔ اہلِ ایران اور اُن میں ہمیشہ جنگ و جدل کا بازار گرم رہتا۔ کسریٰ کے خلاف قیصر اُن کی مدد کرتا رہا، لیکن یہ آج تک تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ قوم کس قوم سے تعلق رکھتی تھی، چوں کہ مختلف اقوام کے زیر اثر رہی، اس لیے ان کی زبان اور اوضاع و اطوار سے بھی ان کی اصلیت کا سُراغ نہیں مل سکتا، فردوسی اور عرب مورخین نے بھی ان کا ذکر کیا ہے "انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا" میں بھی اس قوم کا مختصر مگر کافی حال لکھا ہے۔ یہ تحقیق کہ "کے خسرو" کا تعلق اسی چشمہ سے ہے اور ایرانی اسے مقدس اور متبرک سمجھتے تھے، مخدومی ممدوح کے مزید غور کی محتاج ہے، کیوں کہ کے خسرو انہی لوگوں کے مقابلہ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مخدومی نے جو کچھ زنادقہ کی نسبت لکھا ہے، تواریخی واقعات ہیں اور ان لوگوں نے مسلمانوں کے لباس میں اکثر احادیث وضع کیں اور مسلمانوں میں تفرقہ اور فرقہ بندی کا موجب یہی ہیں۔ ایرانی تہذیب و تمدن و مذہب کا تصادم عربی فتوحات سے ہوا اور ان لوگوں نے ہر ایک کوشش عربی اقتدار مٹانے کے لیے کی اور بنو ہاشم کا ساتھ بھی اسی غرض کو سامنے رکھ کر دیا، کیوں کہ بنو امیہ خالص عربی ذہنیت رکھتے تھے اور خالص عرب قومیت کے واحد نمایندہ تھے۔ وہ جس جگہ گئے اسلام اور عربی زبان کی اشاعت میں سرگرم رہے۔ دنیائے اسلام پر بنو امیہ کا بہت بڑا احسان ہے، جو عامۃ المسلمین زنادقہ کے گمراہ کن "پروپاگنڈا" سے فراموش کر چکے تھے اور بنو ہاشم کی سیاسی چالوں نے انہیں بہت بدنام کیا۔ بنو امیہ کے زوال کے ساتھ عربی اقتدار بھی مٹ گیا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ ختم ہو گیا اور خانہ جنگی میں دنیائے اسلام مبتلا ہو گئی۔

بنوامیہ کے زمانہ میں کس کی مجال تھی کہ احادیث وضع کرتا، لیکن خلفاءِ عباسیہ کے دور دورہ میں یہ سب کچھ ہوا اور دشمنانِ دین کے خاطر خواہ ہوا اور تفرقہ اور فرقہ بندی زور پر ہوگئی۔ میں نے اپنی کتاب "دمشق" میں بنوامیہ کے احسانات کا مفصل ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج عرب کے باہر اسلام کا نام بھی نہ ہوتا۔ اگر بنوامیہ نہ ہوتے، ہندوستان میں سندھ ملتان تک، تمام افغانستان میں اسلام کی اشاعت اور فتح بنوامیہ کے ذریعہ ہوئی۔ اُن کے جانشین کچھ شک نہیں ملوک تھے، لیکن اسلام کی اشاعت سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔

مخدومی کی تحقیق دربارہ "کوثر" اور "نحر" نہایت وقیع ہے۔ امید ہے کہ اہلِ نظر و تحقیق اس پر غور فرمائیں گے اور جو کچھ سید مقبول احمد صاحب نے لکھا ہے، اُسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے "قربانی" پر علمی بحث کریں گے۔ عقاید کو بطورِ دلیل پیش کرنا کوئی حجت نہیں ۔

تحقیق قربانی

ایامِ حج میں ہندوستان کے مسلمان لاکھوں روپیہ قربانی کی رسم میں ضائع کر دیتے ہیں۔ "تحقیق قربانی" کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کی رُو سے قربانی ہم پر فرض ہے نہ واجب۔ موجودہ حالات میں، جب کہ مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات بہت بڑھ گئی ہیں۔ اس رسالے کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ سو کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں۔

خاتم النبیین

قرآن مجید کے دس دلائل سے ختمِ نبوت کا مسئلہ حل کیا گیا ہے۔ اتنی معقولیت، متانت اور پاکیزگی کے ساتھ اس موضوع پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کر کے یقیناً خوش ہوں گے۔ ۸؍ کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیے۔

برہان القرآن

یہ کتاب ان تحریری مباحث پر مشتمل ہے، جو مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلِ حدیث" اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رح کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہلِ حدیث پر ابد تک کے لیے اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸؍

ملنے کا پتہ:

منیجر "بلاغ" امرتسر (پنجاب)

فہم قرآن کے متعلق چند اشارات

(۳)

(حضرت خواجہ احمد الدین صاحب علیہ الرحمۃ)

ناقۃ اللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اور تیرا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے، جو آسمان اور زمین میں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جو تیرا بھی رب اور مالک ہے، تمام ارضی اور آسمانی لوگوں کی حقیقتوں اور کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ کوئی اُس کے حضور بندہ ہونے سے بڑھ کر دم نہیں مار سکتا۔ زندہ کرنا اور مارنا، ہنسانا اور رُلانا، بڑھانا اور گھٹانا اُسی کا کام ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ ؕ اور تحقیق ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

کسی بات میں ایک نبی بڑھا ہوا ہے اور کسی میں دوسرا۔ سب اُسی سے پاتے ہیں اور اُسی کے محتاج ہیں۔ خدا تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ملک و حکومت اور حکمت و علم عطا فرما رکھا تھا۔ باوجود ان تمام نوازشوں کے اُن کو خدا تعالیٰ سے بالعشی والاشراق دعائیں مانگنے کی ضرورت تھی، بلکہ دعاؤں کا مجموعہ انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا ہوا تھا:

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔

سو کیا زبور جیسی کتاب سے بھی ان کی حقیقت واضح نہیں ہوتی؟ جب حال یہ ہے تو

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ تو کہہ دے تم اُن لوگوں کو، جنہیں تم نے خدا کے سوا کچھ سمجھ رکھا ہے، پکارو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کو پکارنا جائز ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب سچے اور مُسلّم مالک کے ساتھ تم نے انہیں کچھ سمجھ رکھا ہے، تو امتحان کر کے دیکھ لو، وہ تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتے۔

فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ　　سو وہ تم سے آئے ہوئے ضرر کو کھول نہیں سکتے اور آنے
وَلَا تَحْوِيلًا۔　　والے نقصان کو ٹال نہیں سکتے۔

اس پر وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم اُن کو اُن کی ذات میں کوئی استقلال نہیں دیتے۔ ہم انہیں صرف وسیلۂ قربِ الٰہی مانتے ہیں۔ (لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفَىٰ) وہ کہتے تھے، یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ سورت یونسؑ میں فرماتا ہے کہ تُو کہہ دے، کیا تم خدا تعالیٰ کو اس بات سے خبردار کرتے ہو، جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے، نہ زمین میں؟ اللہ تمہارے شریک بنانے سے پاک اور بلند ہے (۱۸)، حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے قریب کرنے کا وسیلہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے۔ اُسی سے دعائیں مانگنا، اُسی کی خوشنودی چاہنا اور اُسی کی فرماں برداری کرنا لازم ہے مسیحؑ اور انبیائے مقربین کے لیے خدا تعالیٰ کا عبد بننے میں کوئی عار نہیں۔ خدا تعالےٰ کے قرب کا ذریعہ اُسی کے آگے ساجد ہونا ہے (واسجد واقترب) اس لیے آگے فرمان ہوتا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ　　یعنی وُہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کی
رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ۔　　طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام زندگی بھر یہی فرماتے رہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، پس اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر اٹھارھویں پارے کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے کہ جس دن اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کا حشر کرتا ہے، جنہیں یہ خدا کے سوا پُوجتے ہیں، تو کہتا ہے کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا ہے یا یہ خود ہی راستہ سے بہک گئے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ تُو پاک ہے، ہمیں لائق ہی نہیں ہے کہ ہم تیرے سوائے کوئی ولی پکڑیں۔ پس خدا کے وسیلے سے کوئی شخص کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جو زیادہ قریب ہیں اُن کو بھی ابدالآباد تک اس کی ضرورت رہے گی جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے: أَيُّهُمْ أَقْرَبُ، یعنی جو کوئی ان میں سے زیادہ قریب ہے؛ وہ بھی اپنے رب کی طرف اس وسیلہ کو ڈھونڈتا ہے۔

سو جب کوئی اقرب سے اقرب بھی اس وسیلہ سے بے پروا نہیں ہو سکتا، تو اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ وسیلہ خود خدا ہی ہے (وتبتل الیہ تبتیلا اور لن اجد من دونہ ملتحدا اور لا ملجاء من اللہ الا الیہ وغیرہ ذٰلک من الآیات) خدا تعالےٰ کی طرف ان لوگوں کو وسیلہ بنانا، جو خدا تعالیٰ کی نسبت ہم سے بہت دُور ہیں، حیرت انگیز بات ہے۔ کیا کوئی اقرب سے اقرب خدا کی

رحمت کی امید سے مستغنی اور اُس کے عذاب کے خوف سے بری ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ — وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

بلاشبہ خدا تعالیٰ کا عذاب کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کوئی اقرب سے اقرب بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو اس سے بے خوف ہو جائے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا — بالتحقیق تیرے رب کا عذاب ایسا ہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے۔

لوگ کہتے ہیں اسی عذاب ہی سے بچنے کے لیے تو ہم نے غوث و قطب اور ابدال و اوتاد تجویز کیے ہیں، ان ہی کے دم قدم سے شہروں کی حفاظت ہو رہی ہے، حالاں کہ وہ خود بھی اس عذاب سے ڈر رہے ہیں اور انہیں بھی ایک عاصم کی ضرورت ہے۔ وہ تو اس کو بھی نہیں بچا سکتے جس کو باپ یا بیٹا جانتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے، اگر میں آدمیوں کو اُن کے ظلم کے باعث پکڑ لوں، تو پشتِ زمین پر کوئی غوث و قطب اور نبی و ولی تو کیا، کسی چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑوں۔ مطلب یہ کہ دنیا میں ظلم اس قدر ہے کہ نبی ولی اور غوث و قطب بھی اس کی لپیٹ میں لائے جا سکتے ہیں، پھر وہ دوسروں کے محافظ بننے والے کون؟ اُن کو تو اپنی ہی فکر سے فرصت نہیں، صرف خدا کی رحمت ہی چشم پوشی کر رہی ہے اور ڈھیل دے رہی ہے۔ اگر شہروں کا بچانے والا کوئی ہے، تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نوعِ انسان کی مجموعی قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر ایک بستی کو یا تو ہلاک کر دینے والے ہیں یا اس پر سخت عذاب کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ کوئی بچانے والا ہے، تو بچالے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۔ (پ ۱۵) — اور کوئی بستی نہیں ہے، مگر ہم اُسے یوم قیامت سے پہلے پہلے ہلاک کرنے والے ہیں یا اُسے سخت عذاب دینے والے ہیں۔

یہ بات خدا تعالیٰ نے قرآن ہی میں نہیں ارشاد فرمائی، بلکہ پہلے ہی سے الہامی کتابوں میں چلی آتی ہے:

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔ (پ ۱۵) — یہ بات کتاب میں لکھی چلی آتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسے عذابوں کو (خواہ وہ کُل نوعِ انسان سے علاقہ رکھتے ہوں یا کسی خاص قوم یا ملک سے متعلق ہوں) بلا قید نہ رہنے دینا چاہیے، بلکہ لازم ہے کہ انہیں کسی ایسے حکم

کے ساتھ وابستہ کیا جائے، جس کا لحاظ رکھ کے اُس عذاب سے بچ سکیں۔ مثلاً یہ بتلایا جائے کہ جب تم میں فلاں بدی راہ پائے گی، تو تم عذاب میں پھنس جاؤ گے اور اس بدی کا ظہور ہی تمہارے عذاب کا نشان ہوگا۔ اس طرح سے لوگ کم از کم اُس بدی سے تو ضرور بچتے رہیں گے اور دل میں کچھ نہ کچھ دھڑکا محسوس کرتے رہیں گے، جو انہیں سرکشی پر آمادہ نہیں ہونے دے گا، لیکن یہ خیال سرتا پا غلط ہے۔ انسان منع کیے ہوئے کام میں اور زیادہ حریص ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے گذشتہ اقوام میں اس کے کافی مشاہدے بھی کرا کے دکھا دیے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کسی قوم کے عذاب کو کسی خاص بدی کے ساتھ معلق کر دے اور اُس بدی کو اُس عذاب کے وقوع کا نشان بنا دے، تو اس قوم میں ایسے اشقیٰ اشخاص بھی ضرور کھڑے ہو جائیں گے، جو کہیں گے، لو ہم یہ بدی کر کے دکھا دیتے ہیں، پھر دیکھتے ہیں، عذاب کہاں سے آجاتا ہے؟ ایسی حالت میں وعیدِ الٰہی کے مطابق عذاب کا بھیجنا لازمی ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بھی اس عام ذمہ داری کے کام میں اُن کو نہ روکنے کے سبب، یا اُن کے ساتھ اخیر تک ملے جلے رہنے کے باعث، اُس عذاب میں ضرور ہی پھنس جائیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ عذاب کا نشانوں کے ساتھ مشروط و معلق نہ کرنا بھی خدا تعالےٰ کی بڑی رحمت ہے۔

بلاشبہ بعض گذشتہ اقوام نے اصرار کے ساتھ عذاب کے لیے نشان مانگے تھے۔ خدا تعالےٰ نے دیگر اقوام کی عبرت کے لیے اور آیندہ نمونہ قائم کرنے کی خاطر اُن کے عذاب کے واسطے کوئی نشان مقرر کر دیا تھا، جس سے اُنہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ ڈرنے کے بجائے اُلٹے اور سرکش بن گئے۔ پھر اس کی عام رحمت نے اس بات کو عام نہ کرنا چاہا۔ چنانچہ قوم ثمود نے عذاب کی خبر سُن کر اُس کے لیے نشان مانگا تھا۔ خدا تعالےٰ نے انہیں ایک واضح نشان بتا دیا کہ اس اونٹنی کو بدی سے ہاتھ نہ لگانا، اگر ایسا کرو گے، تو عذاب الیم اور عذاب قریب میں پھنس جاؤ گے۔ اس پر اُن میں سے ایک اشقیٰ کھڑا ہوا۔ قوم اُس کے بھڑکانے میں آگئی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر فخر سے کہنے لگے کہ لاؤ اب وہ عذاب کہاں ہے؟ انہیں کہا گیا کہ تین دن اور اپنے گھروں میں متمتع ہو لو۔ اس عرصہ میں حضرت صالح مؤمنین کو لے کر دُور نکل گئے۔ چوتھے دن انہیں صیحہ نے آپکڑا اور زلزلہ نے اُن کا کام تمام کر دیا اور صورتِ حال یہ تھی، گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔ خدا تعالےٰ نے نشانوں کے ساتھ عذاب نہ بھیجنے کی حکمت کا اُسے ایک

نمونہ بنا دیا، لیکن اپنی رحمت عامہ سے اُسے ایک عام قاعدہ نہ ٹھیرایا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ — اور ہمیں اِس بات سے کہ ہم (عذاب کو) نشانوں کے ساتھ بھیجیں، کسی شے نے نہیں روکا، مگر اِس بات نے کہ پہلوں نے اُن نشانوں کو جھوٹ بتلایا۔ (۱۷/۵۹)

غور کیجیے، پہلی آیت میں عذاب کا ذکر ہے اور اس آیت میں نشانوں کے ساتھ بھیجنے کا بیان ہے۔ اس آیت میں خود مستقل نشانوں کے بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں۔ مفسرین نے نُرْسِلَ کے آگے ب جارہ کو محض اپنے خیال سے زائد تصور کر کے خود نشانوں ہی کا بھیجنا بنا لیا ہے۔

اب ناظرین خود ہی انصاف فرمائیں، یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے یا اپنے خارقِ عادت خیالات کی تائید؟ خدا تعالےٰ نے اس دعوے پر اونٹنی کی ایک واضح مثال نمونہ کے طور پر پیش کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً — اور ہم نے ثمود کو بصیرت دینے والی اونٹنی دی تھی۔

اُن لوگوں نے اُس اونٹنی کے ساتھ خلاف وضع فطری ظلم کیا، یعنی اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

فَظَلَمُوْا بِهَا — سو اُنہوں نے اُس کے ساتھ ظلم کیا۔

خدا تعالےٰ نے اُن کے عذاب کو اونٹنی کے ستانے کے ساتھ اس لیے معلّق کیا تھا کہ وہ ڈرتے رہیں اور اِس طرح اُن کے عذاب میں کم از کم دیر پڑ جائے یا کچھ کمی واقع ہو جائے، مگر اُنہوں نے اس عذاب کو پُورے زور کے ساتھ جلدی ہی جذب کر لیا۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ — اور ہم (عذاب کو) نشانوں کے ساتھ نہیں بھیجتے تھے، مگر ڈرانے کو۔

اِن آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح علیہ السّلام کی اونٹنی صرف اس لیے ایک نشان تھی کہ اُن کا عذاب اس کے ستانے کے ساتھ معلّق کیا گیا تھا، ورنہ اپنی ذات میں وہ وُہی شے تھی، جس پر ناقۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

برعکس اس کے ہمارے علما فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ کو حمل ہوا، اُس سے ایک کوہ پیکر اونٹنی پیدا ہوئی۔ اس پر طرّہ یہ کہ پیدا ہونے کے وقت وہ اونٹنی دس مہینے کی گابھن تھی، اس

لیے ضرور تھا کہ وہ پیدا ہوتے ہی بچہ جن دے۔ سو اُس نے ایک بہت بڑا بچہ دیا۔ یہ اونٹنی اور اُس کا بچہ لوگوں کا تمام پانی پی جاتے تھے۔ لوگوں کو اُن سے نہایت تکلیف تھی تنگ آکر ظلم اور بے رحمی کا ارتکاب کیا۔ لیکن قرآن حکیم میں ایسی گپّوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر یہ باتیں حقیقتاً خدائے قدوس کے لائق نہیں ہیں، تو اہلِ اسلام کو بہت جلد ان سے اظہارِ نفرت کرنا لازم ہے۔

قوم ثمود کا علاقہ پہاڑی تھا۔ وہاں باغ اور چشمے موجود ہونے کے باوجود پانی کی کثرت نہ تھی۔ ان کے گرد و نواح میں چند ایک چشمے دُور و نزدیک پائے جاتے تھے، جن کو ہر جانب کے لوگوں نے آپس میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک محلہ والے ایک دن اپنے جانوروں کو نزدیک کے چشمے پر لے جاتے تھے اور دوسرے دن دُور کے چشمے پر لے جاکر پانی پلاتے تھے۔ اس طرح فاصلہ کے قرب و بُعد اور پانی کی قلت و کثرت کے لحاظ سے اُن میں چشمے بٹے ہوئے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کی اس تقسیم میں کوئی دخل نہیں دیا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم سے صرف اتنا ہی چاہا تھا کہ یہ اونٹنی بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے، اس لیے جس چشمہ پر یہ پہنچے، اسے پانی پی لینے دیا کرو اور تم اسی طرح اپنے حصے پر حاضر ہُوا کرو، جس طرح تمہارا معمول ہے۔ ایک اونٹنی کے پانی پی لینے سے کسی کا کوئی بھی نقصان متصور نہیں تھا، مگر انہیں توحید کی ضد سے اُس اونٹنی کے ساتھ شرارت ہی سوجھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (۲۷/۹)

بلاشبہ ہم اِس اونٹنی کو اُن کی آزمائش کے لیے چھوڑنے والے ہیں۔ سو تو اس کا انتظار کر اور صبر کر اور تو انہیں خبردار کر دے کہ پانی اُن کے درمیان تقسیم کیا ہُوا ہے۔ وہ ہر ایک حصے پر (بلا روک) حاضر ہو سکتے ہیں۔

پھر اُنیسویں پارے کے بارھویں رکوع میں حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کو فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

یعنی یہ ایک (معمولی) اونٹنی ہے، اس کے لیے بھی پینا ہے (یعنی پانی کا ہونا درکار ہے) اور تمہارے لیے تو معلوم دن کا پینا ہے ہی اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تجھے دن کا عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔

شِرْبٌ بالکسر کے معنے ہیں پانی اور پانی کا حصہ اور پینا۔

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کے درمیان پانی پہلے ہی سے تقسیم کیا ہُوا تھا

اور ان میں آپس میں دن مقرر و معلوم تھے ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کی اس تقسیم میں اور اُن کے معلوم دنوں میں کوئی دخل نہیں دیا ۔ انھوں نے اُن سے صرف اتنی رواداری چاہی کہ اس اونٹنی کو بھی پانی پی لینے دیا کرو ۔

اِن آیات میں یہ کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ اونٹنی تمام پانی پی جاتی تھی ، یا حضرت صالح علیہ السلام نے ایک دن اس اونٹنی کے لیے مقرر کر دیا تھا اور ایک دن باقی تمام قوم کے جانوروں کے لیے ٹھیرا دیا تھا ۔ یہ تمام باتیں قصہ گو لوگوں کی اختراع ہیں ۔ قرآن مجید ان سے بالکل بری الذمہ ہے ۔ ایسے قصّوں کو قرآن حکیم کی تفسیر کہنا ، قرآن عظیم کی شان کو بٹہ لگانا ہے ۔ خدا تعالیٰ ہمیں ایسی خرافات سے اپنی پناہ میں رکھے ۔ آمین ۔ (باقی)

(بقیہ تقریظات از صفحہ ۴۷)

امثال آصف الحکیم | حجم ۵۰ صفحات ، لکھائی چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا ، سائز ۲۲×۱۸/۱۶ قیمت ۵/

زیرِ نظر کتاب علامہ فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی مدارس کے ابتدائی نصاب تعلیم کے لیے لکھی تھی ، جسے دائرہ حمیدیہ نے حال ہی میں شائع کیا ہے ۔ یہ عربی زبان میں ۱۳۶ چھوٹی چھوٹی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ ہے ۔ زبان بہت سادہ ، شگفتہ اور آسان ہے ۔ اساتذہ اور طلبا کے علاوہ ، دوسرے لوگ بھی جو عربی سیکھنا چاہیں اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔ اعراب دے دیے جاتے ، تو یہ اور بھی زیادہ مفید اور سہل ہو جاتی ۔

ملنے کا پتہ : دائرہ حمیدیہ ، مدرسۃ الاصلاح ، سرائے میر ، اعظم گڑھ ۔

حکایات الاطباء | لاہور کے مشہور طبی رسالہ "مشیر الاطبا" کی اشاعت خاص "حکایات الاطبا" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی ہے ، جس میں اطباء قدیم اور عہد حاضرہ کے مشہور اطباء کے مطبوں کی خاص خاص دلچسپ طبی حکایات درج ہیں ۔ ان حکایات میں مریض کے حالات تشخیص ، تجویز اور مجربات معالجات دل آویز پیرائے میں درج ہیں ۔ یہ طبی حکایات طبیبوں کے علاوہ غیر اطبا کے لیے بھی مفید ہیں ۔

ضخامت ۱۶۰ صفحے ۔ کتابت طباعت اور کاغذ متوسط ۔ قیمت عہ

مشیر الاطبا کے خریداروں سے الگ قیمت نہیں لی جائے گی ۔ مشیر الاطبا کا سالانہ چندہ صرف ڈیڑھ روپیہ ہے ۔ پتہ :۔ ناظم مشیر الاطباء دل محمد روڈ ، لاہور ۔

بیان

انجیل

(۲)

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

مقدس پطرس کا دوسرا خط | فاضل "اینان" لکھتا ہے "یقیناً یہ اپوکریفل (غیر مستند) ہے اور حقیقی محققین میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کی یہ رائے ہو کہ یہ مستند ہے"۔ ڈاکٹر "فیرر" اسے وجدانی تحریک پر مقدس پطرس سے منسوب کرتے ہیں، لیکن لکھتے ہیں کہ "خط زیر بحث کو جو لوگ مقدس پطرس سے منسوب کرتے ہیں، اُن کے دلائل نے میرے وجدانی عقیدے کو متزلزل کر دیا ہے۔ یقیناً انصاف تقاضا کرتا ہے ہم یہ تسلیم کریں کہ عہد جدید کی تمام کتابوں میں سے خط زیر بحث ایسا ہے جس کے متعلق ہم کم تر خارجی شہادت پیش کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی بے شمار داخلی مشکلات کا بھی سامنا ہے"۔

خارجی شہادت | "پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے مصنفین اور مؤلفین میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے اپنی تحریر میں اس کا ذکر کیا ہو یا حوالہ دیا ہو۔ پولیکارپ (POLYCARP)، اگنیٹس (IGNATIUS)، برنباس، کلمنٹ ساکن روم، جسٹن شہید، تھیوفیلس (THEOPHILUS) ساکن انطاکیہ، ایرنس (IRENAEUS)، طرطولین (TERTULLIAN) اور سائپرین (SYPR-IAN) کی تحریروں میں اس کا اشارہ بعید تک نہیں۔ ڈیڈمس (DIDYMUS) اپنی تفسیر کے لاطینی ترجمہ میں اس کو کذب سے تعبیر کرتا ہے۔ ایوسبیس (EUSEBILIS) کو اس کا علم تھا، مگر وہ لکھتا ہے کہ پطرس کا ایک ہی خط مسلّمہ ہے، دوسرا مشتبہ سمجھا جاتا ہے۔" تھیوڈور ساکن موبسوشیا نے اُسے مسترد کیا اور مقدس گرگیری ساکن نازینزس کے زمانہ میں بھی مشتبہ تھا"۔

اس امر پر زور دینا کہ قرونِ وسطیٰ کی صدیوں میں کسی نے اس پر شبہ نہ کیا، فضول ہے، کیونکہ ان صدیوں میں کسی شخص کو کسی قسم کے شبہ کے اظہار کی جرأت ہی کب تھی، کفر و الحاد کے فتویٰ کی زد میں کون اپنی جان سے ہاتھ دھونا پسند کر سکتا تھا؟ موجودہ زمانہ میں بے شمار محققین نے اس کو "جعل" ظاہر کیا ہے بعض نے حمایت کی ہے، مگر اتنا وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں "جعل" کی آمیزش

یادہ تر ہے۔

داخلی شہادت داخلی شہادت بے شمار مشکلات پیش کررہی ہے، جن کا مفصل تذکرہ ڈاکٹر فیرر نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۰۲ لغایت ۱۱۶ پر کیا ہے۔ ہم صرف ایک دو کا اقتباس پیش کرتے ہیں:

" ایک بالکل انوکھی اور سخت مشکل ہے، جسے ڈاکٹر ابٹ (A B B O T T) نے واضح کیا ہے۔ اور آج تک نظرانداز ہوتی رہی یقیناً اس خط کے راقم نے یہودی مؤرخ جوزیفس (J O S E P H U S) کے مطالعہ کے بعد یہ خط لکھا یا جوزیفس نے اس خط کے مطالعہ کے بعد اپنی کتابیں لکھیں، اگر اس خط کا راقم مقدس پطرس ہے، تو دونوں صورتیں ناممکن ہیں۔ جوزیفس کی سب سے ابتدائی تحریر ۷۵ء تک شائع نہیں ہوئی اور (A N T I Q U I T I E S) تو ۹۳ء تک بھی شائع نہ ہوئی۔ یہ امر یقینی ہے کہ راقم خط اور یہودی مؤرخ میں شابہت اتفاقیہ نہیں ہوسکتی۔ اس امر کا ثبوت کچھ تو مفرد الفاظ اور فقرات سے ملتا ہے، مثلاً باب ۳-۹ میں لفظ "دیر" کا اطلاق غضب الٰہی کے ساتھ ہوا ہے (دیرگیر و سخت گیر و مرتزا) باب ۱-۱۹ میں فقرہ "تم اچھا کرتے ہو، اگر اس میں فکر کرتے ہو" باب ۱-۹ میں "بھولے بیٹھے ہو" باب ۱-۵ میں "ذلت سے ہلاک کیا" باب ۱-۴ میں "یکساں قیمتی" اور وعدہ (ترجمہ E P A N G E L M A)، باب ۱-۱۶ میں S E S O P H I S M E U O S کا ترجمہ "دغابازی سے گھڑی ہوئی" (کہانیاں = مائی تھولوجی) اور باب ۲-۳ میں "قدیم الایام سے"، یہ اور اسی قسم کے الفاظ و کلمات نہ تو عہد جدید میں کسی اور مقام پر اور نہ یونانی ترجمہ عہد عتیق میں جو "S E P T U A G I N T" (سبعتین) کے نام سے مشہور ہے، ان معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، لیکن اس خط اور جوزیفس کی تحریر میں انہی معنوں میں اس کا اطلاق ایک ہی جیسے واقعات کے متعلق ہوا ہے۔"

"A N T I Q U I T I E S" کے دیباچہ صفحہ ۳ و ۴ میں جوزیفس لکھتا ہے کہ موسیٰ نے فطرت الٰہی میں فکر کرنا لازمی سمجھا۔ جس کے بغیر قارئین کی نیکی (V I R T U E) میں ترقی محال تھی، مگر دوسرے مذاہب نے "دغابازی سے گھڑی ہوئی کہانیوں" کی پیروی کی، لیکن موسیٰ نے یہ ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جامع صفات حسنہ ہے اور ہدایت کی انسان کو اخلاق الٰہی سے متخلق ہونا چاہیئے۔ موسوی شریعت میں کوئی ایسا امر نہیں، جس سے خدا کی عظمت پر بٹہ لگ سکے۔"

" حیرت انگیز یہ امر ہے کہ عہد جدید میں صرف ایک خط ہے جس میں یہی الفاظ اور کلمات

اس مضمون کی عبارت میں استعمال ہوئے ہیں" فرق صرف اتنا ہے، اللہ کی جگہ یسوع مسیح رکھ دیا گیا ہے۔

" ہماری توجہ کو جذب کرنے کے لیے یہی کافی ہے، مگر کس قدر حیرت انگیز لفظ نیکی (VIRTUE) بہ تعلق ذاتِ الٰہی ہے۔ یہ لفظ جس سے اعلیٰ معیار تقدیس اور بھی اعلیٰ ہوجاتا ہے، ان معنوں میں عہدِجدید میں اس خط کے سوا اور کہیں نہیں، مگر جوزیفس کی عبارت کا ربط اس مضمون کی بخوبی تشریح کر رہا ہے، وہ اشارات میں نہیں، بلکہ صاف صاف الفاظ میں اس اخلاق (VIRTUE) کا مقابلہ جو بنی آدم کا نصب العین ہونا چاہیے اور جو اس انعام ربانی سے واضح ہوا، جس کے ذریعے اللہ نے اپنی ہستی کا اظہار موسیٰ پر فرمایا مشرکین کی شرمناک بدکاریوں سے کرتا ہے جس سے ان کے کاذب دیوتا قعرِ پستی میں گرے ہوئے ہیں"

" جوزیفس (یوسف) اپنی کتاب محولہ بالا کے باب ۴ صفحہ ۸ فقرہ ۲ میں موسیٰ کا آخری کلام نقل کرتا ہے، مگر وہ الفاظ جو اس کے آٹھ یا نو فقروں میں استعمال ہوئے ہیں، تمام عہدِجدید میں ہم شکل کوئی فقرہ ایسا ہوگا، جس میں ان ہی معنوں میں استعمال ہوئے ہوں، بلکہ ان میں سے بعض تو سبعتین میں بھی استعمال نہیں ہوئے، لیکن ان میں سے ہر ایک لفظ اس مختصر خط میں موجود ہے اور بعض الفاظ تو ایک ہی جیسے فقروں میں استعمال ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو ۱/۷ ، ۱/۴ ، ۱/۱۳ ، ۱/۱۲ ، ۲/۱۵ ، ۱/۴ ، ۲/۳ وغیرہما۔ علاوہ ازیں ۱/۱۹ و ۲/۱۰ میں وہ فقرات ہیں، جو جوزیفس کی کتاب کے باب ۴-۱۱ فقرہ ۱۲ اور باب ۳-۹ فقرہ ۳ کے بالکل مطابق ہیں، لیکن عہدِجدید میں اور کہیں نہیں پائے جاتے۔

ان داخلی اور خارجی شہادتوں کی تشریح کے بعد ایک مسیحی قلب سلیم سے توقع ہو سکتی ہے کہ اسے مقدس پطرس سے منسوب کرے اور وہ بھی وجدانی تحریک پر؟ اس خط کا مضمون بلحاظ فصاحت و بلاغت ایسا اعلیٰ ہے کہ عہدِعتیق کی کسی تحریر کا اس سے مقابلہ کرنا اس کی وقعت کو گھٹانا ہے۔ مصنف قادر الکلام اور علم و فضل کے لحاظ سے ان ایام کے مصنفین سے ممتاز نظر آتا ہے، بقول ڈاکٹر فیرر پہلی اور دوسری صدی میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا، جس کی روشن دماغی کا نتیجہ یہ خط ہو، دراصل یہ خط ہی نہیں، اگرچہ فقرات جو کسی نیک دل عیسائی کے تصرف بے جا نے جڑ دیے ہیں، نظر انداز کیے جائیں، تو عبارت شہادت دے رہی ہے کہ یہ کسی اعلیٰ پایہ کی کتاب کا جزو ہے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ" یہ میرا دوسرا

خط ہے" چوں کہ دونوں خطوں کا راقم مقدس پطرس سمجھا گیا ہے، اس لیے یہ اشارہ پہلے خط کی طرف ہوگا، جس کا مذکور ہوچکا۔ مقابلہ نہایت دلچسپ ہے۔ ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں :

پہلے خط (۳ ۱۹) میں مذکور ہے کہ مسیحؑ باعتبار جسم قتل کیا گیا، لیکن بہ اعتبار روح زندہ ہے اور اسی میں اس نے جاکر ان قیدی روحوں میں منادی کی، جو اگلے زمانہ میں نافرمان تھیں، جب خدا نوحؑ کے زمانہ میں تحمل کرکے ٹھیرا رہا تھا اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی، جس پر سوار ہوکر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلے بچیں (باقی پانی کے وسیلہ سے غرق ہوئیں؟)" اور اسی پانی کے مشابہ بھی یعنی اصطباغ مسیحؑ کے جی اٹھنے کے وسیلہ اب تمہیں بچاتا ہے"۔ ـــــ بقول ڈاکٹر فیرر پہلے خط میں مسیحؑ کا دوزخ میں جاکر قیدی روحوں میں انجیل کی منادی کرنا ایک اہم امر ہے، لیکن دوسرے خط میں جہاں اس کی توقع تھی، اشارہ بعید بھی نہیں۔

مسیحؑ کا دوزخ میں جانا کس شہادت سے کرۂ ارض پر رہنے والوں کو معلوم ہوا؟ اس کا مفصل تذکرہ آپؑ کے حواری "نقودیمس" کی انجیل میں ہے، جو موجودہ زمانہ میں ایپوکریفل (غیر مستند) شمار ہوتی ہے۔ اس انجیل کے باب ۱۷ میں اس شمعون کا مذکور ہے، جس کا ذکر مقدس لوقا کی انجیل (باب ۲ - ۲۵ / ۳۴) میں ہے کہ وہ مسیحؑ کی پیدائش کا منتظر تھا اور اسے روح القدس نے بتادیا تھا کہ جب تک تو خداوند مسیحؑ کو نہ دیکھ لے گا، موت کو نہ دیکھے گا۔ وہ حسب ہدایت روح القدس ہیکل میں آیا، جہاں مسیحؑ کے والدین آپؑ کو موسوی شریعت کے موافق لائے ہوئے تھے۔ آپؑ کو گود میں اٹھا کر خدا کی حمد و ثنا کی۔

نقودیمس لکھتا ہے کہ شمعون مرگیا اور اس کے دو لڑکے بھی مرگئے، لیکن جب مسیحؑ کے مصلوب ہونے پر مردے قبروں سے جی اٹھے (حسب روایت مقدس متی باب ۲۷ - ۵۲ / ۵۳) تو شمعون کے دونوں بیٹے بھی زندہ ہوکر شہر "آری ماتھی" میں رہتے تھے، لیکن کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ ادھر حواریوں اور یہودیوں میں مباحثہ چھڑا ہوا تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے مسیحؑ کو مصلوب کیا اور وہ لعنت کی موت مرا اور عیسائی کہتے کہ ہاں یہ سچ ہے، لیکن وہ تین دن کے بعد زندہ ہوا۔ تین دن کا حال لوگوں کو معلوم ہوگا، جو قبروں میں سے جی اٹھے ہیں، اس لیے سب شمعون کے بیٹوں کے پاس آئے اور ان کو یسوع کی قسم دی، جس نے ان کو مردوں سے زندہ کیا تھا۔ دونوں اس قسم کو سن کر کانپے اور ڈر کر گھبرائے اور آہ بھر کر آسمان کی طرف دیکھا اور انگلیوں سے اپنی زبان پر صلیب کا نشان بنایا اور لکھنے کے لیے مانگا، اس کے بعد مفصل تذکرہ مسیحؑ کا ہے کہ کس طرح دوزخ میں تشریف لائے اور شیطان سے جنگ و جدل ہوا اور تمام روحوں کو آزاد کیا۔

موجودہ مسیحیت کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیحؑ کا مصلوب ہونا اور لعنتی کی موت مرنا کفارہ ہے تمام جہان کے گناہوں کا، چوں کہ آپؑ نے تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ اٹھا لیا، اس لیے اس کی پاداش میں کچھ روز دوزخ میں رہنا لازمی امر تھا، اس لیے بقول راقمِ خط زیرِ بحث قصہ گو نے یہ "دغا بازی سے گھڑی ہوئی کہانی" وضع کی، جس کا مذکور پہلے خط میں ہے، لیکن مشکل یہ تھی کہ جہنم کا حال تو اہلِ جہنم ہی بتا سکتے ہیں، اس لیے مقدس کی روایت جو فی نفسہٖ نہایت نامعقول بات ہے۔ اس قصہ کی تکمیل میں کام آئی کہ مسیحؑ نے ادھر صلیب پر دم دیا اور ادھر قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے، مسیحؑ کے جی اُٹھنے کے بعد مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیے ——— توقع تو یہ تھی کہ یہ مقدس جنت میں ہوں گے، مگر حسبِ روایت نقودیمس شمعون کے بیٹوں کی طرح جہنم میں مسیحؑ کے منتظر تھے۔

"دغا بازی سے گھڑی ہوئی کہانیاں" وہ ہیں، جن کا مطالعہ ہم بُت پرستوں کی کتابوں اور شاستروں میں کرتے ہیں کہ خدا دیوتاؤں اور اوتاروں کی صورت میں کیا کیا سوانگ بھرتا ہے۔ جوزیفس نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ موسیٰؑ نے تخلقوا باخلاق اللہ کا سبق دیا اور خدا کے متعلق ایسے خرافات بیان نہیں کیے، جو جھوٹ اور طومار ہیں، جیسا کہ یونانی، مصری، ایرانی اور ہندی "مائی تھولوجی" میں محفوظ ہیں۔ خط زیرِ بحث میں ان کی تردید ہے۔ آبِ زر سے لکھنے کے قابل یہ فقرہ ہے کہ

"کمال سعی اس امر پر صرف کرو کہ اپنے ایمان پر نیکی اور نیکی پر معرفت اور معرفت پر تقویٰ اور تقویٰ پر صبر اور صبر پر دین داری اور دین داری پر اخوت اور اخوت پر محبت بڑھاؤ" (پ ۱ ب ۵-۸)

اور فی الحقیقت تمام خط کا مضمون مرصع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رُوح القدس بول رہا ہے۔ پہلے خط کو دوسرے خط سے وہی نسبت ہے، جو خاک کو عالمِ پاک سے ہے۔

درسِ حیات

(محمد اقبال صابری)

ذیل کے خیالاتِ پریشاں" محترم میاں مہر بخش صاحب چغتائی کی تحریک سے قلم بند کیے گئے ہیں، لہٰذا انہی کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیے جاتے ہیں۔ (صابری)

علمِ غیب کا ماہر | گاڑی لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ مَیں پُل کو عبور کر کے نیچے اُترا ہی تھا کہ ایک خوش پوش نوجوان سے سامنا ہُوا، اُس نے اپنی بغل سے ایک فائل نکالا اور ایک دو ورق اُلٹ کر میرے سامنے بڑھا دیا۔

"کیا مطلب"؟ مَیں نے پوچھا۔

"مَیں پامسٹ ہوں۔ رمل اور نجوم بھی جانتا ہوں۔ یہ سرٹیفکیٹ ہیں۔ آپ انہیں ملاحظہ کیجیے۔"

"ٹھیک ہے،" مَیں نے تجاہلِ عارفانہ سے جواب دیا "لیکن آپ کا مقصد کیا ہے"؟

"مقصد، آپ اپنے مستقبل کے متعلق، اپنے روزگار اور قسمت کا حال مجھ سے دریافت کر سکتے ہیں"

"مجھے فلیمنگ روڈ کی طرف جانا ہے۔ آپ جانتے ہیں، فلیمنگ روڈ کدھر ہے"؟

"جی نہیں! مَیں نہیں جانتا"

"آپ فلیمنگ روڈ کو نہیں جانتے، حالاں کہ لاہور کے ہزارہا آدمیوں سے اس کا پتہ چل سکتا ہے، لیکن تعجب ہے، آپ میری آئندہ قسمت اور تقدیر کا حال کیوں کر جان سکتے ہیں"؟

نوجوان نے فائل بند کر لیا۔ اُس کے چہرے پر خفیف سی شرمندگی اور ندامت کے آثار کھیلنے لگے وہ زیادہ دیر ٹھیرنے کی تاب نہ لا سکا، مَیں نے یہ سوچتے ہوئے اپنی راہ لی، جو لوگ "ظاہر" کا علم بھی نہیں رکھتے وہ غیب کی باتیں بتانے کا دعوٰی کس مُنہ سے کر بیٹھتے ہیں۔ سعدیؒ نے ایک ایسے ہی نجومی کے متعلق کہا تھا:

تو بر اوجِ فلک چہ دانی چیست ؟
کہ نہ دانی کہ در سرائے تو کیست

تصویر کا دُوسرا رُخ | مَیں ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھا۔ چپراسی دفتر سے غیر حاضر تھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ مَیں کھانا کھانے کے لیے ہوٹل جانے ہی والا تھا کہ اتنے میں دفتر کے پروپرائٹر صاحب تشریف لے آئے۔

"آپ کھانا کھانے جا رہے ہیں"؟

"جی ہاں"!

"یہ ڈاک لے جائیے، راستے میں ڈاک خانے دیتے جائیے"

"لیکن یہ تو چپراسی کا کام ہے"

"کوئی حرج نہیں، پھر کیا ہُوا؟"

"معاف کیجیے، مجھ سے یہ کام نہ ہو سکے گا"

میرے یہ الفاظ انہیں ناگوار معلوم ہوئے چند لمحوں کے توقف کے بعد بولے:

"افسوس ہے، آپ نہیں جانتے، آج کل روزگار کا کیا حال ہے؟ ابھی کل ہی اخبار میں لکھا تھا، لاہور میں ایک علیگ گریجوایٹ نے بُوٹ پالش کرنے کا پیشہ اختیار کر لیا ہے"

مَیں ان الفاظ کا مطلب سمجھ گیا۔ مَیں نے عرض کیا:

"تو پھر کیا ہُوا؟ آپ نے ایک بدنصیب گریجوایٹ کی مثال کو لے لیا ہے۔ مَیں اس کے برعکس آپ کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں روشن مثالیں دکھا سکتا ہُوں۔ بڑے بڑے سرکاری حکام، جج، ڈپٹی کمشنر، وزیر اور گورنر ـــــ یہ گریجوایٹ آپ کو کیوں نظر نہ آئے؟ آپ تصویر کے دونوں رُخ دیکھیے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ آپ ملک کی بے کاری سے ناجائز فائدہ ۔۔۔

"چھوڑیئے اس بحث کو" پروپرائٹر صاحب یہ الفاظ کہہ کر کمرے سے رخصت ہو گئے۔

سیاسی منافق | مجھے ریل کا وُہ سفر کبھی نہیں بھُولتا، جب شاہدرہ سے مجھے ایک کانگرسی کارکن کی رفاقت کا موقعہ ملا۔

ایک گھنٹے تک ہم دونوں میں ہندو مُسلم اتحاد، کانگرس، آزادی وغیرہ موضوعوں پر گفتگو ہوتی رہی۔ میرے ہم سفر نے مجھے بتایا، ہندوستان اُس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا، جب تک یہاں کی مختلف قوموں میں رواداری اور اتحاد کا سلسلہ قائم نہ ہو جائے۔ اُن کے ایک ایک لفظ سے معلوم ہوتا تھا،

وہ مذہبی تعصب، تنگ دلی اور تنگ خیالی کے سخت دشمن ہیں۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہی جسم کے دو اعضا ثابت کرتے تھے۔ وہ مشترکہ تعلیم اور مشترکہ شادیوں کے داعی تھے۔ چھوت چھات کو وہ ہندوستان کے لیے سب سے بڑی لعنت خیال کرتے تھے ـــــــ مجھے اُن کے خیالات اچھے معلوم ہوئے، مَیں اُن کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔

گجرانوالہ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی کھڑی ہوئی۔ اُنہوں نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے ایک قُلی کو اشارے سے بلایا اور آہستہ سے بولے:

"ہندو ہوتے ہو تم؟"

"ہاں، لالہ جی!"

"یہ میرا سامان اٹھا لو!"

لالہ جی کو مطلق یہ خیال نہ آیا کہ مَیں ابھی ابھی رواداری کے لیکچر سے فارغ ہُوا ہوں، مذہبی تعصب کو قابلِ نفرت ٹھیرا چکا ہوں، چھوت چھات پر لعنت بھیج چکا ہوں اور ہندوستانیوں کی بدنصیبی کو اُن کی تنگ دلی پر محمول ٹھیرا چکا ہوں ـــــــ پھر وُہ شخص، جس کے سامنے انہوں نے لمبی چوڑی تقریر کی تھی، ٹھیک اُن کے ساتھ بیٹھا ہُوا تھا، کم از کم اُس کے سامنے تو انہیں اپنی نمائشی رواداری کی لاج رکھ لینی چاہیے تھی۔

لالہ جی کو مخاطب کرنے کے لیے دو ایک باتیں نوکِ زبان پر آیا ہی چاہتی تھیں، لیکن پھر خیال آیا، اس سے کیا فائدہ؟

ہندوستان کی غلامی پر تبصرہ کرتے ہوئے لالہ جی نے جن اسباب پر بحث کی تھی، وہ درست ہوں یا نہ ہوں، لیکن ان کے اس طرزِ عمل سے میرے ذہن میں ایک اور سبب دریافت ہُوا اور وہ یہ کہ ملک کی بدنصیبی میں ہمارے "سیاسی منافقوں" کا ہاتھ بھی شامل ہے۔

پیر پرستی کی انتہا ہمارے محلّے میں ایک غریب موچی رہتا تھا، بالکل پرانے زمانے کا آدمی، سادہ لوح اور جاہل۔ ایک روز مَیں نے سُنا، ایک پیر صاحب اُس کی بیوی کو اغوا کر کے بھاگ نکلے ہیں۔ مَیں نے اس واقعہ پر نہ حیرت کا اظہار کیا نہ افسوس کا۔ اس طرح کے واقعات ہر روز ہوتے ہی رہتے ہیں۔ کوئی نئی بات ہوتی، تو تعجب بھی ضرور ہوتا۔

شیشم کے ٹھنڈے سائے میں چار پائیاں بچھائے پانچ سات آدمی بیٹھے تھے، مَیں بھی ان میں جا کر بیٹھ گیا۔ جس موچی کا مَیں نے آپ سے ذکر کیا ہے، وہ بھی مجلس میں بیٹھا ہُوا تھا۔ مَیں نے اُسے مخاطب کر کے پوچھا:

"خیریت ہے؟"

"اس بے چارے کی بیوی اغوا ہوگئی، آپ خیریت پُوچھتے ہیں" ایک شخص پکار اٹھا۔

مَیں نے کہا "مجھے بڑا افسوس ہے۔ سُنا کرتے تھے، پیر اپنے مریدوں کو بیویاں دلاتے ہیں لیکن اب دستور اُلٹ گیا۔ پیر، مریدوں کی بیویاں اُڑانے لگے۔"

کسی نے کہا "مَیں تو شروع ہی سے پیر پرستی کا مخالف ہُوں"

"ایسا ہی چاہیے،" مَیں نے کہا "لوگوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے"

"سبق کیسا؟" موچی بول اٹھا۔ "وہ تو خیر بیوی تھی، پیر صاحب اگر میری جان بھی آکر طلب کریں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔"

"وُہی پیر صاحب؟" مَیں نے دریافت کیا۔

"ہاں، وُہی پیر صاحب، کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے پیری مریدی کے تعلقات کو؟"

ساری محفل پر سکتہ چھا گیا۔ مجھے ہمت نہ پڑی کہ اس گنوار سے بحث کروں۔ کئی روز تک اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے، کئی روز تک میرا دل روتا رہا، کئی روز تک میری روح متاثر رہی۔ مَیں سوچتا تھا اور اب بھی سوچتا ہوں، ہندوستان میں کوئی بھی ایسا لیڈر نہیں، جو اہلِ دیہات کی جہالت، اُن کی اخلاقی پستی، اُن کے ذہنی زوال کو دُور کرنے کا بیڑا اٹھائے؟

پنجی ملازموں کی حالتِ زار چند ہفتے گذرے، مجھے مشرقی وضع کے ایک بہت بڑے رئیس کے ہاں میزبانی کا شرف حاصل ہُوا۔ ایک عالی شان کوٹھی، قیمتی فرنیچر، شاداب سرسبز اور خوش حال زمینیں، وسیع باغ، باغیچے اور عمارتیں، ہر چیز سے ریاست، دولت اور ثروت کی خوشبو آتی تھی۔ ہمارے میزبان زہد، ذہانت، سادگی اور شرافت کی مجسّم تصویر تھے۔ بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا، بڑے حلم و تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ انہیں دیکھ کر یہ گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے رئیس ہیں۔

مَیں نے اُن کے ملازم کو دیکھا۔ سولہ سترہ برس کی عمر، چہرہ خوب صورت، لیکن زردی مائل، آنکھیں

چمکیلی، لیکن افلاس آلود، جسم سڈول، لیکن مضمحل، اخلاق و عادات پسندیدہ، لیکن غمگین۔ اُس کے پھٹے ہوئے کپڑے اُس کی خستہ حالی کی خاموش داستان میں آواز پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، یہ نوجوان جوانی اور افلاس کی جنگ میں مبتلا ہے۔ جوانی اُبھرنا چاہتی تھی، افلاس اُس پر قابو پائے ہوئے تھا۔ مَیں اس کے درد سے آگاہ ہونا چاہتا تھا، اُس کے دو چار آنسو گرا کر پھر اپنے ہی دامن سے اُس کی آنکھیں پونچھنا چاہتا تھا، شاید اس طرح اُس کے مصائب کا بوجھ ہلکا ہو جاتا، لیکن تین چار گھنٹے کے مختصر قیام میں یہ مشکل ہی نہ تھا، ناممکن تھا ——— شام کو افسردگی اور اداسی کے عالم میں، مَیں وہاں سے رخصت ہُوا۔

بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر ایک گریجوایٹ جنٹلمین گاڑی پر سوار ہوئے۔ ایک ہاتھ میں انگریزی اخبار لیے ہوئے، میرے سامنے کی نشست پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں خادم نے آکر ایک شیر خوار بچہ اُن کی گود میں بٹھا دیا۔ وہ بچے کو بہلاتے رہے۔ چند ہی منٹ کے بعد، بچے نے پیشاب کر دیا۔ نوکر کو آواز دے کر بولے:

"سنبھالو اس کو، پیشاب کر دیا ہے اس نے۔"

خادم نے اپنے کپڑے بچاتے ہوئے، بچے کو بازوؤں کے سہارے اُٹھا لیا۔ بچے کی ٹانگیں پیشاب سے تر تھیں۔

"ارے، اس کی ٹانگوں کو پونچھتے کیوں نہیں؟"

نوکر کہنا چاہتا تھا "کس چیز کے ساتھ پونچھوں؟" وہ متامل تھا، بابوجی بولے:

"اپنی قمیص کے دامن کے ساتھ پونچھ لو، دیکھتے کیا ہو؟"

بادلِ ناخواستہ اُس بے چارے نے حکم کی تعمیل کی۔

کیا نجی ملازم انسان نہیں ہوتے؟ انہیں کراہت کا احساس نہیں ہوتا؟ انہیں بدبو نہیں آتی؟ اُن کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟ اُن کے ضمیر کو ٹھیس نہیں لگتی؟ ——— مَیں نے آج دو ملازم دیکھے، ایک مشرقی تہذیب کے بہت بڑے گھرانے میں، ایک مغربی تہذیب کے سایۂ عاطفت میں، ——— ——— دونوں کی صورت قابلِ رحم، دونوں کی حالت دردافزا، آہ! ہمارے خانگی ملازموں کی تصویر کتنی حسرت ناک ہے! کبھی اُن کی آہوں میں بھی اثر پیدا ہوگا؟ کبھی اُن کی فریادیں بھی سُنی جائیں گی؟ کبھی اُن کی قسمت بھی پلٹا کھائے گی؟

بہائیت اور قرآن

۳

(محمد اقبال سلمانی)

تعدد ازدواج کے مسئلے کو بھی ہدفِ اعتراض بنایا گیا ہے، حالاں کہ قرآن مجید پر جس قدر اعتراضات آج تک کیے گئے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ بے وقعت اعتراض یہی ہے۔ مدیر "بہائی" فرماتے ہیں:

"پرانے زمانے کی باتوں میں سے ایک تعددِ ازدواج بھی ہے۔ آج کل تو مسلمان عورتوں میں اس کے خلاف سخت جوش ہے، یہاں تک کہ کتنی ہی مسلمان عورتیں صاف طور پر یہ کہتی دکھائی دیتی ہیں کہ قرآن کا یہ حکم ہم ہرگز نہیں مانیں گی کہ ایک سے زیادہ بیوی کر سکتے ہو۔"

اگر رفع اعتراض کے لیے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ قرآن حکیم میں تعددِ ازدواج کا حکم کہیں نہیں آیا، تو میرے یقین میں اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا مخالف بھی اس کے خلاف ثابت نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ حزم و یقین کے ساتھ اگر کوئی دعویٰ کیا جا سکتا ہے، تو صرف یہ کہ قرآن نے تعددِ ازدواج کا حکم تو نہیں دیا، البتہ اجازت ضرور عطا کی گئی ہے۔ اگر اس اجازت پر بھی کسی دماغ کو اعتراض ہو سکتا ہے، تو میرے خیال میں اس کا باعث صرف یہی ہے کہ اس مسئلے پر عادلانہ نقطۂ نگاہ سے غور نہیں کیا گیا۔ آئیے، ہم اسے قرآن پاک کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کو عام حالات میں مردوں کی زیادہ ضرورت ہے یا عورتوں کی؟ معمولی غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ قدیم الایام سے لے کر آج تک زمانے میں، زمانے کی ضروریات میں، جس طبقے کی زیادہ کھپت رہی ہے، وہ مردوں ہی کا طبقہ ہے۔ مختلف اقوام و ممالک کی باہمی جنگ و پیکار میں، ایک ایک وقت میں ہزاروں اور لاکھوں مردوں کو موت کے منہ میں جانا پڑتا ہے۔ بحری حادثات میں یعنی سمندروں اور کشتیوں کے ڈوبنے سے بھی بالعموم مردوں کی جانیں ہی ضائع ہوتی ہیں۔ معدنیات کی کانوں میں، عام سفری حوادث میں یا وبائی حملوں کی صورت میں بھی عورتوں سے کہیں زیادہ مرد ہی لقمۂ اجل ہوتے ہیں۔ عورتوں کی زندگی نسبتاً محفوظ ہوتی ہے اور اُن کا خاتمہ عام طور سے طبعی موت

کے ذریعے ہوتا ہے ـــــــ ان حقائق کو عقلی طور پر تسلیم کر لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی ضروری ہو جائے گا کہ جہاں مردوں کی ہلاکت ! غیر طبعی موت واقعات و امکانات کی رُو سے نسبتاً زیادہ ہے تو اسی نسبت سے اُن کی ولادت بھی زیادہ[1] ہونی چاہیئے۔ قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اس حقیقت کی تصدیق اس طرح آئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا[2] وَّنِسَآءً الخ

اے بنی نوع انسان ! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ وُہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا۔ پھران دونوں کی نسل سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کر کے، پھیلا دیں "

عقل و واقعات کی شہادت، اور قرآن کی اپنی تصدیق کے بعد تعدد ازدواج کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ بہائیوں کے نزدیک یہ بات تو مسلّم ہے کہ قرآن میں تضاد نہیں پایا جاتا۔ اب یہ کیسے ممکن ہے، ایک طرف تو قرآن بتائے کہ عورتیں مردوں سے کم ہیں اور دوسری طرف ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کی حمایت بھی کرے ؟ فافہم !

نا مسلم ہی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے، مسلمانوں نے بھی اس مسئلے کو سمجھنے میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک فریق نے "جواز" کو احکام کی فہرست میں شامل کر دیا، اور دوسرے نے جواز مشروط کو جواز مطلق سمجھ کر عملاً اپنی نا دانیوں کا ثبوت دیا۔ قرآن نے اجمالاً اس موضوع پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس پر غور کرنا چاہیے :

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۭ

اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے، تو تم اُن عورتوں کو جو تمہارے نکاح میں آنے کے لیے خوش ہوں۔ دو دو یا تین تین یا چار چار کر کے نکاح میں لایا کرو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے، تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی، جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے "

[1] مردم شماری کی اطلاعات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرد عورتوں سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ (بلاغ)

[2] کثیرًا کا لفظ رجالًا کے ساتھ بطور صفت واقع ہوا ہے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مرد، عورتوں سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر چوں کہ اُن کی ایک معقول تعداد ہمیشہ غیر طبعی موت سے رخصت ہوتی رہتی ہے، اس لیے بالعموم دونوں طبقوں کی تعداد قریب قریب مساوی ہی رہتی ہے اور جب تعداد مساوی ہو، تو تعدّدِ ازواج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی جنگ کے موقعہ پر مردوں کی کثرتِ ہلاکت کے باعث بہت سی عورتیں رانڈ اور بے شمار بچے یتیم ہوکر رہ جائیں (جس پر گذشتہ جنگِ یورپ کی شہادت کافی سے زیادہ روشنی ڈالتی ہے) اس صورت میں لازماً تعدّدِ ازواج کی ضرورت پیش آئے گی۔ بیواؤں کے ساتھ اُن کے یتیم بچے بھی نکاح کرنے والوں کی تحویل میں آجائیں گے۔ آگے چل کر جب ان بیواؤں کے بطن سے اُن کی اپنی اولاد پیدا ہوگی، تو پھر سوتیلی اور سگی اولاد ہی میں بے انصافی کا امکان نہیں، بلکہ اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ مرد اپنی متعدد ازواج میں انصاف قائم نہیں کرسکیں گے، اُن کے ساتھ یکساں سلوک سے پیش نہیں آسکیں گے اور اُن کے حقوق عدل و قسط کے ساتھ ادا نہیں کرسکیں گے۔ خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کے اسی اندیشے کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا، اگر تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ اپنی عورتوں اور یتیموں میں مساوات قائم نہیں رکھ سکو گے، تو پھر تم اُن ہی عورتوں کے ساتھ نکاح کرو، جو طَابَ لَکُمْ کے ماتحت اپنے حقوق (یعنی مہر، عدل بَین النساء وغیرہ) تمہیں برضا و رغبت معاف کردیں اور از خود تمہارے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کریں، لیکن اس قسم کا نکاح بھی صرف مجبوری ہی کی حالت میں روا رکھا گیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ایک نکاح کیا جائے۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ لَّا تَعُوْلُوْا "بے انصافی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا زیادہ قرینِ صواب ہے"

انسان اپنی نفسانی خواہشات کے اعتبار سے، قرآن حکیم کی تاویلوں سے باز نہیں رہتا۔ خدا تعالیٰ فطرتِ انسانی کا سب سے بڑا نبّاض ہے، اُسے معلوم تھا، مسلمان "شرطِ عدل" کے ساتھ تعدّدِ ازواج کا جواز پیدا کرلیں گے، اس لیے ارشاد فرمادیا کہ تم میں اتنی استطاعت ہی نہیں کہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان انصاف کرسکو (لہٰذا تم ایک سے زیادہ نکاح کرنے کے مجاز نہیں ہو):

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ الخ

اور تم خواہ کتنا ہی چاہو، عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کرسکو گے۔ سو تم (پہلی بیوی کی طرف سے) بالکل ہی نہ جھک جاؤ اور اُسے ایسی حالت میں نہ چھوڑ دو، گویا وہ اَدھر میں لٹک رہی ہے"

دیکھیے، ایک مقام پر بتایا، تعددِ ازواج ہے تو جائز، بشرطیکہ تم انصاف کرسکو۔ دوسری جگہ بتایا کہ تم ہزار کوشش کرو، ایک سے زیادہ بیویوں میں انصاف کرنا تمہارے بس کی بات ہی نہیں۔ ہاں اگر کوئی عورت اپنے حقوق تمہیں معاف کردے، تو تم دوسرا نکاح بھی کرسکتے ہو، لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ ایک ہی بیوی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو اس طرح چھوڑ دو، گویا وہ معلقہ ہے۔

"مدیر" بہائی" سے یہ دریافت کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جب کسی قوم میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے، تو بہائی مذہب کے نزدیک اس کا کیا علاج ہے؟ —— کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کا ہر ملک انگلستان بن جائے، جہاں عورتوں کی کثرت کے باوجود تعددِ ازواج ممنوع ہے، جہاں ہر سال تیس ہزار حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں اور جہاں اس وقت ایسے لوگوں کی تعداد دس لاکھ سے زائد ہے، جو ناجائز تعلقات کا نتیجہ ہیں[1]۔ کیا آپ اس قسم کی صورتِ حالات کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں؟

قرآن نام ہے ایک معقول دین کا۔ اس نے نوعِ انسان کی معاشرت کے سارے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنے احکام و قواعد وضع کیے ہیں۔ وہ دین کامیاب دین نہیں کہلا سکتا، جو تمام ممکن حالات کو سامنے نہ رکھے اور جو اپنے پیروؤں کو مستثنیات سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دے۔

یہ عجیب بات ہے کہ "مدیرِ بہائی" نے قرآن پر تو اعتراض کردیا کہ وہ تعددِ ازواج کی اجازت دیتا ہے، لیکن اپنی "الہامی کتاب اقدس" کے حکمِ ذیل کو نہ جانے کیوں نظر انداز کر گئے:

علیکم النکاح وَلا تجاوزوا عن الاثنین (کتاب اقدس ص۱) — تم (بہائیوں) پر نکاح کرنا فرض ہے، لیکن دو سے زیادہ نکاح نہ کرو!

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے؟

(باقی)

---

[1] "زمیندار" یکم نومبر ۳۸ء صفحہ ۱۰۔

شیخ تقویٰ زدہ میں حافظ و خیام یہاں

(جناب مولانا تمنّا عمادی مجیبی، پھلواروی)

مدت ہوئی، جناب جوش ملیح آبادی کی ایک ملحدانہ نظم مجھے ایک عزیز نے دکھائی تھی اور یہ خواہش کی تھی کہ میں بھی کچھ اسی طرح پر اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں نے عذر کیا اور ہجومِ مشاغل کی وجہ سے مجبوری ظاہر کی، مگر پھر ایک صحبت میں اُن سے ملاقات ہوئی، تو پھر فرمائش کی۔ اتفاقاً طبیعت حاضر ہو گئی اور اُسی وقت وہیں سے املا کرانا شروع کر دیا۔ چند احباب اور بھی مجتمع تھے، چائے کا دَور چل رہا تھا، بلکہ اس اثنا میں دو بار چلا، اور تقریباً دو گھنٹوں میں یہ نظم تیار ہو گئی۔ عزیز ممدوح نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی ایک نقل بھیج دوں گا، میں دوسرے دن وہاں سے چلا آیا۔ وہ بھی چلے گئے۔ نقل مجھے نہ ملی اور نہ مجھے اتنی فکر تھی کہ تقاضا کرتا۔ دو چار دن ہوئے، اُن کا ایک لفافہ آیا اور اُسی نظم کی نقل۔ لکھتے ہیں، مجھ سے یہ نظم کھو گئی تھی۔ آج اتفاق سے ایک کتاب میں رکھی ہوئی ملی، تو وعدہ یاد آ گیا۔ نقل کر کے بھیج رہا ہوں۔

میں ناظرینِ "بلاغ" کی ضیافتِ طبع کے لیے اس نظم کو بھیج رہا ہوں۔ چوں کہ اس نظم کے لکھتے وقت جوش صاحب کی نظم پیشِ نظر نہ تھی، اس لیے اس کو محض اُن کے ملحدانہ خیالات کا جواب سمجھنا چاہیے، نہ کہ اُن کی نظم کا۔

(تمنّا عمادی)

اک فضا نور کی ہے ہر سحر و شام یہاں
محملِ شب میں نہیں لیلیِ ایام یہاں

کوئی "امروز" نہیں کلفتِ "فردا" کا سبب
کہ ہر آغاز ہے سرمایۂ انجام یہاں

شکوۂ دَورِ فلک کیوں ہو کسی کے لب پر؟
بَل کی لے سکتی نہیں گردشِ ایام یہاں

نکلے گر مہر دمِ نزع، تو ہو صبحِ امید
ہر نفس طولِ شبِ غم کا ہے پیغام یہاں

آشیاں کیا؟ کہ عنادل نے ہمیشہ سمجھی
سیرِ صد باغ بہ یک رقص تہِ دام یہاں

کم نہیں مجمعِ اخوانِ صفا سے ہرگز
رات دن ہے جو ہجومِ غم و آلام یہاں

گھونٹ جاتے ہیں، دَوا جان کے ہر تلخی کو
منہ بناتے نہیں، سنتے ہیں جو دشنام یہاں

جو ملا اُس سے بھی خوش، جو نہ ملا اُس سے بھی خوش
کچھ کسی سے بھی نہیں شکوۂ ابرام یہاں

رکھتے ہیں اپنے ہی اعمال و عواقب پہ نظر
دوسروں کو کبھی دیتے نہیں الزام یہاں
ادعائے مدعی مست کا سن لیتا ہوں
کہ خموشی ہی میں حجت کا ہے اتمام یہاں
موج عریاں کو کہاں عقلِ سر و برگِ حباب
زندگی موت ہے بے جامۂ احرام یہاں
حجلۂ فکر میں جب بیٹھتے ہیں مثلِ نگیں
تو چمکتا ہے جگر کا وہیں سے نام یہاں
بندگی میں ہے یہاں شاہیِ جاوید کا لطف
مورِ سوراخِ بنِ گور ہے "بہرام" یہاں
سائۂ خورشید کے ہیں دور میں ہم خانہ بدوش
سایہ کی طرح ہے تعمیرِ در و بام یہاں
جان و دل چھین جو لے وہ، تو عنایت اس کی
کہتے جرمانۂ الفت کو ہیں انعام یہاں
کب بھلا وہ کسی مستِ مئے عشرت کو نصیب
چین کرتا ہے جو رم خوردۂ آرام یہاں
مر کے جییں لے کے دو اک سانس، یہ مقصد ہی نہیں
قطعِ صد مرحلۂ عمر ہے ہر گام یہاں
کرنے والے کو نہیں دردِ سرِ کوششِ ختم
کام کو آپ ہے سودائے سر انجام یہاں
اپنی بھٹی میں نہیں "امِ خبائث" کا گذر
پیتے ہیں رند مئے "ترکِ مے و جام" یہاں
کنجِ مسجد نہیں، خمخانۂ توحید یہ ہے!
رہتے ہیں بادۂ حق کے قدح آشام یہاں
ہر نفس نعمت و شکرست بہر نعمت فرض
سجدۂ شکر ہے، ہر گردشِ ایام یہاں
پختہ کاری کی وہ فرحت ہے کہ اللہ غنی!
کیوں کسی کو ہو سرورِ ہوسِ خام یہاں
آتے رہتے ہیں یہاں حیدرؓ و صدیقؓ سے رند
شیخ تقویٰ زدہ ہیں، حافظ و خیام یہاں
جن کو ہر کام میں احکامِ خدا یاد رہیں
نہ وہ ناکام وہاں ہیں، نہ وہ ناکام یہاں

مے کدہ، خانقۂ صوفیِ عیار ہے اب
سب کے سب حرص کے ہیں بندۂ بے دام یہاں
سب ہیں دیوانے، کوئی بھی نہیں ہشیار بکار
سب کو بحران ہے، ایک اک کو ہے سرسام یہاں
ڈھونڈھیے کیا اثرِ ملتِ ابراہیمی
جب ہے پیغمبریِ حافظ و خیام یہاں
مرگِ احساس ہو جب، ترک کہاں اخذ کہاں؟
کفر ہے کفر، نہ اسلام ہے اسلام یہاں
دل میں رہتی ہے لگی آتشِ سیال کی لو
پختنِ حرص میں مشغول ہے ہر خام یہاں

ان کو احساسِ اسیری بھی تمنا نہیں کچھ
دانے چگنے میں ہیں مرغانِ تہِ دام یہاں

تقریظات

بلاغ الحق | مصنفہ شمس العلماء مولانا سید محب الحق صاحب عظیم آبادی، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ، سائز ۲۶×۲۰/۸ حجم ۱۹۶ صفحے، قیمت دو روپے۔ پتہ مکتبۂ ناصریہ، آستانہ مبارک، بھوپال سے طلب کیجیے۔

اس کتاب کو دفتر میں موصول ہوئے کئی ماہ گذر چکے ہیں، مگر بعض دوسرے مشاغل کے باعث اس کے مطالعہ کی فرصت نہ نکل سکی، اس لیے ریویو میں بھی بہت دیر ہو گئی۔ ہم اس ناگزیر التوا پر مکتبہ ناصریہ کے کارکنوں سے معذرت خواہ ہیں۔

بلاغ کے ناظرین مولانا محب الحق صاحب سے متعارف ہیں۔ آپ کا تبحر فی القرآن، ندرتِ تحریر اور اسلوب بیان کسی تشریح و تفصیل کا محتاج نہیں۔ آپ کی تحریر میں درد و اثر کی یہ کیفیت ہے کہ دوران مطالعہ میں تنقید نگار کی آنکھیں بارہا اشک بار ہوتے ہوتے رہ گئیں۔

کتاب کے آغاز میں حمد و نعت ہے، پھر عرض حال، اور اس کے بعد کلام اللہ، حدیث اور اسوۂ حسنہ پر تین مفصل مقالے ہیں اور یہ تینوں مقالے اُمتِ مسلمہ امرتسر کے عقیدہ و مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آگے چل آپ نے اطاعتِ رسولؐ، ایمان، عقائد، عبادات وغیرہ عنوانوں کے ماتحت تفصیل کے ساتھ تعلیماتِ قرآن کی تشریح فرمائی ہے اور آخری پانچ ابواب میں آپ نے مسلمانوں کو اپنی قومی ابتری اور رسوائی کی طرف توجہ دلاکر، اصلاح حال کی اپیل کی ہے۔ کتاب کا خاتمہ درد و خلوص میں ڈوبی ہوئی ایک دعا کے ساتھ ہوتا ہے جس کا ایک ایک لفظ مصنف کی للّہیت اور رقت و خشیت کا شاہد ہے۔

اُن تمام مسلمانوں کو جو قرآن سے شفقت رکھتے ہیں، اس کتاب سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے (ص)

مثنوی مذہب و عقل | مولانا تمنا عمادی نے اس کتاب میں مناظرۂ مذہب و عقل کے فلسفیانہ نکات کو نہایت دل کش الفاظ میں نظم کیا ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ مذہب و عقل دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ اس کتاب کے متعلق علامہ اقبال مرحوم کی رائے حسب ذیل ہے:

"مصنف کا مقصد بہت قابل تعریف ہے اور اس مثنوی کے مضامین بھی نہایت پاکیزہ اور بے حد مفید ہیں۔"

تقطیع ۳۰×۲۰/۱۶ صفحات ۲۰۳ قیمت غالباً ۲ر، مکتبہ دار الادب پھلواری شریف پٹنہ کے پتہ سے طلب کیجیے (قمر)

(باقی ص ... پر ملاحظہ ہو)

نہیں ہوتے۔ پس اے آدم کی اولاد تم دیکھتے آئے ہو کہ یہ محکمۂ شیطانی تمہارے جیسوں کے ساتھ کیا کچھ برتاؤ کرتا آیا ہے۔ دانائی سے کام لو اور اُس کے پھندوں سے بچو۔ فرمایا:)

(۶۲) وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ○

اور یقیناً (شیطان نے) تم (بنی آدم میں) سے بہتوں کو گمراہ کیا (اور کرتا آیا ہے، تو پھر) کیا پس تم عقل نہیں کرتے ہو (ہوش اور سمجھ سے کام لو۔ جنہوں نے راستی چھوڑ کر شیطانی محکمے کی پیروی کی اُن کی حالت پہ غور کرو۔ ان کو ہر موقعہ پہ یہی کہا گیا)

(۶۳) هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○ یہی جہنم ہے، جس کا وعید تم کو دیا جاتا تھا۔

(۶۴) اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ○ آج اس میں داخل ہو جاؤ بہ سبب کفر کے جو تم کرتے تھے (اور بہت کچھ سمجھانے پر بھی ضد پہ اڑے رہتے تھے اور آیات و رسل کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ آج بد زبانی کے دروازے بند کیے جاتے ہیں)

(۶۵) الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ آج اُن کے مونہوں پر ہم مُہر لگاتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے (حالی طور پر) کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے، اُس کام کی جو وہ کرتے تھے (ایک ایک ذرہ یا چیز گواہی دیتا ہے اور جس لائق ہوتا ہے، اُس کے مناسب شہادت دیتا ہے۔ نسمہ و روح پر لطیف اشیاء کا اثر ہوتا ہے۔ غرض ان اعضاء سے حالات حالی طور پر معلوم ہوتے ہیں)

(۶۶) وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ○ اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی آنکھیں مٹا دیتے (ایک نعمت

چھن جانے سے کتنی مصیبتوں کا سامنا ہوتا، یہ ناقدر دان لوگ لاتعداد احسانوں کو فراموش
بیٹھے ہیں، بلکہ سخت مخالفت پر اُتر آئے ہیں۔ اگر اندھے ہوتے، تو ٹھوکریں کھاتے پھرتے۔
آگے (یا پیچھے) راہ چلنے سے رہ جاتے، پھر کہاں سے دیکھتے (جس طرح اشیاء و اعمال کا
یف نسمہ و روح پر اثر ہوتا ہے، اسی طرح کثیف جسم پر بھی سامان اندر ہی اندر اثر انداز ہوتے
۔ انسان اپنا صحیح علاج نہیں کرتا، مگر وہ چیزیں اپنا کام کر جاتی ہیں اور اُس کا اصلی نقشہ
ڑ دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری جسم کی مثال دے کر اس لطیف جسم کا نقشہ کھینچا ہے۔
ی دوسری جگہ سے شہادت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ خود آپ اپنا گواہ ہے اور پھر اپنی کتاب
امنے ہے، جو حساب کے لیے کافی ہے۔ طرح طرح سے ذہن نشین کرایا جا رہا ہے، مگر حق
ے مخالف ہر حقیقت کو نظر انداز کرتے چلے آ رہے ہیں۔ فرمایا اللہ سے ڈرو، صلاحیت والے
ام کرو، تاکہ تمہیں نجات ملے۔ سنو!

(۶۷) وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝ اور اگر ہم چاہیں، تو اُن کی صورتوں کو اُن کی جگہوں سے
بدل ڈالیں، پس نہ طاقت پائیں آگے بڑھنے کی اور نہ پیچھے ہٹنے کی (ہم ان کو سخت معذور کر دیں)
ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں، تو کیا دوسرے عالم ہی میں ہم طاقت نہیں رکھتے؟ وہاں بھی ہر چیز
پر مناسب اثر ہوتا ہے، یہ تو مشاہدہ ہے کہ اس عالم میں بھی ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے، نطفہ سے
علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظام وغیرہ وغیرہ۔ پھر بچپن، جوانی، کہولت، ضعیفی، اتنے
بڑے انقلابات کے باوجود اصلیت کہیں گم نہیں ہو جاتی، وہ خدا کے سامنے ہوتی ہے۔ اسی طرح
لطیف عالم میں بھی تغیرات آتے ہیں، اور حقیقت موجود رہتی ہے۔ اس دائمی زندگی کا تو منظر ہی کچھ
اور ہے۔ صرف تمہیں سمجھانے کی خاطر ان حقائق کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے، ورنہ اس دنیا میں
تو نہ کوئی دل اُسے صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے، نہ کوئی آنکھ کما حقہ اس کا تصور دیکھ سکتی ہے۔ وہاں
کے عام حالات مخفی رکھے گئے ہیں، الغرض اُس عالم میں بھی دنیا کی طرح اثرات ضرور ہوتے رہتے
ہیں۔ فرمایا:

(۶۸) وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ اور ہم
جس کو (جتنی) زیادہ عمر دیتے (جاتے ہیں، (اتنا ہی) اُس کو پیدائش میں اُلٹاتے (جاتے)

ہیں۔ پھر کیا یہ (لوگ) عقل نہیں کرتے (شیخ فانی اور نادان بچہ میں فرق نہیں ہوتا، اگرچہ شیخ فانی میں علم ہوتا ہے، مگر اس علم کا علم اُس کو نہیں رہتا۔ اعضاء کمزور ہوتے جاتے ہیں دلیل معقول ہے، مگر شریر لوگ اس کو شاعرانہ خیال اور فضول چیز کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نبی ہمارے خیال کو اُدھر ڈالتا ہے، مگر حقیقت اس کی کچھ نہیں ہے۔ افسوس! اِن لوگوں نے بیچ کی کڑیوں کو نظر انداز کر دیا ہے، اور شاعری کی عاشقانہ رَو بنا دیا۔ ناشکرے، عقل کے دشمن، کدھر بہک گئے؟ ایسی حقیقت کو شاعری سے نسبت دینا پرلے درجے کی بد دیانتی ہے۔ اکثر جگہ قرآن مجید کو شعر کہتے ہیں اور غور نہیں کرتے کہ اصلیت سے خالی چیز کو نتیجہ خیز دلائل والی تعلیم سے کیا تعلق؟ مگر محض ضد کی وجہ سے یہ اتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں اور اس کتابِ حکیم اور ثمر آور تعلیم کو فائدہ سے خالی چیز کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جھجکتے نہیں۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۶۹) وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ۙ اور ہم نے اس (رسول) کو شعر نہیں سکھایا اور نہ اس (قرآن کا شعر ہونا) اس کے شایانِ شان ہے (شعر تو نتیجہ سے معرّا ہوتا ہے اور یہ تعلیم رُوحانی فائدوں سے معمور ہے۔ زمین و آسمان اور پیشی وغیرہ کا اعلیٰ نقشہ پیش کرکے دلائل سے منواتی ہے، مگر اس کو پڑھ کر غور و فکر کرنے والوں ہی کو فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ صرف پڑھ لینا ہی مفید نہیں بلکہ تدبّر کرنا ہی اصل چیز ہے۔ فرمایا) نہیں ہے یہ مگر ذکر اور قرآن مبین (اس تعلیم کی دو صفات ہیں۔ پڑھنا اور پڑھ کر نصیحت حاصل کرنا۔ قرآن مجید امثلہ، نصائح اور آیات بینات کا مجموعہ ہے۔ بار بار غور سے پڑھنے کے ساتھ تذکر حاصل ہوتا ہے، خالی پڑھ کر رکھ دینا محض بے سود ہے۔ قرآن مجید وحی متلو ہے اور سراسر پُرحکمت ہے۔ قرآن مجید سے باہر بھی خیر کثیر یعنی حکمت کی باتیں اور معقول و مفید چیزیں ہیں مگر وہ وحی نہیں ہیں۔ مسیحؑ کی تعلیم دو حصے یعنی حکمت والا ذکر اور آیات، حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں پھر دوسرا حوالہ یہ ہے کہ اے نبیؐ کی بیویو! تم پر آیات اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے، یہ صرف قرآن مجید ہی ہے، اس حکمت کو باہر تلاش کرنا دانائی نہیں ہے۔ غرض قرآن کیوں آیا؟ اس کا جواب خود ہی فرما دیا:)

(۷۰) لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ تاکہ ڈرائے اُس کو جو زندہ (یعنی جس میں زندگی) ہے (خوفِ خدا والا نیک خیال اور صادق الارادہ

ضرور اس تعلیم سے فائدہ اٹھائے گا۔ یہاں مؤمن کو زندہ فرمایا اور آگے کفار کو مُردہ بتایا ہے
فرمایا) اور کافروں پر قواعد الٰہی صادق آجائیں (یہاں مُردہ کی بجائے کافر کا لفظ آیا ہے
دنیا جانتی ہے کہ کس طرح ہر شئے کی ترتیب و تربیت ہو رہی ہے۔ پس تربیت کنندہ
شکر لازم ہے نہ کہ مجبور چیزوں کا جن سے ہم خدمت لیتے ہیں یا جو ہماری خدمت میں لگائی
ہیں۔ اُس رب العٰلمین نے ہر چیز کو ہماری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ اُن سے ہم ہر طرح کے فوائد
کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:)

(۷۱) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ کیا انہوں نے (غور و فکر کی نظر سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے اس چیز سے
جو ہماری (قدرت کے) ہاتھوں نے بنائی ہیں، اُن کے واسطے مویشی پیدا کیے۔ پس یہ اُن کے
مالک ہوتے ہیں۔ بس یہ اُن کے اشارے پر چلتے ہیں)

(۷۲) وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ اور ہم نے اُن
کے واسطے اُنہیں مطیع (و فرماں بردار) کر دیا، پس ان میں سے بعض سے وہ سواری (کا کام)
لیتے ہیں (جیسے گھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ) اور بعض (اُن میں سے) وہ کھاتے ہیں (جیسے
اونٹ، گائے، بھیڑ بکری وغیرہ)

(۷۳) وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۚ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ اور اُن
کے واسطے ان میں اور (بے شمار) فائدے ہیں (دودھ، دہی، مکھن، کھانے پینے کی چیزیں
(یہ خدا نے ہی انسانوں کے ماتحت کر دیے ہیں، تو کام دیتے ہیں۔ پالتو کتا بھی بگڑ جائے تو
کاٹ کھاتا ہے۔ یہ خدائی تصرف اور کمال رحم ہے کہ وہ ہمارے ماتحت رہتے ہیں۔ پھر
کیا ایسے مہربان خدا کا احسان مند ہونا چاہیے یا اُن مجبور غلاموں کی پوجا پاٹ میں لگ
جانا چاہیے۔ پس نہیں یہ لائق ہے کہ زندہ حق کی طرف رجوع کریں۔ فرمایا) کیا پس (میرا)
شکر نہیں کرتے (اور دوسری طرف چلے جاتے ہو۔ اگر ان چیزوں کو اس لیے پوجتے ہو کہ
اُن سے مدد ملتی ہے، تو یہ غلط ہے۔ اللہ کے سوائے کوئی حقیقی مددگار نہیں ہے۔ دوسرے

مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے)

(۷۴) وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ۝

اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود پکڑے تاکہ (وقت پڑے پر) وہ اُن کی مدد کریں (اُن کا یہ خیال باطل ہے، ان میں یہ قدرت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا)

(۷۵) لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ۝

اُن میں اُن کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں اور (اگرچہ) وہ اُن کے واسطے فوج بن کر بھی آجائیں (پھر بھی کچھ نہ سنوار سکیں گے۔ یہ فقرہ بفرضِ محال کے طور پر لایا گیا ہے، ورنہ وہ فوج بھی کیا بنائیں گے۔ حالاں کہ یہ مشرک اپنے مزعومہ معبودوں کی کچھ بظاہر مدد کرتے ہیں مثلاً اُن کے مزاروں وغیرہ پر پھول چڑھاتے اور چراغ جلاتے ہیں)

(۷۶) فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

پس (اے نبیؐ) تجھے اُن کی (زبانی جمع خرچ کی) باتیں غم میں نہ ڈالیں۔ ہم جانتے ہیں، جو یہ چھپاتے اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں (یہ انسان اور یہ اکڑپن؟ یہ مُنہ اور یہ باتیں۔ اگر انسان دُور نہ جائے اور اپنی ہی پیدائش پر غور کرے، تو کافی نادم ہو کر ہماری ہی تعریفیں اور حمد گائے اور والدین کی خدمت ہمارے فرمان کے بموجب کرے، جو اُس کے لیے دنیا میں آنے کا ذریعہ بنائے گئے۔ ایسا نیک کام کرنے سے اس کی بہتری ہوتی، مگر افسوس ہے کہ اس نے خدمت بھی اُن کی کی، جن سے کوئی تعلق نیچرل طور پر بھی نہ تھا۔ ماں باپ کی طرف ہی توجہ کرتا، تو خدمت تو ہو جاتی، مگر یہ تو اَور ہی طرف چلا گیا۔ غیروں اور غلاموں اور عاجزوں کی طرف جُھکا اور بے ہودہ اور بے سُود بلکہ ضرر رسان توقع اُن سے رکھی۔ انسان کو سوچنا چاہیے کہ پانی پر نقش و نگار دینا کر اس مقام تک اُسے کون لایا ہے اور کون ہے جس نے اُسے چند [illegible]دل سے انسانی درجہ تک پہنچا دیا۔ یہ نطفہ تھا اور آدمی بن گیا۔ ادھر توجہ کرے، پھر خود ہی [illegible]مت سے سر جُھک جائے گا۔ انسان ایسی چیز سے بنایا گیا ہے جو پیٹھ اور پسلیوں بیچ [illegible]

نکلنے والی شئے سے انسان ظہور میں آتا ہے۔ کیا اپنی پیدائش کو فراموش کر چکا ہے؟ فرمایا:

(۷۷) اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ کیا انسان نظر نہیں کرتا کہ ہم نے اُس کو نطفہ سے پیدا کیا (بجائے نادم ہونے کے سخت نافرمانی پر اُتر آیا اور عجز کی جگہ سرکشی کرنے لگا۔ جیسے فرمایا) پس جب تو وہ ظاہر جھگڑنے والا ہوا

(۷۸) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ اور ہمارے متعلق باتیں بناتا ہے (یہ کس چیز کا نتیجہ ہے کہ) وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا (اور پھر) کہنا (کیا) ہے کہ ہڈیوں کو کون (دوبارہ) زندہ کرے گا جب کہ وہ (ہڈیاں) بوسیدہ ہو گئی ہوں (حق تو یہ ہے کہ جب تم مٹی ہو جاتے ہو، نئی پیدائش میں موجود ہوتے ہو اور مبعوث ہو کر اور خدا کے حضور پہنچ کر اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا حاصل کرتے ہو۔ امکان محض سے انسان کے درجے تک لا کر تمہیں ضائع نہیں کر دیا جاتا، بلکہ درجہ بہ درجہ ترقی حاصل کرتے ہو۔ تم مٹی میں مل کر مٹی بن جاؤ، یا پتھر کی صورت میں تبدیل ہو جاؤ۔ وہ خدا جس نے کثیف و لطیف ملا کر تمہیں پہلی زندگی بخشی، وہ دوسری مرتبہ بھی تمہیں لطیف زندگی عطا کر سکتا ہے۔ فرمایا:

(۷۹) قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○

اے پیغمبرؐ! کہو (ان ہڈیوں کو) وہی زندہ کرتا ہے، جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا تھا (اس وقت تو یہ سب کچھ محض امکان سے خارج میں بنایا تھا۔ اب تو رُوح و نسمہ بھی موجود ہیں، لہٰذا یہ پیدائش بہ نسبت پہلی پیدائش کے آسان ہے۔ خدا کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں ہو سکتی۔ ایسے صاحبِ اختیار اور علیمِ کُل سے کون سی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ یاد رکھو) اور وہ (اللہ) ہر قسم کی پیدائش کا (پورا پورا) عالم ہے (اُس کی عنایات کی کوئی حد ہے نہ حساب۔ اُس نے ہماری ضروریات کے تمام اسباب اور سامان پیدا کر دیے ہیں۔ اب ہمیں چاہیے کہ ان اسباب سے جائز فائدے حاصل کریں اور مسبب کا شکر ادا کرتے رہیں۔ اُس کی

حمتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور اُس کی حکمت کی کُنہ تک کون پہنچ سکتا ہے؟ اس نے
ر چیز میں الگ الگ خاصیتیں رکھ دی ہیں۔ اُس نے ہری لکڑی میں سے آگ پیدا ہونے
ی قابلیت اور آگ میں لکڑی کو جلانے کی قوت رکھ دی۔ یہ سب اُسی کی قدرت کے کرشمے
یں۔ فرمایا، یہ تمام ترتیب صرف ایک ہاتھ کی دی ہوئی ہے جس میں کسی اور کو دخل
ہ کیا، اس کی حقیقت اور ماہیت سمجھنے کی بھی استعداد نہیں دی گئی۔ اُس کے پُرحکمت
اموں سے ایک کام دیکھو:)

(۸۰) الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○ وہی (خداوندکریم) ہے، جو تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کرتا ہے
مثلاً بانس یا چیڑ وغیرہ کہ ان کے ہرے درختوں ہی میں آپس کی رگڑ سے آگ پیدا ہو جاتی
ہے اور آگ کے بے شمار فوائد سے کون واقف نہیں ہے۔ بالخصوص سرد ممالک کے باشندوں
سے اس کی قدر و قیمت دریافت کیجیے) پس اس وقت اس سے تم (حسبِ منشاء ضرورتیں
پوری کرتے ہو، جب اس کو) سلگاتے ہو (وہ خدا ساری طاقتوں کا مالک حقیقی ہے اور
مناسب تصرف کرتا رہتا ہے۔ تمام اشیاء اُس کی مملوک ہیں اور اُس کے اشاروں پر کام
رتی ہیں۔ وہ فوق الفطرت ہے۔ کسی چیز کو اُس کے حکم سے انکار کی مجال نہیں۔ وہ سب
چھ پیدا کرنا جانتا ہے۔ جب چاہتا ہے، بنا دیتا ہے۔ اسباب اُس کے حکم سے انحراف کر
ی نہیں سکتے۔ جیسا کہ فرمایا:)

(۸۱) اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ○ اور کیا وہ (خدا) جس
نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس بات پر قادر نہیں کہ ان کی مثل (عین یا مانند)
پیدا کرے؟ کیوں نہیں (ضرور قادر ہے۔ یہ اُس کے سامنے کیا مشکل ہے؟) اور وہ
تو بڑا ہی پیدا کرنے والا ہے (اور ذرّے ذرّے کی اندرونی کیفیت کا پورا پورا جاننے والا
ہے) وہ کسی بھی شئے کو موجود فی الخارج کرنے سے عاجز نہیں۔ یہ تمام موجودات امکان
سے ظہور میں آئی ہے اور اب یہ اسباب حکم ایزدی کے مطابق اپنے اپنے کام میں مصروف

ہتے ہیں اور خدام کی طرح فرماں برداری کو حاضر رہتے ہیں۔ یہ حکمت خداوندی ہے کہ
ریب کے سامان کو نظر انداز کر کے بعید سے کام نہیں لیا جاتا، بلکہ نزدیک کے اسباب
و ترجیح دی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:)

(۸۲) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝
سوائے اس کے نہیں کہ جب (خداتعالیٰ کسی (چاہی ہوئی) شے کا ارادہ کرتا ہے، تو حکم
اُس کا یہ (ہوتا ہے) کہ وہ کہتا ہے اس (شے کے سامانوں) کو ہو جا، پس (وہ شے
بتدریج مکمل) ہو جاتی ہے (بس اتنا فرمانے سے اشیاء خارج میں آتی رہتی ہیں
اور مناسب حکیمانہ تغیر و تبدل بالاسباب ہوتا رہتا ہے۔ خالق حقیقی صرف ایک ذات
واحد بلا شرکتِ غیر ہے، وہ ہر آن کام میں لگا ہوا ہے۔ وہ بے مثل و بے عدیل ہے)

(۸۳) فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ۝ پس وہ (خدائے لاشریک ان کی مثالوں سے) پاک ہے (اُس کی
ذات ہر نقص و عیب سے بری اور منزہ ہے وہی ہر چیز میں تصرف کرتا ہے، کیوں کہ
ہر چیز کی بادشاہی اُسی (خدا) کے ہاتھ میں ہے (تم کچھ دیر تک شور و شر اور مکر و
فریب کر لو، آخر کار (تم بھی حسب دستور جواب دہی کے لیے پیش کیے جاؤ گے۔ تم
کسی طرح بھی بچ نہیں سکتے) اور (اسی والکِ حقیقی) کی طرف لوٹائے جاتے ہو[۱]

[۱] اس سورتِ یٰسین کے پانچ رکوع ہیں۔ پہلے رکوع میں ضرورتِ تعلیم دکھائی، دوسرے میں فرمایا کہ دنیا میں ہمارے رسول آئے، ان کو جھٹلایا گیا اور منحوس بتایا گیا، حالاں کہ وہ ہدایت یافتہ تھے، بغیر کسی اُجرت کے حق سُناتے تھے تیسرے میں سوالات کے جوابات دیے اور فرمایا کہ اگر شرارت پر اڑے رہے، تو صیحہ آئے گا، پھر نہ وصیت کا موقعہ ہے گا نہ نصیحت کا۔ اگر بہتری چاہتے ہو، تو صالحانہ اعمال اختیار کرو اور عذاب الٰہی سے بچو۔ چوتھے میں فرمایا، ایسے ہی پچھلے لوگ مر کر اور تباہ ہو کر پیش ہوتے رہے۔ اصل چیز لطیف جسم نسمہ اور روح پر اثر ہوتا ہے، زبان بند ہو جاتی ہے، مگر ہاتھ پیر شہادت دیتے ہیں۔ پانچویں میں اپنی توحید اور سنتوں کا ذکر کیا، اور رسولؐ کو تسلی دے کر حشر کا ثبوت دیا اور اپنی پوری حکومت اور بے نقص بادشاہی اور ساری تعلیم کا نتیجہ دکھایا۔ سبحان ربی العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲۸۲)

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا

بلاغ

ایڈیٹر
علم الدین (ڈاکٹر)

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

بلاغ

امرتسر

قیمت سالانہ سے ۔ فی پرچہ چار آنے

جلد ۱۶ | محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق مارچ ۱۹۳۹ء | نمبر ۳

شذرات

بلاغ اب کی مرتبہ نہایت ہی قلیل ضخامت کے ساتھ حاضر ہو رہا ہے۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ یہ ایک نہایت ہی دردناک کہانی ہے، جس کے لئے قارئین عظام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ آئندہ اشاعت کا انتظار فرمائیں۔ انشاءاللہ اپریل کے پرچہ میں مفصل حالات ہدیۂ ناظرین کردیئے جائیں گے۔

صرف قرآن مجید کو ماننے والے دوستوں کا کسی ایک مرکز پہ جمع نہ ہونا نہایت ہی تکلیف دہ امر ہے جس کی ذمہ داری چند اُن منافقین پر عاید ہوتی ہے، جو حامل قرآن ہونے کے مدعی ہیں، لیکن کلام اللہ کے اس حکم کو یکسر فراموش کر چکے ہیں کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا۔

بعض خود غرض اور خود پسند انسان اُمت مسلمہ میں نفاق کا مُوجب بن رہے ہیں۔ وہ صرف اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر خدا تعالےٰ کے اس فرمان ذیشان کو بھول چکے ہیں۔ کہ فتنہ انگیزی قتل و غارت سے بھی بُری ہے۔ انہیں اتنا بھی یاد نہیں کہ اللہ تعالےٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر وہ اُمتِ مُسلمہ کو ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دیں، تو ان کی قیادت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے مختلف لوگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنانے پر مصر

ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کا اصول یہ ہے کہ قرآنِ حمید کے سوائے کسی کو حَکَم اور قاضی تسلیم نہ کیا جائے وہ کیوں خود مُیت بنکر اپنی پرستش کروا رہے ہیں۔ ع توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمترے کنند۔ •

بلاغ کی آئندہ پالیسی یہ ہوگی کہ اتحادِ بین المسلمین کا عَلم بلند کیا جائے اور تمام عالمِ اسلام کو وحدتِ مرکز کی دعوت دی جائے۔ ورنہ کم از کم تمام ان جماعتوں کی تنظیم کی جائے، جو قرآن حمید کو تمام ضروریاتِ دین کے لئے کافی اور وافی تصور کرتے ہیں۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ جاہ پسند اور خود پرست لوگ ہمارے ان عزائم کے راستے میں سنگِ گراں بنکر اٹکنے کی کوشش کریں گے (خدا گنجے کو ناخن نہ دے) لیکن ہمیں یقین ہے کہ مقدس قرآن کے سچے پیرو اشرار کی نفاق پرورانہ مساعی سے متاثر نہ ہوں گے۔ بلکہ آپس میں مل بیٹھنے کی کوئی نہ کوئی راہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہونگے۔

اگر دردمند حضرات نے ہماری اس اپیل کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم قرآن حمید کی اشاعت و تبلیغ میں وہ کام کر دکھلائیں گے کہ ایک دنیا محوِ حیرت رہ جائیگی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اس حقیقت سے کوئی باخبر انسان انکار نہیں کرسکتا کہ روایات سے بیزاری دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اور مسلمان آہستہ آہستہ اس نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں کہ قرآن کریم تمام دینی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید چیلنج کرتا ہے کہ فبای حدیث بعدہ یومنون (قرآن کے بعد تم کس حدیث پر ایمان لاؤگے)۔

اگر ایسے لوگوں کی تنظیم ہو سکے، جو قرآن حکیم کی کفایت کے قائل ہیں۔ تو یقیناً یہ جماعت بہت بڑا کام کرسکتی ہے۔ اور چند ہی سالوں میں قرآن حکیم اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا

اللہ تبارک و تعالےٰ نے مسلمانوں کو ایک مرکز پہ جمع ہونے کی ہدایت فرمائی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس حکم محکم کے خلاف مسلمان کہلانے والے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور انتشار و تشتت میں مبتلا ہیں۔ شیعہ سُنی کے تنازعات اور مقلد و غیر مقلد کے جھگڑوں نے مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر کردی ہے۔ لیکن آہ بدقسمت قوم جہالت سے نکلنے کے لئے تیار نہیں اور ایک مرکز پہ جمع ہوکر اصلاح کی جانب متوجہ ہونے پر آمادہ نہیں ہے۔

جب ملک میں کفایت قرآن کی آواز بلند ہوئی۔ تو امید تھی کہ کم از کم مسلمانوں کا ایک گروہ فرقہ شکنی کے لئے جہاد پر کمربستہ ہوجائے گا۔ اور وہ مسلمانوں کو تفریق کے عمیق گڑھوں سے نکال کر مرکز کی جانب رجوع کی دعوت دے گا۔ لیکن مقام شرم ہے۔ کہ خود حامیانِ کفایتِ قرآن مختلف فرقوں میں بٹ کر رہ گئے۔ بدقسمتی سے اُن کے اندر بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے۔ جو ذاتی اقتدار کے لئے حیران و سرگردان ہیں۔ اور اس خوف سے کہ مبادا اتحاد کی صورت میں اُن کی قیادت و امارت فنا نہ ہوجائے۔ اعتصام بحبل اللہ کی دعوت دینے کی بجائے امتِ مُسلمہ میں تفریق کا بیج بو رہے ہیں۔

آئندہ بلاغ کا مشن یہ ہوگا کہ وہ کم از کم تمام حامیانِ کفایتِ قرآن پارٹیوں کو ایک مرکز پر جمع ہوکر باہمی اختلافات کو پاٹنے کی دعوت دے۔ اس لئے "بلاغ" کا تعلق کسی ایک خاص گروہ سے نہ رہے گا۔ بلکہ تمام قرآنی جماعتوں کے خیالات کی اشاعت کے لئے آمادہ و تیار ہوگا۔ انشاءاللہ عنقریب ایک ایسی کانفرنس کا انتظام کیا جائے گا۔ جس میں تمام گروہوں کے اکابر کو جمع کر کے ان سے استدعا کی جائے گی۔ کہ خدارا وہ ذاتی نمود و نمائش کے خیال کو چھوڑ کر قرآن حمید کی تبلیغ و اشاعت کے لئے متحد ہوجائیں۔

ہمیں ہز ہائنس جناب نواب صاحب بہادر والی منگرول۔ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے۔

شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء سیالکوٹ۔ غازی محمود دھرم پال صاحب بی۔ اے لدھیانہ۔ میاں مولابخش صاحب امیر مجلس اُمّتِ مسلمہ امرت سر شمس العلماء مولانا حافظ محب الحق صاحب پٹنوی۔ حضرت مفتی محمد اسلم صاحب جیراجپوری جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات (پنجاب)۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف صاحب داعی الی اللہ۔ پروفیسر عبدالحمید صاحب داعی الی الحق محترم علی احمد خاں صاحب بی۔ اے داشمن۔ ڈیرہ نواب بہاولپور۔ ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب دینا نگر۔ ڈاکٹر فقیر اللہ صاحب گوجرانوالہ۔ چودھری بشیر احمد صاحب بی۔ اے لاہور۔ میاں محمد امین الدین صاحب پنشنر مصری شاہ لاہور۔ بخشی حضور علی صاحب ریٹائرڈ سب جج بیرسٹرایٹ لاء لاہور۔ چودھری غلام عباس صاحب ایم۔ اے پروفیسر لدھیانہ۔ مولانا سید اختر حسین صاحب گیلانی بی۔ اے لاہور۔ شیخ محمد ابراہیم صاحب سب جج گوجرانوالہ۔ شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل گجرات (پنجاب) چودھری عبدالرحمٰن صاحب راہوں ضلع جالندھر۔ وغیرہ اکابر امت سے توقع ہے۔ کہ وہ اس کارِ خیر میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔ اور اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے ؛

حضرات معاصرین

سے

ضروری درخواست

بلاغ بفضلِ تعالےٰ حسبِ معمول شائع ہوتا رہے گا۔ معاصرین اپنے پرچوں کا تبادلہ جاری رکھیں۔ خط و کتابت حسبِ ذیل پتہ پر ہو:-

ایڈیٹر بلاغ۔ کوچہ نقاشاں۔ قلعہ بھنگیاں

امرت سر

استفتا

علمائے اُمتِ مسلمہ بالخصوص شمس العلماء مولانا حافظ محب الحق صاحب۔ علامہ مفتی محمد اسلم صاحب جیراجپوری علامہ مفتی محمد الدین صاحب گجرات (پنجاب) خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ سوالِ ذیل کا بروئے قرآن جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں:۔

ایک جماعت نے کسی بزرگ کو اپنا حکم۔ثالث یا امیر مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد جماعت کے دو افراد یا دو گروہوں کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف ہو گیا جس کے دوران میں حکم۔ثالث یا امیر نے ایک پارٹی کے ساتھ اپنے تعلق اور لگاؤ کا اعلان کر دیا۔ کیا اس حالت میں وہ حکم۔ثالث یا امیر اپنے منصب پہ مامور رہ سکتا ہے؟ اور اس کا فیصلہ عندالقرآن واجب العمل ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفسر:۔ علم الدین (ڈاکٹر) ایڈیٹر۔ پرنٹر و پبلشر بلاغ امرتسر۔

قولِ فیصل

میرے اور بعض ارکانِ امتِ مسلمہ کے درمیان چند امور میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ میں خدائے واحد کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میرا اختلاف مجلس کے فائدہ کی غرض سے ہے۔ کیونکہ میں اُمتِ مسلمہ کے موجودہ رویّہ کو مفادِ مجلس کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اگر اربابِ اُمت بھی اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں تو میں اُن کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اصحاب ذیل میں سے کسی کو حکم تسلیم کر لیں اگر وہ میرے حق میں ڈگری دیں۔ تو مجلس بطیب خاطر قبول کر لے۔ اور اگر میرے خلاف فیصلہ کریں۔ تو میں سرِ تسلیم خم کر دونگا۔

اسمائے گرامی ثالثان

پیر قمر الدین صاحب ریٹائرڈ ای اے سی گجرات (پنجاب) مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات (پنجاب) خواجہ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء سیالکوٹ۔ محترم میاں علی احمد خاں صاحب ڈشمن ڈیرہ نواب۔ بہاولپور + مولانا محمد عبداللہ صاحب منہاس امرتسر +

(ایڈیٹر)

روایات اور اسلام

قرآن مجید کا دعوٰے ہے کہ وہ تمام ضروریاتِ وحی کے لئے کافی ہے۔ لیکن برعکس اس کے اہلحدیث کا مذہب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرآنِ حمید حدیث کے بغیر ناقص اور نامکمل ہے۔ حالانکہ زمانۂ رسولؐ میں حدیث کی کتابت نہیں ہوئی بلکہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ "مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو۔ اور جو لکھا ہو اُسے مٹا دو"۔ (بخاری) چنانچہ رسولؐ کریم کے اس حکم کے مطابق اصحاب رسولؐ نے کتابتِ حدیث سے پرہیز کیا۔ بلکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں لکھی ہوئی حدیثوں کو ضائع کر دیا گیا۔

رسولِ امینؐ سے اڑھائی سو سال بعد بخارا سے ایک بزرگ عرب تشریف لائے۔ اور انہوں نے سُنی سنائی روایات کی بنا پر ایک مجموعۂ احادیث پبلک کے سامنے پیش کر دیا۔ جسے ہمارے اہل حدیث بھائی وحی کا درجہ دیتے ہیں۔ اور اسے قرآن حکیم پر حکم اور قاضی ٹھیراتے ہیں (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ کتبِ حدیث میں بہت سی باتیں متناقض ہیں۔ اور کئی حدیثیں ایسی ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کی ذاتِ بابرکات کی نسبت غلط فہمی پیدا کرنے والی ہیں۔ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں۔ جو انبیائے کرام کے متعلق حرف گیری کا موقعہ بہم پہنچاتی ہیں۔ کئی حدیثیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کی نسبت گستاخی کی ذمہ دار ہیں۔ بہت سی حدیثوں میں رسولِ اکرمؐ کے اہلِ بیت پر حملے کئے گئے ہیں۔ بہت سی حدیثیں عقل و قیاس کے خلاف ہیں۔

اگر اس مجموعہ کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ تو اس مجموعہ کا بہت سا حصہ ناقابلِ تسلیم ہے۔ ہم انشاء اللہ اگلے نمبر سے اس مضمون پر سیر حاصل بحث کریں گے۔

دیوانہ وار پیرویٔ ابراہیم کر

(حضرت [illegible] صدیقی)

بس اختتامِ رسمِ سلام و پیام کر — جس میں ترا وقار ہے [illegible] کام کر
پھر آبروئے ملتِ بیضا پہ ہو نثار — پھر بے نقاب رازِ بقائے دوام کر
تو خود غلامِ حلقہ بگوشِ رسول ؐ بن — اور سرکشانِ دہر کو اپنا غلام کر
دے غمزدوں کے دل کو خدا کی بشارتیں — اندوہ زارِ دہر کو دارالسلام کر
جس میں کچھ امتیازِ گدا و غنی نہ ہو! — وہ بزمِ کائنات میں پیدا نظام کر
وہ سامنے ہے منزلِ تسکینِ جاوداں — ہاں رخشِ برق [illegible] کو ذرا تیز گام کر

کچھ یاد ہے پیامِ جگر گوشۂ نبی ؐ — اے بیوفا! خدا کے شہیدوں میں نام کر
راحت اگر [illegible] ہے تو اقدامِ سعی کا — یہ فطرتِ خدا ہے نہ اس میں کلام کر
گھبرا نہ جا مصائب و آلامِ دہر سے — پیمانِ عشق کا تو ذرا احترام کر

بے اختیار کود صداقت کی آگ میں
دیوانہ وار پیرویٔ ابراہیم کر

رجسٹرڈ نمبر ال ۲۲۸۲

ماہنامہ

ایڈیٹر:

علم الدین (ڈاکٹر)

"بلاغ" کا "روایات نمبر"

"بلاغ" کی زندگی کا مقصد قرآنِ عظیم کے مقدس احکام کی تبلیغ و اشاعت اور جھوٹی اور غلط روایات کے خلاف جہاد ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیشِ نظر تجویز کیا گیا ہے کہ جون ۳۹ء کا بلاغ "روایات نمبر" ہو۔ جو بڑی بھاری تعداد میں چھاپ کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مفت تقسیم کیا جائے گا۔ [illegible] ضرورت ہے کہ :-

(۱) اہلِ علم حضرات بالخصوص علامہ حافظ محمد اسلم صاحب [illegible] چوہدری شمس العلماء علامہ حافظ محب الحق صاحب۔ جناب حق گو صاحب۔ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے۔ علامہ مفتی محمد الدین صاحب وکیل۔ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر۔ غازی محمود دھرم بھکشو ہرپال بی۔ اے۔ پیرزادہ محمد ابراہیم صاحب حنیف داعی الی اللہ۔ مولانا حشمت العلی صاحب۔ جناب محمد فاضل صاحب مسلم چکوالی۔ ڈاکٹر میر نعیم اللہ صاحب گوجرانوالہ۔ شیخ محمد ابراہیم صاحب سب جج۔ شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل۔ پروفیسر عبدالحمید صاحب داعی الی الحق۔ پروفیسر غلام عباس صاحب ایم اے۔ پروفیسر غلام مصطفٰے صاحب تبسم ایم اے سے مودبانہ درخواست ہے کہ [illegible] حدیث کی حیثیت کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے اپنے مفید خیالات سے قارئین بلاغ کو مستفیض فرمائیں گے۔ اور اپنے مضامین جلد از جلد دفتر میں بھجوا دیں گے۔

(۲) صاحب ثروت حضرات سے استدعا ہے کہ وہ براہِ کرم اس کارِ خیر میں اپنی مُسلّمہ فیاضی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ہمیں اس قابل بنائینگے کہ ہم زیادہ سے زیادہ پرچے مُفت تقسیم کر سکیں۔

(۳) قارئین عظام سے درخواست ہے کہ وہ ایسے اصحاب کے پورے پتے ہمیں بھجوانے کی کوشش کریں گے جو قرآنِ مہیمن کو جمیع ضروریاتِ دین کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ یا تحقیق کا شوق رکھتے ہیں تاکہ ہم یہ خاص نمبر اُن کی خدمت میں بھیج سکیں۔

ہم کوشش کریں گے کہ ہندوستان بھر کی تمام اسلامی لائبریریوں میں یہ نمبر پہنچا دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس کا مطالعہ کر سکیں ؛

(ڈاکٹر) علم الدین ایڈیٹر بلاغ

هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

بلاغ

امرتسر

جلد ۱۶ | صفر المظفر ۱۳۵۸ھ مطابق اپریل ۱۹۳۹ء | نمبر ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

جیسا کہ میں نے بلاغ ماہ مارچ میں اعلان کیا تھا کہ مظلوم بلاغ کے ساتھ جو دردناک اور خون کے آنسو رلانے والے واقعات پیش آئے ہیں ان کا تذکرہ اس نمبر میں کروں گا۔ لیکن چونکہ میرے بعض مخلص دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس بارہ میں اقدام نہ کروں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۔ لہذا احباب کے اس مشورہ کے ماتحت میں خاموشی اختیار کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ بلاغ کا حامی و مددگار ہو۔ اور اس کے ذریعے مجھے زیادہ سے زیادہ خدمتِ خلق اور تبلیغ قرآن کا موقع عطا فرمائے۔ آمین

اگر ضرورت ہوئی تو باہمی کشمکش کی داستان علیحدہ ٹریکٹ کی صورت میں شائع کی جائے گی۔

بلاغ کا روایات نمبر

"بلاغ" کی زندگی کا مقصد قرآن عظیم کے مقدس احکام کی تبلیغ و اشاعت اور جھوٹی اور غلط روایات کے خلاف جہاد ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر تجویز کیا گیا ہے کہ جون ۳۹ء کا بلاغ "روایات نمبر" ہو۔ جو بڑی بھاری تعداد میں چھاپ کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مفت تقسیم کیا جائے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ :-

(۱) اہل علم حضرات بالخصوص علامہ حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری۔ شمس العلماء علامہ حافظ محب الحق صاحب۔ جناب حق گو صاحب۔ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے۔ علامہ مفتی محمد الدین صاحب وکیل۔ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر۔ قاضی محمود مہاشہ دھرمپال بی۔ اے۔ پیرزادہ محمد ابراہیم صاحب حنیف داعی الی اللہ۔ مولانا حشمت الحق صاحب۔ جناب محمد فاضل صاحب مسلم چکوال۔ ڈاکٹر میر فقیر اللہ صاحب گوجرانوالہ۔ شیخ محمد ابراہیم صاحب سب جج۔ شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل۔ پروفیسر عبدالحمید صاحب داعی الی الحق۔ پروفیسر غلام عباس صاحب ایم اے۔ پروفیسر غلام مصطفےٰ صاحب تبسم ایم اے سے مودبانہ درخواست ہے کہ وہ حدیث کی حیثیت کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے اپنے مفید خیالات سے قارئین بلاغ کو مستفیض فرمائیں گے۔ اور اپنے مضامین جلد از جلد دفتر میں بھجوا دیں گے۔

(۲) صاحب ثروت حضرات سے استدعا ہے کہ وہ براہ کرم اس کار خیر میں اپنی مسلمہ فیاضی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ہمیں اس قابل بنائیں گے کہ ہم زیادہ سے زیادہ پرچے مفت تقسیم کر سکیں۔

(۳) قارئین عظام سے درخواست ہے کہ وہ ایسے اصحاب کے پورے پتے ہمیں بھجوانے کی کوشش کریں گے جو قرآن مہیمن کو جمیع ضروریات وحی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ یا تحقیق کا شوق رکھتے ہیں تاکہ ہم یہ خاص نمبر ان کی خدمت میں بھیج سکیں۔

ہم کوشش کریں گے کہ ہندوستان بھر کی تمام اسلامی لائبریریوں میں یہ نمبر پہنچا دیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس کا مطالعہ کر سکیں۔

(ڈاکٹر) علم الدین ایڈیٹر بلاغ

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۴/۱۳

بلاغ

امرتسر

جلد ۱۶	صفر المظفر ۱۳۵۸ھ مطابق اپریل ۱۹۳۹ء	نمبر ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

جیسا کہ میں نے بلاغ ماہ مارچ میں اعلان کیا تھا کہ مظلوم بلاغ کے ساتھ جو دردناک اور خون کے آنسو رلانے والے واقعات پیش آئے ہیں ان کا تذکرہ اس نمبر میں کروں گا۔ لیکن چونکہ میرے بعض مخلص دوستوں نے مشورہ دیا کہ اس بارہ میں اقدام نہ کروں بلکہ اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۔ لہذا احباب کے اس مشورہ کے ماتحت میں خاموشی اختیار کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کرتا ہوں کہ وہ بلاغ کا حامی و مددگار رہو۔ اور اس کے ذریعے مجھے زیادہ سے زیادہ خدمتِ خلق اور تبلیغ قرآن کا موقع عطا فرمائے۔ آمین

اگر ضرورت ہوئی تو باہمی کشمکش کی داستان علیحدہ ٹریکٹ کی صورت میں شائع کی جائے گی۔

ارادہ تھا کہ اس مہینے بلاغ پوری ضخامت کے ساتھ شائع کیا جائے لیکن بمصداق عرفت
بی بفسخ العزائم۔ یہ ارادہ پورا نہیں ہوسکا کیونکہ بعض احباب کو ملنے کے لئے مجھے مختلف شہروں
ں جانا پڑا اس لئے مضامین تیار نہ ہوسکے۔ انشاءاللہ اگلے مہینہ کوشش کی جائے گی کہ کمی کو پورا
ا جائے۔ وما توفیقی الا باللہ

یں بلاغ کے ساتھ ساتھ جملہ قرآنی جماعتوں کی تنظیم کی فکر میں ہوں۔ اس سلسلہ میں میں نے
ن احباب سے تبادلہ خیالات کیا، انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔ ممکن ہے کہ میں اس پرچہ میں
نفرنس کے انعقاد کا اعلان کرسکوں۔ ورنہ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ

بلاغ کی اشاعت بہت ہی محدود ہے۔ اتنی محدود کہ میں اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور
ں کہ اس سے تبلیغ کا مقصد کما حقہٗ پورا نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ نئے انتظام کے ماتحت
شکایات دور ہو جائیں گی جو بعض مخلص بزرگوں کو اعانت و سرپرستی کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ آئندہ
ہ بلاغ تمام قرآنی جماعتوں کا نمائندہ ہوگا۔ اس لئے توقع ہے کہ تمام بھائی اس کی توسیع اشاعت
جانب توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اور بہت جلد اسے اس قابل بنادیں گے کہ اس کی آواز اقصائے عالم
گونج اٹھے اور ہم اللہ عزوجل کے فرمان ذی شان۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر
مرون بالمعروف کی مطابقت کا سچا اور صحیح نمونہ پیش کرسکیں

علاوہ بریں تجویز کیا گیا ہے کہ ہر ماہ ایک چھوٹا سا اصلاحی ٹریکٹ چھاپ کر مفت تقسیم کیا جایا
ے۔ اس لئے اہل علم بزرگوں سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تعلیم
ہ اور قرآنی علوم کی تبلیغ و اشاعت کے مقصد کے پیش نظر مختصر مگر مفید مضامین لکھ کر دفتر میں بھیجا
ں گے۔ اس کے ساتھ ہی مخیر بزرگوں سے توقع ہے کہ وہ براہ لطف و کرم مالی اعانت سے حوصلہ
ائی کریں گے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ٹریکٹ شائع کئے جاسکیں اور قرآن عزیز کی تعلیم دنیا
کونے کونے میں پھیلائی جاسکے۔

مجھے یقین ہے کہ قرآن حمید کے ماننے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ اگر انہیں منظم کر لیا جائے تو کفایتِ قرآن کی دعوت دنوں میں ہی دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچائی جا سکتی ہے۔ اِس لئے قارئین عظام سے درخواست ہے کہ وہ براہِ مہربانی ان تمام احباب کے نام اور پورے پتے دفتر میں بھجوا دیں۔ جو کفایت قرآن کے حامی ہوں تاکہ ہم ہونے والی کانفرنس میں انہیں مدعو کر سکیں۔ اور مفت تقسیم ہونے والا لٹریچر ان کی خدمت میں بھجوا سکیں۔

مقامِ عبرت ہے کہ قرآنی جماعتوں کے اِنتشار کی وجہ سے ہم ترقی کے راستہ سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور بعض مخلص بزرگ جتنا کچھ کر گئے تھے ہم ذاتی اغراض اور نفس پرستیوں کی وجہ سے اُسے بھی ضائع و برباد کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ امر کس قدر حوصلہ فرسا ہے کہ لاہور کی مسجد نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ حالانکہ وہ ہزار ہا روپیہ کے خرچ سے تیار ہوئی تھی آج اس کی حالت اتنی خراب ہے کہ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ ہم لاہوری دوستوں سے مؤدبانہ درخواست کرتے ہیں کہ وُہ خدا کے لئے باہمی اختلافات کو بھول جائیں اور اس مسجد کو دوبارہ آباد کرنے کی کوئی سبیل پیدا کریں۔ اگر لاہور کے بھائیوں نے اصلاحِ حال کی جانب توجہ نہ کی تو آنے والی نسلیں ان کی اس سہل انگاری اور غفلت کا ماتم کریں گی اور لاہور کے حامیان کفایت قرآن دوستوں کی پیشانی پر ایک ایسا بدنما داغ رہ جائے گا۔ جو قیامت تک مٹ نہ سکے گا۔ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ

حدیث کی دینی حیثیت

(از چوہدری فیروز الدین احمد غازی)

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم

(بعض لوگ حدیث کے شغل کے خریدار بنتے ہیں تا کہ لوگوں کو بلا علم کے گمراہ کریں)

لیکن افسوس ہے کہ آئمہ جرح و تعدیل حدیث کو قرآن پر قاضی ٹھہراتے ہیں۔ اور علماء اصول سنت کو قرآن کی ناسخ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیك من ربك ھو الحق۔ اسکے جواب میں بعض روایت پرست کہتے ہیں کہ قرآن کی طرح حدیث بھی وحی الہٰی سے ہے لیکن اسکا کیا جواب ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ احادیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ بعض حدیثیں بالکل متضاد و متباین ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ

(۱) فرشتہ آپکے پاس آیا اور اُس نے آپ کو کہا پڑھو۔ آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر فرشتہ نے حضورؐ کو دبوچا یہانتک کہ وہ تھک گیا اور پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ "اقراء باسم ربک الذی خلق۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کو پہلے پہل جو وحی ہوئی وہ اقراء باسم ربک الذی خلق" سے شروع ہوئی لیکن اس کی تردید خود بخاری و مسلم کرتے ہیں۔ یسنوا ارشاد ہوتا ہے۔

(۲) ابو سلمہ نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا قرآن میں سب سے پہلے کیا اترا۔ انہوں نے جواب دیا "یا ایھا المدثر" میں نے کہا یا اقراء۔ جابر نے کہا میں تم سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ نے ہم سے بیان کی تھی۔

آپ فرمایئے ان دونوں حدیثوں میں سے کونسی صحیح ہے۔ جب نزول قرآن جیسے معاملہ میں حدیث میں اس قدر اختلاف موجود ہے تو باقی معمولی معاملات کے کیا کہنے۔

کیا اس اختلاف سے صاف واضح نہیں ہوتا کہ حدیث وحی نہیں ہے اور جو لوگ وحی کہتے ہیں انکے پاس کوئی ثبوت نہیں اگر حدیث وحی ہوتی تو مسلم میں یہ نہ ہوتا کہ

مکتوباتِ معاونین

(۱)

مانگرول ہاؤس راجکوٹ
۲۰ مارچ ۳۹ء

محترم جناب ایڈیٹر صاحب بلاغ
سلام مسنون!

بلاغ کا مارچ نمبر اگرچہ ضخامت کے لحاظ سے بہت مختصر ہے۔ مگر اس میں آپ نے جس اہم کام کیطرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ وہ ایک ایسی گرانقدر خدمتِ اسلام ہے جسکی فی زمانہ اشد ضرورت ہے۔ روایات کے متعلق کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مذہب اسلام کو ان چیزوں نے جس قدر نقصان پہنچایا ہے اس قدر نقصان شاید ہی کسی اور چیز نے پہنچایا ہو۔ اگر آج مسلمان ان تمام روایات اور احادیث کو جن کے باعث مخالفین اسلام طرح طرح کے اعتراضات آئے دن مذہب اسلام اور بانیِ اسلام کی ذاتِ مبارک پر کرتے رہتے ہیں۔ ان کو مدلل طریقہ سے غلط ثابت کرکے خارج از اسلام کر دیا جائے۔ تو اسلام صاف اور منقّی ہو جائے۔ اشاعتِ اسلام میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو اور مخالفین کو منہ کھولنے کی ہمت نہ رہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہمارے آپس کے تفرقے بھی مٹ جائیں اور ہم اس عالمگیر رشتۂ اخوت میں جکڑ جائیں جسکی تعلیم قرآن مجید نے دی ہے اور جسے ہم بھلا بیٹھے ہیں۔

اس لئے اس اہم خدمت کیطرف آپ جو قدم اٹھانا چاہتے ہیں اس سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میں چند اشارات (SUGGESTIONS) اس سلسلہ میں پیش کرتا ہوں۔ شاید مفید ثابت ہوں۔ روایات کو غلط ثابت کرنے کا بنیادی اصول موجودہ زمانے میں یہ مانا گیا ہے کہ سنی سنائی بات کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ (HEARSAY EVIDENCE IS NO EVIDENCE) یعنی چند ساعت پہلے ہی سنی ہوئی بات بطور شہادت قابلِ قبول نہیں۔ اس اصول کے ماتحت صرف ان روایات کو جنہیں قبول کرنے سے اسلام کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچتا ہو۔ اور جن پر عالم اسلام کا متواتر اور متفقہ عمل رہا ہو۔ انہیں مستثنیٰ قرار دیکر اور جو روایات کہ مشتبہ ہوں۔ مگر جن سے کوئی نقصان اسلام کو نہ پہنچتا ہو۔ اور جو خلافِ قرآن اور عقل و فطرت نہ ہو۔ ان کو مشتبہ چھوڑ دیا جائے۔ اور باقی تمام روایات کو خارج کر دیا جائے اور وہ جس کتاب سے متعلق ہوں اور اس کتاب کو جو مرتبہ دیا جاتا ہو۔ اس مرتبہ سے نکال کر بھولی کتاب سے

زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔

علاوہ ازیں روایات کو غلط ثابت کرنے کے مختلف طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی روایت خلافِ عقل و فطرت ہو تو اس کو اسی طریقہ پر غلط ثابت کیا جائے۔ جن روایتوں کے راوی غیر ثقہ ہوں تو ان کے متعلق کافی تحقیق کے بعد ان کا غیر ثقہ ہونا ثابت کیا جائے۔ قرآن کریم کے احکام کے معارض اگر کوئی حدیث ہو۔ تو اسے ایسے مدلل طریقہ پر خلافِ قرآن ثابت کیا جائے۔ کہ اس میں مطلق تاویل کی گنجائش نہ رہے۔ اور جب اس طریق پر تمام جھوٹی اور لغو روایات غلط ثابت ہو جائیں تو ان سب کو مع حوالہ جات یعنی جو روایت جس کتاب کی ہو اس کتاب کا نام اور اس کے غلط ہونے کے دلائل وغیرہ سب ایک کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں۔

اس کام کے مالی پہلو کی صورت میرے خیال میں یہ ہونی چاہیئے کہ اس کے لئے ایک منظم طریقہ پر فنڈ کھولا جائے جس میں معاونین اپنا اپنا چندہ حسبِ استطاعت ماہوار، سہ ماہی، ششماہی، یا سالانہ جیسا مناسب ہو مقرر کر کے پابندی کیسا تھ دیتے رہیں۔ اور دوسری طرف کام بھی شروع ہو جائے اور چھپنا جائے۔ میں خود انشاء اللہ تعالیٰ اس میں حصہ لینے کیلئے تیار ہوں۔ نیز اس فنڈ کا باقاعدہ حساب معاونین فنڈ کے اطمینان کے لئے سال میں ایک دو مرتبہ رسالہ بلاغ میں شائع کر دیا جائے۔ یا تمام معاونین کے نام علیحدہ بھیجا جائے۔ اور اس فنڈ کا روپیہ ضائع نہ ہو۔ اس کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے۔ تاکہ چندہ دینے والوں کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہو۔

اس تجویز کو اول اول کافی شہرت دیجائے۔ تاکہ لوگوں کو اس پر تنقید کرنے کا موقعہ حاصل ہو اور وہ پھر غور کر کے اپنی رائے پیش کر سکیں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپکو اس اہم کام کیلئے ہمت عطا فرمائے۔ اور عملاً کامیاب فرمائے آمین

باقی خیریت ہے۔ امید ہے آپ بھی بفضلِ خدا مع الخیر ہونگے۔ فقط والسلام۔

راقم خیر اندیش :۔ (ہز ہائینس) محمد جہانگیر (والیٔ ریاست منگرول)

(۲)

محترم و مکرم بندہ و زاد لطفکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

میں نے رسالہ بلاغ سے نام نہاد امت مسلمہ کے قطع تعلق کی خبر پڑھی اور آپکے عزم سے آگاہی ہوئی۔ خدا آپ کو کامیاب و بامراد کرے۔

مَیں حکیم شہاب الدین صاحب مرحوم کے وقت بلاغ کا خریدار تھا لیکن حکیم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد بلاغ نے جو روش اختیار کی۔ اس سے کوئی سچا عاشق قرآن اتفاق نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک تو اہلِ کتاب تک کو دعوتِ اتحاد دیتا ہے لیکن بلاغ کے سابق کارکنوں کا طریق یہ تھا۔ کہ خود عشاق قرآن حمید کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے روادار نہ تھے الحمدللہ آپ مُسلم بھائیوں کے اتحاد کے حامی ہیں۔ اور تمام قرآنی جماعتوں کو اکٹھا کر کے اختلافات کو دُور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تمام شریف انسان آپکی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ مَیں اس کارِ خیر میں دامے، درمے، قلمے قدمے خدمت کے لئے حاضر ہونگا۔ اور مجھے امید ہے کہ تمام دردمند عشاق قرآن آپ کے مقصد میں ہر قسم کی مدد کے لئے تیار رہوں گے۔

عاصی احمداللہ مسلم اہل قرآن والذ کرانبالہ چھاؤنی

مورخہ ۳۱-۳-۳۹ء

(۳)

مکرمی جناب ڈاکٹر علم الدین صاحب سلامٌ علیکم

آپ کا خط ملا۔ جواباً گذارش ہے کہ مَیں بلاغ کے طریق کار کو پسند نہیں کرتا۔

(۱) مَیں نے بلاغ کے لئے مضمون دیئے۔ جو بلاغ والوں نے شائع نہ کئے۔ پھر مَیں نے خود چھاپ کر یکم۔ دوئم اکتوبر کو امرتسر کے جلسہ میں تقسیم کئے۔

(۲) بلاغ میں خالص قرآنی مضمون شائع نہیں ہوتے۔ بلکہ معجونِ مرکب ہے۔

(۳) بلاغ میں اشعار چھپتے ہیں لیکن رسولِ کریم شاعر نہ تھے۔ قرآن بھی شعر کو پسند نہیں کرتا۔

(۴) امتِ مُسلمہ نے اپنے جلسہ میں شاعروں کو تو وقت دیا مگر مجھے قرآن بیان کرنے کا وقت نہ دیا گیا۔ حالانکہ محبی چوہدری غلام عباس خاں پروفیسر لدھیانہ نے مجھے اپنا وقت دینا چاہا۔ مگر عرشی نہ مانا۔ مَیں نامراد ہو کر واپس چلا آیا۔ اس لئے مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔ فقط والسلام

مرسلہ محمد فاضل مُسلم قصبہ چکوال ضلع جہلم

بلاغ } ان میں سے کوئی اعتراض مجھ پر وارد نہیں ہو سکتا۔ مَیں انشاءاللہ اپنے آپ کو تمام قرآنی بھائیوں کا خادم ثابت کرنے کی کوشش کرونگا۔ عرشی صاحب کے رویہ کا مَیں ذمہ دار نہیں ہوں۔ ولاتزر وازرۃ وزر اخریٰ (ایڈیٹر)

میرا دورہ

امرتسر کی اُمتِ مسلمہ نے اپنے ایک اجلاس میں یہ قرارداد تو پاس کردی کہ آئندہ اس مجلس کا بلاغ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہیگا۔ لیکن نہ تو مجھے بلاغ کے خریداروں کا رجسٹر ہی دیا۔ نہ چٹیں وغیرہ دیں۔ اور نہ ہی خریداروں کا بتا یا چندہ ہی دیا۔ اگرچہ مجھے ان چیزوں کے مطالبہ کا حق تھا لیکن میں نے معاملہ خدا کو سونپ دیا۔ اور جان سے زیادہ عزیز بلاغ جاری رکھنے کا عزم کرلیا۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ رسالے کو چلانا ایک بہت بڑا بوجھ ہے لیکن مجھے عشاقِ قرآن حمید سے پوری توقع ہے کہ وہ بلاغ کو زندہ رکھنے کے لئے میری ہر طرح سے اعانت فرمائیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر مجھے اپنے مولا پر بھروسہ ہے۔ کہ وہ میری خدمات کو قبول کریگا۔ اور بلاغ زندہ رہیگا۔ اور ضرور زندہ رہیگا۔

میں جیسا کہ اعلان کرچکا ہوں۔ بلاغ اب تمام قرآنی جماعتوں کا نمائندہ ہوگا۔ مجھ پر یہ فرض بھی عائد ہوگیا ہے۔ کہ میں تمام قرآنی جماعتوں کے لیڈروں سے تبادلۂ خیالات کروں۔ چنانچہ اس مقصد کے پیشِ نظر میں جمعہ ۱۷/۳/۳۹ کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اور سب سے پہلے پیرزادہ محمد ابراہیم صاحب حنیف داعی الی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ایک نہایت خوش خلق، متین اور سنجیدہ بزرگ ہیں۔ آپ نے اپنے وسیع حلقۂ اثر میں بلاغ کی توسیع اشاعت کا وعدہ فرمایا۔ اور اپنے کئی دوستوں سے بلاغ کی اعانت و سرپرستی کی ترغیب دلائی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی مساعی بارآور ہونگی۔ اور دنوں میں صرف آپ کی وساطت سے کافی خریدار مہیا ہوجائیں گے۔

یہاں سے روانہ ہوکر میں شام کو گوجرانوالہ میں ڈاکٹر میر فقیر اللہ صاحب شیدا کے مکان پر پہنچ گیا۔ اگرچہ آپ سخت بیمار تھے۔ (اللہ تعالیٰ آپکو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ اور آپ دیر تک اسلامی خدمات بجا لاتے رہیں۔ آمین) مگر آپ نے میری خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مجھے آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی۔ آپ ایک نہایت متقی و متدین نوجوان ہیں۔ جن کے دل کی گہرائیوں میں قرآن مجید کی مقدس تعلیم گھر کرچکی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے شہر گوجرانوالہ میں صدہا فدایانِ قرآن موجود ہیں۔ اور انہوں نے سات اصحاب کی ایک منیجنگ کمیٹی بنام جماعت مسلمین قائم کررکھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب جس کے ایک رکن ہیں میرے پہنچنے پر ڈاکٹر

صاحب نے باقی ارکان کو بھی اپنے مکان پر مدعو فرمایا۔ جب ڈاکٹر صاحب کا آدمی باقی ممبروں کو بلانے کیلئے گیا تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں ان اصحاب کے آنے تک شیخ محمد ابراہیم صاحب جج سے مل آؤں۔ چنانچہ میں ان کے بنگلہ پر پہنچ گیا جنہوں نے میرے ساتھ نہایت شفقت و محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ اور میری عرضداشتوں کو غور و توجہ سے سنکر بلاغ کی امداد کا یقین دلایا (جزاہ اللہ) میرے واپس آنے تک ڈاکٹر صاحب کے مکان پر قاضی قمرالدین صاحب مبلغ جماعت المسلمین۔ بابو اللہ دتا صاحب امیر جماعت۔ حاجی عبدالمجید صاحب اور مستری عبدالخالق صاحب تشریف لا چکے ہوئے تھے۔ رات کے دو بجے تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی جس کے سلسلہ میں برادران گوجرانوالہ نے مجھ سے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ باوجودیکہ اس شہر میں حامیان کفایتِ قرآن کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ لیکن ہم میں سے کوئی بھی "بلاغ" کو نہیں جانتا۔ (یہ بلاغ کے سابقہ کارکنوں کی غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے) اسی سلسلہ میں انہوں نے مجھے بتلایا کہ وہ ایک ماہوار رسالہ کے لئے اجازت حاصل کر رہے ہیں۔ اور امید ہے کہ امروز فردا میں ہی اجازت مل جائے گی۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اگر انہیں پہلے بلاغ کا علم ہوتا۔ تو وہ کسی نئے رسالہ کے اجراء کی کوشش نہ کرتے۔ باوجود اس کے انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بلاغ کی اعانت سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

جس صورت میں بلاغ کے صفحات تمام قرآنی جماعتوں کے لئے وقف ہیں۔ کسی نئے رسالہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیا میں امید رکھوں کہ برادرانِ گوجرانوالہ بلاغ کو ہی اپنا آرگن قرار دیں گے۔ اور اپنی پوری توجہ اسی کی طرف مبذول فرمائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے مخلص بھائی میری اس عرضداشت پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ بلاغ ان کے جذبات کا پوری طرح احترام کرے گا۔ اور ان کی ترجمانی کے لئے کشادہ دلی سے تیار رہیگا۔

بہرحال میں گوجرانوالہ کے دوستوں کی شفقت و مروّت کا صمیم قلب سے اعتراف کرتا ہوں۔ جنہوں نے ایک نئے رسالہ کے اجرا کے خیال کے باوجود بلاغ کی اعانت و سرپرستی کو بھی ضروری خیال فرمایا۔ اسی سلسلہ میں میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے دورہ کا مقصد تنہا بلاغ کے لئے خریدار مہیا کرنا ہی نہ تھا۔ بلکہ آل پارٹیز حامیانِ کفایتِ قرآن کانفرنس کا انعقاد بھی تھا۔ اور مجھے مسرت ہے کہ میرے اس خیال کی ہر فدائی قرآن نے تائید کی۔ چنانچہ میں امید رکھتا ہوں کہ لاہور میں ایک نہایت شاندار کانفرنس کا عنقریب اعلان کر دیا جائیگا۔

گوجرانوالہ سے مَیں مفتی محمدالدین صاحب وکیل گجرات کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ایک نہایت ہی بلند پایہ اور بیحد منکسر المزاج انسان ہیں۔ اور کبھی آپ (مطلوم) بلاغ کے نہایت سرگرم سرپرست تھے۔ (افسوس سابق کارکنانِ بلاغ کی سہل انگاریوں کی وجہ سے محترم مفتی صاحب نے اعانت و سرپرستی سے کنارہ کشی اختیار کرلی) آپ نے اب پھر اُسی توجہ اور انہماک سے بلاغ کی سرپرستی کا وعدہ فرمایا ہے۔ مَیں آپکے دانشمندانہ مشوروں کی قدر کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان پر عمل کرنے کی کوشش کرونگا۔ آپ سے رخصت ہوکر مَیں جلال پور جٹاں پہنچا۔ جہاں پروفیسر عبدالحمید صاحب بی اے داعی الی الحق کے دولت خانہ پر گیا۔ آپ کے متعلق کیا کہوں آپ ایک پُرجوش جرنیل ہیں۔ مجھے مل کر آپ باغ باغ ہوگئے۔ اور آپ نے مجھے یقین دلایا کہ بلاغ کی توسیع اشاعت میں وہ اپنا تمام اثر ورسوخ استعمال کرڈالیں گے۔ ساتھ ہی مجھے آپ نے یہ خوشخبری دی۔ کہ حاجی شیخ محمدالدین صاحب رئیس اعظم گجرات اور پیر رشید الدولہ صاحب سے بلاغ کے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔ جنہوں نے بلاغ کی سکیم کو بیحد پسند کیا۔ اس لئے مجھے ان سے ملنا چاہیئے۔ چنانچہ مَیں وہاں سے رخصت ہوکر واپس گجرات پہنچا۔ اور ان دونوں بھائیوں سے ملاقات کی۔ مجھے خوشی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں مقدس قرآن کے لئے بیحد احترام ہے۔ ان دونوں دوستوں نے ۴½ بجے صبح کی گاڑی پیرزادہ محمد ابراہیم صاحب حنیف کے پاس جانا تھا۔ مَیں بھی ان کے ہمرکاب دوبارہ پیرزادہ صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اور ممدوح کے مواعظِ حسنہ سے مسلسل کئی گھنٹوں تک استفادہ کیا۔ پیرزادہ صاحب ممدوح نے ان دونوں بزرگوں سے بلاغ کی اعانت و سرپرستی کی سفارش کی چنانچہ انہوں نے مجھے بلاغ وی پی کرنے کی اجازت دیدی لیکن مَیں نے درخواست کی کہ وہ بلاغ کے لئے بہت سے خریدار مہیا کریں۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف خریدار مہیا کرنیکا وعدہ فرمایا۔ بلکہ ہر قسم کی اعانت کا فیصلہ کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ملک بھر میں عشاقِ قرآن کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مقدس قرآن کے پیرو پھیلے ہوئے ہیں لیکن افسوس ہے کہ انکی تنظیم کرنیوالا کوئی نہیں۔ مجھے امید ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس عشاقِ قرآن کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیگی۔

انجمن اتحاد المسلمین کا قیام

آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کیلئے متذکرہ صدر نام سے ایک مجلس عمل قائم کردیگئی ہے جس کے ارکان حسبِ ذیل ہیں۔ صدر، پروفیسر عبدالحمید بی اے داعی الی الحق جلالپور جٹاں۔ نائب صدر، حاجی شیخ محمدالدین صاحب رئیس اعظم گجرات سیکرٹری نیاز آگین علم الدین ایڈیٹر بلاغ امرتسر۔ اسسٹنٹ سکرٹری چوہدری محمد ایوب خان لاہور۔ فنانشل سکرٹری غازی فیروز الدین احمد صاحب امرتسر۔ ارکان پیر رشید الدولہ صاحب گجرات۔ ڈاکٹر میر فقیر اللہ صاحب شید گوجرانوالہ۔

قرآنِ عزیز کا ایک درس

(از جناب داعی الی الحق)

جلال پور جٹاں کے مشہور قصبہ میں تقریبًا ایک سال سے داعی الی الحق قرآن مجید کا درس دے رہے ہیں۔ یہ درس مولویانہ رنگ میں نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلمانوں میں قرونِ اولیٰ کی مجاہدانہ روش پیدا کرنے کے لئے وہی تیر بی آواز ہوتی ہے۔ جو ہر قسم کی عجمی رنگ آمیزی سے پاک ہو۔ نمونہ کے طور پر اس ماہ کا ایک درس دیا جاتا ہے (مدیر)

غیرت ملی کی روشن تعلیم

آیت:- اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (سورۂ نساء رکوع ۱۴ آیت ۱)

ترجمہ:- جن لوگوں کی روح فرشتے اس حال میں قبض کریں کہ وہ خود اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہوں۔ تو وہ اُن سے پوچھیں گے کہ تم کس بلا میں گرفتار تھے؟ وہ کہیں گے ہم زمین میں کمزور تھے۔ مگر فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم باطل کا گھر چھوڑ کر نکل جاتے؟ ایسے (ظالم) لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور وہ بہت ہی بُری جائے قرار ہے۔ (القرآن)

تشریح:- (۱) بدی کو دوسروں کی ذات سے دُور کرنا تو ایک بہت بڑا درجہ ہے۔ اگر خود اپنے نفس سے بدی رفع کرنے کا احساس ہی ایک قوم میں پیدا ہو جائے اور وہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنے عیش و آرام اپنی دولت و ثروت اپنی نفسانی لذات اور اپنی جان کی محبت غرض کسی چیز کو عزیز نہ رکھے۔ تو وہ کبھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتا۔ حق کے آگے سر جھکانا اور ناحق کے آگے جھکنے پر موت کو ترجیح دینا ایک شریف قوم کا خاصہ ہے۔ اس "خاصۂ قومی" سے گر کر "قوم" حق کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ بدی و شرارت جب کسی قوم کو مٹانے پر آمادہ ہو تو جو قوم اُسے مٹانے یا خود مٹ جانے کی بجائے اُسکے ماتحت زندہ رہنے کو قبول کرلے۔ ایسی قوم کیلئے دنیا میں کوئی عزت نہیں۔ او

اُسکی زندگی یقیناً موت سے بدتر ہے۔ اس رمز کو سمجھانے کے لئے خدا نے اپنی حکیمانہ کتاب میں بدی کے خلاف جہاد کرنے میں جان و مال اور لذت نفسانی کا خسارہ دیکھ کر جی چرانے کو "ظلم" سے تعبیر کیا ہے۔ کمزوری اور عاجزی کا بہانہ کر کے بدی کا تسلط قبول کرنے اور اپنے اوپر ہمیشہ کے لئے خسران و ناکامی کا داغ لگانے والوں کو ظالم کہا گیا ہے۔ ایسے لوگ اپنے اعمال سے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور نیکی کا حکم کرنے سے باز رہکر اپنی ہلاکت کی دعوت دیتے ہیں۔

(۲) حق اور باطل دونوں باہم ضد ہیں۔ اور ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک قوم باطل کی غلامی قبول کرنے کے بعد بھی حق کی بندگی پر قائم رہے حق کی فطرت یکتائی پسند ہے۔ وہ باطل کو اپنا شریک و سہیم بنا کر ایسی تقسیم کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ کہ آدھا تیرا آدھا میرا حق پرست انسانوں کو اپنی گردن تمام دوسری بندگیوں سے یہ کہکر آزاد رکھنی پڑیگی۔ کہ یا موت یا شرف و وقار۔ بے شرف و بے وقار کی تیسری راہ صرف کم حوصلہ اور منافق صفت مذبذبین کے لئے ہے۔ جو اپنی بزدلی اور خشیت ماسوا اللہ کے باعث اپنے تئیں قہرالہٰی کا مستوجب بنا لیتے ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں اس ذلیل زندگی کو اختیار کر لینا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے خسران و نامرادی کی وعید سنائی گئی ہے۔

(۳) کمزوری کا عذر قبول نہیں ہو سکتا۔ معذوریوں کا بہانا سُنا نہیں جاتا۔ اللہ کہتا ہے کہ اگر کمزور ہو۔ تو ذلت قبول کرنے کی بجائے گھر بار چھوڑ کر نکلو۔ تخت یا تختہ۔ تن کے آرام و آسائش کی خاطر بندگی باطل قبول کر لینا ذلت و نامرادی کے اس گڑھے میں لیجائیگا جسکا نام جہنم ہے۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

کاش میرے پاس وہ طاقت ہو کہ میں اس ملک میں بسنے والے مطمئن .. کے قلوب کے پٹ کھول سکوں۔ اور انہیں بتا سکوں۔ کہ "قرآن عزیز" کو چھوڑ کر تمہاری موجودہ زندگی حرام اور انجام دردناک ہے۔

اٹھو! اللہ کے سچے کلام کو سینے سے لگا لو۔ اور زندگی کی شاہراہ عظیم پر گامزن ہو جاؤ۔ (وَبِیَدِہٖ التوفیق)

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ

تفسیر بالروایت

(علامہ) اسلم جیراجپوری

ضروری گذارش!

علامہ مفتی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپ ہندوستان کے ایک بلند پایہ محقق، آزاد خیال، مفکر اور بے مثال عالمِ دین ہیں۔ آپ کا یہ مضمون جسے ہم آج دوسری مرتبہ شائع کر رہے ہیں اس قابل ہے کہ مسلمان اسے بار بار پڑھیں اور اپنے اعزہ و احباب کو اسکے مطالعہ کی ترغیب و تحریص دلائیں۔

اس مضمون میں علامہ ممدوح نے ثابت کیا ہے کہ روایات کی رُو سے قرآنِ عزیز کی جو تفسیر کی گئی ہے، اُسے اصل سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے بلکہ یکسر قرآنِ مہیمن کے مقصد و منشاء کو بدل دیا گیا ہے۔

اس مضمون کو ہم نے علیحدہ بھی چھاپ لیا ہے، تاکہ اس کی اشاعت عام ہو سکے اور مسلمانوں کو معلوم ہو سکے کہ روایات نے قرآن حمید سے کیا سلوک کیا ہے۔ یہ رسالہ صرف ڈیڑھ آنہ کے ٹکٹ ڈاک آنے پر بھیجا جا دے گا۔ ایک روپیہ کا منی آرڈر آنے پر سولہ جلدیں مرسلِ خدمت کردی جائیں گی۔

(ڈاکٹر) علم الدین

تفسیر بالروایت

ائمہ حدیث نے حدیثوں کی رو سے تفسیر بالرائے کو تو حرام قرار دیا ہے لیکن تفسیر بالروایت کے طریق کو محفوظ خیال کیا ہے۔ حالانکہ روایت سوائے متواترات کے خواہ کسی درجہ کی ہو ظن سے آگے نہیں بڑھتی۔ علاوہ بریں تفسیر میں جو روایتیں ہیں اُن کے متعلق خود ائمہ حدیث کی شہادت ہے کہ وہ بالعموم ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امیر المومنین فی الحدیث کہے جاتے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ:۔

"تین کتابیں ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں۔ ملاحم۔ مغازی اور تفسیر"

عام خیال یہ ہے کہ "صحاح ستہ" میں جو روایات ابواب التفسیر میں آئی ہیں وہ صحیح ہیں۔ مگر ان پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ وہ بھی امام موصوف کے اس قول سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ میں صحاح ستہ سے تفسیر بالروایت کی چند مثالیں نکال کر پیش کرتا ہوں جن میں سے کچھ تو خود قرآن کے مخالف ہیں۔ کچھ دوسری حدیثوں سے متعارض اور بعض علم اور عقل کے خلاف۔ جن سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ تفسیریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز نہیں ہوسکتیں۔

(۱)

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۲۶ "اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب! مجھے دکھلا دے کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ بے شک (میں ایمان لایا ہوں) لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجائے"

اس کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ سے صحیح بخاری میں یہ روایت درج کی گئی ہے کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ابراہیم سے زیادہ شک کرنے کا حق رکھتے ہیں جبکہ انہوں نے کہا کہ اے رب! مجھے دکھلا دے کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔

یہ روایت قرآن کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔ کیونکہ قرآن نے حضرت ابراہیم کے ایمان کی

تصریح کردی ہے اور وہ بھی "بلیٰ" کے لفظ کے ساتھ یعنی بے شک میں مومن ہوں۔ اور ایمان نام ہے علم الیقین کا جس میں کوئی شائبہ شک کا نہ ہو۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا ۚ مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے شک نہ کیا۔

چہ جائیکہ حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم رسول کا ایمان اللہ کے مُردوں کے زندہ کرنے پر، جو بادشاہ سے بھی مسئلہ پر بحث کر چکے تھے جس کا ذکر اس سے پیشتر کی آیات میں ہے۔ اُن کو اس کے اوپر علم الیقین اور ایمان کامل حاصل تھا۔ وہ چاہتے تھے صرف اطمینان اور عین الیقین، نہ کہ کسی شک کا ازالہ۔ مگر یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم کو شک تھا۔

اور عقل کے خلاف اس وجہ سے ہے کہ جب دنیا کے دو سب سے بڑے پیغمبروں میں سے ایک کو اللہ کی صفت احیائے اموات میں شک ہو اور دوسرا اپنے آپ کو اُن سے بھی زیادہ شک کا حقدار سمجھے تو پھر ایمان اور یقین کس کے اندر تلاش کیا جائیگا۔

(۴)

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ۝ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے جس دن تم اس کو دیکھو گے، اُس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے بچہ کو جسے اُس نے دودھ پلایا ہے بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل جن دے گی۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کا زلزلہ اس قدر ہولناک ہوگا کہ اس کو دیکھتے ہی دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی۔ اور حمل والیوں کے حمل مارے خوف کے گر جائیں گے۔ لیکن اس کی تفسیر روایت میں یوں ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزّ وجل قیامت کے دن آدم سے کہیگا کہ تم اپنی ذرّیت میں سے جہنّم کا حصّہ نکالو۔ وہ کہیں گے کہ کس قدر۔ جواب ملے گا کہ ایک ہزار میں سے ۹۹۹۔ اس وقت حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔

یہ خلاصہ ہے بخاری کی روایت کا اور یہی ترمذی میں بھی ہے۔ مگر یہ تفسیر قرآن کے بالکل منافی ہے کیونکہ قرآن میں ذہول اور وضع حمل کی علت زلزلہ کی ہولناکی ہے اور اس روایت میں جہنّم کا حصّہ نکالنے کے حکم کی گرانی۔ قرآن میں اس کا وقت ہے "یوم ترونھا" جس دن تم زلزلہ کو دیکھو گے اور روایت میدانِ قیامت میں محاسبہ کا وقت اس کے لئے معین کرتی ہے۔ جہاں کسی زلزلہ کا ثبوت نہیں۔

پھر یہ میدان قیامت میں ہر قسم کے مونث جانداروں میں حمل کس وقت کے ہوں گے جو گریں گے۔ اور وہاں ان کے استقاط حمل کی غرض و غایت کیا ہوگی۔ اگر اس کو مجازاً محض شدت خوف کا استعارہ سمجھا جائے تو جب حقیقی معنی بن سکتے ہیں تو مجازی معنی لینے کی کیا ضرورت ہے۔

آیت سے ذہن جس امر کی طرف منتقل ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حالت دنیا میں نفخ صور اول کے وقت ہوگی۔ جب آسمان پھٹ جائیگا۔ ستارے ٹوٹ پڑیں گے۔ زمین میں بھونچال آئے گا۔ اور شور برپا ہوگا لیکن یہ روایت اس کو نفخ صور دوم کے بعد میدان قیامت کا حال قرار دیتی ہے۔ جو آیت کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۴)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۱۷/۱۰۱ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دیں۔ اس کی تفسیر روایت کے ساتھ اس طرح کی گئی ہے:۔

ایک دفعہ آنحضرت تشریف فرما تھے۔ سامنے سے دو یہودی گذرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں۔ دوسرے نے کہا کہ پیغمبر نہ کہو، سُن لیگا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہوگا) اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ کو نو آیتیں کونسی دی گئی تھیں؟ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں۔ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ زنا نہ کرو۔ کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ جادو نہ کرو۔ کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ۔ سود نہ کھاؤ۔ کسی پاکدامن پر تہمت نہ لگاؤ۔ اور میدان جہاد سے نہ بھاگو۔ (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے) اور خاص تمہارے لئے اے یہود! دسواں حکم یہ ہے کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔ یہ سُن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن جریر میں ہے۔

حضرت موسیٰ کے تسع آیات کی تفسیر تورات کے احکام تسعہ کے ساتھ جو اس حدیث میں کی گئی ہے۔ اور جس امام ترمذی نے "حسن صحیح" کہا ہے نہ صرف یہ کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ قرآن کے رو سے اس کا صحیح ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نو نشانیاں حضرت موسیٰ کو اُس وقت ملی تھیں۔ جب مدین سے مصر جاتے ہوئے اللہ نے کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اور اس وقت تک نہ تورات نازل ہوئی تھی اور نہ کے احکام عشرہ تھے۔ ان دونوں باتوں کی تصریح قرآن میں موجود ہے۔ سورہ نمل میں ہے۔

فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۲۷/۱۲ نو نشانیاں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔

پھر سورۃ اعراف میں حضرت موسیٰ کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کرکے ان نشانیوں کو گنا دیا ہے یعنی عصا۔
یا۔ قحط۔ نقص ثمر۔ طوفان۔ ٹڈی۔ جوئیں۔ مینڈک۔ اور خون۔

اس کے متعلق بعد حضرت موسیٰ اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو مصر سے لیکر نکلتے ہیں۔ فرعون معہ اپنے
ے ان کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں غرق ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لئے ہوئے کوہ طور کی طرف آتے
۔ وہاں اللہ ان کو میقات پر بلاتا ہے۔ اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تورات عطا کرتا ہے۔

يٰمُوسٰىٓ اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ
نَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۱۴۵ اے موسیٰ! میں نے تجھ کو اپنے
ت اور اپنی ہمکلامی کے لئے لوگوں پر چن لیا۔ سو جو کچھ میں تجھ کو دیتا ہوں لے اور شکر کر اور ہم نے اس کے لئے
ں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر شے کی تفصیل لکھ دی۔

علاوہ بریں اس روایت میں سود نہ کھاؤ۔ جادو نہ کرو۔ میدان جہاد سے نہ بھاگو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ن سے احکام عشرہ میں سے گنائے گئے ہیں۔ حالانکہ ان تینوں میں سے ایک بھی ان میں سے نہیں ہے۔ احکام
یہ ہیں:۔

میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب نہ لے (جھوٹی قسم نہ کھا) سبت کے
یاد رکھ۔ اپنے باپ اور ماں کو عزت دے۔ خون نہ کر۔ زنا نہ کر۔ چوری نہ کر۔ اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ۔ اپنے
پر جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ نہ کر (تورات سفر استثنا ۵-۶)

(۴)

بدقسمتی سے مسلمانوں میں عہد صحابہ ہی میں ابوبکر و علی کے جھگڑے پیدا ہوگئے تھے جس کی وجہ سے اشخاص کے
ب قرآنی آیات سے بھی نکالنے کی کوشش ہونے لگی تھی۔ چنانچہ بہت سی آیتوں کی تفسیر میں ایسی روایتوں
یعہ سے کی گئی ہیں جن سے معتقد علیہ شخصیتوں کے فضائل ثابت ہوں۔ سورۃ حج میں ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ
الُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
مٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۔ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ ۱۹ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں
ینوں میں ہیں وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جاندار اور بہت
دمی اور بہتوں پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔

اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ہے۔

قرآن میں "ھٰذٰانِ" کا مشارٌ الیہ موجود ہے کہ بنی نوع انسان میں بہت سے ایسے ہیں جو اپنے رب کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے نہیں کرتے۔ یہ دو فریق ہیں کہ ان میں باہمی نزاع رب کے بارے میں ہے مگر روایت یہ کہتی ہے کہ

یہ آیت جنگ بدر میں حضرت علی اور حمزہ اور عبیدہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جو شیبہ اور عتبہ اور ولید کے مقابلہ کے لئے گئے تھے۔

مشکل یہ ہے کہ سورۂ حج مکی ہے اور جنگِ بدر مدینہ میں ہوئی۔ اس لئے یہ شانِ نزول کیسے ہوسکتا ہے لیکن چونکہ یہ روایت بخاری میں ہے۔ اس وجہ سے علامہ جلال الدین سیوطی کو "ھٰذٰانِ" سے تین اور جامع البیان کو چھ آیتوں کو مدنی قرار دینا پڑا۔ متاخرین نے تو پوری سورہ کو مدنی کہدیا۔ چنانچہ وہ مصاحف میں مدنی ہی لکھی جاتی ہے۔

اذنِ قتال سے جو اس سورہ میں مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ یہ خیال ہوسکتا تھا کہ یہ مدنی ہے۔ کیونکہ یہ اجازت مدینہ ہی میں مِل سکتی تھی مگر جامع ترمذی میں روایت ہے کہ یہ اجازت مکہ سے نکلتے وقت ملی۔ اسلئے اس بنیاد پر بھی اس سورہ کو مدنی کہنا صحیح نہ ہوگا۔ بالفرض اگر یہ آیات مدنی بھی ہوں تو قرآن سے عدول کرنا جس میں "ھٰذٰانِ" کا مشارٌ الیہ مذکور ہے کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

(۵)

"کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ" کے تحت میں صحیح بخاری میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمت کے کچھ لوگ لائے جائینگے جنکو فرشتے بائیں جانب لیجائینگے (یعنی جہنم میں) میں کہونگا کہ اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب ہیں جواب ملیگا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ تب میں وہی کہونگا جو نیک بندے (عیسیٰ) نے کہا تھا کہ میں جب تک اُنمیں رہا انکا نگران تھا۔ جواب ملیگا کہ جب سے تم نے ان کو چھوڑا یہ برابر مرتد رہے۔

یہ روایت صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ:۔

(۱) قرآن کی رو سے ایسی پیشین گوئی حدودِ نبوت سے خارج ہے اور یہ نبی کا کام ہی نہیں۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو غائر نظر سے دیکھنے کے بعد ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کے متعلق اس قسم کی غیر ضروری پیشین گوئی کریں۔

(۳) عہدِ صدیقی میں بدوی عربوں میں جو روِش منع زکوٰۃ کی پھیلی تھی۔ وہ اس سے مراد نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ

۔فوری ہنگامہ تھا جس کو صحابہ کرام نے چند مہینوں میں دبا دیا۔ اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ما زالوا مرتدین
اعقابھم منذ فارقتھم "جب سے تم نے انکو چھوڑا ہے یہ برابر آخر دم تک مرتد رہے۔
دسو،حضرت علی کو خلیفہ نہ بنانے کی وجہ سے ان کے طرفدار صحابہ کرام کے مخالف ہو گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے
ں یہ روایت موجود ہے کہ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو بجز پانچ کے جملہ صحابہ مرتد ہو گئے"
ان کا اعتقاد ہے کہ وہ ہمیشہ مرتد رہے۔ بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی
یں اُن کے ارتداد کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔ جس سے دشمنانِ صحابہ کی مزید تائید ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم اس
ایت کی وجہ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو مرتد اور جہنمی خیال نہیں کر سکتے۔

(۶)

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ
اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۶۳/۲۱ بُت پرستوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم! کیا تُو نے ہمارے بُتوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟
بلکہ اس بڑے (بُت) نے کیا ہے۔ ان (ٹوٹے ہوئے بتوں) سے پوچھو اگر بول سکتے ہوں۔
اس کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ سے امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں
مگر تین بار۔ انہوں نے کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ بیمار نہ تھے۔ اور اپنی بیوی (سارہ) کو بہن بتایا۔ پھر بتوں کو
توڑا اور جب بُت پرستوں نے پوچھا تو کہا کہ اس بڑے بُت نے توڑا ہے۔
یہ روایت قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم کے متعلق ہے۔
اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۴۱/۱۹ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہایت سچے نبی تھے۔
اللہ جس کو تحقیق کے ساتھ سچا قرار دے یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جو اُسی کی اولاد
ر اُسی کی ملت کے پیرو تھے اسکو کاذب کہیں۔ یہ تین کذب حضرت ابراہیمؑ کے جو بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے
ضرت سارہ کو بہن بنانے کا واقعہ قرآن میں نہیں ہے۔ اور جس طرح پر یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے اس سے صاف طور پر
کا مجہول ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ دوسرا جھوٹ کہ انہوں نے کہا کہ میں بیمار ہوں تو کیا بیماری کوئی ایسی چیز ہے
انسان میں نادر و نایاب ہے؟ ہزارہا قسم کی چھوٹی بڑی بیماریاں ہیں جن سے کمتر کوئی انسان خالی ہوتا ہے
ر اس وقت جبکہ مشرک اُن کو اپنے ساتھ لیجانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی بیماری کا عذر کیا تو اس کو کذب قرار
ینے کی کیا دلیل ہے؟ رہا تیسرا جھوٹ کہ انہوں نے بتوں کو خود توڑا اور الزام لگایا بڑے بُت پر۔ تو یہ طریق
رضِ بحث میں مخالفوں کو ساکت کرنے کے لئے اختیار کیا تھا جس سے بہتر احقاقِ حق کی اور کوئی صورت

علمی لطیفہ!

دیوانہ یا فرزانہ

(از جناب قاضی عبدالعزیز صاحب صہبائی)

کہتے ہیں کہ بغداد کے کسی امیر کے ہاں محفل احباب گرم تھی اور نقل مجلس کیلئے باداموں کا ایک طباق پڑا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک دیوانہ بھی اس مجلس میں آوارد ہوا۔ اور باداموں کے طباق کیطرف دیکھکر پوچھا۔ ما ھذہ؟ (یہ کیا چیز ہے؟) صاحب خانہ نے اسے ٹالنے کے لئے ایک بادام دیدیا۔ دیوانہ نے بادام منہ میں ڈال لیا اور بولا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار (دونوں میں سے دوسرا جبکہ وہ غار میں تھے) امیر نے سمجھا اب یہ دُو چاہتا ہے۔ اس نے دُو بادام اور دیدیئے۔ اب دیوانے کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور وہ بولا فعززنا ھما بثالث (پس ہم نے اس کو تیسرے کی نسبت عزت دی) امیر نے اب کی مرتبہ تین بادام دیدیئے۔ دیوانہ پھر بول اٹھا فخذ اربعۃ من الطیر (پس پکڑ پرندوں میں سے چار) امیر ہنس دیا اور چار بادام دیدیئے۔ دیوانہ پھر بولا۔ خمسۃ سادسہم کلبہم (پانچ چھٹا ان میں سے کتا) امیر نے اور پانچ بادام دیدیئے۔ پھر دیوانہ بولا فی ستۃ ایام (چھ دنوں میں) اب کی مرتبہ امیر نے چھ بادام دیدیئے۔ تب دیوانہ بولا سبع سمٰوات طباقا (سات آسمان تہ بہ تہ) امیر مسکرایا اور سات بادام اور دیدیئے پھر دیوانہ نے کہا ثمانیۃ ازواج (آٹھ جوڑے) امیر نے آٹھ بادام اور دیوانے کی نذر کردیئے۔ اب کی دفعہ دیوانہ نے کہا وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط (اور تھے شہر میں نو ٹولے) امیر نے نو بادام پھینک دیئے جنہیں اٹھاکر دیوانہ نے منہ میں ڈال لیا اور چلّا اٹھا تلک عشرۃ کاملۃ (یہ دس کامل) امیر نے اب کی مرتبہ پورے دس بادام دیدیئے۔ پھر دیوانہ بولا۔ احد عشر کوکبا (گیارہ ستارے) امیر نے گیارہ بادام اور دیدیئے دیوانہ بولا ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا (مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینوں کی ہے) اب کی مرتبہ امیر نے بارہ باداموں کی بجائے طباق اٹھاکر دیوانہ کے آگے رکھدیا۔ کیونکہ اس نے سمجھا کہ اگر اس نے واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب پڑھ دیا تو اسکی تکمیل ناممکن ہے۔

خوش قسمت تھا وہ پاگل جس کو قرآن نوک بزبان تھا۔ افسوس آجکل کے ہوشیار بھی قرآن سے محروم ہیں۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

آل پارٹیز حامیانِ کفایتِ قرآن کانفرنس

کئی سال کا عرصہ متقضی ہوا کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ کہ وہ لوگ بھی آپس میں متحد نہیں ہیں جو تنہا قرآن مقدس کے پیرو ہیں۔ اور ماسوا سے قطعاً بے نیاز ہیں۔ حالانکہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ تمام کلمہ گو فروعی اختلافات کو مٹا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں لیکن انتہائی بدقسمتی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ بھی نفاق و تشتت کا شکار ہو رہے ہیں جو کم از کم اس امر میں متفق ہیں۔ کہ قرآن حمید جمیع ضروریاتِ وحی کے لئے کافی اور وافی ہے۔ بہت غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ بدقسمتی سے بعض ایسے لوگ جو کسی نہ کسی گروہ پر مسلط ہو چکے ہیں۔ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے پوری قوم میں افتراق کا موجب بن رہے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں جب بعض دردمند بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کیا تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ جہاں بعض خود پسند اور خود غرض لوگ اپنی خیر اختلاف و افتراق میں دیکھتے ہیں۔ وہاں اکثر واجب الاحترام بزرگ ایسے بھی ہیں۔ جو اتحاد کی خاطر ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مسلم ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کریں۔ ان میں سے بعض دردمند اور مخیر حضرات نے اس مقصدِ جلیل کے حصول کی خاطر مالی امداد کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔ اور بعض اہلِ دل نوجوانوں نے اپنی خدمات بھی وقف کر دی ہیں۔ اور وعدہ کر لیا ہے کہ وہ کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی تمام توجہ مرکوز کر دیں گے میں نہایت مسرت سے اعلان کرتا ہوں کہ بعض معاملہ فہم اور صاحبِ عقل و ذکا دوستوں نے اپنی مفید مشورہ سے ہماری رہنمائی کرنے کا بھی ذمہ اٹھا لیا ہے۔ جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب وہ وقت قریب آ رہا ہے جب ہم کم از کم مقدس قرآن کے عاشقانِ صادق کو ایک پلیٹ فارم پر خوشی و مسرت کے ساتھ بغلگیر ہوتے دیکھیں گے۔

امید ہے کہ عنقریب جلسہ کی تاریخوں کا بھی اعلان کر دیا جائے گا۔

وما توفیقی الا باللہ